SEPTEMBER 200
ماہنامہ
کرن
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتاب
ماہِ مبارک

حمد، یعقوب تصور ۱۱
نعت، نجم عثمانی ۱۱

انٹرویو

ردا القوی سے ملاقات، شاہین رشید ۱۲
دو کا پہاڑہ، فرحان علی آغا ۲۴
پیا کا گھر، تبسم عارف ۱۸
ماں جی، بشریٰ احمد ۳۰

ناول

راہِ جنوں، نگہت سیما ۳۲

*

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	500 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	3500 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	4500 روپے

مکمل ناول

زاویہ نظر، فوزیہ یاسمین ۲۱۲
شورِ حریمِ ذات، صائمہ اقبال ۶۴
سانوں لگ گئی، عطیہ انعام ۱۳۸

ناولٹ

گر مجھ سے محبت ہے، رخسانہ نگار ۱۱۳
فاصلے اور چاہتیں، شگفتہ بھٹی ۲۵۰
ہمیں معلوم ہی کب تھا، رابعہ افتخار ۱۷۶

افسانے

موڑ کا پار، سعدیہ عزیز ۱۷۲
ماہ و سیمیں، شہنیلا صدیقی ۱۰۶
شارٹ کٹ، صائمہ احمد ۵۲
توازن چاہیے، نزہت جبیں ۲۰۱

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو، شعاع عمیر ۲۶۶
یادوں کے دریچے سے، بشریٰ محمود ۲۷۱
مجھے یہ شعر پسند ہے، شگفتہ سلیمان ۲۶۹
مسکراتی کرنیں، ریحانہ علی احمد ۲۷۴
نہلے پہ دہلا، ذوالقرنین ۲۸۵
حسن و صحت، ادارہ ۲۸۲
کرن کا دسترخوان، خالدہ جیلانی ۲۷۸
نامے میرے نام، مدیرہ کرن ۲۸۸

*

Ph. 068-5704367

ستمبر 2007
جلد 30 شمارہ 6
قیمت 35 روپے

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ کرن
37 اردو بازار کراچی

پبلشر و ایڈیٹر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام اشاعت: بی/91، بلاک 'W'، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔
Phone: 2721777, 2726617, 021-2022494 Fax: 2766872

مدیرہ

اداریہ

قارئین کرام! ستمبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
رحمت و مغفرت، عبادات و ریاضت اور نیکیوں کے موسم بہار رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔
یہ وہ ماہ مبارک ہے جس میں رُشد و ہدایت، نسخۂ کیمیا آخری اسلامی صحیفہ قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتارا گیا۔ رمضان المبارک کا ماہ مقدس رحمتوں، برکتوں، سعادتوں کا گراں بہا مجموعہ ہے۔
یہ دین و دُنیا کی بھلائی اور آخرت کی کمائی کا مہینہ ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے۔ اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی و غم خواری کا مہینہ ہے۔
تقویٰ و پرہیز گاری، اللہ کا قرب اس کی رضا، اعتراف بندگی اور اصلاح باطن ہی رمضان اور روزے کی حقیقی روح ہیں۔ ان کا حصول ہی درحقیقت رمضان کا فلسفہ اور روزوں کی فرضیت کا حقیقی مقصد ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماہِ مبارک کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)
اکتوبر کا شمارہ عید نمبر ہوگا۔ قارئین اور مصنفین اپنی تحریریں ہمیں روانہ کر دیں تاکہ عید نمبر میں شاملِ اشاعت ہو سکیں۔

اس شمارے میں،

- ردا تقوی سے شاہین رشید کی ملاقات،
- فرحان علی آغا دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- تبسم علوف کے پیا کے گھر کی باتیں،
- "ماں جی"، بشریٰ احمد کے قلم سے،
- نگہت سیما کا ناول "راہ جنوں" آخری مراحل میں،
- صائمہ اقبال اور فوزیہ یاسمین کے مکمل ناول،
- رخسانہ نگار عدنان، شگفتہ بھٹی، عطیہ انعام الحق اور رابعہ افتخار شیخ کے ناولٹ،
- سعدیہ عزیز آفریدی، صائمہ احمد، شہنیلا صدیقی اور نزہت جبیں ضیا کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

رمضان المبارک کی عبادات اور سحر و افطار کی تیاری پر مشتمل کرن کتاب "ماہ مقدس" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔ استفادہ کریں۔

حمد باری تعالیٰ

کہاں، کیوں، کب سے کیسے اور کیا ہے
یہ ہے جس کے لیے وہ ہی خدا ہے

خیال و فکر انسان کی حدیں ہیں
وہ ذہنوں کی پہنچ سے ماورا ہے

وہ آنکھوں سے تو مستثنیٰ ہے لیکن
سبھی کار دو عالم دیکھتا ہے

سماعت کے لیے رکھتا نہیں گوش
مگر آواز سب کی سن رہا ہے

وہ ربِ دو جہاں ہے نام اُس کا
الم کی رنج کی دُکھ کی دوا ہے

وہی ہے منزلِ آخر سفر کی
اسی کی سمت جاتا راستہ ہے

یعقوب تصور

نعت رسول مقبول ﷺ

تجلّی رخِ صد طور ہو گئی دُنیا
وہ آئے نور سے معمور ہو گئی دُنیا

کھڑے تھے دست بریدہ خدائے ظلم و ستم
غم و الم سے بہت دور ہو گئی دُنیا

بنائے ناز ہوا رشکِ حسنِ صد یوسف
جمالِ جسم پہ مغرور ہو گئی دُنیا

ہے ان کے نام کا چرچا تمام عالم میں
قدم کے فیض سے مشہور ہو گئی دُنیا

وہ ان کی سیرتِ معجز نما وہ طرزِ سخن
وہ سحر کیا تھا کہ مسحور ہو گئی دُنیا

ذلیل و خوار ہوئے ان کی راہ چھوڑ کے ہم
یہ بے سبب نہیں مقہور ہو گئی دُنیا

ہے اہلِ عشق کے وردِ زباں درود و سلام
اس ایک کام پہ مامور ہو گئی دُنیا

نجم عثمانی

ردا نقوی سے ملاقات

شاہین رشید

ردا نقوی کو اس فیلڈ میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے لیکن اس فنکارہ نے اپنی اچھی پرفارمنس سے بہت جلد اپنی جگہ بنالی ہے کہتے ہیں کہ ڈھیر سارے چینلز کی وجہ سے فنکار اپنی جگہ جلدی بنا لیتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ ڈھیر سارے چینلز کی موجودگی میں جگہ بنانا بہت مشکل ہے اس لیے کہ ناظرین سب چینلز نہیں دیکھ پاتے۔

جب ایک چینل تھا تو فنکار ایک رات میں شہرت حاصل کرلیتا تھا اب اگر کوئی فنکار شہرت پاتا ہے تو وہ خالصتاً اپنی صلاحیت سے۔ ردا نقوی کی شہرت بھی ڈرامہ سیریل "سہیلی" کی مرہون منت ہے۔ جس میں انہوں نے ایک وفادار سہیلی کا کردار ادا کیا تھا اور اپنی سہیلی کی نکے نکے کی باتیں سنی تھیں جو کہ آج کل کے زمانے میں ناممکن ہے۔ اس کی تقریباً سو سے زیادہ اقساط تھیں اور اس سیریل کو ناظرین نے پسند بھی کیا تھا۔ ردا نقوی کو اس کے بعد کافی پروجیکٹ ملے اور اب یہ متعدد ڈراموں میں کام کررہی ہیں۔ آج کل ان کا جو پروگرام سب سے زیادہ مقبول ہو رہا ہے وہ میوزک کا پروگرام "ڈھولک" ہے۔ جس میں نہ صرف یہ کمپیئرنگ کر رہی ہیں بلکہ گاتی بھی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں گلوکاری کی صلاحتیں بھی موجود ہیں بہرحال اس باصلاحیت فنکارہ سے ملتے ہیں۔

❊ "کیسی ہیں ردا اور کیا ہو رہا ہے؟"

★ "بالکل ٹھیک ہوں۔ اللہ کا شکر ہے اور آج کل کئی پروگراموں کے علاوہ "ڈھولک" کر رہی ہوں۔ جو آپ دیکھ ہی رہی ہوں گی۔"

❊ "بالکل دیکھ رہی ہوں۔ بہت اچھی لگ رہی ہیں گانے کے ساتھ ساتھ آپ کا سیریل "سہیلی" کافی اچھا گیا۔ مگر کچھ زیادہ ہی رونا دھونا تھا۔ آپ بھی بہت اچھا روئیں۔"

★ ہنستے ہوئے "بس رونا آجاتا تھا اور آپ یقین کریں کہ سچ مچ رونا آجاتا تھا مجھے گلیسرین لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔"

❊ "ایسے کیسے آجاتا تھا رونا؟ اور وہ بھی سب کے سامنے؟"

★ "بس آجاتا تھا۔ سین کو اپنے اوپر طاری کرلیتی تھی اور سوچتی کہ سچ مچ ایسا ہی ہو رہا ہے تو پھر آجاتا تھا رونا۔ ویسے بھی میں بہت حساس اور چھوٹے دل کی ہوں۔ ہر بات کو گہرائی میں لے جاتی ہوں۔"

❊ "اور کیا کیا کر رہی ہیں؟"

★ "نجی ٹی وی سے "دوسرا سچ" کر رہی ہوں۔ نجی چینل کے لیے ایک سیریل تیار ہوئی ہے "سچ" کے نام سے اب دیکھیں کہ یہ کب آن ایئر آتی ہے اور ایک ڈرامہ سیریز کی تھی نجی چینل کے لیے "انصاف" کے نام سے اس میں بھی میرا اہم رول تھا۔ انصاف میں میں نے لائر کا کردار کیا تھا۔"

❊ "اب تک کن کن لوگوں کے ساتھ کام کر چکی ہیں؟"

★ "میں اب تک کافی لوگوں کے ساتھ یعنی کافی ڈائریکٹرز کے ساتھ کام کر چکی ہوں مثلاً "سیریل "سچ" کاشف صدیقی کر رہے ہیں۔ احسان علی زیدی' بابر قیوم اور عابد علی' عاطف تحسین اور محسن طلعت ان کے ساتھ میں نے زیادہ کام کیا ہے۔"

❊ "سب کو کیسا پایا؟"

★ "بہت اچھا پایا سب ہی بہت اچھے انداز میں کام لیتے ہیں۔ بالکل فیملی جیسا ماحول ہو جاتا ہے اور کام کر کے اچھا محسوس ہوتا ہے۔"

❊ "آپ راشد سمیع کو بھول گئیں؟"

★ "ارے ہاں راشد سمیع کے پروجیکٹ "خدا کی بستی" میں بھی میں نے کام کیا ہے اور ان ہی کی ایک سیریز میں بھی میں کام کر رہی ہوں اور ڈرامہ سیریز عورت کہانی کے بھی ڈرامے میں کام کیا ہے۔ راشد سمیع بھی دیگر پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کی طرح بہت اچھے ڈائریکٹر ہیں۔"

❊ "عموماً" اس فیلڈ میں بھی لوگ اپنا نام بدل لیتے ہیں جب کہ پہلے یہ رواج صرف فلم میں تھا۔ آپ نے بھی اپنا نام بدلا؟"

★ "نہیں جی میں نے اپنا نام نہیں بدلا اور نہ ہی بدلوں گی۔ ویسے مجھے سب پیار سے تمو بلاتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنا نام تمو رکھ لوں مجھے میرے نام ردا نقوی نے بہت عزت و شہرت دی ہے۔"

❊ "اپنے بارے میں اور اپنے بہن بھائیوں کے بارے میں بتائیں کہ کون کون اس فیلڈ میں ہے؟"

★ "پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں بتاتی ہوں کہ میں ۳۰ جون ۱۹۸۴ء میں پیدا ہوئی۔ میرے والدین کا تعلق انڈیا سے ہے۔ میری والدہ تنویر نقوی معروف ماڈل رہ چکی ہیں اور میرے والد گورنمنٹ جاب کرتے ہیں۔ میرا ستارہ کینسر ہے اور میں کراچی یونیورسٹی سے بی سی ایس کر رہی ہوں۔ بہن بھائیوں میں کوئی اس

فیلڈ میں نہیں ہے بہن تو ہے نہیں۔ دو بھائی ہیں میرے اور میں سینڈوچ ہوں۔

❄ "کیا واقعی بیچ والا سینڈوچ بنتا ہے؟"

★ "نہیں بھئی میں تو بالکل بھی سینڈوچ نہیں بنتی بلکہ پہلے نمبر والا بھی اور تیسرے نمبر والا بھی سینڈوچ بن جاتا ہے اور میں مزے کرتی ہوں اور بہت لاڈلی ہوں گھر بھر کی۔"

❄ "اچھا تو پھر خوب ضدیں بھی منواتی ہوں گی؟"

★ "بالکل جی حد سے زیادہ ضدیں منواتی ہوں اور والدین ہی نہیں بلکہ بھائی بھی بہت لاڈ اٹھاتے ہیں اور میری ضدیں پوری کرتے ہیں۔"

❄ "تعلیمی دور میں کیسی تھیں؟"

★ "میں شرارتی بھی تھی اور اچھی بھی تھی اور نہ صرف پڑھائی میں اچھی تھی بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتی تھی۔ جب اسکول میں تھی تو اپنی کلاس میں مانیٹر بھی تھی اور پرفیکٹ بھی تھی اور جب کالج میں آئی تو سی آر بنی اور دیگر سرگرمیوں میں بہت حصہ لیتی تھی۔ ٹیبلو' تقریری مقابلوں میں گانوں کے مقابلوں میں بہت حصہ لیتی تھی اور اس وجہ سے ٹیچرز اور پرنسپل کی نظروں میں رہتی تھی اور مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے کالج کی پرنسپل نے امی سے کہا کہ "میری بیٹی تم لے لو اور اپنی یہ بیٹی مجھے دے دو۔" وہ اب بھی مجھے بہت چاہتی ہیں۔"

❄ "کس قسم کی پرفارمنس میں آپ کو زیادہ مزا آتا ہے "ڈھولک" جیسے پروگرام کر کے یا "سہیلی" جیسے ڈرامے کر کے؟"

★ "اداکاری الگ فیلڈ ہے اور کمپیئرنگ الگ فیلڈ ہے اور دونوں کا اپنا ہی ایک مزا ہے اور "ڈھولک" میں آپ میرا اصلی روپ دیکھ رہی ہیں۔ میں عام زندگی میں بھی ایسی ہی شوخ و چنچل ہوں اور اداکاری میرا شوق ہے اور اداکاری کر کے بھی میں بہت انجوائے کرتی ہوں۔"

❄ "اپنے دونوں روپ جب ٹی وی اسکرین پہ دیکھتی ہیں تو کیسا لگتا ہے؟"

★ "یہی میں آپ کو بتانا چاہ رہی ہوں کہ جب میں اسکرین پہ اپنے آپ کو دیکھتی ہوں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور ایک انجانی سی خوشی ہوتی ہے کہ یہ میں ہوں۔"

❄ "اپنی شکل زیادہ اچھی لگتی ہے یا اپنی پرفارمنس زیادہ دل کو بھاتی ہے؟"

★ "شکل پہ زیادہ دھیان نہیں دیتی کیونکہ شکل تو جو ہے سو ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی' البتہ اپنی پرفارمنس کو زیادہ غور سے دیکھتی ہوں کہ کہاں میں نے اچھی پرفارمنس دی ہے میں تو ایک اداکارہ ہوں۔ ماڈل نہیں ہوں کہ اپنی شکل پہ زیادہ دھیان دوں مجھے تو کردار میں حقیقت کا رنگ بھرنا ہے۔"

❄ "آپ نے کہا کہ میں کوئی ماڈل نہیں ہوں تو کیا ماڈلنگ کا ارادہ نہیں ہے؟"

★ "نہیں میں نے ماڈلنگ نہیں کی اور نہ ہی فی الحال ایسا کوئی ارادہ ہے کیونکہ مجھے ماڈلنگ کا شعبہ زیادہ متاثر نہیں کرتا بلکہ مجھے اداکاری کا شعبہ زیادہ متاثر کرتا ہے اس لیے میں اس شعبے میں کچھ کر کے دکھانا چاہتی ہوں۔"

❄ "گویا اپنے ڈرامے خود دیکھ کر اپنی پرفارمنس کو بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔"

★ "صرف میں ہی اپنے ڈرامے دیکھتی ہوں۔ باقی کسی کو کوئی شوق نہیں ہے میرے ڈرامے دیکھنے کا ہاں امی ذرا شوق سے دیکھتی ہیں کیونکہ وہ اس فیلڈ میں رہ چکی ہیں۔"

❄ "باقی کیوں نہیں شوق سے دیکھتے؟"

★ "اس لیے کہ گھر کی مرغی دال برابر۔ امی تو میری پرفارمنس کو سمجھتی ہیں۔ تعریف تو ڈیڈی بھی کرتے ہیں۔ بس بھائی ہیں جو تنقید کرتے رہتے ہیں کہ کیا کیا ہے۔ یہاں کیسی لگ رہی ہو۔ اس میں ایسے نہیں ایسے رونا چاہیے تھا۔ میرے رونے کے سین دیکھ کر ہنستے ہیں۔"

❄ "وہ کہتے ہوں گے کہ ہم تو رونے نہیں دیتے اور یہ کیا رلائیں گے۔"

★ "وہ کیا رلائیں گے مجھے میں ان کو رلا دیتی ہوں میں نے کہا نا کہ میں سینڈوچ نہیں بنتی بلکہ بنا دیتی ہوں۔"

❄ "سہیلی" میں اور شاید ایک دو اور ڈراموں میں آپ کو ایک بہت ہی اچھی اور فرمانبردار بیوی، بہو دکھایا گیا ہے۔ کیا حقیقت میں ایسی بیویاں ہوتی ہیں۔"

★ "بالکل ہوتی ہیں تب ہی تو کہانیاں وجود میں آتی ہیں اور انشاء اللہ میں تو خود ڈراموں میں دکھائی جانے والی بیوی سے زیادہ اچھی بیوی ثابت ہوں گی۔"

❄ "کیوں نہیں... ویسے ماؤں کی تو عادت ہوتی ہے کہ جہاں بیٹی سولہ سال کی ہوئی بس ان کی شادی کی فکر لاحق ہو جاتی ہے گھر میں کیا سوچ ہے سب کی؟"

★ "ہمارے گھر میں سب کی سوچ بالکل مختلف ہے کیونکہ ہمارا پڑھا لکھا ماحول ہے اور تعلیم یافتہ لڑکیوں کی کسی کو کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ویسے بھی سب کی یہی سوچ ہے کہ جب نصیب میں ہوتا ہے شادی ہو جاتی ہے یعنی ہر کام کے لیے وقت مقرر ہے اور جہاں شادی لکھی ہوئی ہوتی ہے وہیں ہوتی ہے۔ اس لیے ہاتھ پاؤں مارنا فضول ہے۔"

❄ "ہاں اب پتا نہیں لو لکھی ہے یا ارینج... ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟"

★ "ویسے تو اللہ کرے ارینج ہی ہو پھر بھی اگر کسی سے Love ہو گیا تو گھر والوں کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کروں گی۔ یہ ایسا فیصلہ نہیں ہے کہ میں خود کر لوں۔ اس میں گھر والوں کی رضامندی بھی شامل ہوگی۔"

❄ "پھر بھی کوئی آئیڈیل تو ہوگا؟"

★ "آئیڈیل یہی ہے کہ پیسہ ہو نہ ہو مگر محبت ضرور ہونی چاہیے۔ محبت ہو' انڈر اسٹینڈنگ ہو تو زندگی اچھی گزر جاتی ہے۔ ویسے اب آپ سے کیا چھپانا۔ میری منگنی ہو چکی ہے ان کا نام کامران حیدر ہے۔ وہ گلوکار ہیں اور امریکہ میں رہتے ہیں۔ انہوں نے میرا پروگرام ڈھولک دیکھا اور بس میں پسند آ گئی۔"

❄ "مگر پیسے کے بغیر بھی زندگی ادھوری ہے۔ بہر حال یہ بتائیں کہ ٹی وی پہ آمد اپنے ٹیلنٹ سے ہوئی یا امی کی وجہ سے ہوئی؟"

★ "ٹی وی پہ آمد اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ہوئی امی کی وجہ سے نہیں۔ ہوا یہ کہ انٹر کے فائنل ایئر میں جانے والے طلبہ کو ہم نے الوداعی پارٹی دی اور سارا ارینج میں نے کیا اس میں ورائٹی پروگرام بھی تھا جس میں ہم نے معین اختر اور دیگر فنکاروں کو بلایا تھا۔ پروگرام میں' میں نے بھی پرفارم کیا بلکہ میں نے کمپیئرنگ کی تھی اور ہم نے نجی چینل والوں کو بھی بلایا تھا۔ تو جو لوگ آئے تھے انہیں میری کمپیئرنگ اتنی پسند آئی کہ مجھے پہلے نجی چینل والوں نے بلایا اور پھر دیگر لوگوں نے۔"

❄ "بغیر سفارش کے اس طرح بلائے جانے پر خوشی تو بہت ہوئی ہو گی؟"

★ "ظاہر ہے بہت خوشی ہوئی تھی لیکن ایک بات بتاؤں آپ کو کہ امی کی وجہ سے مجھے بہت آفر آتی تھیں لیکن میں انکار کر دیتی تھی کیونکہ میں چاہتی تھی کہ پہلے اپنی پڑھائی مکمل کروں۔"

❄ "تو کیا اب پڑھائی مکمل ہو گئی ہے اور ٹی وی پہ پہلا پروگرام کون سا کیا تھا؟"

★ "نہیں مگر جو بنیادی پڑھائی ہوتی ہے وہ تو ہو گئی تھی اب تو میں کراچی یونیورسٹی کی طالبہ ہوں اور میرے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ میں دیگر سرگرمیوں میں حصہ لے سکوں حصہ تو میں پہلے بھی لیتی تھی مگر ٹی وی کی سرگرمیوں میں نہیں بلکہ کالج کی غیر نصابی سرگرمیوں میں اور میرا ٹی وی پہ باقاعدہ پہلا پروگرام انی میل تھا۔ نجی چینل سے میری نعتیں وغیرہ چلتی رہتی تھیں۔"

❄ "اور ڈرامہ کون سا تھا؟"

★ "ڈرامہ "انصاف" تھا جو کہ ڈرامہ سیریز تھی اور اس میں میں نے لائر کا کردار ادا کیا تھا اس کے بعد ساجد حسن کا "گم" کیا تھا جو کہ نجی چینل سے ٹیلی کاسٹ ہوا تھا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ "سہیلی" اور "ڈھولک" نے مجھے بہت شہرت دی اور صحیح معنوں میں میری

شناخت ہوئی۔"

❀ "اس فیلڈ میں معاوضہ اچھا ملتا ہے یا گزارے لائق؟"

★ "نہیں جی ٹھیک ٹھاک ملتا ہے۔ بچپن میں میں نے ٹی وی کے ایک پروگرام میں گانے کا مقابلہ جیتا تھا تو مجھے پانچ ہزار روپے ملے تھے۔ یہ کوئی معاوضہ نہیں تھا بلکہ انعام تھا ہاں جب باقاعدہ طور پر کام کرنا شروع کیا تو پہلے ۲۵ ہزار' پھر ۵۰ اور پھر بڑھتے چلے گئے اب آکر رک گئے ہیں۔ اب کوئی بہت بڑا کام کروں گی تو بہت بڑا معاوضہ ملے گا۔"

❀ "اتنا پیسہ کما کر کیا کریں گی؟"

★ "پیسہ ہی تو کمانا ہے مجھے کیونکہ مجھے ایک شاندار گھر بنوانا ہے جہاں میں اپنے والدین اور بھائیوں کے ساتھ رہ سکوں۔ مجھے ایک اچھے گھر کی بہت آرزو ہے۔"

❀ "سہیلی" سوپ سیریل تھا کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا؟"

★ "ہاں جی مجھے یاد ہے کہ سہیلی کی ریکارڈنگ کر رہی تھی تو ایک لوکیشن ایسی تھی کہ سامنے شیشہ لگا ہوا تھا جس کے آرپار نظر آتا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ بند ہے یا کھلا ہوا ہے میں تیزی سے اس طرف جاتی ہوئی اتنی زور سے ٹکرائی کہ میری ناک سے خون آنے لگا اور میں وہاں بے ہوش ہو گئی۔ اس وقت تو سب پریشان ہو گئے مگر بعد میں سب نے بہت مذاق بنایا۔ کہنے لگے تمہارے لیے اس شیشے پر کراس کا نشان لگا دینا چاہیے۔"

❀ "شہرت کا کچھ فائدہ بھی ہوا ہے کم سے کم پولیس سے تو پالا نہیں پڑتا ہو گا؟"

★ "نہیں جی فی الحال تو کوئی فائدہ نہیں ہوا ٹریفک پولیس سے واسطہ رہتا ہے پہچان کی بھی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ دو تین مرتبہ موبائل فون پر بات کرتے ہوئے چالان ہوا اور دو تین مرتبہ سگنل توڑتے ہوئے پکڑی گئی تو کہتے ہیں کہ لائسنس دکھاؤ۔ میں نے کہا ہے ہی نہیں کہتے ہیں کہ گاڑی کے کاغذات دکھائیں میں کہتی ہوں "ہیں ہی نہیں" کہتے ہیں "پیسے دیں" میں کہتی ہوں "ہیں ہی نہیں" پھر میں ان سے کہتی ہوں کہ دیکھیں آپ کی وجہ سے مجھے ریکارڈنگ میں دیر ہو رہی ہے اگر کوئی مسئلہ ہوا تو اچھا نہیں ہو گا۔ پھر چھوڑ دیتے ہیں۔"

❀ "فضول خرچ ہیں یا بچت کرتی ہیں؟"

★ "میں بالکل بھی فضول خرچ نہیں ہوں بلکہ اپنا سارا پیسہ گھر بنانے میں لگا رہی ہوں اور جب تک اپنا گھر بنا نہیں لوں گی آرام سے نہیں بیٹھوں گی۔ یہ میری ایک دیرینہ خواہش ہے اور ویسے بھی اگر میں اپنے اوپر خرچ کروں بھی تو زیادہ تر کپڑوں اور جوتوں پہ خرچ کرتی ہوں۔ یا پھر ہینڈ بیگ ضرور لیتی ہوں۔"

❀ "غصے کے معاملے میں کیسی ہیں؟"

★ "اللہ کا شکر ہے کہ ہر وقت غصہ نہیں آتا۔ بہت مدتوں بعد آتا ہے مگر شدید آتا ہے اور آپ یقین کیجیے کہ غصہ کسی پر نہیں اتارتی بلکہ ضبط کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور اس کوشش میں خود بیمار ہو جاتی ہوں اور غصے کی حالت میں مجھے نیند بہت آتی ہے کیونکہ میرا بلڈ پریشر لو ہو جاتا ہے۔"

❀ "اپنی کوئی اچھی اور بری عادت تو بتائیں؟"

★ "اچھی عادت یہ ہے کہ میری کوشش ہوتی ہے کہ سب کو خوش رکھوں اور بری عادت یہ ہے کہ سب کو خوش رکھنے کی کوشش میں اتنی جذباتی ہو جاتی ہوں کہ سب مجھے بے وقوف سمجھنے لگتے ہیں۔ آج کل تو الٹا زمانہ ہے کسی کے ساتھ زیادہ کر لو تو وہ سامنے والے کو بے وقوف سمجھنے لگتے ہیں کہ پتا نہیں شاید اس کو کوئی کام ہے۔ حالانکہ میں دل و جان سے بے لوث محبت کرتی ہوں۔"

❀ "رومینٹک سین کرتے وقت مشکل پیش آتی ہے؟"

★ "نہیں بالکل نہیں کیونکہ ہم اس انداز میں سوچتے ہی نہیں ہیں ہم تو اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں اور سین کے بعد تو ہماری بات چیت بھی بہت کم ہوتی ہے۔"

❀ "فیشن کے بارے میں آپ کی رائے؟"

★ "لوگوں کی نظروں میں لحاظ ختم ہو گیا ہے اور دوسروں کو کم تر سمجھنا بھی آج کل فیشن میں شمار ہوتا ہے اور جہاں تک کپڑوں کا فیشن ہے تو میں تو ایسا فیشن کرتی ہوں جو تہذیب کے دائرے میں ہو اور جو مجھ پر سوٹ کرے اور جو لڑکیاں فیشن میں اوور ہو رہی ہیں اللہ انہیں نیک ہدایت دے اور ان کے دلوں میں شرم و حیا ڈالے اور اپنے مذہب پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب میں کام کرتی ہوں مجھے تبھی تو پسند کیا جا رہا ہے کس وجہ سے؟ میری پرفارمنس کی وجہ سے اگر سب پرفارمنس پر زیادہ توجہ دیں تو زیادہ بہتر ہے۔"

❀ "اس فیلڈ میں سب سے زیادہ متاثر کس نے کیا؟"

★ "معین اختر نے انہوں نے مجھے اپنی بیٹی بنایا ہوا ہے اور جب میں چھوٹی تھی تو وہ مجھے چاکلیٹ بسکٹ۔ گڑیا اور دیگر چیزیں لا کر دیتے تھے اور اب چونکہ زیادہ تر ملک سے باہر رہتے ہیں اور ہمارے گھر سے بھی دور چلے گئے ہیں پہلے وہ گلشن اقبال میں رہتے تھے تو اب ان سے ملاقات کم ہوتی ہے۔ لیکن بہرحال انہوں نے مجھے بہت متاثر کیا۔"

❀ "گویا بچپن کا زیادہ حصہ معین اختر کے ساتھ گزرا کیا ان ہی کو دیکھ کر اداکاری کا شوق ہوا؟"

★ "جی ہاں بچپن کا کافی حصہ ان کے ساتھ گزرا اور ان کو دیکھ کر بھی اور اپنی امی کو دیکھ کر بھی اداکاری کا شوق ہوا مگر میں تو بچپن میں خواہش کرتی تھی کہ میں بڑی ہو کر پائلٹ بنوں۔ مگر افسوس کہ میری دور کی نظر کمزور ہو گئی اور میں پائلٹ نہ بن سکی خیر جو اللہ کرتا ہے بہتر کرتا ہے؟"

❀ "فارغ اوقات میں گھر میں امی کا ہاتھ بٹاتی ہیں؟"

★ "بہت زیادہ اور میں ہر کام کر لیتی ہوں۔ کوکنگ بھی بہت شوق سے کرتی ہوں اور ماشاء اللہ اب تو اتنے مسالے بازار میں آ گئے ہیں کہ ہر کام آسان ہو گیا ہے بلکہ کوکنگ آسان ہو گئی ہے۔"

❀ "بڑی اسکرین پہ جانے کا ارادہ ہے؟"

★ "نہیں جی بڑی اسکرین پہ جانے کا بالکل ارادہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں کا ماحول اچھا نہیں ہے اور بات صرف اداکاری کی ہو تو مجھے کچھ اعتراض نہیں لیکن ہماری فلموں میں عریانیت بہت زیادہ ہے خاص طور پر گانوں میں تو بہت زیادہ عریانیت ہوتی ہے۔"

❀ "ٹی وی میں معاوضہ اپنی مرضی سے لیتی ہیں یا ڈائریکٹر کی مرضی سے؟"

★ "اگر ڈائریکٹر مناسب معاوضہ دے رہا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ڈیمانڈ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر سامنے والا آپ کی ڈیمانڈ پوری کر دے تو ٹھیک ورنہ پھر آپ کی مرضی ہے کہ کریں یا نہ کریں۔ ویسے مجھے تو از خود ہی اتنا اچھا معاوضہ مل جاتا ہے کہ ڈیمانڈ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔"

❀ "فلم کا ماحول تو خراب ہے ہی ٹی وی کا ماحول کیسا ہے؟"

★ "ہاں جی فلم کا ماحول تو خراب سنا ہوا ہے آزمایا نہیں ہے لیکن جہاں تک ٹی وی کے ماحول کی بات ہے تو اس کا انحصار بھی آپ پر ہے۔ مگر پھر بھی ٹی وی کا ماحول بہت اچھا ہے۔ میرے ساتھ تو سب کا سلوک بہت ہی اچھا ہے مجھ سے تو کبھی کسی نے بدتمیزی نہیں کی۔"

❀ "اس فیلڈ میں تقریباً" آپ نے سارے کام کر لیے اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

★ "ہاں جی میں نے سارے ہی کام کر لیے ہیں اب واقعی کوئی ایسا کام نہیں ہے کہ جس کو کرنے کی مجھے خواہش ہو۔ میں نے ماڈلنگ بھی کی ہے بس اب تو کیمرے کے پیچھے جا کر کام کرنا باقی رہ گیا ہے۔"

❀ "اچھا؟ تو گویا جانے کا ارادہ ہے کیمرے کے پیچھے۔"

★ "نہیں فی الحال نہیں کیونکہ میں تو ابھی بہت سا دوسرا کام کرنا چاہتی ہوں جن شعبوں میں کام کر رہی ہوں ان کو پرفیکٹ کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے ردا سے اجازت لی۔

پیا کا گھر پیارا لگے

تبسم عارف

شاہین رشید

تبسم عارف یہ وہ فنکارہ ہیں جو ہر قسم کا رول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں آپ نے انہیں مزاحیہ رول میں بھی دیکھا ہوگا۔ سنجیدہ رول میں بھی۔ اچھی پرفارمر تو ہیں ہی ساتھ ہی بہت اچھی انسان بھی ہیں۔ صحافیوں سے بے حد تعاون کرتی ہیں اور یہ فنکار کی ایکسٹرا کوالٹی ہوتی ہے "پیا کا گھر پیارا لگے" کے لیے آیئے ان سے ملتے ہیں۔

❄ "کیسی ہیں تبسم اور انٹرویو کے لیے وقت دیں گی؟"

★ "میں بالکل ٹھیک ہوں اور انٹرویو کے لیے آپ جب کہیں میں تیار ہوں۔"

❄ "تو پھر ابھی نہ کرلیں؟"

★ "ضرور۔"

❄ "شکریہ، چلیں تو پھر پہلے آپ اپنے میاں صاحب کا پورا نام بتائیں اور پھر یہ بتائیں کہ شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے اور آپ کی پسند سے ہوئی؟"

★ "میرے میاں کا پورا نام عارف عثمان ہے اور میری شادی کو پندرہ سال ہو گئے ہیں اور پسند سے نہیں کہہ سکتے بلکہ ہماری شادی ارینج تھی ایک سال منگنی رہی اور منگنی کے دوران چونکہ بات چیت ہوتی رہتی تھی لہٰذا انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی۔"

❄ "تو پھر بتایئے کہ عارف صاحب سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی اور کیسے رشتہ طے ہوا۔"

★ "میں اپنی فیملی کے ساتھ ایک فیملی ڈنر پر گئی تھی وہاں عارف صاحب نے مجھے دیکھا تھا اس کے بعد ان کی والدہ ہمارے گھر آئیں اور انہوں نے بات چیت کی اور میرا رشتہ مانگا اس طرح رشتہ پکا ہوا اور باقاعدہ منگنی ہوئی اور پھر ایک سال کے بعد شادی ہو گئی۔"

❄ "آپ کی شادی کو ماشاء اللہ پندرہ سال ہو گئے ہیں تو بچے کتنے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟"

★ "میری ایک ہی بیٹی ہے جو "بیکن ہاؤس" میں پڑھتی ہے اس کا نام رُباب ہے۔"

❄ "ہمیں یاد ہے کہ آپ کی پہلی سیریل "پورا چاند" تھی جو کہ کافی مقبول ہوئی تھی۔ اس کے بعد آپ نے طویل گیپ دیا... وجہ؟"

★ "ہاں جی میں نے گیپ دیا کیونکہ میری سوچ یہ ہے کہ بچوں کو پورا وقت دینا چاہیے۔ جب میری بیٹی چھوٹی تھی تو میں نے "پورا چاند" کیا تھا اور اس سیریل کا مجھے بہت اچھا رسپانس بھی ملا تھا اور مجھے بہت زیادہ آفرز بھی ہوئی تھیں لیکن چونکہ میری بیٹی چھوٹی تھی تو میں نے ہر آفرز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر جب میری بیٹی بڑی ہوئی تو تقریباً پانچ سال کے بعد میں نے دوبارہ کام شروع کیا۔ اب بچی ماشاء اللہ بڑی ہے اسکول میں پڑھ رہی ہے اس کی اپنی مصروفیات ہیں تو مجھے کام کرنے میں مشکل پیش نہیں آئی۔"

❄ "آپ کی بیٹی کو اس فیلڈ میں آنے کا شوق ہے؟"

★ "نہیں اسے شوق نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اس نے اس فیلڈ میں کام کیا ہے اس نے دو سیریلز میں کام کیا ہے۔ ان میں ایک کا نام "سدا سہاگن" ہے جو ابھی حال ہی میں ختم ہوئی ہے اور دوسری سیریل "گھر گھروندہ" تھی۔"

❄ "شادی کے حوالے سے آپ پہلے اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں پھر عارف صاحب کا؟"

★ "میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ میرے دو بھائی ہیں اور مجھے ملا کر دو بہنیں ہیں ایک بھائی کینیڈا میں سیٹل ہے جب کہ ایک بھائی اور بہن یہاں پاکستان میں ہیں اور سب شادی شدہ ہیں اور میں گریجویٹ ہوں۔ جبکہ عارف صاحب کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ چار بھائی ہیں اور چونکہ بہنیں نہیں ہیں تو چاؤ چونچلے والی بات نہیں ہوتی بہنیں ہی بھائیوں کے نخرے اٹھاتی ہیں گھر میں لڑکے لڑکے ہوں تو لڑکوں والا ہی ماحول ہو جاتا ہے۔ تو ان کے یہاں بھی کچھ ایسا ہی سسٹم تھا اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ ہمارا اپنا بزنس ہے۔"

❄ "جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں کیا آپ اس بات پر یقین رکھتی ہیں؟"

★ "جی ہاں مجھے بالکل اس بات پر یقین ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ میں پنجابی ہوں اور میرے میاں پٹھان ہیں اور ہمارے خاندان میں اس بات کی کوئی پابندی نہیں ہے کہ ہم رشتہ باہر نہیں کرتے۔ اگر اچھی فیملی ہو تو باہر رشتہ کرنے میں کوئی اعتراض نہیں کرتا اور میں سمجھتی ہوں کہ خاندان سے باہر رشتہ ضرور کرنا چاہیے کیونکہ میڈیکل کی رو سے بھی قریبی رشتے داروں میں شادی کرنے سے بچوں میں ضرور کوئی نہ کوئی فالٹ ہوتا ہے۔ خاص طور پر فرسٹ کزن سے شادی میں عموماً بچے ابنارمل پیدا ہوتے ہیں۔ تو ہمارے یہاں اب خواہ لڑکی کا ہو یا لڑکے کا اگر اچھا رشتہ آرہا ہے تو شادی کر دیتے ہیں۔"

❄ "جوائنٹ فیملی میں آئیں اور کیا بڑی بہو بن کے آئیں؟"

★ "نہیں بڑی بہو بن کے نہیں آئی ان کا نمبر بھائیوں میں دوسرا ہے تو دوسری بہو بن کے آئی اور جوائنٹ فیملی میں نہیں آئی سب بھائی الگ الگ رہتے ہیں اور ویسے عارف کا گھر پشاور میں ہے اور جب ہم پشاور میں جاتے ہیں تو سب ایک ساتھ رہتے ہیں یہاں کراچی میں سب الگ الگ ہیں۔"

❄ "گھر کے ماحول اور سسرال کے ماحول میں کیا فرق پایا؟"

★ "کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے بتایا کہ سب لڑکے ہی لڑکے تھے تو گھر کا ماحول بہت

فرینڈلی تھا کوئی پرانے اور گھسے ہوئے خیالات کا مالک نہیں ہے اور جب میں بیاہ کر آئی تو سب نے مجھے بھرپور طریقے سے ویلکم کیا۔ سب کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا اور بہت اچھا ہے۔ کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ میں اس فیملی میں آئی اور ہم سوچتے ہیں ایسی باتیں کہ کیا ہوگا کیسے ہوگا مگر اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔"

❄ "پیا کا گھر پیارا کرنے کے لیے عورت کو یا بیوی کو کیا کرنا چاہیے؟"

★ "دیکھیں جی گھر بنانے کے لیے قربانی تو عورت کو ہی دینا پڑتی ہے۔ اب جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ جب میں اس فیلڈ میں آئی تو ایک ہی سیریل کے بعد مجھے آگے بڑھنے کے بہت سے چانس ملے جو کہ میں نے چھوڑ دیے اس لیے کہ جب آپ گھر بنانا چاہتے ہیں تو پھر آپ کی ساری توجہ گھر کی طرف ہی ہونی چاہیے۔ میں نے پہلے اپنا گھر بنایا اور جب دیکھا کہ اب میرے پاس وقت ہے اور بچی بھی سمجھ دار ہو گئی

ہے تب میں نے کام کرنا شروع کیا اور اب ویسے بھی ہمارے معاشرے کا ماحول بدل گیا ہے اب ہر کوئی مصروف رہتا ہے اور رہنا چاہتا ہے کیونکہ اگر آپ کچھ نہیں کریں گے تو پھر آپ وقت کیسے گزاریں گے۔ اب وہ وقت نہیں رہا کہ آس پاس پڑوس میں چلے جائیں یا رشتے داروں کے یہاں چلے جائیں اب تو رشتے داروں کے یہاں جانے کے لیے بھی پہلے فون کرنا پڑتا ہے کہ آپ گھر پر ہیں تو ہم آجائیں۔ اس لیے گھر کو اچھا بنانے کے لیے خوش گوار حالات کے لیے ہر ایک مصروف رہنا چاہتا ہے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا ہے۔"

❄ "عموماً" وہ خواتین جو شوبز میں ہیں اور جنہیں اپنا گھر بھی دیکھنا ہوتا ہے وہ رات گئے تک کام نہیں کرتیں کیا آپ بھی ایسا ہی کرتی ہیں؟"

★ "بالکل میں نے بھی کچھ اصول بنائے ہوئے ہیں کام کے میں رات ۱۰ بجے کے بعد کام نہیں کرتی۔ میں جب بھی کوئی سیریل سائن کرنے لگتی ہوں تو پہلے اس بات کی وضاحت کرتی ہوں کہ میں رات ۱۰ بجے کے بعد کام نہیں کروں گی اب جس کو میری یہ شرط منظور ہوتی ہے ان کے لیے میں کام کرتی ہوں۔"

❄ "آپ کے خیال میں بیوی کو بھی کمانا چاہیے؟"

★ "یہ منحصر ہے گھر کے حالات پر ویسے میرے خیال میں اس میں کوئی برائی نہیں ہے اگر بیوی بھی کمائے۔ بات ساری یہ ہے کہ ایک تو آپ مصروف رہتی ہیں پھر زندگی جتنی فاسٹ ہو گئی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ بھی دنیا کے ساتھ چلیں اس لیے اگر بیوی کما رہی ہے تو کیا برائی ہے۔ ہم بچوں کو تعلیم دیتے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ پڑھ لکھ کر گھر بیٹھ جائیں بلکہ اس لیے دیتے ہیں کہ خواہ لڑکی ہو یا لڑکا وہ معاشرے کا ایک فعال حصہ بنیں اور اپنی زندگی کو اچھی طرح گزاریں۔ زندگی میں کسی کے محتاج نہ ہوں۔ ہاں اگر گھر کا ماحول ایسا ہے کہ آپ کا شوہر اجازت نہیں دیتا تو پھر بے شک کام نہ کریں اور اپنے گھر کا ماحول اچھا رکھیں اور بچوں کی تربیت اچھی کریں پڑھی لکھی بیوی گھر کے ماحول کو بھی تو اچھا رکھ سکتی ہے۔"

❄ "آپ دونوں میں لڑائی تو ہوتی ہو گی؟ عموماً" کن باتوں پر ہوتی ہے اور کبھی روٹھ کر میکے گئیں؟"

★ "بالکل ہوتی ہے اور دنیا کے کون سے میاں بیوی ہیں جن کے درمیان لڑائی نہیں ہوتی ہو گی۔ اگر میں کہوں کہ نہیں ہوتی تو یہ بہت بڑا جھوٹ ہو گا اور لڑائی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہوتی ہے اللہ کا شکر ہے کہ کسی بڑی بات پر لڑائی نہیں ہوئی اور روٹھ کر میکے کبھی نہیں گئی۔"

❄ "سوری کرنے کی عادت کس کو ہے آپ کو یا عارف صاحب کو؟"

★ "جب ہماری شادی ہوئی تو ہم دونوں نے کچھ اصول بنا لیے تھے ان میں ایک اصول یہ تھا کہ جس کی غلطی ہو گی وہی سوری بھی کرے گا۔ مطلب یہ کہ اگر میں نے زیادتی کی ہے اور مجھے اس کا احساس ہو گیا ہے تو میں ہی سوری کروں گی اور کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دونوں کی غلطی نہیں ہوتی اور خواہ مخواہ ہی لڑائی ہو جاتی ہے تو پھر میاں صاحب منا لیتے ہیں یعنی ہم دونوں میں کوئی انا کا مسئلہ نہیں بنتا۔"

❄ "مزاج کا کون تیز ہے؟ اور رومینٹک مزاج کون ہے؟"

★ "مزاج کی بات ہے تو یہ ضروری نہیں کہ کوئی ایک ہی تیز ہو یہ تو حالات اور موقع پر منحصر ہوتا ہے کبھی مجھے غصہ جلدی آجاتا ہے کبھی انہیں جلدی آجاتا ہے۔ ہم دونوں ایک وقت میں بہت غصے میں بھی آجاتے ہیں اور ٹھنڈے بھی ہو جاتے ہیں اور رومینٹک مزاج تو ہم دونوں ہی ہیں" (ہنستے ہوئے)

❄ "تحفے تحائف کا تبادلہ خاص موقعوں پر ہوتا ہے یا کسی بھی وقت کچھ دے دیتے ہیں؟"

★ "خاص موقعوں کو ہم بہت اچھی مناتے ہیں اور پہلے میں اہتمام کرتی تھی اب جب سے بیٹی بڑی ہوئی ہے وہ ہمارے لیے اہتمام کرتی ہے اور بہت زیادہ اہتمام کرتی ہے جیسے ہماری شادی کی سالگرہ تھی تو رباب نے مجھے کمرے سے باہر نہیں نکلنے دیا کہ میں

آپ کو اور ڈیڈی کو سرپرائز دوں گی اور پھر اس نے کیک منگوایا اور سارے گھر کو غباروں سے سجایا اور بہت اہتمام کیا اور تحفوں کی تو یہ عادت ہے کہ اگر میں ریکارڈنگ کے سلسلے میں باہر جاتی ہوں تو میں تحفے لے آتی ہوں اور یہ جاتے ہیں تو پھر یہ تحفے لے کر آتے ہیں۔ تو تحفوں کا سلسلہ تو چلتا رہتا ہے۔"

❄ "مرد کو اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے۔ اگر یہ دوسری شادی کرلیں تو آپ کا کیا ردعمل ہو گا؟"

★ "ردعمل کیا ہونا ہے کیونکہ عورت تو کچھ بھی نہیں کر سکتی اور اگر اسلام نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے تو اس کے لیے بھی کچھ شرائط رکھی ہیں یہ نہیں کہ اگر کوئی لڑکی پسند آگئی ہے تو آپ اس سے شادی کرلیں۔"

❄ "تو ہمارے یہاں تو یہی ہوتا ہے شرائط کو کون دیکھتا ہے بس لڑکی پسند آگئی تو ضد پکڑلی کہ شادی کرنی ہی ہے؟"

★ "ہاں یہ تو ہے بس پھر اس بات پر تو میں یہی کہوں گی کہ اللہ نے جو قسمت میں لکھا ہے ہونا تو وہی ہے۔ عورت تو کچھ نہیں کر سکتی میں بڑی بڑی باتیں کروں کہ یہ کردوں گی وہ کردوں گی تو ایسا نہیں ہو سکتا۔"

❄ "بچت کی عادت کس کو ہے؟"

★ "مجھے ہے بہت کنجوس ہوں لیکن اتنی نہیں کہ کچھ خرچ ہی نہیں کرتی بلکہ میں ان چیزوں کی خریداری کرتی ہوں جن کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ جب گھومنے پھرنے جاتی ہوں تو پھر دل کھول کر خرچ کرتی ہوں۔ جبکہ میاں کی عادت یہ ہے کہ اگر ان کی جیب میں پیسے ہیں تو وہ فالتو ساری چیزیں خرید لیں گے۔ اس لیے میں ان کو کہتی ہوں کہ آپ پیسے جیب میں نہیں رکھیں ورنہ خرچ کردیں گے اور وہ خود بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں خرچ زیادہ کرتا ہوں۔"

❄ "کن چیزوں پر زیادہ خرچ کرتے ہیں؟"

★ "کوئی خاص نہیں بس جو چیز پسند آئے لے لیتے ہیں ضروری نہیں کہ گھر کی سجاوٹ کی ہو یا اپنے استعمال کی ہو؟"

❄ "اپنے میاں صاحب کی اچھی اور بری عادت بتائیں؟"

★ "سب ہی عادتیں اچھی ہیں بہت کار پرٹو ہیں۔ کسی بات کی ضد نہیں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں۔"

❄ "آپ سگھڑ ہیں؟ گھر میں پکاتی ہیں یا باہر کھانے کو ترجیح دیتی ہیں؟"

★ "جب تک میں کام نہیں کرتی تھی میں خود ہی کوکنگ کرتی تھی مگر جب سے کام کرنے لگی ہوں اور مصروفیات بڑھ گئی ہیں تو میں نے کک رکھ لیا ہے اور رات کو میں اسے بتا دیتی ہوں کہ تم نے کل یہ پکانا ہے اور جب مجھے فرصت ہوتی ہے یا شوہر اور بیٹی کی فرمائش ہوتی ہے تو خود بھی پکا لیتی ہوں باقی گھر کی دیکھ بھال میری ذمہ داری ہے۔"

❄ "کھانا وقت پر نہ ملے تو کیا کہتے ہیں اور کیا آپ روایتی بیویوں کی طرح کھانے پر ان کا انتظار کرتی ہیں یا کھانا کھا لیتی ہیں؟"

★ "انہیں اگر کھانا وقت پر نہ ملے تو خود گرم کر کے کھا لیتے ہیں۔ رات کا کھانا ہم مل کر کھاتے ہیں۔ البتہ دن میں جو گھر میں ہوتا ہے وہ گھر میں کھا لیتا ہے جو باہر ہوتا ہے وہ باہر کھا لیتا ہے۔"

❄ "اچھی اور خوش حال زندگی کے لیے پیسہ کتنا ضروری ہے؟"

★ "خوش گوار اور خوش حال زندگی کے لیے ذہنی ہم آہنگی زیادہ ضروری ہے۔ اگر آپ میں انڈراسٹینڈنگ ہے تو آپ ہر حال میں خوش رہیں گے۔ پیسہ آپ کو خوشیاں نہیں دیتا اگر ایسا ہوتا تو سب لوگ پیسے سے خوشیاں خرید لیتے۔ گھر کا خوش گوار ماحول آپ کے لیے بہت بڑی دولت ہے۔"

❄ "آپ کی شادی دھوم دھام سے ہوئی تھی؟ کون سی رسم بہت انجوائے کی آپ نے؟ کس سے بور ہوئیں اور کوئی ایسی رسم جو آج بھی یاد ہو؟"

★ "جی ہاں شادی دھوم دھام سے ہوئی۔ جب میں بیاہ کر اپنے شوہر کے گھر آئی تو ان کے یہاں ایک رواج ہے کہ یہ دلہن کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے ایک

بکرا ذبح کرتے ہیں یہ رسم یادگار ہے کیونکہ میں نے کبھی بکرا ذبح ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔"

❄ "اپنا دلہن کا روپ کیسا لگا تھا؟"

★ "اب اپنے بارے میں خود کیا کہوں۔ بہت لوگوں نے بہت تعریف کی اور کہا کہ بہت روپ چڑھا تھا تو جب لوگ تعریف کر رہے تھے تو ٹھیک ہی کر رہے ہوں گے۔"

❄ "کہتے ہیں کہ جب لڑکی دلہن بنتی ہے تو قدرتی روپ آجاتا ہے۔ پھر وہ بیوٹی پارلر کیوں جاتی ہے؟"

★ "دیکھیں پہلے کے رواجوں اور اب کے رواجوں میں بہت فرق آگیا ہے۔ پہلے دلہن کا جوڑا لاکھ لاکھ کا نہیں بنا کرتا تھا۔ پہلے دلہن کا جوڑا بس جوڑا ہوتا تھا اب تو اس کی باقاعدہ نمائش ہوتی ہے۔ اس طرح پارلر کا بھی رواج نکل آیا ہے کہ جی کون سے پارلر سے سج کر آئی ہے تو پارلر سے تیار ہونا ایک اسٹیٹس بن گیا ہے۔ کون سے بوتیک کا جوڑا پہنا ہے تو یہ سب دکھاوا ہو گیا ہے۔ ورنہ دلہن تو دلہن ہی ہوتی ہے اور پہلے دن کی جو دلہن ہوتی ہے اس کا اپنا ہی روپ ہوتا ہے۔ اسے نہ بھی بنا سنواریں اسے روپ چڑھ جاتا ہے۔"

❄ "رخصتی سے ایک دن پہلے آپ کے دل و دماغ میں کیا خیالات گردش کر رہے تھے؟"

★ "رخصتی سے ایک دن پہلے میرا نکاح ہوا تھا اور سب ہی بہت جذباتی ہو رہے تھے اور لڑکی کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ خوش بھی ہوتی ہے اور اداس بھی ہوتی ہے۔ خوشی ہوتی ہے کہ وہ نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے اور اداسی اس لیے ہوتی ہے کہ میکا پرایا ہو جائے گا۔ شادی ایک جوا ہے آپ کو نہیں پتا کہ آپ کو خوشیاں ملیں گی یا غم یہ تو آپ کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہی ملتا ہے اور نئے گھر جا کر سب کو سمجھنے میں بھی وقت لگتا ہے اور مجھے بھی لگا۔"

❄ "شادی سے پہلے لڑکی خواب دیکھتی ہے کہ ہمارا اپنا گھر ہو گا اپنا راج ہو گا وغیرہ وغیرہ آپ کو جاتے ہی سب کچھ مل گیا یا وقت لگا؟"

★ "نہیں مجھے کوئی وقت نہیں لگا یہ سب کچھ حاصل کرنے میں کیونکہ میں بیاہ کر ہی علیحدہ گھر میں گئی۔ اس لیے اپنا ہی گھر تھا۔ سسر کا انتقال ہو چکا تھا ساس آئی تھیں اور شادی کے بعد واپس پشاور چلی گئیں اور میری ساس بہت اچھی خاتون تھیں۔ جب تک وہ حیات تھیں کبھی ہم ان کے پاس چلے جاتے تھے اور کبھی وہ ہمارے پاس آجاتی تھیں اور چونکہ ان کی کوئی بیٹی نہیں تھی تو ان کا سلوک ہمارے ساتھ بہت اچھا تھا اور ویسے بھی وہ بہت سیدھی سادی تھیں اور بہت مخلص تھیں۔"

❄ "ہنی مون کہاں منایا تھا' منہ دکھائی میں کیا ملا تھا اور گھر میں ایک دوسرے کو کس طرح بلاتے ہیں؟"

★ "مری اور بھوربن میں ہنی مون منانے گئے تھے۔ منہ دکھائی میں انگوٹھی ملی تھی اور جناب گھر میں مجھے سب پیار سے تارا کہتے ہیں اصل میں میں جب پیدا ہوئی تھی تو بہت خوشیاں منائی گئیں کیونکہ میرے دادا کی کوئی بیٹی نہیں تھی یعنی میری پھوپھی نہیں تھیں تو جب میں پیدا ہوئی تو دادا نے کہا کہ میرے گھر میں تارا اترا ہے تو بس گھر میں سب نے مجھے تارا کہنا شروع کر دیا۔"

❄ "یہ بتائیں کہ آپ عارف صاحب کو سجی بنی اچھی لگتی ہیں یا سادہ سادہ سی اچھی لگتی ہیں۔"

★ "میں انہیں سجی بنی ہی اچھی لگتی ہوں اور اگر میں گھر میں ہوں اور شام کو ان کے گھر آنے پر تیار نہیں ہوتی تو پوچھتے ہیں کہ کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تیار کیوں نہیں ہوئیں اور مجھے یاد ہے کہ میری امی بھی میرے ابو کے آنے سے پہلے تیار ہوتی تھیں اور اگر نہیں ہوتی تھیں تو وہ بھی امی سے ایسے ہی سوال پوچھتے تھے تو ہمیں شروع سے ہی عادت تھی شام کے وقت نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہننے کی۔"

❄ "گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں؟"

★ "ہاں جی بٹاتے ہیں۔ مگر اس وقت جب میری طبیعت خراب ہو ویسے تو گھر میں نوکر چاکر ہیں مگر اس کے باوجود اگر انہیں کچھ کرنا پڑے تو وہ برا نہیں مانتے یا کچھ کہتے نہیں ہیں اور ہر طرح کا تعاون کرتے ہیں۔"

❄ "شادی کے لیے لڑکے اور لڑکی کا خوب صورت

ہونا ضروری ہے؟"

★ "اس میں دنیاوی سوچ زیادہ ہے اگر آپ حقیقتاً دیکھیں تو جو شکل آج آپ کے پاس ہے وہ دس سال بعد نہیں ہو گی اور جب بڑھاپے میں آتے ہیں تو بالکل ہی بدل جاتے ہیں جب کہ آپ کی عادتیں اور آپ کے اندر کی خوب صورتی مرتے دم تک قائم رہے گی۔ میں تو کہتی ہوں کہ اگر آپ کا اخلاق اچھا ہے تو آپ دنیا میں کامیاب ہیں۔ اس لیے میں تو یہی کہوں گی کہ رشتہ جوڑتے وقت بھی اندر کی خوب صورتی دیکھنی چاہیے۔ اگر خوب صورتی پر گھمنڈ کریں گے تو خوب صورتی تو چند روزہ ہوتی ہے پھر سب نارمل ہو جاتے ہیں۔"

❄ "شاپنگ کے وقت لوگ آپ کو پہچان لیتے ہوں گے۔ آپ کے میاں صاحب کا کیا رد عمل ہوتا ہے؟"

★ "نہیں کوئی خاص رد عمل نہیں ہوتا ہم دونوں شاپنگ کے بہت شوقین ہیں اس لیے جب شاپنگ پہ جاتے ہیں تو اپنے آپ میں ہی مگن رہتے ہیں اور جب لوگ مجھے پہچانتے ہیں تو ان کا رد عمل اس لیے خاص نہیں ہوتا کہ انہیں اس فیلڈ میں آنے کا کوئی شوق نہیں ہے اور اگر مجھے کہیں ڈراپ کرنے بھی جاتے ہیں تو بس باہر ہی باہر سے چلے جاتے ہیں کبھی میل ملاپ نہیں رکھتے۔"

❄ "لڑکی اور لڑکے کے لیے شادی کتنی ضروری ہے؟"

★ "اللہ نے قرآن میں کہا ہے کہ جب لڑکا لڑکی بالغ ہو جائیں تو ان کی شادی کر دینی چاہیے اس لیے کہ انسان اپنے جذبات اور نفس کو نہیں مار سکتا اس لیے اس سے پہلے کہ لڑکا اور لڑکی کوئی غلط کام کریں ان کی شادی کر دینی چاہیے اور شادی اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم اسی راستے پر چلیں جس پر اللہ نے چلنے کو کہا ہے معاشرے میں خرابیاں اور برائیوں کو روکنے کے لیے بروقت شادی بہت ضروری ہے۔"

❄ "جن لڑکیوں کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے ان کے لیے آپ کیا کہیں گی۔ وہ پیا کا گھر پیارا کرنے کے لیے کیا کریں؟"

★ "جو لڑکیاں بیاہ کر دوسرے گھر جائیں وہ یہ سوچ کر جائیں کہ اب میں جس گھر میں جا رہی ہوں وہ ہی میرا گھر ہے اور مجھے اس کے لیے سب کچھ کرنا ہے تو یقیناً لڑکیوں کی زندگی اچھی گزرے گی اگر وہ تیری میری ہی کرتی رہیں گی کہ میری ماں کے گھر میں یہ تھا اور تمہاری ماں کے گھر میں یہ ہے تو لڑائی جھگڑے جنم لیں گے اور زندگی کامیاب نہیں گزرے گی۔ مرد جس بات سے چڑتا ہے وہ "تیری ماں اور میری ماں" کہنے سے چڑتا ہے۔ گھر میں جب بھی کسی بات پر لڑائی ہو اس میں کسی کی ماں بہنوں کو بیچ میں نہیں لانا چاہیے اپنا مسئلہ خود سلجھانا چاہیے لڑکے کے ماں باپ بھی اتنی ہی عزت کے قابل ہوتے ہیں جتنے آپ کے اپنے ماں باپ' آپ عزت دیں گی آپ کو عزت ملے گی۔"

❄ "اور آخری سوال کہ گھونگھٹ اٹھا کر یا کمرے میں آکر میاں صاحب نے پہلا جملہ کیا بولا تھا؟"

★ "اصل میں میرے میاں کو بولنے کی بہت عادت ہے پتا نہیں کیا کیا بولا ہو گا۔ کیونکہ وہ تو مستقل بول رہے تھے اس لیے کہ وہ شرماتے نہیں ہیں فرینڈلی ہیں سب کے ساتھ ہنستے بولتے رہتے ہیں مجھے تو یاد نہیں کہ کیا کہا تھا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے تبسم عارف سے اجازت چاہی۔

✡ ✡

محترمہ آمنہ ریاض اس ماہ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ناول "بساطِ دل" کی قسط نہیں لکھ سکیں۔ لہٰذا قسط شاملِ اشاعت نہیں۔ "بساطِ دل" کی بارہویں قسط اکتوبر کے شمارے میں شائع ہو گی۔ انشاءاللہ!

فرحان علی آغا

شاہین رشید

1 "کوئی دو نام جن کو سن کر آپ کہتے ہوں کہ کاش یہ میرے ہوتے؟"

* "کوئی دو نام؟..... مجھے فہد اور عمران پسند ہیں۔ فہد میرے بیٹے کا نام ہے اور جب اللہ تعالیٰ مجھے دوسرا بیٹا دے گا تو میں اس کا نام عمران رکھوں گا۔"

2 "آپ کے کوئی دو لکی نمبر؟"

* "۹ اور ۹۹۔"

3 "آپ کی دو بری عادتیں جن سے آپ چھٹکارا پانا چاہتے ہوں؟"

* "چھٹکارا پانے والی عادت تو کوئی نہیں ہے۔ ایک عادت یہ ہے کہ جب میں کسی کام کے پیچھے پڑ جاؤں تو پھر اسے کر کے رہتا ہوں اور یہ عادت کہیں کہیں اسٹرونگ پوائنٹ کے طور پر بھی کام کرتی ہے اور کہیں کہیں کمزوری کے بھی اور کوئی بری عادت نہیں ہے۔ جب سے "الرحمٰن الرحیم ڈاٹ کوم" جوائن کیا ہے کوئی بری عادت نہیں رہی ہے۔"

4 "کوئی دو جھوٹ جو بول کر آپ نے جان بچائی ہو؟"

* "نہیں ایسی نوبت نہیں آئی اور اللہ نہ کرے کہ ایسی نوبت آئے۔"

5 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر آپ کو غصہ آجاتا ہے؟"

* "اگر کوئی مجھ سے کمٹمنٹ کرے اور پھر اسے پورا نہ کرے تو مجھے غصہ آجاتا ہے اور اگر کوئی میری ذاتی زندگی میں مداخلت کرے تو مجھے غصہ آجاتا ہے کیونکہ کسی کو اس کا حق حاصل نہیں ہے نہ دین کے حوالے سے اور نہ دنیاوی حوالے سے۔"

6 "کوئی دو دوست جن پر آپ بھروسہ کر سکتے ہیں؟"

* "ایک دوست عمران وحید اور دوسرا شہزاد ہے جن پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔"

7 "کوئی دو تہوار جن کو اہتمام سے مناتے ہیں؟"

* "عید اور اپنی سالگرہ اور شادی کی سالگرہ اس موقع پر کھانا کھانے گھر سے باہر جاتے ہیں ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں۔"

8 "کوئی دو قوانین جن کو نافذ کر کے ملک کو سنوارا جاسکتا ہے؟"

* "اپنے آپ سے اور دوسروں سے سچ بولیں اور اپنے آپ سے اور اپنے ملک سے مخلص ہو جائیں۔"

9 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

* "دوپہر کا وقت کہ لنچ ٹائم ہوتا ہے اور عشاء کا وقت کیونکہ اس وقت ہماری کلاس ہوتی ہے اور اس ماحول کو میں بہت انجوائے کرتا ہوں۔"

10 "کوئی دو کھانے جنہیں کھا کر آپ کبھی بور نہیں ہوتے؟"

* "چکن بریانی اور بھنا ہوا قیمہ بیف کا۔"

11 "کوئی دو چیزیں جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

* "نہیں جی کچھ نہیں حاصل کرنا چاہتا' لیگل طریقے سے مل جائے بہتر ہے۔"

12 "کوئی دو رشتے جنہیں آپ بہت پسند کرتے ہیں؟"

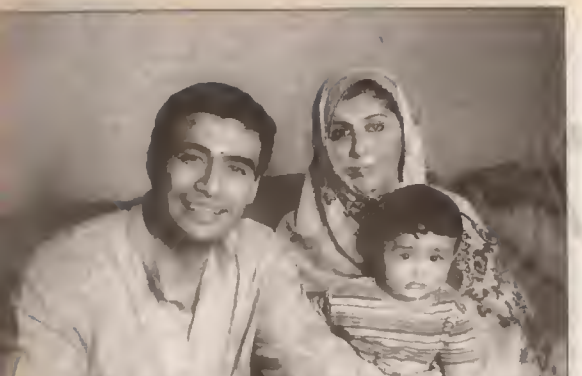

* "دو تو نہیں تین رشتے ہیں ایک رشتہ تو وہ ہے جو میں سمجھتا ہوں کہ ہر خوش نصیب انسان کی زندگی میں ہونا چاہیے جو دینی رشتہ جو ایک استاد کا ہے ایک باپ کا ہے اور وہ رشتہ ہے "بابر چوہدری" صاحب کا جو الرحمٰن الرحیم ڈاٹ کوم" کے روح رواں ہیں میرے لیے یہ رشتہ بہت اہم ہے۔ دوسرا رشتہ گھر میں ماں کے ساتھ ہے اور تیسرا رشتہ بیوی کے ساتھ ہے۔ ان تینوں رشتوں کا میری کامیابی میں میری زندگی میں سکون ۔ اور خیر و برکت میں بہت اہم رول ہے اور میں آج ان ہی کی وجہ سے ایک کامیاب زندگی گزار رہا ہوں۔"

13 "کوئی دو تعریفی جملے جنہیں سننے کی خواہش ہو؟"

* "آپ کی اداکاری میں نکھار آگیا ہے اور یہ کہ آپ میں بہت پوزیٹو تبدیلی آگئی ہے۔ یہ جملے مجھے سننا اچھا لگتا ہے۔"

14 "کوئی دو ڈرامے جن سے آپ کو بہت زیادہ شہرت ملی ہو؟"

* "دو نہیں تین ڈرامے ہیں۔ "دل دریا دہلیز" کٹھ پتلی" اور "تاجیہ۔"

15 "آپ کی زندگی کے دو خوب صورت دن؟"

* "ایک چھٹی کا دن اور ایک وہ دن جو کبھی کبھار ہی آتا ہے جب آپ چھوٹی چھوٹی خوشیاں بانٹ رہے ہوتے ہیں اور یہ دن اچانک ہی آجاتا ہے اور اس دن کچھ کر کے عجیب سا احساس ہو رہا ہوتا ہے کہ ہم نے زندگی میں کوئی اچھا کام کیا ہے۔"

16 "کوئی دو فنکار جن کے ساتھ کام کرنے کو آپ ہمیشہ ترجیح دیتے ہیں؟"

* "نہیں ایسا نہیں ہوتا ہاں اگر میں بحیثیت پروڈیوسر کے کام کر رہا ہوں تو ضرور ترجیح دوں گا کہ کاسٹنگ میرے ہاتھ میں ہو گی لیکن اگر آپ دوسروں کی مرضی

سے کام کر رہے ہوتے ہیں یا تو آپ کام کرنا قبول کر لیتے ہیں یا نہیں کرتے۔"

17 "کوئی دو فلمیں جو آپ نے بار بار دیکھی ہوں؟"

* "امیتابھ بچن مجھے پسند ہیں ان ہی کی فلمیں میں نے بار بار دیکھی ہوں گی "ڈان" بار بار دیکھی اور "ہیرا پھیری" بار بار دیکھی ہیں۔"

18 "کوئی دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتے؟"

* "موبائل فون اور دوسرا موبائل فون یعنی دونوں موبائل فون لے کر نکلتا ہوں۔"

19 "کوئی دو الفاظ جو بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں؟"

* "بہت مشکل سوال ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہ جو میں بہت زیادہ استعمال کرتا ہوں۔"

20 "دنوں میں سے کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

* "اتوار اور جمعہ۔"

21 "اپنے گھر میں کون سی دو جگہیں اچھی لگتی ہیں؟"

* "اپنا بیڈ روم اور دوسرا والد کا کمرہ۔"

22 "گھر کے کوئی دو کام جو آپ کرنا پسند نہیں کرتے؟"

* "ایک تو یہ کہ جب کوئی آئے تو دیکھنا پسند نہیں کرتا کیونکہ جس دن میں گھر پر ہوتا ہوں آرام ہی کر رہا ہوتا ہے اس دن کوئی مخل ہو جائے تو پسند نہیں اور آرام کر رہا ہوں اور بازار سے کچھ لانا پڑ جائے۔"

23 "کوئی دو ملک جن کی ترقی سے آپ بہت متاثر ہوں۔"

* "پاکستان، ہمارے ملک نے بہت ترقی کی ہے اور کئی کام ایسے ہوئے ہیں جو گزشتہ کئی سالوں سے نہیں ہو رہے تھے اور دوسرا ملک ملائیشیا۔"

24 "کوئی دو رنگ کے لباس جو آپ کو پسند ہوں؟"

* "کالا اور سفید۔"

25 "کوئی دو چیزیں آپ کے بیگ یا والٹ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

* "میری اور میری بیگم کی تصویر اور پیسے۔"

26 "کوئی دو افراد جن پر گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکنے کو دل چاہتا ہے؟"

* "نہیں ایسا تو میں کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔"

27 "اپنے ملک کی کون سی دو تفریح گاہیں پسند ہیں۔"

* "اپنے شہر کی بتا سکتا ہوں ان میں پارکس اب ہمارے شہر میں بھی بہت اچھے اچھے پارک بن گئے ہیں اور دوسرا سی ویو۔"

28 "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم اچھے لگتے ہیں؟"

* "سردی اور بہار کا۔"

29 "لڑکیوں کی دو ناپسندیدہ باتیں۔"

* "غیر ضروری باتیں بہت کرتی ہیں اور وہ بھی فون پر جو کہ مجھے پسند نہیں اور لڑکیوں کو سخت نہیں ہونا چاہیے۔ ان میں نرمی اچھی لگتی ہے یعنی لڑکیوں کو سوفٹ ہونا چاہیے۔"

30 "کوئی دو کردار جو آپ کرنا چاہتے ہیں؟"

* "آرمی کا فورسز کے حوالے سے کوئی بھی کردار کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے والد بھی فورس کے پائلٹ تھے اور میں بچپن سے اس ماحول کو دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔"

31 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام سب سے پہلے کرتے ہیں؟"

* "ناشتا کرتا ہوں اور گھر والوں کو پیار کرتا ہوں۔"

32 "زندگی کے دو بہترین اور دو بدترین سال کون سے تھے؟"

* "بدترین سال وہ تھا جب والد صاحب کا انتقال ہوا تھا اور یہ بدترین پیریڈ دو سال پر محیط تھا اور دو بہترین

سال گزشتہ دو سالوں کو کہوں گا یعنی ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۵ء۔"

33 "آپ کی دو پسندیدہ ویب سائیڈز؟"

* "ایک تو اپنی فرحان علی آغا ڈاٹ کوم Farhan Ali agha .com اور دوسری "الرحمٰن الرحیم ڈاٹ کوم۔"

34 "آپ کے نزدیک دنیا کی دو خوب صورت ترین خواتین؟"

* "جولیا رابرٹ اور لیڈی ڈیانا۔"

35 "والد یا والدہ کی دو نصیحتیں جو آپ نے گرہ سے باندھ لی ہوں؟"

* "دونوں کی یہ ہی نصیحت تھی کہ "والدین کی عزت کریں اور ان کی قدر و قیمت کو جانیں اور دوسری نصیحت یہ کہ زندگی میں دوسروں کو دینا سیکھیں۔"

36 "کون سی دو زبانوں پر عبور حاصل ہے؟"

* "انگریزی اور اردو۔"

37 "کوئی دو پیش گوئیاں جو آپ کے بارے میں سچ ثابت ہوئی ہوں؟"

* "میرے بارے میں پیش گوئی کرنا بہت مشکل کام ہے میں لفٹ کے اینڈی گیئر دے کر رائٹ پر آنا چاہتا ہوں۔ تو اس لیے میرے بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکتا۔"

38 "کوئی دو گرل فرینڈز جنہیں آپ کبھی بھول نہیں سکتے؟"

* "ایسا کچھ نہیں کیا زندگی میں جو ناقابلِ فراموش ہو۔ خاص طور پر ان معاملات میں۔"

39 "کن دو باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں؟"

* "ایک تو الٹی سیدھی چیزیں کھانے سے پرہیز کرتا ہوں اور کسی الٹے سیدھے بحث و مباحثے سے پرہیز کرتا ہوں، جس میں کسی کی غیبت کا عنصر ہو یا سیاسی باتیں ہوں۔"

40 "کون سے دو اخبار یا میگزین آپ شوق سے پڑھتے ہیں؟"

* "میگزین تو میں سب ہی بہت شوق سے پڑھتا ہوں البتہ اخبار میں "نوائے وقت" اور "ڈان" پڑھتا ہوں۔"

41 "دو مہنگے ترین تحفے جو آپ نے کسی کو یا کسی نے آپ کو دیے ہوں؟"

* "مہنگے ترین تحفے تو مجھے میری بیگم ہی دیتی ہیں اور میں اگر کسی کو مہنگا ترین تحفہ دیتا ہوں تو اپنی بیگم کو ہی دیتا ہوں۔ فیملی میں ہی سب کچھ تقسیم ہو رہا ہوتا ہے۔"

42 "آج کے دور کے دو گلوکار جنہیں سننا پسند کرتے ہیں؟"

* "جواد احمد اور نجم شیراز۔"

43 "اپنے ملک کے کن دو اداروں کی کارکردگی

اکتوبر کا شمارہ عید نمبر ہو گا۔ حسبِ روایت ہم قارئین سے عید کے حوالے سے سروے کر رہے ہیں۔ سروے کے سوالات یہ ہیں۔

(1) کیا عید کے دن کسی کا انتظار ہوتا ہے؟ اگر ہاں تو کیا وہ انتظار ختم ہو جاتا ہے؟

(2) کیا آپ کے ساتھ ایسا ہوا "خوشبو نُما ر، زندگی بن گئی یہ عید" مختصراً بتائیں؟

(3) "کیا عید اسی کے نغمے سناتی تھی عندلیب" آپ کی ایسی کوئی عید؟

(4) "کیا عید ہے کہ پھول بھی صحن میں کھلا نہیں" ایسی بھی عید آئی؟

(5) عیدی لینے یا دینے سے متعلق کوئی خوش گوار واقعہ؟

ان سوالات کے جوابات اپنی ایک عدد تصویر کے ہمراہ اس طرح روانہ کریں کہ 20 اکتوبر تک ہمیں موصول ہو جائیں۔

سے آپ مطمئن ہیں؟"
* "نہیں جی کوئی ادارے ایسے نہیں ہیں کہ جن کی کارکردگی سے مطمئن ہوا جاسکے۔"
44 "کوئی دو خواہشات جو آپ کے والدین نے یا آپ کی بیگم نے پوری نہ کی ہوں؟"
* "نہیں کہیں ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔"
45 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سی دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتے ہیں؟"
* "میں تو جی پانچوں وقت کی نمازیں باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔"
46 "دو پسندیدہ کھلاڑی؟"
* "عمران خان اور وسیم اکرم۔"
47 "بیرون ملک شاپنگ میں کون سی دو چیزیں لازمی خریدتے ہیں؟"
* "جوتے اور کلون۔"
48 "کوئی دو مشروب جو آپ کے لیے آب حیات سے کم نہیں؟"
* "پانی اور چائے۔"
49 "کوئی دو جرائم جنہیں ہوتے ہوئے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو؟"
* "کار اور موبائل فون چھینتے ہوئے دیکھا ہے۔"
50 "شادی کی کوئی دو رسمیں جو آپ انجوائے کرتے ہوں؟"
* "ویسے تو رسمیں مجھے ولیمے اور رخصتی کی ہی پسند ہیں۔ کیونکہ میں یا تو ولیمے میں جاتا ہوں یا اس دن جب نکاح ہوتا ہے اور رخصتی ہوتی ہے جاتا ہوں دیگر رسومات میں نہیں جاتا۔"
51 "خاندان کی کوئی دو ایسی شخصیات جن سے آپ اپنا ہر مسئلہ شیئر کرتے ہیں؟"
* "والدہ سے کرتا ہوں اور تو میرے خیال میں ایسی کوئی شخصیت نہیں ہے۔"
52 "آپ کی زندگی کے دو اہم مقاصد؟"
* "ایک پاکستانی اور ایک مسلمان ہونے کے ناتے اپنے ملک کو تعمیر و ترقی میں حصہ لینا اور اپنے دین کے پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے۔"
53 "کون سی دو باتیں آپ کا موڈ خراب کردیتی ہیں؟"
* "میرے سامنے کوئی کسی کو برا کہہ رہا ہو اور مجھے معلوم ہو کہ یہ بندہ منافقت کر رہا ہے اور جب میں اپنے ملک کے خلاف کسی کو بولتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میرا موڈ خراب ہوجاتا ہے۔"
54 "کن دو چیزوں سے آپ کو ڈر لگتا ہے؟"
* "جن لوگوں سے ہم محبت کرتے ہیں ان کو کھودینے کا ڈر لگتا ہے اور دوسرا یہ کہ میرے کسی ایکشن سے یا کسی بات سے کسی کا دل نہ دکھے۔"
55 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خیال رکھتے ہیں؟"
* "صاف ستھرے ہوں اور کریز ٹھیک ہو۔"
56 "مشہور شخصیت بننے کے بعد کون سے دو مسائل در پیش ہوئے؟"
* "مسائل تو کوئی نہیں کوئی مجھ سے آکر اچھی طرح ملتا ہے تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔"
57 "معروف شخصیت بننے کے بعد آپ میں کون سی دو تبدیلیاں آئیں؟"
* "کوئی دو تبدیلیاں؟ کوئی تبدیلی نہیں آئی میں جیسا پہلے تھا ویسا اب ہوں میں زمین پر بیٹھ کر بھی چائے پی سکتا ہوں اور بڑے سے بڑے ہوٹل میں بیٹھ کر بھی پی سکتا ہوں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
58 "شادی شدہ زندگی کی دو اچھائیاں یا برائیاں بتایئے؟"
* "اچھائیاں بتا سکتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آپ کی زندگی زیادہ فوکسڈ ہو جاتی ہے کیونکہ احساس ذمہ داری پیدا ہوجاتی ہے اور دوسری بات یہ کہ اگر ہم شادی نہیں کریں گے تو اولاد نہیں ہوگی اور پھر انسان زندگی کی بہت سی خوشیوں سے محروم ہوجاتا ہے۔ اگر ہم شادی کے بندھن میں نہیں بندھیں گے تو بہت

سی چیزوں کا تجربہ نہیں کرپائیں گے۔ شادی کے بعد کسی کے ساتھ چوبیس گھنٹے رہنا اور بانٹنا سیکھتے ہیں اور شادی کے بعد میری زندگی میں بھی بہت تبدیلی آئی ہے۔ شادی سے پہلے مجھے بچے متاثر نہیں کرتے تھے لیکن جب میرا اپنا بیٹا ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ اولاد بہت بڑی نعمت اور خوب صورت چیز ہے۔"
59 "کون سے دو پرفیومز کثرت سے استعمال کرتے ہیں؟"
* "گوچی اور کول واٹر۔"
60 "گھر کے کس فرد سے دو شکایتیں ہیں؟"
* "نہیں مجھے عادت نہیں شکایت کرنے کی۔"
61 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتے ہیں؟"
* "بیوی اور بچے کے ساتھ۔"
62 "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"
* "چیونٹی اور لال بیگ' لال بیگ سے گھن آتی ہے جبکہ چیونٹی کاٹتی ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔"
63 "خواتین کے کوئی دو نخرے جو آپ کو بہت برے لگتے ہیں؟"
* " باہر کسی ملک میں خواتین کو اگر بیٹھنے کی جگہ دیں تو وہ خوش ہوتی ہیں اور شکریہ ادا کرتی ہیں اور اگر اپنے ملک میں خواتین کے ساتھ ایسا کریں تو وہ اس چیز کو اپنا حق سمجھتی ہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی آپ کو عزت دے تو آپ کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ دوسری کوئی بات نہیں۔"
64 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے آپ ہمیشہ شاپنگ کرتے ہیں؟"
* "ڈالمن مال اور پارک ٹاور۔"

✡ ✡

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL

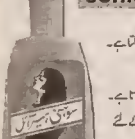

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔
سوہنی ہیئر آئل قیمت=/70 روپے
12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔
1 بوتل کے لئے ---------- =/90 روپے
2 بوتلوں کے لئے ---------- =/160 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/240 روپے
نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2735021

ماں جی

بشریٰ احمد

چار برس کی وہ گول مٹول سی سنہری رنگت والی پیاری سی بچی ابھی اسکول نہیں جاتی تھی۔

تین منزلہ گھر کی سب سے اوپر والی منزل پر کھلی چھت تھی جہاں گرمیوں کی راتیں سکون سے گزرتیں۔ لیکن اس لڑکی کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ اسے اس بلی سے بہت ڈر لگتا تھا جو گولائی میں بل کھاتے زینے میں کبھی کبھار آرام کرتی ملتی تھی ایک رات اس کی امی نے کسی کام سے اسے نیچے بھیجا۔ اپنی امی کی ہر بات وہ فورا" مانتی تھی سو سرہلاتی وہ سیڑھیوں کی طرف آگئی لیکن اب وہی مسئلہ آگے بلی ہو سکتی تھی۔

کافی دیر گزر گئی تو اس کی امی کو خیال آیا کہ بیٹی ابھی تک نہیں آئی وہ اٹھ کر زینے کے پاس آئیں تو زینے کی ریلنگ پکڑے آگے کی طرف جھکی' فراک پہنے بڑی آہستگی سے آواز دے کر پوچھ رہی تھی۔

"آگے کوئی بلی تو نہیں ہے؟" کیا معصومیت تھی کہ بلی سے جواب مانگا جارہا تھا۔ یہ بات نانی اماں جب بھی بتاتی ہیں تو مجھے اپنی امی پر اتنا ہی پیار آتا ہے۔ جتنا اس وقت نانی اماں کو امی پر آیا تھا۔

امی نانا ابا اور نانی اماں کی پہلوٹھی کی اولاد تھیں اور شادی کے چار برس بعد پیدا ہوئی تھیں سو ماں اور باپ دونوں کی ہی خوب لاڈلی تھیں بے جا لاڈ پیار سے بچے بگڑ جاتے ہیں مگر میری امی کے ساتھ اس کے بالکل برعکس ہوا وہ بچپن سے ہی انتہائی فرماں بردار اور سعادت مند اولاد تھیں اس بات کا اعتراف نانا ابا اور نانی اماں آج بھی برملا کرتے ہیں۔

امی پانچ برس کی تھیں جب نانی اماں انہیں اسکول میں داخلہ دلوا آئیں میرے نانا کتابوں میں گم رہنے والے شخص ہیں اور گھر کی ایسی ذمے داریاں زیادہ تر میری نانی اماں نے نبھائی ہیں۔ سو وہی بیٹی کو اسکول لے گئیں ہاں چلتے چلتے نانا ابا نے امی کو کچھ ضروری نصیحتیں ضرور کیں جن میں ذرا آسان فہم نصیحت جو امی کو یاد رہ گئی وہ یہ تھی کہ اپنی استانی کو سلام ضرور کرنا ہے۔

اسکول میں داخل ہوئیں تو سامنے ہی چند ٹیچرز گروپ کی شکل میں کھڑی باتیں کررہی تھیں امی نے سلام کیا تو ٹیچر نے حسب عادت سر ہلا کر جواب دینے پر اکتفا کیا امی کی تسلی نہ ہوئی ایک بار پھر سلام کیا اور جواب کے انتظار میں کھڑی رہیں آخر ایک ٹیچر کی نظر پاس کھڑی بچی پر پڑی سو پیار سے اس کا مسئلہ دریافت کیا۔

"میرے ابو نے کہا تھا کہ مس کو سلام ضرور کرنا ہے میں نے سلام کیا تھا آپ نے جواب نہیں دیا۔" معصومیت سے ہنستے ہوئے وجہ بتائی تو ٹیچر نے ہنستے ہوئے سلام کا جواب دیا یوں ان کی تسلی ہو گئی کہ اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کرلیا یہ ان کا اسکول میں پہلا دن تھا۔

میری امی کی زندگی کی کہانی ان کے مرحوم چچا (جنہیں ہم چھوٹے نانا ابا کہتے تھے) کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ چچا بھتیجی کی ایسی محبت کم از کم آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔ چھوٹے نانا ابا بالکل ہیرو تھے اس زمانے کے سگریٹ پیا کرتے' تھری پیس سوٹ پہنتے اور فراٹے سے انگلش بولا کرتے تھے امی کی اپنے چچا سے بہت دوستی تھی۔ رات کو ان کی گھر واپسی تک امی ان کے انتظار میں جاگتی رہتی تھیں۔ وہ مجلسی شخص تھے رات دیر سے گھر آتے تھے۔ اور پھر دونوں چچا بھتیجی اکٹھے کھانا کھاتے اپنے تمام راز وہ امی کو بتاتے تھے امی نے ان سے بے تحاشا محبت کی وہ بھی امی پر جان چھڑکتے تھے۔

امی کا رشتہ طے کرنے سے لے کر شادی تک کی ذمے داری انہوں نے ہی نبھائی کہ میرے نانا ابا ان معاملات میں ہمیشہ سے ہی پیچھے رہے ہیں!

بہاول پور کی سطح پر میرے نانا ابا ایس ایم یامین انگریزی کی تدریس میں مانا ہوا نام ہیں۔ ان کے شاگردوں میں کالج' یونیورسٹی کے طلباء کے علاوہ پروفیشنل لوگ شامل ہوتے تھے۔ امی کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کہ پیام آنا شروع ہو گئے۔ نانا ابا چونکہ خود درس و تدریس سے منسلک تھے لہٰذا اسی پیشے سے وابستہ شخص کو بیٹی کے لیے منتخب کیا۔

شادی سے کچھ عرصے پہلے امی کے بی اے کے پیپرز تھے شادی کی تیاریوں کے ساتھ امی نے پیپرز دیے ابو نے چھوٹے نانا کی ذریعے کئی بار پیغام بھجوایا کہ رول نمبر دے دیں نمبر معلوم کروالوں گا لیکن چونکہ ابو کا تعلق بھی یونیورسٹی سے تھا سو امی کو خدشہ تھا کہ نمبر معلوم کروانے کے بجائے ابو اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے نمبر بڑھوانہ دیں سو امی کی اصول پسندی آڑے آئی۔ رول نمبر نہیں دیا رزلٹ آیا تو ایک پیپر میں سپلی تھی ابو یہ قصہ آج بھی ہنستے ہوئے سناتے ہیں۔

خیر شادی کے بعد ابو نے جی جان سے پیپر کی تیاری کروائی یوں امی کا پیپر کلیئر ہوا۔ شادی کے بعد امی نے ایک سال ملتان میں گزارا پھر ابو کے ساتھ بہاولپور آگئیں۔ یہاں رہتے ہوئے بھی ان کا سسرال سے تعلق بہت گہرا تھا۔ ہم نے ہمیشہ اپنے ددھیال والوں کو امی کی تعریف کرتے سنا ہے۔ گھر میں کیسے رہا جاتا ہے اور اپنے آس پاس کے لوگوں سے مثالی تعلقات کیسے قائم رکھے جاتے ہیں یہ ہم نے اپنی امی سے سیکھا ہے اپنے سے وابستہ افراد کے دلوں میں جگہ صرف وہی شخص بنا سکتا ہے جس میں کچھ اسپیشل کوالٹیز ہوں اور میری امی مروت' محبت' خیر خواہی' سادگی اور خلوص جیسی صفات سے مالا مال ہیں۔ عام خواتین کی طرح گھریلو سیاست سے قطعی نا آشنا۔

زینب کہتی ہے۔ "میں اپنی نیہا کے ساتھ ویسا تعلق رکھوں گی جیسا تائی اماں کا تم لوگوں کے ساتھ ہے۔"

یہ بہت بڑا کمپلیمنٹ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ماں' باپ نے ہمیں مکمل مثالی زندگی فراہم کی ہے جس میں امی کے ساتھ میرے ابو کو بھی برابر کا کریڈٹ جاتا ہے میرے ابو' میرے دادا کا پرتو ہیں۔

میرے دادا ابا جن سے میں نے دل کی گہرائیوں سے محبت کی ہے ان کے متعلق کچھ بھی لکھنے کے لیے ایک الگ مضمون درکار ہے وہ بہت بڑے عالم تھے۔ عربی اور فارسی پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا۔ ملتان کے اہل ادب ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ ابو بھی ریاضی کے استاد ہونے کے باوجود علم و ادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں ہم بہنوں میں لکھنے کی صلاحیت بھی ابو کی طرف سے آئی ہے مجھے اپنے ماں' باپ سے شدید محبت ہے شادی کے بعد اس محبت میں اور شدت آئی ہے۔

اولاد کی اچھی تربیت کرنا انہیں متوازن شخصیت کے روپ میں پروان چڑھانا اتنا آسان کام نہیں اور جو یہ کام بطریق احسن کر گزرے وہ یقینا" تعریف کا مستحق ہے۔ ہم نے ہمیشہ ہر جگہ اپنے والدین کی تعریف سنی ہے اور والدین کی تعریف سننا اپنی تعریف سننے سے کہیں زیادہ قابل فخر ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ عام ماؤں کی طرح امی ہماری پڑھائی کے پیچھے کبھی ہلکان نہیں ہوئیں ہاں حوصلہ افزائی ضرور کی لیکن اس چیز کو سر پر سوار نہیں کیا۔ بس اولاد کی عزت نفس کا خیال رکھا ان کے من پسند مشاغل میں ان کی رہنمائی کی مار پٹائی تو درکنار ہماری یادداشت میں ایسے لمحے بھی بہت کم ہیں جب امی نے ہم بہن بھائیوں کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کی ہو۔ راشدہ اکثر ہنستے ہوئے کہتی ہے۔

"ہم بچے پیدائشی طور پر سدھرے ہوئے تھے ورنہ امی جیسی نرم مزاج ماں کے ہوتے ہوئے ہمارے بگڑنے کے ٹھیک ٹھاک چانسز تھے۔"

میری امی سراپا محبت ہیں۔ ماں اور اولاد کی محبت تو بالکل فطری بات ہے مگر امی نے ہر رشتے کو محبت اور خلوص سے اتنے مثالی انداز میں نبھایا ہے کہ ان سے وابستہ ہر شخص خود کو ان سے محبت کرنے پر مجبور پاتا ہے۔

مجھے یقینا" اپنی امی کے لیے اپنی دلی جذبات کے اظہار کا قرینہ نہیں آیا۔ بس اللہ سے دعا ہے کہ میرے امی' ابو کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھے اور انہیں صحت و تندرستی سے نوازے۔ (آمین)

☼ ☼

نیو سٹوڈنٹ لائبریری
ہسپتال روڈ صادق آباد
نوٹ کتاب کے اوپر لکھنا منع ہے۔
Ph. 068-5704507

نگہت سیما

داغِ جنوں

نصبہ خان کے والد کی وفات ان کی پیدائش سے پہلے ہوگئی تھی' لہٰذا نصیر خان نے ہوش سنبھالا تو خود کو نانا کے گھر پایا۔ مگر نانا' نانی کی وفات کے بعد ماموں اور ممانی کے برے سلوک کی وجہ سے والدہ کو لے کر الگ ہوگئے۔ افضال ان کے بہت اچھے دوست تھے ان کی والدہ کا سلوک بھی ان ماں بیٹے کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ نصیر خان کی شادی افضال کی والدہ نے اپنی بھتیجی طیبہ سے کرادی۔ جن کے والدین کی وفات ہو چکی تھی اور ایک سوتیلا بھائی صلاح الدین ہے جن کی شادی افضال کی بہن عذرا سے ہوئی ہے۔

نصیر خان اپنے بچوں کے ساتھ پرسکون زندگی گزار رہے تھے کہ ایک ایکسیڈنٹ میں نصیر خان بستر کے ہوگئے اور ایسے میں ان کی بڑی بیٹی گھر کو سنبھالنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور ماں' باپ سے جاب کرنے کی اجازت لے لی۔

میاں صلاح الدین کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے اسفر بچپن ہی سے ننھیال میں رہے لیکن نانی کی وفات کے بعد اپنے گھر آئے۔ صلاح الدین مزاج کے سخت ہیں اور اولاد کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ سخت رہا۔ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے سخت خلاف ہیں۔

(اب آگے ملاحظہ فرمائیں)

۲۹

انتیسویں قسط

شاہ رخ اور زینت فاطمہ نے حویلی میں شاہ جی کے حادثے کی خبر نہیں کی تھی بس اتنا بتا دیا تھا کہ شاہ جی ابھی کچھ دن لاہور میں ہی ٹھہریں گے بی بی جی کا بلڈ پریشر اکثر ہائی رہتا تھا اور شاہ رخ کا خیال تھا کہ وہاں وہ اکیلی ہیں اور اس طرح حادثے کا سن کر وہ پریشان ہو جائیں گی۔ شاہ زیب کو انہوں نے فون کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ لیکن نہ صرف اس کا سیل آف تھا بلکہ وہ اپنے آفس میں بھی نہیں تھا اور زارا کو انہوں نے بتانا مناسب نہ سمجھا تھا جب بھی گھر فون کیا ملازمہ نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔

"میرے خیال میں فون پر بتانا مناسب نہیں۔ بی بی جان کو یقین نہیں آئے گا کہ اب سب ٹھیک ہے۔ میں خود جا کر بتا دیتا ہوں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" زینت فاطمہ نے تائید کی۔

"تم خود ہی چلے جاؤ شاہ رخ اور بی بی جان کو بھی ساتھ ہی لے آؤ۔"

شاہ رخ فوراً" ہی کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کا دل خوشی سے سرشار تھا۔ وہ سب جو ناممکن تھا ہو گیا تھا اور دل جیسے یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ لیکن یہ ہی سچ تھا کہ شاہ جی نے نہ صرف قاسم چاچو کو گلے لگا لیا تھا حمنہ کو قبول کر لیا تھا بلکہ بلند بخت اور شجاع کا رشتہ بھی قبول کر لیا تھا۔

وہ خوشی میں جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پارکنگ کی طرف بڑھنے لگے۔

☼ ☼ ☼

بی بی جان کی آواز تیز چیخ سے کھلی تھی۔ کچھ دیر وہ یونہی بستر پر لیٹی غور کرتی رہیں کہ یہ آواز کہاں سے آئی تھی۔ کیا میں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔ انہوں نے سوچا اور اٹھ کر بیٹھ گئیں اور چاہا کہ میز پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں ڈال کر پئیں کہ اچانک انہیں باہر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی پھر ہلکا ہلکا شور۔

یکدم گھبرا کر انہوں نے دروازہ کھولا کہ شاہ زیب کو جگا ئیں شاہ زیب آج صبح ہی کراچی سے آیا تھا۔ شاہ زیب کو اس طرح اچانک دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔ یوں بھی دو تین دن سے ان کا دل بے حد گھبرا رہا تھا شاید اس لیے کہ وہ گھر پر اکیلی تھیں شاہ جی بھی لاہور میں ہی رہ گئے تھے چند دنوں کے لیے۔

"اچھا ہوا شاہ زیب تم آ گئے۔ میرا دل بہت گھبرا رہا تھا پتا نہیں کیوں خیریت سے آنا ہوا نا۔"

"جی۔"

"رکو گے نا، زارا کو بھی لے آتے وہاں اکیلی ہو گی تو گھبرائے گی۔"

"اتنے ملازم تو ہیں اور اب تو گلابا ں کو بھی ساتھ لے کر گئی ہوئی ہے کیسا گھبرانا۔"

شاہ زیب کا موڈ انہیں خراب لگا تھا تاہم وہ اس کے آنے سے خوش تھیں اور اس وقت تو انہوں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا کہ شاہ زیب آج رات گھر پر ہی ہے۔ اور دروازے سے باہر قدم رکھا اور پھر ٹھٹک کر رک گئیں۔

وہ یقیناً" شاہ زیب ہی تھا جس نے آہٹ پر مڑ کر انہیں دیکھا تھا۔ اس نے کسی لڑکی کا بازو تھام رکھا تھا جب کہ لڑکی بازو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ باہر جانے والے دروازے کے پاس کھڑی تھی۔

"شاہ زیب یہ کیا ہے کون ہے یہ؟" بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔

شاہ زیب نے مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"بی بی جان آپ اندر جائیں۔"

لیکن بی بی جان نے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

"شاہ زیب۔"

ان کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ شاہ زیب ان کی طرف متوجہ ہوا تو لڑکی کے بازو پر اس کی گرفت کمزور پڑ گئی۔ تب ہی لڑکی نے اپنا بازو چھڑایا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دروازے کی کنڈی کھول کر باہر نکل گئی۔

شاہ زیب بھی اس کے پیچھے لپکا۔ بی بی جان بھی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھیں۔ باہر چبوترے پر بیٹھے شاہ بابا نے چبوترے سے چھلانگ لگائی۔ انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی اکثر راتوں کو وہ ٹہلتے رہتے تھے اس وقت رات کے دو بجے بھی وہ باہر صحن میں ٹہلتے ٹہلتے کچھ دیر کو چبوترے پر بیٹھے تھے۔

"سلمیٰ... سلمیٰ خانم۔"

صحن میں جلتے بلب کی روشنی میں انہوں نے اندرونی دروازہ کھول کر باہر آتی لڑکی کو دیکھا اور پھر اس کے پیچھے ہی شاہ زیب کو باہر نکلتے دیکھا جس نے لڑکی کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

"چھوڑ دو... چھوڑ دو سلمیٰ کو۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر شاہ زیب کو دھکا دیا اور لڑکی کو اپنے پیچھے چھپانے کی کوشش کی۔

"شاہ بابا ہٹ جائیے آگے سے۔"

شاہ زیب نے شاہ بابا کو ایک ہاتھ سے پیچھے کیا ہی تھا کہ بی بی جان نے اس کا بازو تھام لیا۔

"شاہ زیب تم اتنے گر چکے ہو کہ لڑکیوں کو..."

بی بی جان کا بی پی شوٹ کر چکا تھا۔ شاہ زیب نے ان سے بازو چھڑانا چاہا اور بازو جھٹکا۔ بی بی جان اس جھٹکے سے یکدم پیچھے کی طرف گریں اور ان کا سر دروازے سے ٹکرایا۔ دروازے میں کوئی ابھرا ہوا کیل تھا شاید جس نے سر میں زخم کر دیا اور سر سے بہتا خون دیکھ کر شاہ زیب گھبرا گیا اور انہیں تھامتے ہوئے بے چینی سے پکارنے لگا۔

"بی بی جان بی بی جان۔"

بی بی جان کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ شاہ زیب کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

شاہ بابا لڑکی کے گرد بازو حمائل کیے اسے اپنی کوٹھری کی طرف لے جا رہے تھے۔ لیکن شاہ زیب کا سارا دھیان اب بی بی جان کی طرف تھا جو شاید بے ہوش ہو چکی تھی۔

"تم سلمیٰ یہاں کیسے آ گئیں۔"

اپنی کوٹھری کا دروازہ بند کرتے ہوئے شاہ بابا پوچھ رہے تھے۔

"میں سلمیٰ نہیں ہوں۔" لڑکی وحشت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میرا نام سلمیٰ نہیں ہے۔" اس نے پھر دہرایا۔

"لیکن تم... بالکل سلمیٰ کی طرح لگ رہی ہو۔"

انہوں نے الجھے الجھے انداز میں اسے دیکھا اور پھر اپنے ہاتھوں کو پھیلایا۔ جھریوں بھرے ہاتھ دیکھ کر وہ ہولے سے ہنسے۔

"ہاں میں بھی پاگل ہوں سلمیٰ بھی تو میری طرح بوڑھی ہو چکی ہو گی۔"

وہ غور سے لڑکی کو دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے کئی منظر آ رہے تھے۔ یہ منظر کئی ماہ سے ان کی آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ کبھی انہیں یاد آ جاتا کہ وہ اپنے گھر میں اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ رہتے تھے پھر اور یاد کرنے پر بھی یاد نہ آتا کہ پھر کیا ہوا تھا۔ کبھی وہ تصور میں دیکھتے کہ وہ کسی سے ملنے آ رہے ہیں ان کے ہاتھ میں ربیعہ کا ہاتھ ہے ربیعہ کون تھی انہیں یاد نہ آتا اور پھر ربیعہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا۔

مختلف یادیں مختلف مناظر بکھر بکھر کر ان کے سامنے آتے تھے لیکن اس وقت سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھتے ہوئے

ان سارے بکھرے مناظر میں ربط پیدا ہوتا جا رہا تھا۔

سلمیٰ خانم ان کی بیوی ہیں ربیعہ بیٹی تھی۔ وہ ایک پرسکون زندگی گزار رہے تھے کہ انہیں خیال آیا کہ وہ سلمیٰ خانم کو اعتبار دیں وہ جو اپنی بھابیوں کی تلخ و ترش باتیں بھی سن لیتی ہے اور سر جھکا لیتی ہے اسے بتائیں کہ ان کا بھی ایک خاندان ہے۔ بہت اونچا اور نام والا خاندان اور وہ اپنی شناخت ڈھونڈنے نکلے تھے۔ ربیعہ بھی ان کے ساتھ تھی ضد کرنے لگی تھی رونے لگی تھی تو انہوں نے اسے بھی ساتھ لے لیا تھا۔ کراچی سے وہ ٹرین پر راولپنڈی آئے تھے۔ ایک رات ہوٹل میں گزار کر انہوں نے سلمیٰ خانم کو فون کیا تھا کہ وہ خیریت سے پنڈی پہنچ گئے ہیں اور اب بذریعہ وین یہاں سے آگے جائیں گے پھر۔

ان کے دماغ میں روشنی کے جھماکے سے ہو رہے تھے۔

اس وین کا حادثہ ہو گیا تھا سب مسافر موقع پر ہی ہلاک ہو گئے تھے صرف وہ اور ربیعہ معجزانہ طور پر بچ گئے تھے اور انہیں معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ ربیعہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ جائے حادثہ کے پاس سے گزرنے والے ایک ڈاکٹر نے انہیں اپنی گاڑی میں لفٹ دی تھی اور وہ ان کے ساتھ ہی واپس راولپنڈی آ گئے تھے۔ ڈاکٹر نے اپنے ہی کلینک میں ان کی مرہم پٹی کی تھی چوٹیں گو معمولی تھیں پھر بھی تھوڑا بہت خون تو ضائع ہو گیا تھا پیشانی پر ایک دو اسٹیچز بھی لگانے پڑے تھے۔

"اپنے گھر اطلاع دے دیں۔"

ڈاکٹر نے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

"نہیں میں کراچی سے آیا تھا اور مجھے کسی سے بہت ضروری ملنے کے لیے آگے جانا تھا۔ کراچی میں میری بیوی پریشان ہو جائے گی سن کر اور پھر ان دنوں اس کی حالت بھی ایسی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ ابھی دو دن تک آپ سفر نہ کریں۔ یہاں ہی رہیں میرے کلینک میں۔"

اور پھر دو دن میں ہی ڈاکٹر مصطفیٰ سے ان کی اچھی خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی اور ربیعہ ان کے بچوں سے بہت مانوس ہو گئی تھی۔ تب دو دن بعد انہوں نے ڈرتے اور جھجکتے ہوئے ڈاکٹر مصطفیٰ سے التجا کی تھی۔

"مجھے صرف ایک دن کے لیے آگے ایک گاؤں میں جانا ہے۔ پتا نہیں کیوں دل میں وہم سے آ رہے ہیں اگر ربیعہ کو میں ایک دن کے لیے چھوڑ جاؤں تو... واپسی پر لے جاؤں گا۔ اس حالت میں جب اس کی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہے۔ پتا نہیں سفر کرنا مناسب بھی ہے یا نہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر مصطفیٰ ازحد مہربان تھے۔

"اس حالت میں بچی کو کہاں لے کر جائیں گے۔ وہ یہاں کلینک میں ہی رہے یوں بھی ابھی اسے تکلیف ہے۔ رات بھی اسے شدید Pain ہوا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ صبح اس کے ایک دو ایکسرے اور کروا لوں۔"

اور وہ ڈاکٹر مصطفیٰ کے بے حد ممنون ہوئے تھے اور پھر۔

وہ بے چین ہو کر کوٹھری میں ٹہلنے لگے۔ لڑکی دونوں ہاتھ گود میں رکھے ساکت بیٹھی تھی اور پھر پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ تو بڑے شاہ جی سے ملنے آئے تھے انہیں کسی چیز کا لالچ تو نہیں تھا وہ تو چاہتے تھے کہ بس شاہ جی انہیں اپنا بیٹا تسلیم کر لیں اور۔۔۔

انہوں نے جھرجھری سی لی۔۔۔ وہ کال کوٹھری وہ اذیت۔ "نہیں نہیں۔" بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔

"مت مارو مجھے۔"

انہوں نے دونوں ہاتھ یوں آگے کیے جیسے کسی کی مار سے بچنا چاہتے ہوں۔

"کیا ہوا ہے آپ کو۔"

لڑکی اپنی پریشانی بھول کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ یہ بزرگ شخص کون تھا۔ وہ شاہ زیب سے بچا کر اسے یہاں لے آئے تھے اور کیا یہاں سے شاہ زیب ابھی آ کر اسے پھر لے جائے گا ابھی تو شاید وہ اس عورت کے زخمی ہو جانے سے پریشان ہو گیا تھا وہ مسلسل سوچ رہی تھی کہ بزرگ شخص کی اس حرکت سے حیران ہو گئی۔

ہاں مجھے شاہ بابا چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"میں۔۔۔ مجھے یاد نہیں میں کون ہوں۔" ان کی آنکھوں میں وحشت سی تھی۔

"مجھے کچھ مت کہو۔" انہوں نے دہرایا تو لڑکی نے پھر اسی حیرانی سے پوچھا آپ کو کیا ہوا ہے۔

شاہ بابا کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔

دھم دھم دماغ پر جیسے ضربیں پڑ رہی تھیں۔

یہ کون سا دن اور تاریخ ہے۔

انہوں نے پوچھا تو لڑکی نے اسی حیرت میں جواب دیا تو بزرگ کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

"اتنا وقت گزر گیا اس قید میں۔ بڑے شاہ جی دا جی سب کہاں ہیں اور میں۔" وہ سوچ میں ڈوب گئے۔

اتنا وقت گزر گیا اور ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔

سلمیٰ۔۔۔ انہوں نے نظر بھر کر سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ وہ سلمیٰ نہیں تھی لیکن سلمیٰ سے ملتی جلتی تھی بہت زیادہ لڑکی یکدم ہی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے جانا ہے پلیز مجھے میرے گھر پہنچا دیں۔ میرے ابا اماں تو مر جائیں گے بلکہ پتا نہیں کتنی قیامت آ چکی ہو گی وہاں کتنے دن ہو گئے ہیں تین نہیں چار" وہ رونے لگی۔ بلک بلک کر رونے لگی۔ شاہ بابا نے بے اختیار بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"نہیں، روؤ نہیں میں لے جاؤں گا تمہیں۔ صبح ہونے ہی والی ہے۔ ہم چپکے سے نکل جائیں گے ادھر پیچھے سے ادھر راستہ ہے مجھے پتا ہے کہاں جانا ہے تمہیں۔"

"کراچی۔"

لڑکی نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے بھی تو کراچی جانا ہے۔ لیکن پہلے پہلے میں راولپنڈی جاؤں گا وہاں سے ربیعہ کو لینا ہے نا۔ لیکن نہیں پہلے تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں پھر ربیعہ کو لینے جاؤں گا۔"

"لیکن نہیں۔۔۔۔ میں جا کر اب کیا کروں گی پلیز بابا جان آپ میرا گلا گھونٹ دیں مار ڈالیں مجھے میں جی کر کیا کروں گی مجھے نہیں جینا ہے اب۔"

وہ بے قراری سے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنی گردن پر رکھنے لگی۔ تو بہت شفقت و محبت سے شاہ بابا اس کے ہاتھ تھام کر اسے بہلانے لگے۔

کتنی معصوم لڑکی ہے کتنی پیاری۔۔۔ اور ضرور بڑے شاہ جی نے اسے بھی قید کر لیا ہو گا۔"

"بڑے شاہ جی تمہارے کیا لگتے ہیں۔" انہوں نے پوچھا۔

"میں تو کسی بڑے شاہ جی کو نہیں جانتی۔ پلیز میرا گلا گھونٹ دیں مجھے مرنے دیں۔"

وہ ابھی بھی رو رہی تھی۔

تقدیر نے اس کے ساتھ کتنا سنگین مذاق کیا تھا کاش اسے کاش اس روز وہ ندا کی گاڑی میں نہ بیٹھتی۔ اس روز وہ سب کتنے خوش تھے۔ وہ لڑکا جس کی گولی سے دوسرا لڑکا مرا تھا اس نے اعتراف کر لیا تھا کہ منصور بے گناہ ہے اور مرنے والا اس کی گولی سے مرا تھا۔ اسے جگر کا کینسر ہو گیا تھا اور مرض کا تب علم ہوا تھا جب مرض لاعلاج ہو گیا تھا۔

اس کے باپ نے ہاتھ جوڑ کر نصیر احمد خان سے معافی مانگی تھی۔

"میرے بچے کی اذیت کم ہو جائے گی وہ بہت اذیت میں ہے خان صاحب اسے معاف کر دیں۔"

"آپ کی یہ معافی میرے بچے کے گم شدہ ماہ و سال واپس نہیں لا سکتی۔ اس کا کیریئر اس کے ضائع شدہ سال۔ لیکن پھر بھی میں نے آپ کے بچے کو معاف کیا اللہ بھی اسے معاف کرے۔"

موت کی اذیت میں مبتلا اس لڑکے نے اپنا بیان ریکارڈ کروا دیا تھا۔ خضر نے بتایا تھا کہ قانونی کارروائی میں شاید ایک دو دن لگ جائیں۔ وہ گھر سے ہو کر وکیل کی طرف گیا تھا۔ پورے گھر میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے برسوں سے جو اداسی اس گھر پر مسلط تھی لمحوں میں وہ اداسی ختم ہو گئی تھی۔ اماں بار بار آنسو پونچھتی تھیں۔

دادی شکرانے کے نفل پڑھ رہی تھیں اور وہ اس کا دل چاہتا تھا وقت کو پر لگ جائیں ساری قانونی کارروائی لمحوں میں ہو جائے اور منصور ابھی اسی وقت خضر کے ساتھ آ جائے۔ اس کی دلی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ کبھی رونے کو جی چاہتا کبھی آپوں آپ ہنس پڑتی۔

"آپی آپ آج ٹیوشن سینٹر جائیں گی کیا۔"

زوبی نے آکر پوچھا تو وہ اس کیفیت سے باہر نکلی۔

"ہاں جانا تو ہے۔"

ابھی ہفتہ بھر ہی تو ہوا تھا یہ ٹیوشن سینٹر جوائن کیے۔ شام چار بجے سے چھ بجے تک صرف جماعت نہم دہم کے بچوں کو فزکس پڑھانا تھی۔

اس نے some thing is better than Nothing پر عمل کرتے ہوئے سینٹر جوائن کر لیا تھا حالانکہ نرمل نے اسے منع بھی کیا تھا۔

"کیم سے میں بھی تو جا رہی ہوں ہسپتال تو پھر تم۔"

"فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے روما اور پھر ہمیں تو بہت ضرورت ہے پیسوں کی زوبی' دانی' موی سب کو پڑھنا ہے ہاتھ میں کچھ زیادہ پیسے آ جائیں تو برا ہے کیا۔"

"اماں کہہ رہی ہیں واپسی پر دادی کے لیے کف سیرپ لیتے آئیے گا۔"

زوبی نے کہا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔

"آج نہ جاؤ ماہ کیا پتا خضر بھائی ابھی منوں کو لے آئیں۔"

"نہیں روما نئی نئی جاب ہے ابھی ایک ہفتہ ہی تو ہوا ہے جوائن کیے ہوئے اور پھر آج تو مشکل ہے منوں کا آنا بہت جلدی بھی ہوئی تو کل تک ہی آئے گا۔ ہمارے ہاں محکماتی کارروائیاں کہاں اتنی جلدی ہوتی ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" نرمل نے تائید کی۔

"لیکن اب یہ وقت کاٹنا کس قدر مشکل ہو رہا ہے۔ چلو اچھا ہے تمہارا کچھ وقت پڑھانے میں کٹ جائے گا۔ ورنہ ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی بن گیا ہے۔"

نرمل نے بات مکمل کی تو وہ تیار ہونے لگی کہ چار بجنے ہی والے تھے۔ چند ہی منٹوں میں تیار ہو کر وہ نصیر احمد خان' دادی اور اماں کو اللہ حافظ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئی۔ دروازے سے قدم باہر رکھتے ہوئے ایک لمحہ کو اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ پاؤں جیسے وہیں جم گئے تھے اور اس کا جی چاہا تھا کہ وہ واپس پلٹ جائے لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالا یہ سب اس جذباتی کیفیت کی وجہ سے ہے جو منصور کی رہائی کی اچانک خبر سن کر سب پر طاری ہو گئی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی جب کہ بالکل اس کے قریب گاڑی کے بریک چرچرائے اس نے سر اٹھا کر دیکھا ندا گاڑی کا دروازہ کھولے جھانک رہی تھی۔

"ہیلو ماہ نور کیسی ہو۔"

"ارے تم ندا یہاں۔" ماہ نور خوش ہو گئی۔

"ہاں بس اُدھر سے گزر رہی تھی سوچا تم سے مل لوں۔ لیکن تم تو شاید کہیں جا رہی ہو۔"

"ہاں ٹیوشن سینٹر جا رہی ہوں تمہیں بتایا تو تھا اس روز کہ میں نے سینٹر جوائن کر لیا ہے۔"

"اوہ ہاں مجھے خیال ہی نہیں آ رہا۔ چلو ایسا کرو بیٹھ جاؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی راستے میں تھوڑی گپ شپ بھی ہو جائے گی۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اس نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا۔

وہ بھی اپنی خوشی اس سے شیئر کرنا چاہتی تھی۔ علینہ کی شادی کے بعد ندا بڑی تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔ دو تین دن بعد اس کے گھر کا چکر لگاتی تھی۔ وہ شروع میں حیران ہوئی تھی۔

"یار تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ ایک علینہ میری دوست تھی وہ بھی میاں کو پیاری ہوئی۔ مما کی اپنی ایکٹیوٹیز ہیں۔ گھر پر بہت بور ہوتی ہوں۔ تم میرے آنے کا برا تو نہیں مانتی ہو؟"

"نہیں تو۔"

ماہ نور اس کے اخلاق اور اخلاص سے بہت متاثر ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے بہت خوش نظر آ رہی ہو۔"

ندا نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ تب وہ اسے منوں کے متعلق بتانے لگی۔

"ارے ارے ندا یہ تم میرے ٹیوشن سینٹر سے آگے نکل آئی ہو باتوں میں مجھے دھیان ہی نہیں رہا بس تھوڑا سا ریورس کر کے مجھے اتار دو۔"

باتیں کرتے کرتے اچانک ہی اس کی نظر اپنے ٹیوشن سینٹر کے بورڈ پر پڑی تھی لیکن بات کرتے کرتے وہ کافی آگے نکل آئی تھی۔

"تمہیں ٹیوشن سینٹر کون لے جا رہا ہے ڈیئر۔" ندا نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا مطلب۔" وہ حیران ہوئی۔

"کچھ نہیں یار۔" ندا ہنس دی۔

"میں نے سوچا تمہیں اپنے گھر لے چلوں گپ لگائیں گے یوں بھی مما تو گھر پر نہیں ہیں۔"

"لیکن ندا۔" ماہ نور پریشان نظر آنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے نئی نئی جاب ہے سر خفا ہوں گے کہ ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا اور چھٹیاں شروع کر دیں پھر ٹیوشن سینٹر کا معاملہ اسکول کی طرح تو نہیں ہے نا پلیز واپس چلو۔"

"کچھ نہیں ہو گا ڈیئر اور تمہارے سر کو میں فون کر دوں گی ہمارے فیملی فرینڈ ہیں۔" ندا کا انداز لاپروائی لیے ہوئے تھا۔

"لیکن اس روز تم نے ذکر نہیں کیا جب میں نے تمہیں ٹیوشن سینٹر جوائن کرنے کا بتایا تھا۔"

ماہ نور مشکوک ہو رہی تھی کہ وہ محض اسے گھر لے جانے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے۔

اس روز مجھے خود پتا نہیں تھا وہ تو اس روز انکل گھر آئے مما سے ملنے کو انہوں نے یوں ہی ذکر کیا کہ انہوں نے النور ٹیوشن سینٹر کھول رکھا ہے۔"

"اچھا۔"

ماہ نور کو اطمینان ہوا لیکن اس نے ندا سے وعدہ لیا کہ وہ اسے گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس ڈراپ کردے گی۔

"اوکے یار کردوں گی اب تم سے دوستی کی ہے تو بھگتنا بھی پڑے گا۔" وہ ہولے سے ہنس دی تھی۔

ندا کا گھر بہت خوب صورت تھا وہ اس سے پہلے کبھی اس کے گھر نہیں آئی تھی۔ ندا نے کبھی کہا ہی نہیں تھا۔ وہ خود ہی آجاتی تھی اس کے گھر ندا نے اسے سارا گھر دکھایا۔

"چلو تمہیں بیس منٹ دکھاتی ہوں۔ مما نے کتنا اچھا ڈیکوریٹ کیا ہوا ہے یہ حصہ۔"

وہ ندا کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ دیواروں کے ساتھ صوفے لگے تھے چھت پر قیمتی فانوس۔ کہیں کہیں شیشے کے سینٹر ٹیبلز صوفوں کے سامنے پڑے تھے۔

"مما کو پارٹیاں ارینج کرنے کا بہت شوق ہے۔ بزنس پارٹیاں ہوں یا فیملی ڈنر یا لنچ سب کا انتظام یہاں ہی کیا جاتا ہے۔"

"یہاں بیس منٹ میں کیا صرف ہال ہی ہے۔" ستائشی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ماہ نور نے پوچھا۔

"نہیں رومز بھی ہیں۔" ندا نے بتایا۔

"یہ ادھر میرا بیڈ روم ہے گرمیوں میں اکثر میں یہاں آجاتی ہوں۔"

ندا نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا سارے کمروں کے دروازے ہال میں ہی کھلتے ہیں۔" ندا نے بتایا۔

وہ اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ بیڈ روم بھی ڈیکوریٹڈ تھا۔ وہ سامنے کی دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھ رہی تھی۔ جب ندا نے کہا۔

"تم رکو میں ابھی آئی۔"

پینٹنگ دیکھ کر وہ مڑی ندا جا چکی تھی۔ وہ پیچھے ہٹ کر صوفہ چیئر پر بیٹھ گئی اور منصور کے متعلق سوچنے لگی۔

" بھلا جب وہ یہ خبر سنے گا تو اس کے کیا تاثرات ہوں گے۔ وہ کہتا تھا کہ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے اور اللہ سب سے بڑا منصف ہے۔" کافی دیر تک جب ندا واپس نہ آئی تو وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

"یہ ندا کہاں رہ گئی ہے اسے واپس بھی جانا ہے۔ دیر ہوگئی اور زوبی یا دائی اس کا پتا کرنے سینٹر پر آئے تو۔۔۔ اس کا امیج کتنا خراب ہوجائے گا کہ گھر سے ٹیوشن سینٹر آنے کا کہہ کر وہ کہاں چلی گئی تھی۔۔۔ مجھے چھ بجے سے پہلے ہی گھر پہنچ جانا چاہیے یا پھر گھر فون کردینا چاہیے کہ میں ندا کے گھر ہوں۔"

اس نے اٹھ کر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ فوراً" ہی اسے احساس ہوگیا کہ دروازہ باہر سے بند ہے لیکن کیوں؟ اس پر یکدم ہی گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی کہیں کچھ غلط ہوگیا ہے دل میں کسی خوف نے چٹکی لی تو اس نے بے چینی سے دروازہ بجا ڈالا۔ باہر ندا سیل فون پر کسی سے بات کررہی تھی۔

"لیجیے شاہ صاحب اب آپ کا کام ہوگیا۔ ایک گھنٹا اسٹاپ پر اس کا انتظار کیا ہے۔"

پھر ہلکی سی ہنسی۔

"ندا' ندا۔"

اس نے زور زور سے آوازیں دیں لیکن اس کی آوازیں کمرے میں ہی گونج کر رہ گئی تھیں۔

"یہ ندا نے ایسا کیوں کیا۔ یہ اس نے مجھے یہاں کیوں بند کردیا۔ وہ تو علینہ کی دوست ہے۔ بہت گہری پھر۔۔۔" پھر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتی۔۔۔ کبھی ٹہلنے لگتی کبھی بے چینی سے دروازہ کھٹکھٹانے لگتی اور جب تھک جاتی تو صوفے پر بیٹھ کر رونے لگتی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہورہے تھے۔ گھر پر تو قیامت آگئی ہوگی۔ اماں ابا دادی نزل یا اللہ میں کیا کروں۔ یہ ندا نے کیوں کیا میرے ساتھ۔"

دعائیں مانگتے مانگتے اس کے ہونٹ خشک ہوگئے تھے۔ روتے روتے اس کا گلا بیٹھ گیا تھا جب اسے باہر آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے بے چینی سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

"ندا۔۔۔ ندا مجھے یہاں سے نکالو۔ ندا پلیز تمہیں اللہ کا واسطہ۔"

پھر کوئی دروازے کے پاس آکر رکا تھا۔

"کون۔۔۔ کون ہے اندر۔" مدھم سی آواز آئی تھی۔

"میں میں ہوں ماہ نور۔"

"کون ماہ نور؟"

مدھم آواز میں حیرت تھی۔ پھر کسی نے دروازہ دھکیلا اور پھر قدموں کی آہٹ آہستہ آہستہ دور ہوگئی وہ جو کوئی بھی تھا چلا گیا تھا۔ اب ہولناک خاموشی تھی وہ بے بسی سے رونے لگی جانے کتنی دیر روتی رہی اسے وقت کا احساس نہ تھا جب دروازے میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلنے کے ساتھ ندا کا چہرا دکھائی دیا۔

"ندا۔۔۔ ندا یہ کیا مذاق تھا تم جانتی ہو میرے گھر میں قیامت۔"

وہ تیر کی طرح اس کی طرف لپکی تھی ندا کے پیچھے شاہ زیب کھڑا تھا۔ نفرت برساتی آنکھیں۔

"ندا۔"

لفظ اس کے ہونٹوں پر ہی منجمد ہوگئے۔ ندا اس کی بات کا جواب دیے بغیر ایک طرف ہوگئی۔ شاہ زیب آگے بڑھا۔

"نہیں۔" وہ پیچھے ہٹی۔

لیکن شاہ زیب نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اس کی انگلیاں اس کے بازوؤں میں کھبی جارہی تھیں وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یا اللہ مجھے موت۔۔۔"

شاہ زیب نے بائیں ہاتھ میں موجود رومال اس کے چہرے پر رکھا۔ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے کسی خاتون کی آواز سنی تھی۔ رومال کلوروفارم میں بھیگا ہوا تھا۔

"بہت زبردست شاہ صاحب جب دل بھر جائے تو غریب خانے پر پھینک جائیے گا کچھ دن ہم بھی دکان چمکالیں گے اس چاند کی روشنی سے۔"

دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک گاڑی میں سفر کررہی تھی۔ اس کے ساتھ پچھلی نشست پر کوئی اور بھی بیٹھا تھا اس کا سر سیٹ کی پشت سے لگا تھا وہ سیدھی ہوئی تھی تو ساتھ بیٹھا شخص چوکنا ہوگیا۔ ڈرائیو کرنے والے نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"سلا دو پھر کوئی مصیبت ہی کھڑی نہ کردے۔"

پھر ساتھ ہی اسے بازو میں سوئی چبھنے کا احساس ہوا تھا۔ سفر کے اختتام پر اسے ایک کمرے میں بند کردیا گیا تھا۔ وہ سوتی جاگتی کیفیت میں رہی۔ کھانا ٹرے میں پڑا رہا لیکن اس نے ایک لقمہ تک نہ لیا۔ صبح پھر سفر شروع ہوا تھا اور سفر سے پہلے انجکشن لگایا گیا تھا۔ یہ لوگ کون تھے۔ وہ انہیں نہیں پہچانتی تھی کیا شاہ زیب اور ندا نے اسے فروخت کردیا سوتے جاگتے ذہن کے ساتھ اس نے سوچا تھا۔ آج صبح وہ اس جگہ پہنچی تھی اور اسے کوٹھری میں بند کردیا گیا تھا۔ باہر وہی دونوں شخص پہرا دے رہے تھے۔

آج اسے نیند کا انجکشن بھی نہیں لگایا گیا تھا۔ کھانا چائے پہنچادی گئی تھی وہ بے حد نقاہت اور تھکن محسوس کررہی تھی اس لیے اس نے چائے پی لی تھی اور چند نوالے کھانے کے بھی کھالیے تھے۔ اس نے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا۔ وہ خود کچھ نہیں کرسکتی تھی صرف اللہ ہی تھا جو اسے بچاسکتا تھا کوٹھری میں اندھیرا پھیلا تو اسے اندازہ ہوا تھا کہ رات ہوگئی ہے۔ اور کچھ دیر پہلے ہی ایک شخص نے کوٹھری کا دروازہ کھولا تھا۔

"چلو شاہ صاحب آگئے ہیں۔"

باہر دوسرا شخص بھی تھا دونوں کی باتوں سے اسے اندازہ ہوا تھا کہ اسے ان دونوں کے ساتھ گاڑی پر بھجوا کر شاہ صاحب خود بائے ایئر آئے تھے۔

ایک بڑا سا صحن عبور کرکے انہوں نے اندر گھر کی طرف کھلنے والے دروازے پر ہولے سے دستک دی تھی دروازہ کھل گیا تھا۔ شاہ زیب دروازے کے اس طرف کھڑا تھا ________ اس نے دیکھا یہاں بھی ایک کھلا صحن اور پھر برآمدہ تھا اور برآمدے میں مختلف کمروں کے دروازے کھل رہے تھے۔

"خاموشی سے چلو۔" مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑے وہ صحن عبور کرنے لگا۔ وہ ششدر سی چل رہی تھی۔

اپنے بیڈروم میں لاکر اس نے زور سے اسے بیڈ پر دھکادیا۔

"تم کیا سمجھتی تھیں ماہ نور بی بی کہ تم مجھے ٹھکرا کر زندہ رہوگی۔ میں تمہارے لیے زندگی کو موت سے بھی بدتر بنادوں گا۔" وہ ہنسا۔

"نہیں، نہیں پلیز مجھے معاف کردو اور مجھے جانے دو اپنے گھر۔"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑدیے تھے۔ سامنے کلاک پر رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا اور تاریخ ___ وہ چونکی تھی آج چوتھا دن تھا اسے گھر سے نکلے آنسوؤں نے پھر یلغار کی۔

شاہ زیب ہنستا ہوا واش روم کی طرف بڑھا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی تھی اور دروازہ کھول کر باہر کی طرف بھاگی تھی شاہ زیب نے آکر اسے بازو سے پکڑلیا تھا جب وہ اندرونی دروازے کے پاس پہنچی تھی۔

"سنو۔" شاہ بابا نے سرگوشی کی۔

"چلو اٹھو نکل چلیں۔"

وہ مشینی انداز میں کھڑی ہوگئی۔ کچھ دیر بعد وہ شاہ بابا کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں کے عقب میں چل رہی تھی اور شاہ بابا ادھر ادھر چوکنی نظروں سے دیکھتے آگے بڑھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

پورے گھر پر موت کی سی خاموشی طاری تھی کبھی کبھی طیبہ خاتون کی سسکی سنائی دیتی اور پھر وہی خاموشی چھا جاتی۔

"چھ دن پورے چھ دن گزر گئے۔"

اس خاموشی کو سلطنی خانم کی آواز نے توڑا۔

"کیا اندھیر ہے ارے کوئی تو خبر لاؤ اس کی زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔"

وہ مسلسل چھ دن سے جائے نماز پر بیٹھی نفل پر نفل پڑھے جارہی تھیں۔ ضروریات کے لیے اٹھتیں اور پھر جائے نماز پر آکر بیٹھ جاتیں۔ ایک قیامت تھی جو اس گھرانے پر ٹوٹ پڑی تھی۔ خضر جب رات کو دکیل سے مل کر نصیر احمد خان کے گھر آیا تو وہ صحن میں وہیل چیئر پر مضطرب سے بیٹھے تھے نرمل کی آنکھیں رورو کر سرخ ہورہی تھیں۔ زوبی اور دانی گھر پر نہیں تھے۔

"کیا ہوا خیریت ہے۔" خضر پریشان ہو گیا۔
"ماہ ٹیوشن پڑھانے گئی تھی واپس نہیں آئی۔"
ایک لمحہ کو خضر ششدر سا کھڑا رہ گیا۔
"ٹیوشن سینٹر سے پتا کیا شاید۔۔۔"
"وہ آج وہاں گئی ہی نہیں۔" نرمل نے بتایا۔
"میں اور دانی گئے تھے پتا کرنے۔ اس کا تو آج جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ منوں کی رہائی کی خوشی میں لیکن مجبوراً گئی تھی کہ نئی جاب ہے۔" نرمل نے تفصیل بتائی۔
"اس کی دوستوں سے پتا کیا۔" خضر کا دل ڈوب رہا تھا۔
"اس کی کوئی ایسی خاص دوست نہیں ہے۔ ایک مسز مراد ہیں اور آج کل ندا سے اس کی دوستی ہے۔"
"کون ندا۔" خضر چونکا۔
"وہ عینا آپی کی فرینڈ ۔۔۔ اکثر آجاتی تھی خود ہی۔"
"اوہ۔"
خضر نڈھال سا ہو کر برآمدے میں پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔
"فون کیا تھا۔"
"ہاں ندا تو تین دن سے ملتان گئی ہوئی ہے اس کے ملازم نے بتایا ہے اور مسز مراد گھر پر نہیں ہیں شاید فون اٹینڈ نہیں کر رہیں۔"
"تو کیا کریں کہاں ڈھونڈیں رات کے آٹھ بجنے والے ہیں۔"
خضر نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل نیچے ہی نیچے ڈوبتا جا رہا ہو۔
"ہسپتال وغیرہ میں پتا کرو بیٹا ایمرجنسی میں شاید کوئی حادثہ۔"
نصیر احمد خان نے لرزتی آواز میں کہا تو خضر یکدم کھڑا ہو گیا۔
"یہ ٹیوشن سینٹر کا مالک کیسا آدمی ہے۔" اس نے بغیر کسی کو مخاطب کیے پوچھا۔
"بہت نیک ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ہے اور اس سینٹر پر صرف فی میل ٹیچرز ہیں اور صرف گرلز کے لیے ہی ہے۔" نرمل نے بتایا۔
وہ خاموشی سے باہر نکل گیا آس پاس بلکہ قدرے فاصلے پر موجود ہسپتالوں میں بھی کوئی حادثے میں زخمی ہو کر نہیں آیا تھا۔ وہ مایوس ہو کر گھر آیا تو مسز مراد بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔
"کچھ دیر پہلے ہی نرمل کا فون ملا تو میں آگئی خضر مجھے تم سے تنہائی میں بات کرنا ہے۔"
اور پھر مسز مراد نے انہیں بتایا کہ مجھے شک ہے کہ ماہ نور میڈم سفینہ کے گھر قید ہے۔
"میڈم سفینہ۔۔۔ یہ نام۔"
خضر کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ ندا کی والدہ۔
"میں آج شام مغرب کے بعد میڈم سفینہ کے گھر گئی تھی۔" مسز مراد نے سر جھکا لیا۔
"ایک روز پہلے میں وہاں اپنا پرس بھول آئی تھی وہی لینے گئی تھی۔ دراصل میڈم سفینہ نے گھر کے بیس منٹ میں ایک کلب بنا رکھا ہے۔ بظاہر وہاں خواتین اپنی پریشانیاں دور کرنے جاتی ہیں۔ لیکن درپردہ۔۔۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
اس روز جب اس اجنبی لڑکی نے انہیں میڈم سفینہ سے ملوایا تھا تو انہیں ہرگز معلوم نہیں تھا کہ میڈم سفینہ

کے کلب میں جا کر وہ کس جال میں پھنس جائیں گی۔
"یہاں ہر شخص فرسٹریشن کا شکار ہے۔" میڈم سفینہ نے اس سے کہا تھا۔
" فرسٹریشن اور ٹینشن دور کرنے کے لیے میڈم سفینہ نے کیا انتظام کر رکھا تھا۔ تب تک مسز مراد نہیں جانتی تھیں۔
"پلیز مسز مراد۔"
خضر چاہ رہا تھا کہ وہ لمحوں میں سب جان لے۔
"میں نے وہاں ایک کارنر کے پاس اپنا پرس رکھا تھا وہ ویسے ہی پڑا تھا۔ وہاں چیزیں گم نہیں ہوتیں۔" انہوں نے ایک گہری سانس لے کر خضر کی طرف دیکھا۔
"آج فرائی ڈے ہے اور فرائی ڈے کو کلب بند ہوتا ہے۔ اس لیے وہاں کوئی نہیں تھا۔ کلب صرف ویک اینڈ ہی کھلتا ہے۔ میں واپس مڑ رہی تھی کہ مجھے لگا کہ بائیں طرف ہال کے آخری سرے پر جو کمرا تھا کوئی اس کا دروازہ بجا رہا تھا۔ میں وہاں گئی دروازہ کھولنا چاہا تو وہ لاک تھا اندر کوئی تھا کوئی لڑکی۔ میں نے پوچھا تھا اندر کون ہے تو ایک روتی ہوئی سی آواز آئی تھی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے اس نے کہا ہو میں ماہ نور ہوں۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن مجھے ایسا ہی لگا تھا میں شاید رک کر کھوجتی کہ میڈم سفینہ بیس منٹ میں آگئیں اور مجھے ان کے ساتھ واپس جانا پڑا لیکن جب میں گھر آئی اور نرمل نے بتایا تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ماہ نور ہی تھی اندر کمرے میں بند وہ وہاں کیسے پہنچی میں نہیں جانتی لیکن خضر کچھ کرو نہیں تو۔۔۔"
ان کی آواز بھرا گئی تھی۔
"میڈم سفینہ تو لڑکیاں باہر عرب ریاستوں میں بھی بھجواتی ہیں۔ جانے کہاں کہاں سے کیسے کیسے اکٹھا کر لیتی ہیں وہ لڑکیوں کو۔"
اور پھر خضر نے کیا نہیں کیا تھا اس کے ایک دوست کے ماموں آئی جی تھے دوست سے کہہ کر بہت اوپر سے آرڈر نکلوا کر جب اگلے روز چھاپا مارا گیا تو میڈم سفینہ کے ہاں سے کوئی بھی نہیں ملا۔ گھر میں صرف وہ اور ان کی بیٹی تھیں۔ شاید کسی مخبر نے انہیں پہلے ہی اطلاع دے دی تھی۔
"یہاں بیس منٹ کے اس ہال میں کبھی کبھار میں کوئی پارٹی ارینج کر لیتی ہوں۔" ان کا کہنا تھا کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا ساری بھاگ دوڑ بے کار گئی تھی ماہ نور کا پتا نہیں چلا تھا افضال حیدر کے علاوہ کسی کو ماہ نور کی گمشدگی کے متعلق نہیں بتایا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی کب تک چھپایا جا سکتا تھا۔
"ہمارا کیا قصور ہے کیا غلطی ہوئی ہے ہم سے جس کی معافی نہیں مل رہی ہمیں۔"
یکایک اس خاموشی کو طیبہ خاتون کی آواز نے توڑا۔
"منوں آیا تو وہ چلی گئی۔ یا اللہ اب تو رحم کر ہم پر نہ جانے میری بچی کس حال میں ہے زندہ بھی ہے یا نہیں۔" وہ زور زور سے رونے لگیں۔
افضال حیدر نے اٹھ کر انہیں تسلی دی۔
"طیبہ تم تو بڑے حوصلے اور صبر والی ہو اللہ سے دعا کرو وہ ہی بہتر کرنے والا ہے۔"
"کیسے حوصلہ کروں۔۔۔ افضال بھائی کیسے صبر کروں۔ نہیں ہوتا صبر مجھ سے۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔"
منصور اپنی جگہ سے اٹھا اور انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ بے حد کمزور ہو رہا تھا اس کی گندمی رنگت سانولی ہو رہی تھی۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس ان کے گرد اپنا بازو حمائل کیے چپ بیٹھا تھا۔ طیبہ خاتون نے اس کی طرف دیکھا۔ کتنی لمبی جدائی کاٹی تھی انہوں نے اور انہوں نے ٹھیک طرح سے اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔ آنسو

بھری آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھیں جب بیل ہوئی یوں لگتا تھا جیسے دروازے پر جو بھی موجود تھا وہ بیل سے ہاتھ اٹھانا بھول گیا تھا۔ افضال حیدر جو کھڑے تھے دروازے کی طرف بڑھ گئے برآمدے سے صحن تک کا فاصلہ ہی کتنا تھا۔ لحموں میں وہ دروازہ کھول چکے تھے۔

"ماہ بیٹا۔" بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

اور پھر سوائے خضر کے سب ہی کھڑے ہوگئے تھے۔ سلمیٰ خانم سجدے میں گر گئی تھیں۔

"کیا ہوا تھا کہاں چلی گئی تھیں۔ میری بچی میری ماہ۔"

گھر میں مختلف آوازیں گونج رہی تھیں سب ماہ کی طرف متوجہ تھے اور کسی نے ماہ نور کے ساتھ آنے والے سفید بالوں والے بزرگ کو نہیں دیکھا تھا۔ سوائے افضال حیدر کے جنہوں نے ان کا ہاتھ تھام کر تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اتنا تو انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ بزرگ ہی ماہ نور کو جہاں بھی تھی وہاں سے بچا کر لائے ہیں۔ کچھ دیر بعد آوازیں مدھم ہوگئیں۔

"تم ٹھیک تو ہو نا۔ کچھ نقصان تو نہیں ہوا۔"

طیبہ خاتون سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔

ماہ نور نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"ماہ بیٹا کچھ بتاؤ تو۔"

افضال حیدر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو ماہ نور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ بمشکل اس نے ساری بات بتائی۔

"کون ہے وہ لڑکی ندا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

منصور نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں۔

"ریلیکس بیٹا ایسے معاملات اس طرح طے نہیں ہوتے۔ خاموشی ہی بہتر ہے۔"

خضر کا رنگ سرخ ہو رہا تھا تو ندا نے اپنے رد کیے جانے کا اس طرح بدلہ لیا اور اس طرح کی لڑکیوں سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے لیکن یہ ماہ نور یہ بے وقوف اس نے اس کا اعتبار کیوں کیا۔ دوستی کیوں رکھی اس سے۔

وہ ایک بار پھر ان بزرگ کو فراموش کیے ہوئے تھے جو آنکھوں میں گہری چمک لیے سب کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ شاہ بابا ہیں۔"

ماہ نور کو ہی ان کا خیال آیا تھا۔

"اور یہ اگر نہ ہوتے تو شاید میں پھر زندگی میں کبھی آپ سب کو نہ دیکھ پاتی۔"

سورج طلوع ہو رہا تھا جب وہ شاہ بابا کے ساتھ گاؤں سے باہر ایک درختوں کے جھنڈ میں آرام کرنے کے لیے ٹھہری تھی۔ خوف سے سہمی ہوئی۔ پتا نہیں وہ یہاں سے نکل بھی پائے گی یا نہیں کیا خبر شاہ زیب نے اس کی تلاش میں بندے بھیج دیے ہوں اور وہ بس یہاں پہنچنے ہی والے ہوں۔ وہ گاؤں سے زیادہ دور تو نہیں آئے تھے لیکن شاہ بابا نے اسے رکنے کو کہا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں کس طرف جاؤں ذرا سوچنے دو۔"

وہ ادھر ادھر سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی جب درختوں کے پیچھے سے نکل کر وہ شخص اچانک سامنے آگیا تھا۔ اس کا رنگ سپید پڑ گیا تھا اور جسم پر ہلکی کپکپاہٹ طاری ہوگئی تھی۔ جب کہ شاہ بابا بھی خوفزدہ نظروں سے اس شخص کو دیکھ رہے تھے۔

"شاہ بابا۔"

چند لمحوں کے توقف کے بعد اس شخص کے لبوں سے نکلا تھا اس کی آنکھوں میں خوشی تھی۔

"شاہ بابا میں اکبر ہوں لیکن آپ بھلا مجھے کیسے پہچانیں گے آپ کو تو اپنا ہوش نہیں۔"

یکایک وہ مایوس نظر آنے لگا۔

"آپ کو تو یاد نہیں ہوگا میرا بابا غلام رسول آپ کا بہت اچھا دوست تھا جب آپ بڑے شاہ جی کی زندگی میں یہاں رہتے تھے تب پھر آپ چلے گئے بابا آپ کو بہت یاد کرتا تھا پھر ایک دن اچانک آپ آئے بہت سارے سالوں بعد تب پہلی بار میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ آپ سیدھے ہمارے گھر آئے تھے یاد ہے آپ کو پھر ایک بار بابا نے بتایا کہ آپ حویلی میں رہتے ہیں لیکن خدانخواستہ آپ کا دماغ۔" وہ خاموش ہوگیا۔

"ایک بار بابا مجھے حویلی لے گیا تھا آپ کے پاس لیکن آپ نے بابا کو نہیں پہچانا تھا۔" شاہ بابا خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے ان کی پیشانی پر گہری لکیریں تھیں۔

ماہ نور نے یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"اگر آپ شاہ بابا کے خیر خواہ ہیں تو ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ جیسے اب تک اس سے بے خبر تھا حیران سا اسے دیکھنے لگا۔

"حکم کیجیے بی بی۔"

اس نے نظریں جھکالی تھیں تب مختصراً ماہ نور نے اسے بتایا تھا کہ اس وقت انہیں پناہ کی ضرورت ہے۔

"یہاں قریب ہی میری بیل گاڑی ہے اس کا پہیہ کیچڑ میں پھنس گیا تھا میں ادھر اس لیے آیا تھا کہ کوئی شخص ملے تو اس کی مدد سے گاڑی کھینچ لوں۔"

اور پھر شاہ بابا کے ساتھ مل کر انہوں نے کیچڑ میں پھنسی گاڑی کو باہر نکالا تھا اور دوپہر سے پہلے وہ ایک قریبی گاؤں میں پہنچ گئے تھے جہاں اکبر کا سسرال تھا۔ اور پھر اکبر کی مدد سے وہ شہر آئے تھے اور وہاں سے اسلام آباد۔ اکبر نے انہیں خود جہاز پر بٹھایا تھا۔

"میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا اکبر بہت جلد میں اس بچی کو اس کے گھر پہنچا کر واپس آؤں گا اور تمہارے سارے پیسے جو تم نے خرچ کیے ہیں لوٹا دوں گا۔"

"شاہ بابا آپ شرمندہ نہ کریں۔" اکبر الٹا نادم ہوا تھا۔

جہاز میں بیٹھتے ہی اس کا دل خوف سے لرزنے لگا تھا۔ پہلے اور طرح کا خوف تھا اب اور طرح کا پتا نہیں اس کے گھر والے اسے اب قبول کریں گے بھی یا نہیں۔ کیا خبر وہ اسے گھر میں نہ گھسنے دیں۔۔۔ اور کیا خبر انہوں نے سب کو بتا دیا ہو کہ وہ مر چکی ہے یا پھر وہ اتنی بے عزتی پر جو اس کے اچانک غائب ہونے سے ہوئی ہوگی وہ گھر ہی چھوڑ کر جا چکے ہوں۔ تب اس کے قریب بیٹھے ہوئے شاہ بابا نے اسے تسلی دی۔

"گھبراؤ مت بیٹا سب ٹھیک ہوگا میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔"

"کیا شاہ بابا جانتے ہیں کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور شاہ بابا پھر اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے کے نقوش میں الجھ گئے تھے۔

"تم سلمیٰ سے بہت ملتی ہو بہت زیادہ۔" آہستہ سے بولے تھے۔

"تمہاری شکل اپنے خاندان میں کس سے ملتی ہے۔"

"اپنی دادی پر۔۔۔ اور میری داد کا نام سلمیٰ خانم ہے۔" یکدم وہ مضطرب سے ہوگئے۔

"تمہارے دادا زندہ ہیں۔" انہوں نے پوچھا تھا۔

"نہیں بہت سال پہلے میرے والد کی پیدائش سے بھی پہلے وہ وفات پا گئے تھے" ماہ نور نے بتایا۔

"کیسے کیا ہوا تھا انہیں۔" وہ مضطرب سے ہاتھ مسل رہے تھے۔

"دادی بتاتی ہیں کہ وہ کسی سے ملنے گئے تھے اپنے ساتھ اپنی دو سالہ بیٹی کو بھی لے گئے تھے پھر بہت دن گزر گئے وہ نہ آئے نہ انہوں نے کوئی اطلاع دی تو پریشان ہو کر دادی کے والد راولپنڈی گئے اور اس ہوٹل سے پتا کیا جہاں راولپنڈی پہنچ کر انہوں نے قیام کیا تھا اور فون کر کے خیریت سے پہنچنے کا بتایا تھا۔ ہوٹل سے خبر ہوئی کہ وہ شخص ایک رات ٹھہرا تھا لیکن پھر جب بچی کا حوالہ دیا گیا تو ایک ویٹر کو یاد آگیا۔

"وہ بد قسمت شخص یہاں سے میرے ساتھ ہی ویگن پر بیٹھ کر اسٹاپ پر گیا تھا مجھے بھی گاؤں جانا تھا۔ ہم راستے میں باتیں بھی کرتے رہے تھے۔ ہماری منزل ایک ہی تھی۔ مجھے راستے میں اپنے گاؤں کے پاس اتر جانا تھا اور اسے آگے جانا تھا مجھے اس ویگن پر سیٹ نہیں ملی تھی اور وہ چلا گیا تھا مجھے اس لیے بھی یاد ہے کہ ابھی تک میں شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے اس میں سیٹ نہیں ملی کیونکہ وہ وین کچھ آگے جا کر حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔"

شاہ بابا ساکت بیٹھے ماہ نور کو سن رہے تھے۔ "ابا کے نانا نے پندرہ سولہ دن پہلے کا اخبار بھی دیکھ لیا تھا۔ وین کے حادثے اور سب مسافروں کے مر جانے کی خبر تھی۔ لاوارث مسافروں کو وہاں ہی جائے حادثہ کے قریبی علاقے میں دفنا دیا گیا تھا۔"

"لیکن، لیکن..." انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ... وہ تمہارے دادا نہیں مرے تھے بچ گئے تھے۔"

"آپ کیسے جانتے ہیں۔" ماہ نور حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں... میں ہوں۔" انہوں نے اپنی طرف اشارا کیا۔

"اور آپ کی بیٹی۔" ماہ نور نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"وہ... مجھے پتا ہے وہ کہاں ہے تمہیں گھر پہنچا کر لے آؤں گا اسے۔"

"تم۔" وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

"بالکل اپنی دادی کی طرح ہو تم میری پوتی ہو۔" وہ تھوڑا سا ہنسے۔

"میں جب گھر سے نکلا تھا تب سلمٰی خانم..."

وہ منہ ہی منہ کچھ بڑبڑا کر چپ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا وہ اپنے بابا کے نانا اور ماموں کے نام جانتی ہے تب اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

" ایک، دو بار دادی نے ذکر تو کیا تھا لیکن ذہن میں نہیں ہے" اس وقت وہ وقتی طور پر اپنی پریشانی بھول گئی تھی اور شاہ بابا کے متعلق سوچ رہی تھی۔ پتا نہیں یہ شاہ بابا ہی دادا ہیں پتا نہیں' وہ بار بار بے یقینی سے انہیں دیکھتی تھی۔

"تمہارے ابا کیسے ہیں۔"

شاہ بابا نے کتنی ہی بار اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"شاہ بابا۔"

نصیر احمد خان اپنی وہیل چیئر شاہ بابا کے قریب لائے تو ماہ نور چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

نصیر احمد خان نے عقیدت سے شاہ بابا کا ہاتھ تھام کر شکریہ ادا کیا شاہ بابا والہانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اور شاہ بابا دراصل۔"

ماہ نور نے کچھ بتانے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ سلمٰی خانم نے سجدے سے سر اٹھایا ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ شکرانے کے طویل سجدے نے چہرے پر سرخی بکھیر دی تھی۔

"سلمٰی۔" شاہ بابا یکدم کھڑے ہو گئے تھے۔

اگرچہ وقت نے ایک لمبا سفر طے کر لیا تھا وہ نوجوان شوخ و شریر سلمٰی ایک بزرگ خاتون میں بدل چکی تھی پھر بھی دل نے گواہی دی تھی۔

"میں ہوں کاظم علی شاہ۔" وہ دو قدم آگے بڑھے تھے۔

"یاد ہے میں ربیعہ کو لے کر اپنی شناخت ڈھونڈنے نکلا تھا تمہیں اپنے خاندان کے حوالے سے معتبر کرنے چلا تھا۔"

"ربیعہ... میری بچی کہاں ہے وہ... کیا وہ۔" سلمٰی خاتون کے لبوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی تھی۔

"ربی ہاں وہ ہے۔ وہ بھی زخمی ہوئی تھی۔"

"لیکن کہاں ہے —" سلمٰی خانم نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ۔"

شاہ بابا لمحہ بھر کو خاموش ہو گئے۔ سب دلچسپی — اور حیرت سے یہ ملن دیکھ رہے تھے نصیر احمد خان کی آنکھوں میں آنسو تھے تو بچوں کے چہرے پر ایک انوکھی سی چمک اور خوشی تھی۔

"یہ تو بالکل ڈرامائی اور فلمی سچویشن ہے۔ ہے نا دادی۔"

زوبی نے دادی کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

شاہ بابا نے اپنی داستان سنائی کہیں کہیں وہ خاموش ہو کر سوچنے لگتے تھے۔

"میں نے ربی کو ڈاکٹر صاحب کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ واپسی پر اسے لے کر کراچی چلا جاؤں گا لیکن داجی نے مجھے قید کروا دیا تھا اور پھر وہاں مجھے ہر روز انجکشن لگائے جاتے تھے ہولے ہولے میرا ذہن جواب دے گیا۔ پھر اتنے سال گزر گئے مجھے کچھ یاد نہیں تھا۔ کبھی کبھی اچانک مجھے یاد آتا میرا گھر تھا میری بیوی تھی۔ پھر ذہن کی سلیٹ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 400 روپے
☆ ایمان امید اور محبت، عمیرہ احمد قیمت: 200 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 350 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 180 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد قیمت: 450 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
شائع ہو گئے ہیں

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 2216361

صاف ہو جاتی۔ پچھلے تین سال سے بھی ماضی کا کوئی منظر یکدم پوری جزئیات کے ساتھ سامنے آجاتا پھر یکدم سب بھول جاتا تھا۔ پھر میں نے اسے دیکھا چیختے ہوئے تو مجھے لگا سکتی ہے۔ پھر ان دو دنوں میں وقفے وقفے سے مجھے سب یاد آنے لگا تھوڑا تھوڑا کر کے۔"

"وہ ڈاکٹر صاحب کہاں رہتے ہیں ان کا پتا ٹھکانہ نام یاد ہے آپ کو۔"
سلمیٰ خانم کی مامتا تڑپ رہی تھی۔

"ڈاکٹر کا نام مصطفیٰ تھا مصطفیٰ اعوان اور ان کا کلینک۔" وہ یاد کرنے لگے۔

"کیا کہا کیا نام بتایا ہے آپ نے۔" افضال حیدر نے چونک کر پوچھا۔

"ڈاکٹر مصطفیٰ اعوان۔۔۔۔ ڈاکٹر کی بیگم بھی ڈاکٹر تھی ڈاکٹر نادیہ مصطفیٰ۔"
شاہ بابا نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

"او مائی گاڈ حیرت انگیز ریئلی یہ بہت حیران کن ہے۔" افضال حیدر نے سب کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر مصطفیٰ وین کے حادثے میں زخمی ہونے والی دو سالہ بچی جس کا باپ اسے چھوڑ کر گیا تو پھر واپس نہیں آیا اور ڈاکٹر مصطفیٰ کو لندن جانا تھا اپنی فیملی کے ساتھ۔ تب انہوں نے وہ بچی حیدر علی اپنے دوست کے حوالے کر دی جوان دنوں راولپنڈی ان سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ وہ اسے کسی ادارے میں چھوڑنا چاہتے تھے لیکن حیدر علی نے اس بچی کو لے لیا۔ اس خیال سے کہ کیا خبر تھی اس کا باپ اسے ڈھونڈتا ہوا آئے انہوں نے کراچی آنے سے پہلے آس پاس کے دو تین گھروں میں اور ڈاکٹر مصطفیٰ کا گھر خریدنے والوں کو بھی کراچی کا نمبر دے دیا تھا کہ کوئی اگر ڈاکٹر مصطفیٰ کو پوچھنے آئے تو یہ نمبر دے دیجیے گا لیکن وقت گزر تا گیا کوئی اس بچی کو لینے نہ آیا تھا اور وہ بچی حیدر علی کے گھر کی ایک فرد ہی بن گئی تھی بلکہ روز اول سے ہی سب نے اسے اپنا ہی جان لیا تھا۔ وہ بچی جو اپنا نام صحیح سے بتا نہ سکتی تھی بلکہ خود کو ابی کہتی تھی۔

"می ابی۔" وہ اپنی طرف اشارہ کرتی تھی تب تنھے سے افضال حیدر نے اسے حمنہ حیدر کا نام دیا تھا۔
سبز کانچ آنکھوں والی ننھی پری میں سب کی جان تھی۔ شروع میں اس کے ساتھ سب کا اتنا لگاؤ دیکھ کر حیدر علی اس وقت سے ڈر جاتے تھے جب اس کا باپ آکر اسے لے جائے گا لیکن پھر گزرتے وقت کے ساتھ وہ بھی بھول گئے کہ حمنہ ان کی بیٹی نہیں ہے۔ عذرا کی پیدائش کے بعد بھی حمنہ کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"حیرت انگیز۔" انہوں نے خوشی سے دہرایا۔

"میں کل ہی جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے میں ڈاکٹر مصطفیٰ کا گھر ڈھونڈ لوں گا۔" شاہ بابا بڑبڑائے۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اب تک وہاں اسی گھر میں ہوں گے وہ کہیں اور بھی تو جا سکتے ہیں۔ کسی دوسرے ملک کسی دوسرے شہر میں۔"
افضال حیدر کا لہجہ عجیب سا تھا۔
شاہ بابا کے چہرے کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔

"ہاں ہو سکتا ہے لیکن میں وہاں جاؤں گا تو ضرور۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔

"اگر مقدر میں ملن لکھا ہو تو جس طرح اتنے سالوں بعد بابا مل گئے ہیں اس طرح ربی بھی مل جائے گی۔"
نصیر احمد خان کے لہجے میں یقین بھی تھا اور توکل بھی۔ شاہ بابا نے ایک تشکر بھری نظر ان پر ڈالی۔ یہ ان کا بیٹا تھا لیکن جسے انہوں نے آج پہلی بار دیکھا تھا۔ عمر کے اس حصے میں جب وہ خود کئی بچوں کا باپ تھا۔ اس کا تتلا کر باتیں کرنا ڈگمگا کر چلنا پہلی بار اسکول جانا یہ سب خوب صورت دن ان کی زندگی سے نکل گئے تھے۔ محض ایک شخص کی ہوس نے انہیں زندگی کی کتنی خوب صورتیوں سے محروم کر دیا تھا۔

"کاش آدمی اتنا حریص نہ ہوتا۔" ان کی نظریں ان کی وہیل چیئر پر تھیں۔

"میں کل صبح ہی راولپنڈی جاؤں گا۔"

"میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔" منصور پہلی بار بولا۔

"یہ منوں ہے نا میرا بھائی۔"
ماہ نور کی آنکھوں میں کنکر سے چبھ رہے تھے وہ منصور کے تھکے ہوئے افسردہ چہرے کو دیکھ رہی تھی کتنی اذیت سہی تھی ایک ناکردہ جرم کی سزا میں اس نے۔

"کسی کو راولپنڈی جانے کی ضرورت نہیں۔" افضال حیدر نے انکشاف کیا اور سب نے افضال حیدر کی باتوں کو بہت دلچسپی اور حیرت سے سنا۔

"یعنی حمنہ خالہ۔۔۔۔" نرل کے لبوں سے نکلا تھا۔

"حمنہ۔" سلمیٰ خانم نے بھی حیرت سے پوچھا۔

"ربیعہ کی آنکھیں بالکل سبز تھیں اور حمنہ کی آنکھیں دیکھ کر وہ مجھے یاد آجاتی تھی اور اس بچی کی طرف میرا دل خواہ مخواہ لپکتا تھا۔"

"میں حمنہ خالہ کو بتاؤں۔" نرل کو سب سے پہلے خیال آیا تھا۔

"نہیں۔" افضال حیدر نے منع کیا۔

"میں خود بات کروں گا حمنہ سے اور سنو جس طرح اب تک کسی کو ماہ نور کے اغوا ہونے اور ملنے کا علم نہیں کبھی بھی نہ ہو۔"
انہوں نے تاکید کی اور پھر اپنے سیل فون سے حمنہ کا نمبر ملانے لگے۔

"حمنہ جیسے بھی ممکن ہو کل پہلی فلائیٹ سے تم سب آجاؤ۔"

"خیریت ہے نا۔" حمنہ گھبرائیں۔

"ہاں۔"

"میرے پاس ایک سرپرائز ہے۔"

"افضال بھائی آج میرے پاس بھی ایک زبردست سرپرائز ہے۔" "بس تم آجاؤ فوراً" "اور دیکھو سیدھی طیبہ کے ہاں آنا۔"

"یہاں۔"
حمنہ پھر کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن انہوں نے فون بند کر دیا۔

☼

☼

☼

(تیسویں اور آخری قسط آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

صائمہ احمد

شارٹ کٹ

گرمی بہت زیادہ ہو گئی تھی وہ گرمی میں سڑک کے اس پار کھڑی تھی ٹریفک رواں دواں تھا مگر اپنی کم ہمتی کی وجہ سے وہ سڑک پار نہیں کر رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اگر وہ چند منٹ اور کھڑی رہی تو گر جائے گی۔ پہلے ہی وہ اس گرمی میں لمبا چکر کاٹ کر یہاں پہنچی تھی۔ سامنے سڑک کے اس پار حسنات کی اکیڈمی کا بورڈ بھی اب دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ سگنل سرخ ہوا تو گاڑیاں رک گئیں۔ وہ جلدی سے گاڑیوں کے درمیان سے گزر کر دوسری طرف پہنچ گئی۔ جب اکیڈمی کے اندر داخل ہوئی تو کچھ سکون محسوس ہوا۔ پاس سے گزرتے ایک اسٹوڈنٹ سے اس نے حسنات کا پوچھا۔

"جی وہ اپنے آفس میں ہیں۔"

"شکریہ۔" وہ جلدی سے اس کے آفس کی طرف بڑھی۔ وہ آفس میں ہی موجود تھا اور پیپر ویٹ سے کھیل رہا تھا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا۔

"آہا! مس فضہ علی! کیسی ہیں آپ؟"

"بکواس نہیں پہلے ہی گرمی نے میری مت ماری ہوئی ہے۔ تھوڑا سکون تو لینے دو۔" وہ ایک چیئر گھسیٹ کر اس پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر وہ چپ کر کے بیٹھی رہی۔ وہ پیپر ویٹ کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتا رہا۔ جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے دیکھا وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

اس کی پوری توجہ پیپر ویٹ پر تھی جیسے اس سے اہم کام کوئی نہ ہو۔

"کتنے برے ہو تم۔ گرمی سے میری بری حالت ہے کم سے کم میرے لیے پانی ہی منگوا لیتے۔" اس نے اسے شرم دلائی۔

"مگر تم نے ہی تو کہا تھا بکواس بعد میں۔"

"پانی بکواس ہے۔" اس نے گھور کر اسے دیکھا۔ اس کی براؤن آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

"پتا ہے تم لڑکیوں کا مسئلہ کیا ہے۔ توجہ صرف توجہ! کوئی اگر تمہارے منع کرنے پر چپ ہے تو غصہ۔ اگر بولے تو غصہ تم سب کا مسئلہ ہے توجہ۔"

"کیوں آج کسی نے مارا ہے یا فلسفہ جھاڑنے کا ارادہ ہے!" وہ بھی ٹون میں آ گئی۔

"تم نے کبھی محبت کی حسنات؟" وہ یہ بھول بیٹھی تھی کہ اسے جلدی گھر جانا ہے۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی وہ حسنات کے آفس آئی تھی کہ وہ اسے بائیک پر چھوڑ آئے گا۔

"محبت! یا ڈرامہ؟ ڈرامہ بہت کیا محبت کا۔ آج کل سب یہ ہی کر رہے ہیں۔ پرانے الفاظ نئے ایکٹر۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری جھیل سے آنکھوں میں ڈوب جاؤں۔ واپڈا کو تو بہت ضرورت ہے پانی کی۔ یہ جھیلیں ادھر بھیج دو کچھ ملک کا بھلا ہو۔" وہ تمسخرانہ انداز سے بولا۔

"محبت آج کی ضرورت نہیں اور نہ آج کے دور میں محبت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ محبت بہت عام ہے اتنی عام کہ مجھے تو لگتا ہے ہم ڈرامائی محبت سے بھی بے زار ہو جائیں گے۔"

"تمہارے نزدیک کیا اہم ہے!" وہ اس کے یہ خیالات کافی دفعہ سن چکی تھی مگر ہر دفعہ جذباتی ہو جاتی۔ اس کے خیالات کی نفی کرتی۔ دلائل پیش کرتی۔ مگر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔

"پیسہ! یہ زندگی ہے 'محبت حب الوطنی' مروت' عزت نفس سب پرانے نظریات ہیں۔ آج کے دور میں ان کی ضرورت نہیں آج کے نوجوان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ پاکستان رہتا ہے یا نہیں رشوت عام ہے امیر کا قانون الگ ہے غریب کا الگ سب کا مسئلہ پیسہ ہے۔ کہاں سے کیسے یہ سوال اہم نہیں۔ سرخ سبز نوٹ ہوں بس پھر سکون ہے۔"

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تین بج چکے تھے امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ "بس حسنات احمد ختم کرو چلو چائے منگواؤ مجھے تمہارے دو ہزار ستر کے خیالات نہیں سننے' نہ تمہاری فلاسفی سے دلچسپی ہے۔ نیکی زندہ ہے کم سہی مگر ہے۔ مجھے جلدی جانا ہے چائے کے بعد اپنی پھٹیچر بائیک پر گھر چھوڑ کر آؤ۔ آج اتنی گرمی ہے

کہ مجھ میں ویگن سے جانے کی ہمت نہیں۔
"بس ہار گئیں؟" حسنات نے اسے چڑایا۔
"تمہیں تو ہارنا پسند نہیں تو میں نے سوچا میں ہار جاتی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔
"ہاں مجھے واقعی ہارنا پسند نہیں۔"
"پتا ہے حسنات! جب ہماری زندگیوں سے صحیح اور غلط کا احساس نکل جاتا ہے تو بس مادہ رہ جاتا ہے۔ جب آپ کے پاس صرف مادہ رہ جائے تو ایک وقت آتا ہے جب آپ کو سکون کی طلب ہونے لگتی ہے۔ تب مادی چیزیں سکون نہیں دیتیں۔"
"تم اپنے آپ کو بہت مختلف سمجھتی ہو؟"
"نہیں اصل میں، میں تمہاری انتہا پسندی کو اچھا نہیں سمجھتی۔ دولت ہونی چاہیے لیکن اتنی کہ گزر بسر آرام سے ہو سکے۔ بہت زیادہ کی ہوس انسان کے اندر سے گناہ ثواب کا احساس مٹا دیتی ہے۔"
تم ٹھیک کہتے ہو آج پیسہ بہت اہم ہے مگر قناعت کا سبق ہمیں ہمارا اسلام دیتا ہے۔ مادہ کی دوڑ بہت خطرناک دوڑ ہوتی ہے ختم ہونے پر انسان حساب کرتا ہے تو صرف خسارہ ہی اس کے پاس بچتا ہے۔ ہر کوئی آسائشات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس دوڑ میں سب بھاگ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے ہوئے کچھ لوگ اس دوڑ کو قبول نہیں کرتے۔ وہ ذات سے اونچا سوچتے میں روح کی آسودگی چاہتے ہیں۔ ایک کا کہا مانتے ہیں ایک کو سجدہ کرتے ہیں۔ خیر اور نیکی کو ترجیح دیتے ہیں وہ بہت پرسکون لوگ ہوتے ہیں انہیں اپنی آدھی روٹی تنگ نہیں کرتی ان کے لیے اللہ کی رضا سب سے اہم ہوتی ہے۔"
"تمہیں گھر چلنا ہے؟" وہ اکتا کر پوچھنے لگا۔
"چلو چائے تو تم جیسا کنجوس مجھے پلائے گا نہیں گھر چھوڑ آؤ۔ پانچ بج رہے ہیں۔" اس نے بائیک کی چابی میز سے اٹھائی اور اس کے ساتھ باہر کو چل دیا۔

☼ ☼ ☼

شام چپ کی چادر اوڑھ کر آنگن میں اتر چکی تھی اسے شام سے ہمیشہ ایک نامعلوم خوف محسوس ہوتا تھا۔ وہ صحن میں نیم کے درخت کے نیچے بچوں کے ٹیسٹ چیک کر رہی تھی۔ مغرب ہونے میں چند منٹ ہی باقی تھے۔
"کیسی ہو کزن!" وہ اچانک آواز سن کر ڈر گئی۔
"تم! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا اور کیا تمہیں سلامتی بھیجنا نہیں آتا۔"
"مس اخلاقیات چائے پلاؤ بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔" وہ چیئر پر بیٹھ گیا۔
"حسنات! تم کبھی نہیں سدھرو گے شاید میری زندگی میں وہ دن بھی آئے جب تم سدھر جاؤ۔" اس نے حسرت سے اس کی طرف دیکھا۔
"حنا کہاں ہے؟" اس نے موضوع بدلا۔
"اوپر چھت پر کپڑے اتارنے گئی ہے۔"
"اور خالہ!" اس نے پوچھا۔
"وہ اندر ہیں حنا کا سوٹ سی رہی ہیں اور عادل شاید باہر اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے گیا ہے۔ تمہیں باہر گراؤنڈ میں نظر نہیں آیا؟"
"نہیں دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ سامنے نسیم بی بی دروازہ کھولے بال بکھرائے کھڑی تھیں۔ انہوں نے اتنی مسکراہٹیں بکھیریں کہ ان کی چمک میں کچھ نظر ہی نہیں آیا اور ایک کپ زیادہ بنا لینا نسیم بھی آ رہی ہو گی۔"

"کیوں تم نے اسے آنے کی دعوت دی ہے جو وہ بھی آ رہی ہے۔" اس نے چڑ کر کہا۔
"نہیں جی دعوت دینے کا تو وقت ہی نہیں ملا۔ بس کچا دھاگا باندھ آیا ہوں۔ سرکار آ رہے ہوں گے۔"
"تو جاؤ اسی کے گھر پی آؤ چائے۔"
"نہ بھئی اس کی اماں ہٹلر کی فوج میں تھیں۔ بہت ڈر لگتا ہے ان سے۔ جاؤ بھی اتنی دیر میں تو حلیم کی دیگ بھی پک جاتی۔"
"اچھا! بناتی ہوں، تمہارے ساتھ سر کھپانے سے بہتر ہے چائے بنالی جائے۔" وہ اندر کمرے میں گئی۔
"اماں آپ چائے پئیں گی؟"

"ہاں بیٹا بنا لو تمہارے ابا بھی آنے والے ہیں ان کے لیے بھی بنا دینا۔"
"جی اچھا! سوٹ سل گیا حنا کا۔"
"نہیں رات کو ٹائم ملا تو مکمل کر دوں گی۔"
"آپ رہنے دیں میں سی دوں گی۔ آپ تھک گئی ہوں گی۔ ویسے بھی میں اب فارغ ہوں۔"
"اور ہاں بیٹا تھوڑے چاول بنا لینا۔ رائتہ بنا پڑا ہے۔ کل کی دال بھی رکھی ہے۔"
"جی اچھا۔" اس نے چائے کا پانی دم پر رکھا اور چاول نکال کر صاف کرنے لگی۔
"کتنا وقت لگے گا مجھے ابھی واپس بھی جانا ہے۔"
"بس تھوڑی دیر اور واپس جا کر کیا کرنا ہے آج یہیں رک جاؤ۔"
"نہیں بس تم جلدی کرو۔" اس نے چائے کپوں میں نکالی۔
اتنے میں ابا کچن میں داخل ہوئے۔
"ابا چائے لاؤں"
"ہاں بیٹا کمرے میں ہی لے آؤ اور سناؤ بیٹا کام کیسا چل رہا ہے۔"
"جی بہت اچھا۔ آج رکو گے یا ابھی چلے جاؤ گے!" انہوں نے حسنات سے پوچھا۔
"جی بس جا رہا تھا۔" وہ بہت ادب سے ابا کے سامنے کھڑا تھا۔
"آج یہاں ہی رک جاؤ۔ ذرا گپ شپ رہے گی۔ تمہیں کئی دفعہ کہا ہے اوپر کا کمرہ خالی ہی رہتا ہے۔ اور یہاں سے تمہاری اکیڈمی بھی دور نہیں۔ پھر گھر کا سکھ تو گھر کا سکھ ہی ہوتا ہے۔" ابا اسے شفقت سے دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔
"بس خالو وہاں ذرا اور دوست بھی ہیں دل لگا ہوا ہے۔ وہاں بھی کافی آرام ہے۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس موضوع سے بھاگ رہا تھا۔ اس کی بہن کا گھر بھی اسی شہر میں تھا مگر وہ کبھی کبھار ہی اس کے گھر جاتا تھا۔
"اچھا بھئی میں کمرے میں ہوں چائے وہیں لے آنا۔ نماز کا وقت بھی ہو گیا ہے۔"
وہ کپ لے کر باہر صحن میں چلا گیا۔ وہ بھی اپنا کپ لے کر صحن میں چارپائی پر بیٹھ گئی۔ حسنات سے وہ پہلی دفعہ تب ملی جب اس کی امی فضہ کی خالہ فوت ہوئیں تب وہ بارہ سال کا سہما ہوا بچہ تھا۔
اس نے فزکس میں ایم ایس سی کیا اور اسی شہر میں اس کی جاب لگ گئی۔ وہ حسنات جو بارہ سال کا ایک خاموش بچہ تھا آج کے حسنات سے بہت مختلف تھا۔ یہ حسنات بولتا بہت تھا آج کے حسنات کو ہر چیز کی جلدی بھی تھی۔ آج کے حسنات کے لیے دولت بہت اہم تھی خود سے بھی اہم۔ وہ جمع دو کرتا حسنات ہر چیز کو پیسے کی کسوٹی پر پرکھتا تھا۔
اس کی بہت سی لڑکیوں سے دوستی تھی۔ لڑکیوں کو وہ احمق بے وقوف قسم کی مخلوق سمجھتا۔ آج کا حسنات اپنا ملک چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا جو باہر رہتی ہو۔ تاکہ وہ گرین کارڈ حاصل کر سکے۔
اس کی بڑی وجہ شاید اس کی خانہ بدوش قسم کی زندگی بھی جو اس کی ماں کے بعد کبھی ایک بھائی کے گھر گزری، کبھی دوسرے بھائی کے گھر، ایوننگ ٹائم وہ اپنی اکیڈمی کو دیتا تھا۔ اکیڈمی میں نیا سیشن شروع ہو چکا تھا۔ نئے بیچ میں بارہ لڑکے اور دس لڑکیاں تھیں۔
"آج آپ سب کا پہلا دن ہے اور اس خوشی میں ہم پڑھیں گے نہیں بلکہ یہ تعارفی کلاس ہے میرا نام حسنات رضا ہے، میرا تعلق فیصل آباد سے ہے۔ ایم ایس سی فزکس فرام پنجاب یونیورسٹی۔ اس اکیڈمی میں میں فزکس کی کلاس لیتا ہوں۔ اب آپ لوگوں کی باری ہے۔" سب نے تعارف شروع کروایا۔ پہلی رو میں بیٹھی پانچویں لڑکی ان سب سے الگ لگ رہی تھی۔ اس نے تعارف کے بعد اس سے بات کی غرض سے پوچھا۔
"آپ کا نام شاید شمائلہ ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔
"جی!" اس نے مختصر سا جواب دیا۔ سب لڑکے اور لڑکیاں اس سے کافی فری ہو چکے تھے۔ سوائے اس

کے باتوں باتوں میں کلاس کا وقت ختم ہو گیا۔
"آج ہم نے کچھ پڑھا نہیں مگر کل سے باقاعدہ کلاس شروع ہوگی۔ کل ہم فزکس کی برانچز سے شروع کریں گے۔ آپ لوگ گھر سے پڑھ کر آئیے گا اس میں سمجھنے کے لیے کچھ نہیں صرف تھیوری ہے۔"

دن گزرتے گئے اس بیچ کی کلاسز اب وہ باقاعدگی سے لیتا تھا۔ اسٹوڈنٹ اس کے نام کی مالا جپنے لگے تھے۔ سوائے اس لڑکی شمائلہ کے وہ اسے کافی دن سے تنگ کر رہی تھی۔ جب ایک ماہ بعد اس کا ٹیسٹ ہوا تو اس نے جان بوجھ کر کم نمبر دیے اور کلاس میں اسے بہت ڈانٹا۔ وہ خاموش سے سنتی رہی۔

یہ لڑکی اس کے لیے چیلنج بنتی جا رہی تھی۔ اگلے ٹیسٹ میں بھی اس نے اس کے ساتھ وہی کیا اس کا پورا ٹیسٹ ریڈ مارک کر کے نشانوں سے بھرا پڑا تھا۔ آج پھر اس نے اسے سخت سست سنائیں۔

"شمائلہ! لگتا ہے آپ کو فزکس بہت مشکل لگتی ہے کلاس میں بھی آپ ایکٹو نہیں ہیں۔ دیگر اسٹوڈنٹس کی طرح مجھ سے کچھ پوچھتی نہیں ہیں۔ آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں۔" وہ کچھ نہیں بولی صرف فرش کو گھورتی رہی وہ کلاس لے کر آفس میں آ گیا۔

تھوڑی دیر گزری کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے سر اٹھایا سامنے شمائلہ تھی۔

"سر میں اندر آجاؤں۔"

"آجائیں جی اب کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟" حسنات کی آواز میں سختی تھی۔ وہ چل کر اس کے آفس تک آئی تھی نجانے اس کے کس جذبے کی تسکین ہوئی تھی۔ شاید اس کے مغرور انداز نے اسے اس سے متنفر کر دیا تھا۔

"شکریہ! سر میں نے بک سے بھی دیکھا ہے اور نوٹس سے بھی جو غلطیاں آپ نے میری مارک کی ہیں وہ غلط نہیں۔ کیوں کہ آپ کے دیے نوٹس میں بھی یہی لکھا ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

"اچھا تو آپ کے خیال میں میں غلط ہوں اور آپ درست ہیں اور آپ مجھ سے بھی زیادہ جانتی ہیں آپ میری استاد ہیں یا میں آپ کا؟" اس کی آواز میں سختی بڑھ گئی اس کی آنکھ میں پانی آگیا۔

"اگر آپ مطمئن نہیں تو کہیں اور جوائن کر لیں اکیڈمیز کی کمی نہیں ہے۔"

"سر میں نے سر عباس کو بھی دکھایا ہے۔ جو سیکنڈ ایئر کی کلاس لیتے ہیں۔ انہوں نے بھی کہا ہے کہ میری تھیوری ٹھیک ہے۔" اسے اتنا شدید غصہ آیا کہ لفظ ہی اٹک گئے عباس اسے ویسے بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو کنٹرول کیا اور کہا۔

"اگر آپ مجھ سے پڑھنا چاہتی ہیں۔ تو پڑھیں میں آپ کے بھلے کے لیے کہہ رہا تھا۔ کل آپ فیل ہوں گی تو مجھے کچھ نہ کہیے گا۔"

"مگر سر دوسری لڑکیوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ آپ نے ان کا تو غلط نہیں کیا۔" اب اس کے آنسو باقاعدہ نکل رہے تھے۔ شاید اسے بیکی کا احساس رلا رہا تھا۔

"میں نے جو درست سمجھا کیا۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔"

اس نے پیپرز کو میز سے اٹھا لیا۔

"سر آپ کو پتا ہے بے بسی کیا ہوتی ہے اگر محسوس ہو تو مجھے ضرور یاد کیجیے گا۔ میں کوئی دوسری اکیڈمی جوائن کر لوں گی۔ اپنا رزلٹ کارڈ ضرور لے کر آؤں گی امتحانوں کے بعد۔" یہ الفاظ اس نے روتے ہوئے شدید ہچکیوں کے درمیان کہے۔ اس کے بعد اس نے اکیڈمی چھوڑ دی۔

☼ ☼ ☼

شام کے وقت حنا چڑیوں کو دانہ ڈال رہی تھی پھر اس نے برتن میں پانی بھر کر رکھا۔ اتنے میں بیل ہوئی۔

"حنا دیکھو کون ہے۔" حنا واپس آئی تو اس کے ساتھ حسنات تھا۔

"کیسے ہو! مل گئی فرصت کتنے دن بعد آئے ہو۔"

"اچھا ہوں بس کچھ مصروف تھا۔ کچھ اپ سیٹ بھی تھا بلکہ غصے میں تھا!"

"مجھے پتا ہے تمہاری کیا مصروفیات ہیں۔" اس نے کیا پر زور دیا۔ اس نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔ "کوئی پریشانی ہے حسنات!"

"ہاں میں پریشان ہوں۔" اس نے شمائلہ کے متعلق اسے سب بتا دیا۔

"تمہیں یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ہاں مگر سب ہو تا گیا! شاید میری ایگو نے مجھے باندھ لیا تھا۔"

"تمہیں اس سے معافی مانگنی چاہیے۔"

"معافی تو میں نہ مانگتا مگر طریقے سے اسے سمجھاتا کہ چلو میری ہی غلطی تھی مگر میرے پاس اس سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے جو ہے ان سے میں کام نہیں لینا چاہتا میں چاہتا ہوں کہ جانے سے پہلے اگر وہ مجھے مل جاتی تو اچھا تھا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو۔"

"امریکہ! اس نے نارمل انداز سے جواب دیا۔

"اچھا تو مجھے بھی ساتھ لے جانا۔" اس نے مزاح کا انداز اپنایا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں تین چار ماہ بعد میں امریکہ جا رہا ہوں۔"

"تم نے پہلے نہیں بتایا۔" اس نے تاسف سے کہا۔

"ہاں بس اب مناسب سمجھا تو بتا دیا۔"

"کیا کرو گے وہاں؟"

"وہاں ایک لڑکی کو ڈمی شوہر کی ضرورت ہے۔ مجھے پیسے کی یہ ایک ڈیل ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"میری ایک اسٹوڈنٹ کی بڑی بہن کی دوست امریکہ میں ہے۔ میرے نادر چچا لا سی کے ذریعے ثنا تک پہنچے ثنا امریکہ میں رہتی ہے۔ اسے کچھ عرصے تک ایسے پاکستانی کی ضرورت ہے جو اس کے شوہر کا کردار ادا کر سکے۔"

"کیا یہ اتنا آسان ہے۔ جتنا تم سمجھ رہے ہو اور وہ کیسی بے وقوف لڑکی ہے۔"

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

ستمبر 2007 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

Emale: id@khawateendigest.com

☆ ایک نوجوان کی حیرت انگیز داستان جو ننھی سی عمر میں ہی دشمنوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ پر تجسس سلسلہ "آتش زادہ"

☆ حالات کی گود میں پل کر جوان ہونے والے ایک آتش صفت کی حیرت انگیز سرگزشت ایم اے راحت کے قلم سے "عقاب"

☆ "سنگ و آہن" ایم اے راحت کے قلم سے پر تجسس کہانی

☆ "مغل اعظم" اسلم راہی کے قلم سے تاریخ کے اوراق

☆ ملکی و غیر ملکی ادب سے انتخاب

☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب "سچی داستانیں"

اس کے علاوہ بہت سی دلچسپیاں

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

"پتا نہیں یہ تو جا کر پتا چلے گا۔ فون پر نکاح ہو گا اور پیپرز تیار ہونے کے بعد میں چلا جاؤں گا۔ اس کے والد سے بھی میری بات ہوئی ہے۔ مگر اس کے والد کو ڈیل کا نہیں پتا وہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کی بیٹی کی پسند ہوں۔"

"پاگل ہو یوں چلے جاؤ گے۔"

"ہاں! جب میرے خواب اس پار کھڑے ہوں تو میں ضرور یہ ڈیل کروں گا۔"

"میں یہاں نہیں رہنا چاہتا نہ اپنی آئندہ نسل کو اس بھٹی میں جھونکنا چاہتا ہوں جہاں صرف غربت، افلاس اور گندگی ہے۔

میں انسانوں کی طرح زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ کیا ہے اس ملک میں؟ یہاں انسان نہیں جانور رہتے ہیں پلیز مجھے روکنا نہیں۔ تمہیں پتا ہے رکوں گا نہیں۔"

"تو تم نے شارٹ کٹ ڈھونڈ لیا!"

"نہیں رائٹ کٹ!" وہ مسکرایا۔

"اچھا اب چلتا ہوں۔"

"پھر کب آؤ گے۔"

"سچ کہوں آج کل بہت مصروف ہوں اور کچھ میں تمہارا سامنا کرنا بھی نہیں چاہتا۔"

وہ چلا گیا، وہ دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

ساڑھے تین ماہ بعد وہ دوبارہ آیا امی اور ابا سب گھر والے اس کے ارد گرد بیٹھے اس کی خوشی میں خوش تھے۔

وہ بہت خوش تھا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔ اس تمام عرصے میں وہ اسے اگنور کرتا رہا۔ جب جانے لگا تو وہ دروازے تک اس کے ساتھ گئی۔

"حسنات!"

"ہاں کہو، مجھے پتا ہے تم بھری بیٹھی ہو۔"

"یہ لو۔" اس نے ایک پرچہ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے!" اس نے اسے کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں تو اپنی جنت کے لیے ہی تو جا رہا ہوں۔"

"فضہ میں تمہاری طرح صابر نہیں۔ مگر پتا نہیں میں کیوں چاہتا ہوں۔ تم کبھی نہ تھکو نہ مایوس ہو۔ تمہاری نیکی ہمیشہ تمہارے ماتھے پر چمکتی رہے۔ میں تمہاری طرح بہادر بھی نہیں۔" کاغذ کا ٹکڑا اس نے جیب میں رکھ لیا۔

"رابطہ رکھنا!"

"ہاں ضرور!" وہ بولا۔

☼ ☼ ☼

وہ جب اس کے گھر سے نکلا تو اسے خبر تھی وہ اس کے لیے روئے گی وہ رات کے دس بجے سڑک پر کھڑا وین کا انتظار کر رہا تھا۔

وین میں بیٹھا وہ سڑکوں درختوں، راستوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب اسٹاپ پر اترا تو یہاں سے اکیڈمی دو میل دور تھی۔ وہ پیدل ہی چل پڑا۔ وہ خوش تھا بہت خوش ہر چیز کو آخری بار دیکھ رہا تھا مگر جب اکیڈمی کے پاس پہنچا تو چہرہ آنسو سے بھرا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آئی یہ آنسو کیوں؟

ایئر پورٹ پر اسے احمد لینے آیا۔ وہ فلسطین سے آیا تھا۔ یہاں ثنا کے والد وحید الدین کے سپر اسٹور پر کام کرتا تھا۔ اسی نے بتایا کہ وحید صاحب ہسپتال میں ہیں۔ جب وہ ان کے گھر پہنچا تو ثنا گھر پر تھی۔ گندمی رنگت اور بے انتہا سلکی بال جو کندھوں تک تھے اس نے وہائٹ ٹراؤزر پر پنک شرٹ اور پنک اسکارف لیا ہوا تھا۔

"کیسا رہا آپ کا سفر!"

"اچھا رہا!"

"آپ تھک گئے ہوں گے، احمد آپ کا کمرہ دکھا دے گا۔ مجھے ابو کے پاس جانا ہے واپسی میں آپ سے بات ہو گی۔ دراصل کل اچانک ابو کے سینے میں درد شروع ہو گیا۔ پھر ان کو ہوسپٹلائز کرنا پڑا۔

اب وہ کافی بہتر ہیں دو تین دن میں وہ گھر آ سکیں گے۔ آپ فریش ہو جائیں۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو احمد سے کہہ دیجیے گا۔ میں چلتی ہوں۔" وہ خاموشی

سے اسے سن رہا تھا۔ اسے اس کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے بیگ اٹھایا۔

"اچھا اللہ حافظ!" اس کے جانے کے بعد احمد نے اسے کمرہ دکھایا۔ کھانا وغیرہ کھا کر وہ آرام کی غرض سے لیٹ گیا۔ اس وقت شام کے پانچ بجے تھے۔ جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو دس بج چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیچے اترا سائیڈ پر کچن تھا نیچے لاؤنج تھا۔ سامنے گلاس ونڈو تھی جس کے سامنے راکنگ چیئر پر وہ بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔

اس نے جب اس کی موجودگی محسوس کی تو اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ کافی پئیں گے؟"

"نہیں مجھے کافی اچھی نہیں لگتی چائے مل جائے تو۔" اس نے رک کر اس کی طرف دیکھا وہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے پر اس نے نظریں جھکائیں۔

"چائے تو میں اتنی اچھی نہیں بناتی۔ مگر کوشش کرتی ہوں۔"

وہ کچن میں چلی گئی وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دو کپ لے آئی۔

"یہ لیں۔" اس نے کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"پی کر بتائیں کیسی بنی ہے۔"

چائے واقعی اچھی نہیں بنی تھی۔ اس سے بہتر تھا وہ کافی ہی پی لیتا۔

"اچھی ہے!" اس نے کہا۔

اس نے بے یقینی سے حسنات کی طرف دیکھا۔

"آپ کے ابو اب کیسے ہیں!"

"کافی بہتر ہیں میں نے انہیں بتا دیا کہ آپ آ گئے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ کافی باتیں تو ہم فون اور نیٹ پر کر چکے ہیں۔ آپ میرا مسئلہ سمجھ گئے ہوں گے دراصل ابو چاہتے تھے کہ میں شادی کسی پاکستانی سے کروں۔ جب سے وہ ہارٹ پیشنٹ ہوئے تو بہت پریشان رہنے لگے۔ اصل میں میرے بھائی نجو بوسٹن میں ہوتے ہیں ایک میکسیکن لڑکی سے شادی کی، تو

ابو بہت ناراض ہوئے اور ان سے قطع تعلق کر لیا۔ اب وہ سمجھتے تھے کہ شاید میں بھی ایسا ہی کروں گی۔

ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ انہیں ٹینشن سے دور رکھا جائے۔ مگر میں جوناتھن سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ وہ میرا کلاس فیلو ہے۔ مگر ابو کی وجہ سے میں نے آپ سے رابطہ کیا میری دوست نے جو پاکستان میں ہے آپ کے متعلق مجھے کافی بتایا تھا۔" وہ اب تک اسے خاموشی سے سن رہا تھا۔

"آپ سمجھتی ہیں کہ آپ کے والد کو پتا نہیں چلے گا کہ آپ نے ان کے ساتھ دھوکا کیا۔"

"اس وقت مجھے یہی سمجھ آیا تو میں نے کیا۔ مجھے اور جوناتھن کو کچھ وقت چاہیے ہو سکتا ہے میں ابو کو قائل کر لوں۔"

"کیسے! جب آپ انہیں یہ بتائیں گی کہ یہ پیپر میرج ہے تو انہیں دکھ نہ ہو گا۔" اس نے بہت طنز سے اس سے پوچھا۔

"نہیں کیونکہ میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گی کہ یہ پیپر میرج ہے۔ جب تک ابو کی حالت اچھی نہیں ہوتی تب تک تو نہیں مگر بعد میں ہمارے درمیان اختلافات شروع ہو جائیں گے اور ہم علیحدہ ہو جائیں گے۔"

"آپ اپنے ابو کو جوناتھن کے لیے قائل کرتیں شاید وہ مان جاتے۔" حالانکہ یہ اس کے حق میں نہ تھا مگر وہ اسے زچ کر رہا تھا۔

"شاید میں ایسا کرتی مگر ایک تو ابو بیمار ہو گئے۔ پھر جوناتھن نے سوچنے کے لیے وقت مانگا۔ مجھے صرف یہی راستہ نظر آیا کہ۔"

"یہ لڑکی اتنی ہی سادہ ہے جتنی یہ ظاہر کر رہی ہے۔" وہ بغور اسے دیکھتا سوچ رہا تھا۔

"آپ کو ہر ماہ دو ہزار ڈالر ملیں گے۔ آپ چاہیں تو ہمارے اسٹور پر کام کر لیں یا پھر جو آپ کو مناسب لگے۔ ابو کا بیڈ روم نیچے ہے۔ آپ کا بیڈ روم اوپر میرا زیادہ وقت اسٹور پر گزرتا ہے، ہمیں کب تک یہ مینج کرنا ہے مجھے نہیں پتا! میں تھک گئی ہوں سونا چاہتی ہوں!"

وہ اٹھ کر چلی گئی اور وہ اپنے خیالوں کے تانے بانے

بننے لگا۔

٭ ٭ ٭

دو دن بعد وحید الدین سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ بہت ہنس مکھ انسان تھے۔ اس کا کچھ وقت اسٹور پر گزرتا۔ گھر میں زیادہ وقت وحید الدین کے ساتھ گزرتا۔ انہوں نے اپنے حالات بتائے کہ جب بیس سال پہلے وہ امریکہ آئے تو خالی ہاتھ تھے آہستہ آہستہ انہوں نے ایک ٹیکسی کرائے پر چلانا شروع کی پھر پیسے جمع کر کے اپنی ٹیکسی لی وقت کے ساتھ ٹیکسیوں کی تعداد بڑھتی گئی پھر انہوں نے ٹیکسیوں کا کاروبار ختم کر کے سپر اسٹور خرید لیا۔ ثنا دو سال کی تھی جب وہ امریکہ آئے پھر کبھی پاکستان نہیں گئے پہلے پانچ سال تو چھپ کر کام کیا بہت مشکل سے یہاں کی شہریت ملی۔ جب پاکستان میں ان کی بیوی فوت ہو گئی تو ثنا کو انہوں نے امریکہ بلا لیا۔

وہ بہت سادہ اور صاف گو انسان تھے۔ کبھی کبھی اسے انہیں دیکھ کر بہت دکھ ہوتا تھا۔ ایک دن وہ دونوں باتیں کر رہے تھے کہ انہوں نے کہا۔

"بیٹا میرے مرنے کے بعد تم سب کچھ ختم کر کے پاکستان چلے جانا میں نے اسی لیے ثنا کی شادی پاکستانی سے کی تاکہ وہ واپس چلی جائے مگر وہ جانا نہیں چاہتی میں تو کب کا چلا جاتا۔ اب اس عمر میں احساس ہوتا ہے۔ جو ہم نے یہاں پایا ہے تو کھویا بھی بہت ہے۔ ہم خواہش لے کر یہاں آتے ہیں مگر اس کے چنگل میں پھنس کر یہاں ہی رہ جاتے ہیں۔ میں پاکستان میں دفن ہونا چاہتا ہوں اپنی مٹی میں۔"

"مگر انکل پاکستان اب ویسا نہیں جیسا آپ چھوڑ آئے تھے۔" وہ باتیں کر رہے تھے کہ ثنا آگئی۔

"کیسے ہیں آپ ابو!" اس نے بیگ سائیڈ پر رکھا۔

"کھانا کھایا آپ نے۔ میں بنا کر گئی تھی۔"

"ہاں بیٹا کھا لیا تم بھی کھا لو۔"

"جی حسنات آپ نے کھا لیا۔"

"میں نے اور انکل نے اکٹھے ہی کھایا ہے۔" پھر وہ کچن میں چلی گئی۔

٭ ٭ ٭

وقت گزرتا گیا۔ اسے یہاں آئے ہوئے دو سال کا عرصہ گزر گیا۔ سب صحیح چل رہا تھا۔ اس نے اسٹور کو بھی سنبھال لیا تھا۔ اب وہ اس پوزیشن میں تھا کہ اپنا کوئی کاروبار شروع کر سکتا تھا۔

پاکستان میں فضہ کی شادی ہو گئی تھی۔ ثنا اور وہ ابھی بھی اجنبی ہی تھے۔ وہ ایک دفعہ جوناتھن سے بھی ملا۔ ثنا نے اس کا تعارف اپنے کزن کے طور پر کروایا۔ وہ ایک معقول انسان تھا۔ اب وہ اس طوق سے بھی جان چھڑانا چاہتا تھا مگر ثنا کے ابو ابھی بھی صحت یاب نہ تھے۔ شوگر کی وجہ سے دل کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہو چکا تھا۔ اس کا سامنا ثنا سے کم ہی ہوتا تھا۔ اس کا گھر میں پسندیدہ کونا ونڈو گلاس کے پاس چیئر تھی جہاں وہ باہر دیکھتی رہتی جانے کون سے مسائل حل کرتی رہتی۔

سب ٹھیک چل رہا تھا مگر اس کے ساتھ پے در پے ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کیا یہاں رہنا ٹھیک ہے مگر وہ یہاں کی سہولتوں کا عادی ہو چکا تھا اور کچھ ڈھیٹ بھی واقع ہوا تھا۔

یہاں اسے پاکی کہہ کر نفرت کا نشانہ بھی بنایا جاتا مگر اسے پاکستان سے اتنی محبت نہ تھی کہ اسے برا لگتا مگر اپنی ذات کے لیے نفرت اچھی نہ لگتی ایک دن کچھ لڑکوں نے اسے گھیر کر مارا وہ کافی زخمی ہو گیا۔

مگر پھر بھی اس کا یہاں رہنے کا فیصلہ نہ بدلا۔

مگر ایک دن کیا، کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جو آپ کو بدل دیتے ہیں۔ ہوا یوں کہ راستے میں ایک بھکاری تھا جو اپنا ہیٹ زمین پر رکھ کر مانگ رہا تھا اس نے کچھ سکے اس کے ہیٹ میں ڈال دیے اور آگے چل دیا۔ اس نے اسے آواز دی، وہ واپس مڑا۔

"آر یو مسلم!" اس نے پوچھا۔

"یس، بٹ وائے!" اس نے کہا۔

"ٹیک یور منی! باسٹرڈ! آئی ہیٹ مسلم اینڈ پاکستانی۔" اس نے یہ کہہ کر وہ سکے اس کے منہ پر مار دیے۔ وہ

جو مار کھا کر بھی زخمی نہ ہوا تھا۔ اس کے الفاظ نے اسے توڑ دیا جب وہ گھر پہنچا تو ثنا وہیں اپنی جگہ بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی آج درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے بھی نیچے تھا۔ مگر اسے سردی محسوس ہی نہ ہو رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اسے لگا وہ رو رہی تھی۔ مگر اس کی اپنی حالت ایسی تھی کہ وہ اس سے اس کے متعلق کچھ نہ پوچھ سکا۔

"میں واپس جانا چاہتا ہوں!" اسے لگا وہ زیادہ بولے گا تو رو پڑے گا۔

اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟" اس نے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

"ہاں! میں واپس جانا چاہتا ہوں اس پاکستان میں جہاں بجلی نہیں جہاں گندگی ہے۔ جہاں اگر غریب بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کیسے ہو گا پتا نہیں ہوتا۔ جہاں ٹوٹی سڑکیں گندی نالیاں بھوکے چہرے ہیں۔

جہاں فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے جانور کے ساتھ انسان بھی انتظار کرتے ہیں کہ کب بڑے صاحب کھانا ختم کریں اور بچا ہوا کھانا انہیں مل سکے۔"

"حسنات تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" ثنا اب حیران ہونے کے ساتھ پریشان بھی تھی۔

"میں جب بڑا ہوا تو میرا خواب تھا اچھی زندگی کا' بنیادی طور پر میں ایک فائیٹر ہوں ہارنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ بچپن سے کبھی ایک بھائی کے گھر کبھی دوسرے بھائی کے گھر میں نے خانہ بدوش سی زندگی گزاری۔ تو میں سوچا کرتا تھا پڑھوں گا تو میری زندگی میں بہتری آئے گی۔ میں نے اٹامک فزکس میں ڈگری لی یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد میں فاتح کی طرح سوچتا تھا مگر میری ڈگری کے باوجود مجھے کہیں جاب نہ ملی مجھے ایک چھوٹی سی اکیڈمی میں پڑھانا پڑا مجھے اس تمام سسٹم سے نفرت ہو گئی۔ میری نظر میں سب برے ہو گئے۔

میرا محور پیسہ ہو گیا بہت سا۔ وہ کیسے حاصل ہو گا۔ مجھے نہیں پتا تھا۔

میں کسی شارٹ کٹ کی تلاش میں تھا۔ بہت تلخ ہو گیا تھا۔ ایک لڑکی مجھے نیکی اچھائی کی طرف موڑتی رہی۔ مگر میں نہ اسے سنتا نہ کسی اور کو۔ ٹھیک ہے وہاں بہت کچھ نہیں مگر عزت تو تھی۔ میں وہاں کی لڑکیوں کو سوسائٹی کو برا کہتا مگر یہاں کی لڑکی سے وہاں کی لڑکی بہت بہتر ہے یہ تو ان کے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔

بس وہاں کے نوجوانوں کے پاس راستہ نہیں، کوئی بتانے والا نہیں درست کیا ہے ہماری اخلاقیات کیا ہیں؟

وہاں گرمیوں میں بہت لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے مگر وہاں کے لوگوں کی برداشت بھی تو دیکھو۔ غریب سادہ لوگ ساٹھ سال سے اس امید پر جی رہے ہیں بہت سے صرف رزق حلال چاہتے ہیں۔ بس وہ انتظار کر رہے ہیں ایک سچے انسان کا جو بے ریا ہو۔

خواتین ڈائجسٹ کا

نیا ناول

آرزو نکھر آئی

(آسیہ سلیم قریشی)

قیمت =/400 روپے

بذریعہ رجسٹری منگوانے کے لیے

=/430 روپے روانہ کریں۔

ملنے کا پتا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

ہم سے ہی تو وہ لوگ نکلیں گے جو ان کی امیدوں کو اور روشن کریں گے۔

میرے جیسے ہزاروں، جو شارٹ کٹ تلاش کرتے ہیں اگر وہ مل کر پاکستان کے لیے کام کریں تو ہم پتا نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ میں فضہ علی جیسوں کا مذاق اڑاتا تھا آج آپ مذاق بن گیا ہوں جو ایک بھکاری کی نظر میں بھی قابل عزت نہیں۔"

"تو تم چلے جاؤ گے؟"

"ہاں! اب بھی نہ گیا تو شاید میرے اندر ضمیر نام کی چیز، جو آخری دموں پر ہے، ہمیشہ کے لیے مر جائے گی۔ میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ تم ڈائیورس پیپر تیار کر لو یہ دھوکا بھی ختم ہو۔" اس کے چہرے پر آنسوؤں کی کئی لائنیں بن چکی تھیں۔ وہ انہیں صاف کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆

اس نے واپس جانے کا سب انتظام کر لیا تھا۔ ثنا ان دنوں کافی پریشان نظر آئی مگر وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے اس کے سامنے کچھ پیپرز رکھے وہ ڈائیورس پیپرز تھے اسے ان پر سائن کرنا تھے۔

وہ بہت دکھی تھی۔

"دیکھو پریشان نہ ہو جوناتھن اچھا انسان ہے تمہارے ابو شاید اس کے لیے مان جائیں۔ مجھے ان سے جدا ہونے کا بہت دکھ ہو گا۔"

"جوناتھن کی شادی ہو گئی ہے!"

"کیا!"

"ہاں!" وہ مسکرائی۔

"کیسے مگر تم تو کہتی تھیں کہ وہ" اس کے ہاتھ رک گئے۔

"دراصل میں اس سے تب تک شادی نہیں کر سکتی تھی جب تک وہ مسلمان نہ ہو جاتا! اس لیے یہ قصہ طویل ہو گیا۔ وہ مسلمان نہیں ہونا چاہتا تھا اور میں ایک غیر مسلم سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے میں سمجھتی تھی شاید جوناتھن نہیں ملا تو میں بہت دکھی ہوں گی۔ مگر جس دن اس کی شادی ہوئی تب میرے دل میں وہ کہیں نہ تھا۔ میں نے اللہ سے سکون مانگا خیر مانگی! اس ذات نے میری مدد کی۔"

کافی دیر وہ دونوں خاموش رہے۔

کل اس کی فلائیٹ تھی

"کہاں سائن کروں؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم پاکستان جا کر کیا کرو گے؟"

"میں!"

"ہاں تم!"

"میں وہاں ایک اسکول کھولوں گا۔ جہاں صرف میرٹ کی بنیاد پر بچے آئیں گے پاکستان کے ذہین دماغ جہاں میں اخلاقیات کے لیے فضہ علی کو رکھوں گا۔ وہ نیکی جو اسے زندگی کی طرف لے جاتی ہے وہ ان معصوموں کو دے۔ شائلہ کو لاؤں گا اسے کہوں گا حسنات واقعی بے بس ہو گیا ہے اس کی مدد کرو۔ ایک ایسا اسکول جہاں سے صرف پاکستانی نکلیں گے۔"

"حسنات تم نے کہا تھا کہ پاکستان میں پولوشن بہت ہے میں نے ماسٹرز ایگری کلچر میں کیا ہے کیا تم پاکستان میں درخت نہیں لگاؤ گے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"کچھ نہیں۔" وہ چپ ہو گئی۔

"سائن کہاں کروں؟" اس نے پوچھا۔

"تم ضرور سائن کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں میں سائن نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ جب وہ یہاں آرہا تھا تو فضہ نے اسے ایک کاغذ دیا اس پر اس نے ایک شعر لکھا تھا۔

ع ہمت ہے تو پیدا کر فردوس بریں اپنا
مانگی ہوئی جنت سے دوزخ کا عذاب اچھا

"ہم وہاں اپنی جنت بنائیں گے" ان کا عزم راسخ تھا۔ وہ دونوں مسکرا دیے۔

فضہ سوچا کرتی تھی کیا حسنات کبھی بدلے گا اور ابھی ابھی اس کا میسج آیا تھا کہ وہ اپنی گمشدہ جنت کے لیے واپس آرہا ہے۔ وہ پرسکون ہو کر مسکرا دی۔

☆ ☆

نیو سٹوڈنٹ لائبریری
ہسپتال روڈ صادق آباد
کتاب کے اوپر لکھنا منع ہے
ہو ... خراب ہو ... کتاب کی قیمت
جلد کرایہ وصول کیا
Ph. 068-5704367

صبا عیشہ اقبال

ویران و تاریک گوشے میں پڑا اکلوتا بینچ اور اس پر بیٹھی وہ اداس و تنہا لڑکی دھندلے منظر کا حصہ لگ رہی تھی۔ دبیز دھند نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اونچے اونچے درخت' زمین پر پڑے زرد رو پتے' گرجے کی عمارت اور اس کا اونچا کلس' دھند میں ڈوبے دھندلے دھندلے تھے۔

سردی کی شدت میں پچھلے دو دن سے مزید اضافہ ہو چکا تھا مگر اس پر اس منجمد کر دینے والی سردی کا کوئی خاص اثر محسوس نہ ہو رہا تھا۔ نہ جانے کتنے گھنٹے ہو

مکمل ناول

گئے تھے اسے اس طرح بیٹھے۔ گرے رنگ کا لمبا کوٹ' اونی مفلر اور بند جوتے سردی کی ٹھٹھرا دینے والی شدت کو روکنے میں کامیاب تھے یا نہیں لیکن اسے اڑتی دبیز دھند' ہلکی تاریکی' ویرانی اور تنہائی کا ذرہ بھر احساس نہ تھا۔ کبھی کبھار کھولا جانے والا قدیم گرجا ہفتے کی اس ڈھلتی سہ پہر میں بھی لوگوں سے خالی تھا۔

تاریکی اور دھند کی بڑھتی یلغار اسے سوچوں سے باہر کھینچ لائی۔ اس نے مفلر کو گردن کے گرد اچھی طرح لپیٹا اور زرد پتوں پر ہولے ہولے قدم دھرتی باہر نکل آئی۔ ہمیشہ کی طرح گھر آنے والی وہ پہلی ہستی تھی کوٹ ایک طرف رکھ کے اس نے اونچی آواز میں ٹی وی لگایا مگر ٹی وی کی اونچی آواز بھی اندر کی تنہائی کو کم کرنے میں ناکام رہی تھی باہر کی بہ نسبت اندر محسوس کی جانے والی حرارت تھی۔ ٹی وی بند کر کے وہ اپنے

کمرے میں آ گئی۔ اس کا بیگ ہمیشہ کی طرح تیار تھا ایک مختصر نوٹ لکھ کر فریج پر چپکایا اور بیگ لے کر باہر نکل آئی۔

"میں باربرا کے پاس انڈیا جا رہی ہوں۔"

کورا

رنگوں' روشنیوں اور خوشبوؤں کے شہر پیرس کی دھند میں لپٹی' ڈوبی رات انگڑائی لے کر بیدار ہو چکی تھی۔ لانگ ویک اینڈ کا مزا لیتے لوگ دھند سے بے نیاز تھے اس نے آنکھوں میں آنے والے پانی کو صاف کیا اور بیگ گھسیٹنے لگی۔ جہاز میں بیٹھی وہ نئی دنیاؤں کی طرف پرواز کر رہی تھی۔ نئی دنیا' نئی منزل' نئے لوگ' سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندتے وہ باربرا کے بارے میں سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"بچاؤ' بچاؤ' بچاؤ۔"

حیدر کا مسخرہ پن اپنے عروج پر تھا۔ آج چھٹی تھی اور تفریح کے لیے وہ دونوں بیچ پر آئے تھے ابھی رش کم تھا۔ حیدر کا دل تیراکی کو چاہ رہا تھا اور وہ دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پانی میں جا چکا تھا۔ وہ بہت اچھا تیراک تھا۔ کچھ دیر تنہا تیراکی کرنے کے بعد اس نے اسے آوازیں دینا شروع کر دیں۔

"یار باری آ جاؤ تم بھی۔"

حیدر حلق پھاڑ کر چلا رہا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتے ادھر ادھر دیکھنے میں مگن تھا چڑ کر اس نے "بچاؤ' بچاؤ"

کرنا شروع کر دیا تھا مقصد سراسر اسے چڑانا تھا اس کے بے سرے راگ الاپنے پر بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حیدر حلق پھاڑ پھاڑ کر بچاؤ بچاؤ کر رہا تھا جب اس نے اسے دور سے دریا کی طرف دوڑتے، دریا میں چھلانگ لگاتے دیکھا۔ وہ جو کوئی بھی تھی حیدر کو بچانے کے لیے پانی میں کود چکی تھی۔ اس اچانک افتاد پر جہاں اس کی حیرت و حالت دیدنی تھی وہیں حیدر کی چلتی زبان کو بھی بریک لگ چکا تھا۔ وہ گھبرا کر کنارے آن کھڑا ہوا۔ اس نے اپنا لمبا، بھاری گاؤن اتارنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

حیدر ہاتھ پاؤں مارتے خود تیرنے اور خود کو اس سے چھڑانے کی کوشش میں بے حال ہوا جا رہا تھا اور وہ اسے بالوں سے پکڑے باہر کھینچنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ لمبا بھاری گاؤن بھیگ کر دو من تو ضرور وزنی ہو گیا ہو گا جس کی بدولت نہ وہ خود تیر سکتی تھی نہ ہی اسے نکال پا رہی تھی۔ شاید وہ دونوں ڈوبنے والے تھے۔ زیر لب حیدر کو گالیاں دیتے، دانت کچکچاتے ناچار اسے ان دونوں کو بچانے ان کے پیچھے کودنا پڑا۔

"یار خدا کا واسطہ، بچا لے مجھے اس آفت سے یہ تو مجھے واقعی ڈبو کے چھوڑے گی۔ میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں پر کمبل ہی مجھے نہیں چھوڑ رہا۔"

حیدر کی چلتی زبان شاید آفت ناگہانی کے سبب کچھ دیر خاموش رہی تھی۔ اب اس کا واویلا واقعی متاثر کن تھا۔ دریا میں کودنے کے بعد اس نے جو سب سے پہلا کام کیا حیدر کے بالوں کو چھڑانے کا کیا تھا۔ وہ جان بچی سو لاکھوں پائے کے مصداق جلدی سے تیرتا ہوا کنارے کی جانب لپکا اور وہ دو من وزنی گاؤن سمیت بڑی مشکل سے اسے کھینچ کر باہر لایا تھا۔ اس مشقت پر وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ دو تین منٹ کے لیے اس نے اپنے اونچے لمبے وجود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

نیلی آنکھوں، سنہرے بالوں والی خوب صورت نن اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر وہ بھی اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ اسے حیدر کے ساتھ ساتھ اس پر بھی شدید غصہ آرہا تھا جو اب بغیر کچھ کہے کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہو چکی تھی۔ وہ اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتا رہا۔ بداخلاقی کی انتہا کرتے اس نے اس سے پوچھنا بھی گوارا نہ کیا کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔

"قسم اللہ پاک کی اگر آج تو یہاں نہ ہوتا تو پھر میں بھی یہاں نہ ہوتا۔ ہم تو ڈوبے ہیں تم کو بھی لے ڈوبیں گے والا معاملہ تھا یہ تو سراسر۔"

گھبرایا ہوا حیدر نہ جانے کہاں سے نکلا تھا۔ اس کا دل چاہا اس مسخرے کو اتنے جوتے لگائے کہ سارا مسخرہ پن بھول جائے بڑی مشکل سے ضبط کر کے اس نے اس نن کی طرف دیکھا جو ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ویسے دل خوش کر دیا اس سسٹر نے تو جتنے بھی نخرے دکھا لے آخر تجھے کودنا ہی پڑا نا پانی میں۔ قسم سے مزا آگیا۔ بڑا اکڑ فوں، اتنی آوازیں دیں لیکن......"

اسے چھیڑتے وہ اس سے دور ہو گیا تھا ورنہ شاید وہ کسی کا لحاظ کیے بغیر اس کی گردن دبوچ لیتا۔

"اوہ ڈیئر سسٹر تھینک یو، یو سیو مائی لائف۔"
(شکریہ سسٹر آپ نے میری جان بچائی۔)

اس کے جارحانہ تیور دیکھتے اس نے اسے زچ کرنے کا ایک اور حربہ استعمال کیا۔ وہ بغیر جواب دیے اور بغیر کچھ پوچھے اسی سمت چلنے لگی جدھر سے اس نے اسے دوڑ کر آتے دیکھا تھا تھوڑا آگے جا کر وہ رکی، پلٹ کر دیکھا اور پھر چلنے لگی۔

"اتنی خوب صورت لڑکی اور نن۔"

حیدر کی زبان کبھی کبھار ہی اندر ہوا کرتی تھی اور وہ کبھی کبھار کا لمحہ تھوڑی دیر پہلے آ کر جا چکا تھا اس لیے اب اس کے رکنے کے چانسز نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس کی بکواس کو یکسر نظر انداز کر کے اس نے اپنا جائزہ لیا۔ سفید شرٹ پر جگہ جگہ ریت کے ذرے چمک رہے تھے۔ جسم پر بھی ریت کا لیپ ہو چکا تھا۔ شرٹ اتار کر اس نے دوبارہ پانی میں چھلانگ لگا دی۔

اسے دیکھ کر حیدر بھی پانی میں چھلانگ لگا چکا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ تیراکی کر رہا تھا۔ اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مادام اگر آپ برا نہ مانیں تو میں بے بی کو اپنے ساتھ لے جایا کروں۔ عالیہ، فہمی اور عانیہ کے ساتھ اس کا اکیلا پن بھی دور ہو گا اور اداسی بھی کم ہو جائے گی بے بی بہت حساس ہے۔ دوسرے بچوں سے بہت مختلف اور کم گو۔ آپ نے دیکھا ہو گا سوسی اور سارہ کے آنے سے کیسی سرشار سی رہا کرتی ہے ان دنوں اس کی چھب ہی نرالی ہوتی ہے۔"

عائشہ نے ڈرتے ڈرتے اپنا مطمع نظر واضح کیا (اس کے لیے تو یہی مقام شکر تھا کہ یہ پیور فرنچ مادام انگلش بھی سمجھ اور بول لیتی تھی ورنہ یہاں کے مقامی باشندے نہ انگلش سمجھتے تھے نہ بولتے) کئی سال تک اسے بہت مشکل رہی تھی۔ مادام روز میرین بینک میں اعلا عہدے پر فائز، کیریئر بنانے کی مشتاق تھی لیکن اس کی سات سالہ بیٹی بیزن کس طرح اگنور ہو رہی تھی اسے بالکل علم نہ تھا۔ بیزن بہت حساس لڑکی تھی۔ عائشہ خود بھی اس کے لیے پریشان ہو جایا کرتی۔

وہ تھی بھی تو اس کی عالیہ جتنی وہ عام بچوں کی طرح ضد کرتی نہ کھیلتی یا تو پڑھتی رہتی یا سوچتی رہتی۔

بیزن کی آیا کے طور پر یہاں آئے اسے چھ مہینے ہو چلے تھے ان چھ مہینوں میں وہ اس سے کافی مانوس ہو چکی تھی اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کرنے لگی تھی۔ بیزن کی آنٹی اور اس کے بچے جب بھی آتے بیزن کی زندگی پر چھایا جمود کچھ کم ہونے لگتا۔ عائشہ کا تعلق پاکستان سے تھا خالد امین کے ساتھ کچھ سال پہلے وہ فرانس آئی تھی۔ اور یہیں پر مستقل رہائش پذیر ہو گئی تھی۔ خالد کی تین بہنیں بیاہنے والی تھیں اس لیے اسے بھی خالد کے ساتھ کام کرنے کے لیے نکلنا پڑا تھا۔ پہلے کچھ عرصہ اس نے ایک فلاور شاپ پر کام کیا تھا اور اب یہاں کام اس کی مجبوری تھا۔ پیرس مہنگا ترین شہر تھا۔ مادام روز میرین کے گھر اسے رات آٹھ بجے تک ٹھہرنا ہوتا تھا اس کی اپنی تین بیٹیاں عالیہ، فہمی اور عانیہ تھیں۔ بیزن کو اپنے گھر لے جانا جہاں بیزن کے لیے فائدہ مند تھا وہیں وہ بھی اپنے بچوں کو توجہ دے سکتی تھی۔

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

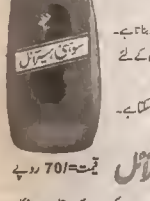

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل قیمت=/70 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے ---------- =/90 روپے
2 بوتلوں کے لئے ---------- =/160 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/240 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 2735021

"ٹھیک ہے۔"

عائشہ کو مختصر جواب دے کر اس نے سر کرسی کی پشت سے لگا لیا۔ لنڈا (بیزن کی پہلی آیا) کے جانے کے بعد اسے بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ چائلڈ ہوم گھر سے بہت دور تھا لنڈا کے جانے کے بعد کوئی اور آیا مل کے ہی نہ دی تھی۔ اس کا کیریئر متاثر ہو رہا تھا۔ ویسے بھی عائشہ کی عادتیں اسے بہت پسند تھیں وہ بہت صاف ستھری اور خیال رکھنے والی تھی بیزن بھی اسے پسند کرنے لگی تھی۔ عائشہ کے آنے سے اسے اپنے لیے بہت سا وقت مل جاتا تھا۔

سگریٹ سلگا کر وہ ہیرالڈ کو سوچنے لگی۔ ہیرالڈ جس سے اس کی ملاقات امریکہ میں ہوئی تھی۔ ورلڈ ایسوسی ایشن آف بینکنگ کی طرف سے اسے بھی مدعو کیا گیا تھا پھر فرانس میں بھی ان کی ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں۔ کچھ دن پہلے ہی اس نے اسے شادی کی پیشکش کی تھی۔ جوزف سے علیحدگی کے بعد وہ اکیلی رہ رہی تھی۔ جوزف سے علیحدگی کی وجوہات میں سے ایک اس کی آزاد روی بھی تھی۔ جوزف دوسری شادی کر چکا تھا اس کے پاس بیزن کے لیے کوئی جگہ نہ تھی ہینڈسم سے ہیرالڈ سے ہوئی ملاقاتیں اس کی نگاہوں میں پھرنے لگیں۔ راکنگ چیئر پہ ادھر ادھر جھولتے اس نے اس کے تصور کو اور قریب کیا۔ خوب صورت ہونٹوں پر مسکان خود بخود سج گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ خوب صورت مسکراہٹ کو ترسی ہوئی نگاہیں بڑی حسرت سے تک رہی ہیں۔ وہ مسکراہٹ جو اس کے لیے نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"بے شرم، بے غیرت ہو چکے ہو تم دونوں، نکھٹو اوارہ، لاپرواہ بہنوں کی کمائی پر عیش کیے جاؤ۔ ساری عمر کما کر کھلاتا رہا ہوں اب بھی مجھ ہی سے توقع کرو۔ غیرت نہ آئی تمہیں، نوکری نہیں ملتی تو جا کر مزدوری کرو نوکری ڈھونڈو، ریڑھی لگا دو یا شرم سے ڈوب مرو۔"

غصے میں اِدھر اُدھر ٹہلتے انہیں بالکل احساس نہ ہو سکا کہ دوسروں کے چرکے لگاتے وہ اپنی تسکین کا سامان تو کر رہے ہیں مگر ہر طرف ایک ایسی ان دیکھی آگ سلگ اٹھی ہے جو دوسروں کو ہر دم جھلسا رہی ہے اور جب بھی یہ باتیں یاد آئیں گی تکلیف کم ہونے کی بجائے بڑھے گی ہی۔ پاس پڑے موڑھے کو ٹھوکر مارتے پھنکارتے وہ باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی دروازے کو ٹھوکر مار کر باہر نکل گیا اور خالدہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھتی چلی گئیں۔ تیز آگ برساتی زبان کے انگارے جھلسا رہے تھے۔ ساری عمر وہ اسی آگ میں جلی تھیں، لیکن ابھی تک یہ آگ ان کے لیے ٹھنڈی نہ ہوئی تھی اس شخص کی زبان کی تیزی و درشتی اب ان کے لیے امتحان بننے لگی تھی جوان اولاد حالات اور باپ دونوں سے متنفر تھی۔

حفیظ چودھری صرف نام کے چودھری تھے۔ زمین جائیداد کوئی تھی نہیں۔ نوکری سے گھر کا گزارا جیسے تیسے ہو رہا تھا وہ بھی قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر ختم کر بیٹھے تھے۔

"پہلے بھائیوں کو بھرتا رہا ہوں اب میری بوڑھی ہڈیوں میں دم نہیں۔"

ایسی باتوں کے لیے وہ بوڑھے بن جاتے تھے لیکن خود کو بوڑھا ماننے پر تیار نہ تھے۔ انہیں روکنے والا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا دو بیٹیاں اور دو بیٹے جوان تھے مگر انہیں احساس تک نہ تھا۔ فرحانہ ایم اے کر کے فارغ تھی اور رضوانہ ایم اے کے دوسرے سال میں تھی ابدال تھرڈ ایئر اور قطب میٹرک میں تھا۔ دونوں کی تعلیم نامکمل تھی کوئی ہنر پاس نہیں تھا ایسے میں فرحانہ نے گھر کو سنبھالا تھا۔ پہلے پہل انہوں نے اس پر بھی ڈھیروں باتیں بنائی تھیں مگر بعد میں خاموش ہو گئے تھے۔ کئی پر خلوص دوستوں کے مشوروں کو انہوں نے ٹھوکروں سے دور اڑا دیا تھا۔

"تھوڑا سرمایہ کسی کاروبار میں لگا دو یا کوئی چھوٹا موٹا اسٹور ہی کھول لو۔ بیٹے ابھی تمہارے چھوٹے ہیں نوکریوں کے قابل نہیں۔ اس طرح بیٹھ کر تو انسان خزانے بھی کھا جائے۔ کوئی کاروبار شروع کرو گے تو بیٹے بھی ساتھ شامل ہو جائیں گے۔"

رفیق حیات ان کے اچھے دوستوں میں سے تھے گھر آنا جانا تھا انہوں نے پہلے دبے لفظوں میں اور پھر کھل کے بھی بات کی تھی مگر حفیظ صاحب بھلا کسی کی باتوں پر عمل کرتے۔

"جو پیسہ اپنے پاس وہی اپنا، کاروبار میں لگایا سو گنوایا اور پھر پرائز بانڈز کا کاروبار کر تو رہا ہوں منافع بھی ہوتا ہے اور کچھ بچت بھی مہینہ اچھا گزر جاتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کچھ پیسے تم بھی لگاؤ منافع ہی منافع رہی بات اسٹور کھولنے کی، ہمارے ہاں ایسے گھٹیا کام کرنے کا رواج نہیں۔"

انہیں جواب دے کر اخبار آنکھوں کے سامنے پھیلا لیا آنے والے دنوں میں ثابت ہو گیا تھا کہ رفیق حیات کی باتیں کچھ ایسی غلط بھی نہ تھیں اگر فرحانہ کچھ نہ کرتی تو نوبت شاید فاقوں تک آ جاتی ابدال اپنی پڑھائی کا خرچ خود اٹھا رہا تھا۔ تھوڑا بہت جمع کیا ہوا پیسہ بیٹھ کر کھاتے ختم ہو گیا تھا۔

باپ کے منہ سے نکلے تیر کھانے کے بعد ابدال کا جی چاہا کہیں ڈوب مرے یا کم از کم ایسی جگہ چلا جائے جہاں دوبارہ ایسی باتیں نہ سننی پڑیں۔ وہ بہت کم گھر میں ہوتا آدھا ٹائم کالج اور آدھا دوکان پر سیلز مین شپ کرتے گزر جاتا رات گھر میں گزارنی مشکل ہو جاتی۔

نہر میں کنکر پھینکتے اس نے اطراف پر نگاہ دوڑائی دن کے اجالے پر رات کا اندھیرا غالب آ چکا تھا۔ یہاں بیٹھے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ گاڑیوں کی جلتی بجھتی روشنیاں اس کے اندر کے اندھیرے کو کچھ اور گہرا کرنے لگیں۔ ایک گہرا سانس لے کر پینٹ جھاڑی اور مردہ دلی سے قدم اٹھاتا گھر کے راستے پر چلنے لگا۔

"کہاں چلے گئے تھے میرے بچے۔ قطب کب کا نکلا ہوا ہے تمہاری تلاش میں۔"

گھر میں داخل ہوتے ہی ماں کو دروازے کے قریب ٹہلتا پایا تھا یہی ایک چیز تھی جو ہر بار اس کے قدم روک لیتی تھی ورنہ نہ جانے وہ کیا کر چکا ہوتا۔ ایک جلتی بلتی نظر اس نے ماں پر ڈالی جس کے چہرے پر آنسوؤں کے واضح نشان تھے۔

"کہیں نہیں۔"

مختصر جواب دے کر وہ اندر چلا آیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہی اندر آ گئیں۔

"کھانا لاؤں۔"

اس کا اترا، مرجھایا، کملایا ہوا چہرہ اس کے اندرونی کرب کا غماز تھا۔

(اگر ہو سکے تو تھوڑا سا زہر لا دیں کہیں سے، جسے کھا کر ابدی نیند سو سکوں۔ جہاں کوئی فکر کوئی پریشانی نہ ہو، سکون ہی سکون۔)

"نہیں مجھے بھوک نہیں۔"

انہیں مختصر جواب دے کر اس نے چادر اوپر تک تان لی انہیں معلوم تھا کہ اس نے صبح سے کچھ کھایا نہیں ہے مگر وہ کچھ نہ کر سکتی تھیں۔ ان کی اپنی زندگی روتے گزر گئی تھی صبر و شکر سے گزارا کرتے ان کا خیال تھا کہ شاید اولاد کے جوان ہونے اور وقت کے

آپ کے ستارے

تیسرا ایڈیشن

ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔

☆ خوبصورت سرورق

☆ دیدہ زیب چھپائی

☆ آفسٹ پیپر، ☆ مضبوط جلد

قیمت صرف =/150 روپے

ڈاک خرچ =/30 روپے

آج ہی =/180 روپے کا منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال کریں

کتاب کے ملنے کا پتا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

گزرنے سے کچھ تبدیلی ان کی زندگی میں بھی آجائے گی مگرنہ وقت ان کے لیے بدلا تھا نہ ان کی حالت بلکہ ان کی اولاد بھی اسی ٹینشن کا شکار تھی۔

بے بسی سے رونے اور کڑھنے کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا انہوں نے فرحانہ کو ایک بار پھر اس کے پاس بھیجا لیکن فرحانہ کے کئی بار آوازیں دینے پر بھی وہ سوتا بنا رہا وہ اسے ہلائے بغیر مایوس و آزردہ ہو کر وہاں سے آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

بمبئی کے اس گنجان آباد علاقے میں باربرا کا فلیٹ تلاش کرتے اسے کوئی مشکل نہ ہوئی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے عین اس کے سامنے اتارا تھا۔ رات کے دس بجنے والے تھے کل کا سارا دن سفر کی نذر ہو چکا تھا۔ گزرتی عورتوں کی توجہ کو نظر انداز کر کے اس نے اطلاعی گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کون آگیا بھئی اس وقت۔ آرہیا بھئی آرہیا۔"

بنیان میں ملبوس سانولا مرد یقیناً "باربرا تو نہیں تھا۔

"سوری شاید میں غلط جگہ آگئی ہوں۔"

خود کلامی کے انداز میں اس نے معذرت کے ساتھ اپنے آپ کو تسلی دی۔ نیچے رکھا بیگ اٹھا کر جونہی مڑنا چاہا پیچھے سے آتی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

"کون ہے چنی ؟"

سوال انگلش میں کیا گیا تھا اور آواز اس کی جانی پہچانی تھی۔ باربرا اپنا حریری لبادہ سنبھالتی چنی کے پیچھے آن کھڑی ہوئی اور کورا کو دیکھ کر اس کی ساری کسلمندی سیکنڈ میں اڑن چھو ہو گئی۔ ایک چھلانگ مار کے وہ اس کے گلے لگ گئی۔

"او کورا تم ہو مجھے تو یقین نہیں آرہا۔ میرے لیے ایک سرپرائز ہے۔ تم سوچ نہیں سکتیں کہ میں کتنی خوش ہوں۔"

خوشی سے بے حال ہوتے اس نے ایک بار پھر اسے چوما۔

"چنی یہ میری بہت اچھی دوست کورا' اور کورا یہ چنی ہے تمہیں اس کے بارے میں بتایا تھا۔"

حریری لبادے کو سنبھالتے اسے بروقت تعارف کا خیال آیا تھا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے وہ اسے اندر لے آئی۔ باربرا سے ملنے کی ساری خوشی نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ باربرا جیسا والہانہ پن اس کے پاس مفقود تھا۔ جذبوں کی بجھی راکھ میں بہت تلاش کرنے پر بھی گرم جوشی کا کوئی شعلہ اسے دکھائی نہ دیا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر ناگواری' بے چینی اور بے حسی کو دور بھگانا چاہا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا۔"

باربرا کی گرم جوشی کے جواب میں اس کی بے حسی اور برف ایسا سرد رویہ' باربرا پریشان ہو گئی تھی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔"

سرد مہری کا برف لبادہ اتار کر اس نے گرم جوشی کی چادر اوڑھی۔ "اگر تم ان چیزوں سے بھاگتی ہو' برا سمجھتی ہو تو ضروری نہیں کہ سب تم جیسے بن جائیں۔"

باربرا کے باریک لباس اور چنی کو دیکھتے اس نے ایک بار پھر اپنے آپ کو سرزنش کی اور خود کو کمپوز کرنے لگی۔

انیس سال میں اس نے صرف ایک دوست بنائی تھی۔ باربرا ایک سال پہلے انڈیا آئی تھی اور فرنچ ایمبیسی سے ٹرانسلیٹر کے طور پر وابستہ تھی۔ باربرا سے اس کا ہمیشہ رابطہ رہا تھا وہ اسے چنی کے بارے میں بھی بتا چکی تھی مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس سے پہلی ملاقات ہی اس انداز میں ہو گی۔ فرانس میں "آزادی" کے مظاہرے وہ بارہا دیکھ چکی تھی مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ جس چیز سے بھاگ کر وہ یہاں آئی ہے وہی اسے اس "مشرقی" ملک میں پوری جزئیات سمیت نظر آنے والی ہے۔ فلیٹ کے اس اکلوتے کمرے میں اس کا دم گھٹنے لگا۔

"باربرا میں ہوٹل میں ٹھہروں گی۔"

صوفے پر نہ جانے کیسے کانٹے اگ آئے تھے۔ یکدم اسے ہر چیز بری لگنے لگی۔ چتن سنگھ عرف چنی بنیان میں ملبوس ایک طرف کھڑا دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا اور شاید اس کی بے چینی اور ناگواری کا سب سے بڑا سبب بھی وہی تھا۔ کھڑے ہو کر اس نے پاس پڑے بیگ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"کچھ غلط ہو گیا کیا۔ تم تو میرے پاس ٹھہرنا چاہتی تھیں۔"

باربرا واقعی فکر مند دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا باریک ریشمی لبادہ ہوا کے دوش پر پھڑپھڑا رہا تھا۔ اس نے نگاہیں جھکالیں۔ باربرا کو اچانک احساس ہوا۔

"او بھی نہیں۔ تم میرے پاس ٹھہو گی۔ تم نے وعدہ کیا تھا۔ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا ہے۔ اب تو میں ناامید ہونے لگی تھی۔ چنی بس جا رہا ہے۔"

باربرا نے اس کا ہاتھ تھام کر ایک بار پھر اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اسے یہ رات باربرا کے ساتھ گزارنی تھی۔

☼ ☼ ☼

"او ساٹھ کی دہائی کے اداس ہیرو! آجا خیالوں سے باہر اندر کے نظاروں سے نظر ہٹا کے ادھر ادھر بھی دیکھ لے' میں اکیلا بھلا ان گناہگار آنکھوں سے کیا کیا اور کدھر کدھر دیکھوں' نظارے ہیں کہ تاب لانا مشکل ہے۔ بہت ہو چکا یار اب آجا۔" حیدر کی زبان دانی اپنے عروج پر تھی۔ اسے ایک دھپ لگا کر وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"کدھر گم ہو جگر! گھر یاد آرہا ہے۔ اب یہ نہ کہہ دینا ہاں لڑکیوں کی طرح۔"

اس نے صرف اسے گھورنے پر اکتفا کیا۔ ان دونوں میں بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی اسے اس کی کوئی بات بری نہ لگتی۔ اس لیے حیدر بھی خوب بولتا۔ شانزے لیزے کے کیفے ڈی سوانا کے باہر رکھی کرسیوں پر براجمان ہفتے کو انجوائے کرنے کے موڈ میں گھر سے نکلنے والے دونوں دوست ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے۔ حیدر بھرپور انجوائے منٹ کے موڈ میں تھا۔ اس لیے اسے بھی اپنے ساتھ کھینچ لایا تھا حالانکہ اس کا آنے کا بالکل ارادہ نہیں تھا مگر وہ حیدر ہی کیا جو اس کی بات مان جائے۔ پہلے وہ اسے کھینچ کر پرفیوم ہاؤس لے گیا تھا جہاں ہر قسم کا پرفیوم "چیک" کرنے کے بعد اب اس کے پاس سے طرح طرح کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں اسے اس کی اسی بات سے چڑ تھی مگر وہ بھی اپنی عادت سے مجبور تھا۔

حیدر کا تعلق انڈیا سے تھا اس کا سارا خاندان ہندو مسلم فسادات کی بھینٹ چڑھ چکا تھا اس لیے اس نے کبھی واپس جانے کے بارے میں نہ سوچا تھا کہتے ہیں کہ جب تکلیف حد سے بڑھ جائے تو مزاح تخلیق ہوتا ہے۔ شاید اس کے ہر وقت ہنستے رہنے کی بھی یہی وجہ تھی۔ پر خلوص دوست کے ساتھ وہ ایک اچھا انسان بھی تھا دونوں ایک کمرہ شیئر کرتے اس کے پاس اٹلی کے پیپرز تھے اور حیدر فرانس میں لیگل تھا۔ شینجن کی بدولت وہ آزادانہ کئی ممالک میں آجا سکتا تھا۔ اس نے بہت سی مشکلات کا سامنا کیا تھا۔

یہاں زندگی اتنی آسان بھی نہ تھی مگر وہ اس مشکل 'روپوش زندگی کا عادی ہو چکا تھا۔ ہر مہینے گھر رقم بھجوا کر وہ کبھی کبھار فون بھی کر لیا کرتا جانے کے بارے میں سوچتے ہی ایک ہی بات یاد آیا کرتی۔

"جاؤ تم بھی مزے لے لو باہر جانے کے اگر جسم کے کپڑے تک نہ اتروائے تمہارے تو نام بدل دینا۔ جتنا عیش کرنا تھا میری بدولت کر لیا۔ کام کرنا جوانوں کی موت ہے موت۔" لفظوں کے نشتر آج بھی اتنی ہی تکلیف دے رہے تھے۔ وہ خود پر ہنسنے لگا۔

"لگتا ہے تو تو گیا کام سے۔"

حیدر اسے مسکراتے دیکھ کر اچھل پڑا۔

"باری مسکراہٹ کی بجلیاں نہ گرا۔ سامنے دیکھ ذرا اس وقت سے ادھر دیکھے جا رہی ہے۔ اگر اس مسکراہٹ کی ڈور تھام کر ادھر چلی آئی تو سنبھالنا مجھے ہی پڑے گا تو تو کسی کام کا نہیں۔ اس لیے بتیسی اندر کر لے چل شاباش جلدی کر۔" وہ اسے بچوں کی طرح پچکارنے لگا اس کے مسخرے پن پر اسے بھی ہنسی آگئی دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کے ہنسنے لگے۔

وہ بہت اچھی تھی۔ پاکیزہ ' خوب صورت مسکراہٹ اور گرم جوش بانہوں والی۔ اسے نماز پڑھتے دیکھنا بیزن کے لیے بہت انوکھا تجربہ تھا۔ وہ منفرد تھی سب سے 'الگ ' یگانہ اور جدا' اس کے اردگرد جتنے لوگ تھے سب سے الگ۔ اس کی نظریں بھٹک بھٹک کر اسی پر آٹھہرتیں۔ عالیہ کے ساتھ کھیلتے اس نے ایک بار پھر عائشہ کو دیکھا جو آنسو بھری آنکھوں سے ہاتھ اوپر اٹھائے کچھ پڑھنے میں مشغول تھی۔ خوب صورت آنکھوں میں ابھرے آنسو اسے بے چین کرنے لگے۔ عالیہ کو وہیں چھوڑ کر وہ اس کے پاس آگئی۔

"آنٹی آپ رو کیوں رہی ہیں۔" گھٹنے زمین پر ٹیکتے اس کے لیے اس سوال کا جواب جاننا بہت اہم تھا۔

"بیٹا میں رو تو نہیں رہی۔ دعا کر رہی تھی۔"

برستی آنکھوں کے برعکس ہونٹوں نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔ اس کے ننھے ذہن میں مام کے ساتھ چرچ میں گزاری جانے والی کبھی کبھار کی صبحیں گھومنے لگیں۔

"کیا مام نے کبھی دعا نہیں کی۔"

اس کا ننھا دماغ اس سوال کا جواب دینے سے قاصر تھا بہت سی دوسری الجھنوں کے ساتھ ایک نئی الجھن ' گرہ کا اضافہ ہوا تھا۔ پھر کھیل میں اس کا دل نہ لگا تھا۔ وہ مسلسل اسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ کچن میں کام کرتے اس نے اس کی طرف خوب صورت مسکراہٹ سے دیکھا سنک پر ہاتھ دھو کر وہ اس کے پاس آگئی۔

"بیٹا آپ ادھر کیوں کھڑی ہیں۔ عالیہ ' فہمی کے ساتھ کھیلو جا کر۔ فہمی نے آپ کو اپنے کھلونے نہیں دکھائے جو اس کے پاپا اس کے لیے لائے ہیں۔" اس کے سنہرے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اس نے اسے اندر بھیجنا چاہا۔

"آنٹی آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

اندر جانے کی بجائے وہ ابھی تک وہیں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی جھجکتے جھجکتے ۔۔۔ اس نے پوچھا۔

اسے ساتھ لیے لیے وہ اندر آگئی جہاں عالیہ 'فہمی اور عانیہ باربی کے کپڑے بدلنے میں مشغول تھیں۔

"جی بیٹا پوچھو۔"

"جیسے آپ دعا کر رہی تھیں ایسے دعا کرنے سے خدا دعا قبول کر لیتا ہے؟"

اس کا دھیان ابھی تک وہیں اٹکا ہوا تھا۔

"جو دعا بھی سچے دل سے کی جائے اثر رکھتی ہے اور ضرور قبول ہوتی ہے۔"

اپنے پاس بٹھا کر اس نے اسے پیار کیا۔ جواب اگرچہ مختصر تھا مگر ایک خوشی کا عکس اس کے چہرے پر نظر آنے لگا۔ اس کا کہا اس کے لیے حرف آخر تھا۔ اب اسے کسی اور سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"آپ مجھے بھی اسی طرح دعا کرنا سکھائیں گی؟"

اشتیاق ' امید بھری نیلگوں آنکھیں اس کے چہرے پر بھٹکنے لگیں۔

"ضرور سکھاؤں گی۔ آپ کیا دعا کرنا چاہتی ہیں؟"

یقین کا سرا اس کے ننھے ہاتھوں میں تھما کر اس نے ایک بے ضرر سا سوال ہی کیا تھا مگر دوسری طرف لمحے بھر کی خوشی کے بعد بہت جلد اداسی چھا گئی تھی۔ اداسی اور ناسمجھی کی دھند ' نیلگوں آنکھوں میں پھیل کر انہیں دھواں دھواں کر گئی۔

"وہ خدا سے کیا دعا کرے گی؟"

اس نے کئی بار خود سے سوال پوچھا ۔۔۔ لیکن ایک اسی سوال کا جواب تو اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ چپ تھی بالکل خاموش ' ساری خوشی کہیں ہواؤں میں تحلیل ہو گئی تھی۔ خوشی جس کی مدت بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس حساس لڑکی کی کیفیت سمجھ کر عائشہ نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

☼ ☼ ☼

"اسی لیے تو لنچ بنا کر دیتی ہوں آپ لوگوں کو۔ وہاں سے کچھ لے کر نہیں کھانا آپ نے صحت بھی خراب ہوتی ہے اور ہمارے لیے وہ اچھی بھی نہیں ہے اللہ

نے ہمیں بہترین انسان بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔ بہترین انسانوں کے لیے چیزیں بھی بہترین ہونی چاہئیں۔ وطن سے دور ضرور ہیں مگر ہمیں اپنا سب کچھ یاد رکھنا ہے۔ اپنی پہچان برقرار رکھنی ہے۔"

اس نے تھوڑا سا توقف کر کے ان چاروں کی طرف دیکھا جو خاموشی سے اسے سن رہی تھیں۔

"عالیہ بتا رہی تھی کہ آپ وہاں ہیم برگر کھانے کی ضد کرتی رہی ہیں۔"

انہوں نے فہمی کو فہمائشی نظروں سے دیکھا۔ فہمی نے شرمندہ ہو کر گردن جھکالی۔

"امی آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

شرمندگی اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔ اس کے سمجھانے کا انداز اتنا اچھا تھا کہ اس کا دل چاہتا وہ فوراً" اس کی ہر بات مان لے وہی کچھ کرے جو وہ کہہ رہی ہے مگر ان ساری باتوں میں اس کے لیے تو کچھ بھی نہ تھا کوئی ایک حرف بھی نہیں۔

"لیکن امی ۔۔۔۔ بیزن تو سب کچھ کھا لیتی ہے۔"

فہمی نے ماں کی جانب دیکھا جو اس کا سوال نظرانداز کر کے اپنے کام میں مشغول ہو چکی تھی یا مشغول نظر آ کر سوال کا جواب نہ دینا چاہتی تھی۔ بیزن کو ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے آن گھیرا اسے لگا جیسے سب کی آنکھیں اس پر ٹک گئی ہوں سب چیزیں اس کا مذاق اڑانے لگیں۔ اس نے جلدی سے ماتھے پر آئے پسینے کے قطرے صاف کیے۔

"آئندہ وہ ایسا کچھ نہیں کھائے گی۔"

ارادہ بہت پکا تھا۔ عہد اس نے خود سے کیا تھا اور مطمئن ہو گئی تھی۔

"لیکن میرے پاس لنچ تو نہیں ہوتا۔ صرف پیسے" ۔۔۔ سوال اندر سے اٹھا مگر ارادے کی مضبوطی اس سوال کی بدولت ڈولنے والی نہ تھی۔

"کوئی بات نہیں۔"

خود ہی سوال کا جواب تلاش کیا اور خود ہی مطمئن ہو کر ان ماں بیٹیوں کو دیکھنے لگی جن کو دیکھنا اسے ہمیشہ اچھا لگا کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"قطب! بات سنو۔ صبح تیار رہنا تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ آٹھ بجے تیار رہنا۔"

خبریں کب کی ختم ہو چکی تھیں اور وہ ابھی تک وہیں موجود تھے خالدہ ایک دوبار آ کر واپس جا چکی تھیں۔ وہ ان دونوں میں سے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔

"نہ جانے کیا کہنا ہے۔"

ایک خوف ہمیشہ ان کے سر پر سوار رہتا۔ یہی خوف اب بھی انہیں گھیرے میں لے چکا تھا۔ ابدال اور قطب دونوں لیٹ آتے تھے۔

اندر آتا قطب تو ٹھٹک کر رکا ہی تھا فرحانہ اور خالدہ بھی اپنی جگہ رک سی گئی تھیں۔

وہ ان کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"میرے دفتر چلنا ہے صبح تمہیں۔ تمہاری نوکری کی بات کی تھی میں نے خسرو صاحب سے کہہ رہے تھے کل لے آؤ۔" اسے بتا کر وہ سونے کے لیے چلے گئے۔

فرحانہ کو حیرت ہونے لگی۔ ایم اے پاس اور پروفیشنل ڈگری ہولڈر ڈگریاں لیے دھکے کھاتے پھر رہے تھے پھر ایک میٹرک پاس جس نے ابھی ایف اے کا امتحان بھی نہیں دیا تھا نوکری کی نوید بڑی حیرت کی بات تھی مگر کسی بات کی وضاحت ان کی سرشت میں بھلا کہاں تھی۔

"قطب کیوں پریشان ہو۔ دیکھ لینا ساتھ جا کر لوگ بھی ایسے ہی شوشا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کی بھی تسلی ہو جائے گی۔"

فرحانہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی سب سے چھوٹا تھا اور ہر ایک کے رُعب میں آجاتا تھا وہ اتنا پر اعتماد بھی نہ تھا اس کے میٹرک کرنے کے بعد وہ اس کی فیسیں بھر رہی تھی۔ ابو نے تو اسی وقت ہاتھ اٹھا دیے تھے۔

"میرے پاس اب کچھ نہیں۔ جو کرنا ہے تم لوگوں

کو خود کرنا ہے۔ پڑھنا ہے پڑھو نہیں تو جا کر نوکری کرو۔"
اب وہ خود بھی اکیڈمی میں پڑھا رہا تھا۔ گھر کے حالات سے حد درجہ متنفر لیکن مقام شکر تھا کہ پڑھائی سے نہیں بھاگا تھا ورنہ گھر کے حالات سے دلبرداشتہ ہونے والے نوجوان سب سے پہلے پڑھائی کو آزادی کی راہ کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اسے تسلی دیتے وہ خود کتنی مطمئن تھی لیکن اسے علم نہ تھا کہ اس کی یہ طمانیت صرف کل دوپہر تک ہے۔

"امی میرا خیال ہے کاسنی کو ڈسپرین کھلاؤں تو شاید برڈفلو سے بچ رہے گی۔"

رضوانہ کو مرغیاں پالنے کا شوق تھا اور اس کے شوق کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکتا تھا۔ اپنی لاڈلی مرغی کاسنی کو گود میں لیے وہ اسے ڈسپرین کھلا رہی تھی نہ جانے یہ بے ہودہ بات کس نے اسے بتادی تھی کہ ڈسپرین کھلانے سے برڈفلو نہیں ہوتا۔ باقی سب بہن بھائی سنجیدہ مزاج تھے اگر اس گھر میں ہنسی گونجتی تو اسی کی ہوتی جو پریشانیوں کے باوجود مسکرانے کا حوصلہ رکھتی تھی۔

"بے وقوف لڑکی ڈسپرین کھلانے سے کچھ ہونے والا نہیں۔ ان کو بند کرکے آؤ۔ لگتا ہے بارش ہونے والی ہے۔ چھت سے گندم بھی اٹھانی ہے۔ جلدی بند کرواسے 'میرے ساتھ آؤ۔"

اسے پیچھے آنے کا کہہ کر وہ خود سیڑھیوں کی جانب چل دیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر بادلوں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ ہر طرف اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ گرد کا بڑا ستون رقص کرتا ہوا آگے نکل گیا۔ بارش کی بوندیں گھنگرو باندھے چھت پر رقص کرنے لگیں۔ اس نے گندم اٹھائی اور نیچے دوڑ لگادی۔

"دھیان سے پاگلوں کی طرح دوڑ رہی ہو۔"

انہوں نے پیچھے سے آواز لگائی۔ گندم اندر رکھ کر وہ پھر باہر آگئی موسم بہت خوب صورت تھا اس کا دل چاہا وہ بارش اور ہوا کے ساتھ گول گول گھومنے لگے۔ دھڑام سے دروازہ کھلا اور قطب دندناتا ہوا اندر آگیا اسے دھکا دے کر ایک طرف کیا اور اس کی پروا کیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر پہلے کی ساری خوشی کافور ہو چکی تھی اور وہ حیرت سے دروازے پر نظریں جمائے اپنی جگہ کھڑی رہی۔

"کیا ہوا ہے اسے۔"

اندر جانے کی بجائے وہ وہیں کھڑی برستی بارش کو دیکھتی رہی۔

"بہت خوش ہوں میں آج اتنا کہ لفظ کم پڑ رہے ہیں خوشی کو بیان کرنے کے لیے چپڑاسی کی نوکری حاصل کرکے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے۔ دل چاہ رہا ہے ساری دنیا میں اعلان کرتا پھروں 'مٹھائی بانٹوں۔"

اس کی طنز اور استہزا میں ڈوبی آواز باہر تک آرہی تھی اس نے آنکھیں میچ لیں۔ کرب کی شدت سے آنسو بہنے لگے ان دونوں بھائیوں کے متعلق کتنے خواب دیکھ ڈالے تھے انہوں نے۔

"اس نوکری میں کتنا عیش ہے میرے باپ سے پوچھے کوئی۔ اوپر کی آمدن تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ پیسے ہی پیسے 'ہن برس رہا ہے چاہے کالا ہی ہو۔ ان کا کام صرف پیدا کرنا تھا ہمیں 'سارے فرائض ہمارے ہیں۔ پڑھنا چاہیں پڑھ نہیں سکتے اپنا خرچ اٹھانے کے باوجود زندگی چین سے نہیں گزارنے دیتے۔ کاش اس عقوبت خانے سے نجات مل سکتی۔ زندگی تو اتنی دشوار نہ ہوتی۔"

وہ بہت گستاخ ہو رہا تھا اور وہ تینوں دم سادھے اس کی گفتگو سن رہی تھیں۔

"آہستہ بولو قطب 'کچھ خیال ہے تمہیں کیا بول رہے ہو ہوش میں تو ہو تم۔"

سب سے پہلے انہیں ہوش آیا وہ اسے ڈانٹنے لگیں۔

"قطب! ریلیکس ہو جاؤ کیوں اتنے ٹینس ہو رہے ہو۔ نہ جاؤ وہاں کوئی باندھ کے تھوڑی لے جائیں گے تمہیں۔ آرام سے تعلیم مکمل کرو۔ ابھی بھی تم کون سا فارغ ہو۔"

فرحانہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہولے ہولے بولتی رہی اس کا تنفس ابھی تک زیروزبر تھا۔ گہرے

گہرے سانس لے کر اس نے اپنے آپ کو نارمل کرنا چاہا۔

"ہاں ہاں دو اس ویلے (فارغ) ناکارے کو اور شہہ۔ جنہیں بیٹھ کر کھانے کی عادت ہو جائے کام کرنا انہیں موت کے مترادف نظر آتا ہے۔ پڑھ لکھ کر ڈی۔ سی بنیں گے صاحب بہادر۔ چپڑاسی کی نوکری شان کے خلاف ہے۔ بہنوں کی کمائی پر عیش شان کے خلاف نہیں۔"

نفرت 'حقارت 'پھٹکار اور بے زاری۔ کیا کچھ نہ تھا ان کے لہجے میں وہ جو اس سارے معاملے سے یکسر لاعلم تھا۔ دروازے میں کھڑا صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا دوسری بار بہنوں کی کمائی کا چابک اس کی انا کو لہولہو کر گیا تھا۔ یہ طعنہ اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھا۔

"لوگ بریا پنچایت میں مجھ سے مشورے لیتے ہیں ایک میری ناخلف اولاد ہے۔ کبھی وہ نہیں کرے گی جو میں کہوں گا۔ ذلیل و خوار ہوتے پھر رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔"

اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے۔ زرد پڑتے چہرے انہیں پہلے کب نظر آئے تھے جو اب نظر آتے۔

"کبھی غور کیا کہ ہمیں ذلیل کرنے اور کروانے والا کون ہے؟"

اس کی برداشت کی حد بس اتنی ہی تھی آج وہ براہ راست ان سے مخاطب تھا باپ بیٹا حریفوں کی طرح آمنے سامنے تھے۔

"ابدال! اندر چلو۔ فضول بولنا بند کرو۔" خالدہ نے اسے کھینچ کر اندر لے جانا چاہا۔

"بند کرو یہ بکواس اور دور ہو جاؤ میری نظروں سے تم جیسی نافرمان اور گستاخ اولاد سے تو میں بے اولاد ہی بھلا تھا۔ تمہاری دی شہہ ہے جو آج یہ باپ کے سامنے یوں تن کر کھڑا ہوا ہے۔ ساری زندگی یہی سبق پڑھاتی رہی ہو تم ان سپولیوں کو۔"

اب تیروں کا رخ ان کی جانب ہو گیا تھا وہ اس پر گرج رہے تھے۔ سلگتی نظر اس بے حس شخص پر ڈال کر وہ اسے دھکیل کر اندر لے آئیں۔ اس بے حس شخص کو ابھی تک یہی علم نہ ہو سکا تھا کہ جوان اولاد اور خاص طور پر لڑکے جب باپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو باپ کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

"کس بات کی سزا مل رہی ہے ہمیں اس بات کی کہ اس گھر میں پیدا ہو گئے ہیں یا اس بات کی کہ ابھی تک کسی برے راستے پر نہیں بھٹکے۔ اگر یہی حالات رہے تو وہ دن بھی دور نہیں جب اشتہاریوں میں نام لکھا ملے گا آپ کو۔"

صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک گیا۔ جو باتیں وہ نہ کرنا چاہتا تھا اس کے لیے اسے مجبور کر دیا گیا تھا جب اسے پہلی بار طعنے دیے گئے تھے اس نے کالج جانا چھوڑ دیا تھا سارا دن ٹیکسٹائل فیکٹری میں گزار کر شام کو دکان پر چلا جاتا۔ اس کے دو دوست یو کرائن کا اسٹڈی ویزا حاصل کر کے جاچکے تھے ایک تو سرحد پار کرتا اٹلی میں سیٹ ہو چکا تھا۔ وہ بھی کسی کو کچھ بتائے بغیر پیسے جمع کر رہا تھا۔ یہاں رہنا اس کے لیے ناممکنات میں سے تھا۔

☆ ☆ ☆

"گھر میں نہیں دانے اماں چلی ہیں بھنانے یہ بھی خوب رہی کھانے کو روٹی نہیں اور صاحب بہادر باہر جا رہے ہیں وہ بھی اسٹڈی کے لیے۔ جو عیش کرنے تھے کرلیے ہمارے سر پر۔ باہر نکل کے دیکھو تو پتا چلے گا۔"

حفیظ چودھری اس کے باہر جانے کا سن کر جتے سے اکھڑ گئے تھے اس کا یوکرائن کا اسٹڈی ویزا لگ چکا تھا یہاں سے نکلنے کی صرف ایک ہی صورت نظر آئی تھی اسے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا اس طرح جانا بہت بڑا رسک ہے لیکن اسے یقین کامل تھا کہ اگر وہ یہاں رہا تو کچھ سالوں بعد یا تو کسی پاگل خانے میں ہو گا یا کسی جیل کی سلاخوں کے پیچھے۔

"شوق سے جاؤ مگر میری باتیں لکھ کر لے جانا ساتھ اگر بھول جائیں تو نکال کے پڑھ لینا۔ اگر جسم کے

کپڑے تک نہ اتروا لیے تو نام بدل دینا میرا۔"

دوسروں کو آگ میں جھونک کر نہ جانے کیسے سکون سے رہ لیتے تھے وہ۔ ابدال بہت ٹھنڈے مزاج کا تھا مگر ان کی باتیں سنتے سنتے اس کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ انہیں کہیں سکون ہی نہ مل رہا تھا کبھی اندر جاتے کبھی باہر آ جاتے۔

"کپڑے اتروا بھی لیے تو آپ کے پاس نہ آؤں گا اور آپ کی باتیں لکھنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں کوئی نئی بات نہیں کر رہے آپ۔"

دل میں سوچتے اس کا ارادہ بہت پکا تھا۔

"روز یہی گالی گلوچ سنتے آئے ہیں ہم' روز مارتے ہیں باتوں سے آپ ہمیں۔ اگر ارد گرد چلتے پھرتے لوگ آپ کو زندہ نظر آتے ہیں تو یہ آپ کی نظروں کا دھوکہ ہے چلتے پھرتے مُردوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں آپ روز ہم زندہ کب ہیں۔"

دو آنسو آنکھوں سے ٹپکے لیکن اسے علم نہ ہو سکا۔

"مر چکے ہم سب نشتر کھا کھا کے۔ بخش دیں اب ہمارے گناہوں کو "اللہ کے واسطے۔"

اونچا "لمبا جوان مرد سسکیاں لے کر رو رہا تھا۔ خالدہ بھی اس کے ساتھ رونے لگیں۔

"ہونہہ معاف کر دوں تمہیں تو اللہ بھی معاف نہ کرے گا کبھی۔" ہذیان بکتے انہوں نے شیشے کے گلاس کو زور سے ٹھوکر ماری۔ ساری کرچیاں ادھر ادھر بکھر گئیں۔ ساری زندگی انہوں نے باپ کو بولتے ہی سنا تھا۔ دکان سے واپسی پر اگر ویگن یا بس دیر سے ملتی تو سارا غصہ بیوی بچوں پر اترتا۔

"گرمی میں اَدھ موا ہو گیا کھڑا ہو ہو کے صبح سے خوار ہوتا پھر رہا ہوں کسی کو احساس بھی ہے اس گھر میں۔"

وہ سب کونے کھدروں میں دبک جاتے جیسے باپ کو ویگن کے نہ ملنے میں ان کا قصور رہا ہو۔ ہمیشہ سے ایک سہمی ہوئی فضا رہی تھی گھر کی جس میں کوئی کھل کے سانس بھی نہ لے سکتا تھا حالات سے دلبرداشتہ وہ یہاں سے نکلا تو واپس نہ آنے کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کورا اگر تم کہو تو میں سر رابرٹ سے بات کروں۔ ایمبیسی میں مترجم کی سیٹ خالی ہے اور تمہاری انگلش بہت اچھی ہے بلکہ اردو بھی۔"

باربرا نے نیلگوں آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکا جہاں اداسی' ویرانی اور بے چینی کا بسیرا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بہت دن باربرا کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہی تھی اب ہوٹل میں تھی وہ یہاں سے کسی نا معلوم مقام کی طرف بھاگ جانا چاہتی تھی مگر جگہوں سے فرار بھی اس کی بے چینی کو ختم کرنے میں ناکام رہا تھا۔ وہ بھاگتے بھاگتے تھک چکی تھی۔

"آرام' سکون' خوشی۔"

اس نے تھکی تھکی آنکھیں باربرا کے پر سکون چہرے پر گاڑ دیں شاداں خوش و خرم' طمانیت کی لہریں یہاں سے وہاں تک رقصاں۔

"سر رابرٹ اچھے انسان ہیں تم مل کر یقیناً" خوش ہو گی" باربرا نے لپ اسٹک ٹھیک کرتے ایک بار پھر اسے متوجہ کیا۔

"خوش۔"

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کیا وہ مام کے پاس واپس جانا چاہتی ہے۔"

خود سے کیے گئے سوال کا جواب فوراً" ہی مل گیا تھا۔

"نہیں۔"

پہلے خیال کی تردید کرتے اس نے باربرا کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے باربرا تم بات کر لو۔ اگر مجھے جاب مل جائے تو اچھا ہے شاید۔"

وہ پھر سرمئی دھند لکوں میں کھونے لگی۔

"تمہاری گرینڈ ما کا فون آیا تھا۔ تم انہیں بتا کر نہیں آئیں وہ کافی پریشان لگ رہی تھیں۔" کافی کا مگ اس کے سامنے رکھتے باربرا نے بتایا۔

"نانی کو میرا انتظار رہتا ہے شاید اب بھی انتظار کر کے تھک چکی ہوں گی۔"

سفید ہاتھوں کی سبز نسوں کا جال سامنے کرتے اس نے باربرا کو بتایا۔

"تمہارے پاس آنے کی خوشی میں مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔"

"میرے پاس آنے کی خوشی۔"

باربرا نے زیر لب اس کے کہے جملے کو دہرایا ساتھ ہی اسے اس کا سرد و برف رویہ بھی یاد آیا تھا۔ اس نے ایک سوچتی نظر کورا پر ڈالی۔

"میں ابھی گرینڈ ما کو فون کرتی ہوں۔"

کچھ ہی منٹ میں اس کا اداس چہرہ خوشی' جوش اور ولولے سے تمتمانے لگا۔ فون کرتے اس کے چہرے پر بے زاری کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"نہ جانے کورا کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔"

وہ اس کی بہت اچھی دوست تھی مگر اس کی سوچوں سے یکسر لاعلم۔

اس کا سوشل سرکل نہ ہونے کے برابر تھا۔ کئی بار اس کی مام اسے اس بات پر ڈانٹ چکی تھیں۔ لڑکوں سے دوستی تو دور کی بات اس کے تعلقات لڑکیوں سے بھی نہیں تھے۔ اس کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں تھا لڑکیاں اسے ترس کھانے والی نگاہوں سے گھورتی تھیں لیکن اسے کوئی فرق نہ پڑتا۔ باربرا سے اس کی دوستی ہائی اسکول کے زمانے میں ہوئی تھی اس دوستی کو بنائے رکھنے میں بھی زیادہ ہاتھ باربرا کا ہی تھا اگرچہ ان دونوں کی عادات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اسکول کے بعد کالج میں ان دونوں کے مضامین مختلف تھے اس کے انگلش اور فائن آرٹس اور باربرا کے موسیقی اور جغرافیہ پارٹیوں' شور ہنگاموں سے دور بھاگنے والی کورا کو اس کی کلاس فیلوز نے "نن" کا نام دے دیا تھا اس میں بڑا ہاتھ اس کے لباس کا بھی تھا۔ وہ کبھی کسی کی منظور نظر نہیں رہی تھی اپنے ماں باپ کی بھی نہیں۔ اگرچہ وہ واحد اولاد تھی۔ باربرا کے ساتھ فرنچ ایمبیسی جوائن کیے اسے کتنے مہینے ہو گئے تھے۔ باربرا نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ اس کے ساتھ رہے مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ بہت دن ہوٹل میں رہنے کے بعد باربرا کی بلڈنگ میں اسے بھی ایک فلیٹ مل گیا تھا۔

آفس ٹائم ختم ہو چکا تھا۔ پیپرز سمیٹ کر لاک کیے۔ اسکارف ٹھیک کیا اور باربرا کی جانب چل دی مگر اسے دیکھتے ہی اسے اس کی صبح کی خوشی اور بے چینی یاد آ گئی۔ 'آج اسے چنی کے ساتھ ڈنر کے لیے جانا تھا چنن سنگھ کے ساتھ باربرا کی ملاقات نہ جانے کہاں ہوئی تھی' شاید وہ دونوں شادی کرنے والے تھے' اس سے اتنی دوستی ہونے کے باوجود اس نے کبھی کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ باہر نکل آئی۔ باربرا کئی بار اسے ساتھ چلنے کو کہہ چکی تھی مگر اس نے انکار کر دیا تھا موسم قدرے گرم تھا۔ اس نے پسینہ صاف کیا ایئر کنڈیشنڈ کمرے سے نکلنے کے بعد گرمی کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ سر جھکائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ فلیٹ کی جانب بڑھنے لگی جو آفس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ باربرا نے اسے پیدل چلنے سے منع کیا تھا۔ لوگ مڑ مڑ کے دیکھ رہے تھے۔

"ہے کورا' باربرا کدھر ہے۔"

سفید بالوں والے رابرٹ جانسن نے سر گاڑی سے باہر نکالا۔

"اسے کچھ کام تھا۔"

"آؤ میں چھوڑ دیتا ہوں۔" رابرٹ جانسن کا لہجہ اور انداز دوستانہ تھا۔ وہ ایک اچھا شخص تھا۔

"میرا فلیٹ دو منٹ کی واک پر ہے۔ اور پیدل چلنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ بہت شکریہ۔"

اس نے خوش اخلاقی سے منع کیا۔

"جیسے تمہاری مرضی' اپنا خیال رکھنا' کل ملاقات ہو گی۔" کندھے اچکا کر خالص فرنچ انداز میں خیال رکھنے کا کہہ کر انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کا کہا۔

"آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا سر۔"

فلیٹ کا دروازہ کھول کر سب سے پہلے میسج مشین آن کی جس پر کوئی میسج موجود نہیں تھا۔ کافی کا مگ ہاتھ میں تھا میگزین دیکھتے نہ جانے آنکھ کب لگی

تھی۔

”بور لڑکی ساتھ چلتیں تو کتنا مزا آتا۔“

باربرا نہ جانے کب آئی تھی۔ آنکھیں ملتے اس نے وقت دیکھا اور پھر باربرا کو جو بہت خوش تھی۔

”کیسا رہا ڈنر۔“

”بہت اچھا۔ جینی کا دوست بھی ساتھ تھا۔ بہت اچھی باتیں کرتا ہے۔“ اسے بتاتے باربرا اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

”جینی نامہ علی نامہ بن چکا تھا۔ نہ جانے کون ہے۔“ اس نے ناگواری سے باربرا کی طرف دیکھا۔ جو نان اسٹاپ علی کی باتیں کیے جا رہی تھی۔

”جب بھی ملاقات ہوئی تم سے ضرور ملواؤں گی بہت دلچسپ آدمی ہے۔“

کچن کی طرف جاتے اس نے باربرا کی آواز سنی۔ ترنگ میں وہ کچھ گا رہی تھی۔ اس کی خوب صورت آواز اسے فرانس لے گئی بے چینی اور بے قراری ایک دم بڑھ کر چاروں اور چھا گئی اس کا دل چاہا وہ فوراً“ وہاں پہنچ جائے لیکن وہاں اس کا انتظار کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بھولی بسری یادوں کی انگلیاں تھامے وہ ایک خوب صورت گھر میں پہنچ گئی جہاں راحت‘ سکون‘ پیار‘ تسکین سب ہی کچھ تھا۔

”دوپٹا اوڑھ کر دیکھو میری بچی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔“ اس نے دوپٹا اوڑھ کر دیکھا واقعی وہ خود کو زیادہ اچھی لگی تھی۔

”ہمیشہ اسی طرح رہا کرو۔“

اس نے غور سے ان کی جانب دیکھا جو انہماک سے اسے سن رہی تھیں۔ اس کے لیے تو کچھ بھی نہیں تھا ایک لفظ تک بھی۔ لیکن اس کے لیے ان کی باتیں حرفِ آخر تھیں۔ باربرا اس سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آ گئی۔

”آج جمائما کا فون آیا تھا۔ اس کی شادی ہو رہی ہے۔ مجھے جلدی جانا چاہیے۔“

جمائما‘ باربرا کی فرسٹ کزن اور بہت اچھی دوست تھی۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا وہ بھی باربرا کے ساتھ چلی جائے۔

”تم بھی چلو‘ کچھ دن رہیں گے پھر اکٹھے واپس آجائیں گے۔“ باربرا کو تکتی وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

”میرا تو جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔“

”وہ تمہاری گرینڈ ما۔“

باربرا نے اس کی خالی خالی نظروں کو دیکھا جو دیوار کو گھورے چلے جا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

”کیا تکلیف ہے تمہیں رات کے دو بجے‘ غارت کردی میری نیند زندگی اجیرن کردی ہے میری۔“

سارا دن کا تھکا ہارا! وہ ابھی تھوڑی دیر قبل ہی سویا تھا۔ حیدر اور باری کے بیڈ اوپر نیچے تھے۔ نیچے حیدر اور اوپر باری سوتا تھا۔ حیدر کو جب بھی کوئی بات کرنا ہوتی نیچے سے ٹانگیں مار کر جگا دیا کرتا اب بھی وہ کوئی بات کرنا چاہتا تھا اس کے ٹانگیں مارنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا شاید سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہوا کیا ہے۔ حواس ذرا ٹھکانے آتے ہی اس پر بے طرح غصہ آنے لگا۔

”یار باری دیکھ اب ایک بات یاد آگئی تھی وہی تجھ کو بتانی تھی اب بھلا اس خالی گھر میں اور میں کس سے بات کروں ایک تو ہی تو ہے میرا۔“

لہجے میں مسکینی گھول کر خود معصوم بن گیا تھا۔ اس کے کبھی کبھار کے شدید غصے سے وہ بھی ڈرتا تھا۔ اس کا کھولتا دماغ واقعی کچھ ڈگری نیچے آگیا تھا۔

”بک دے اب جو بکنا ہے۔“ جمائی پر جمائی لیتے اس نے اس کو پھٹکارا۔

”وہ نن یاد ہے نا تجھے جو بیچ پر ملی تھی۔“ ملاقات کا ذکر تو وہ ایسے کر رہا تھا جیسے اس سے ڈیٹ مار کے آیا ہو۔

”تو نے صرف یہ پوچھنے کے لیے مجھے جگایا ہے۔“

”تجھے یاد ہے یا نہیں۔“

اس کی باتوں پر کان دھرے بغیر اس نے اپنی بات دہرائی۔

”ہاں یاد ہے پھر۔“

اس نے جھنجلا کر پوچھا۔

”تو پھر یہ بھی یاد ہو گا کہ میرا سارا واویلا اردو میں تھا۔ اردگرد سے تو کوئی بچانے نہیں آیا مگر وہ اتنی دور سے صرف اردو کے یہی لفظ سن کے مجھے بچانے آئی تھی یعنی.....“

بولتے بولتے وہ خاموش ہو گیا جیسے سسپنس کری ایٹ کرنا چاہتا ہو ”یعنی وہ اردو جانتی تھی اور ہم آخر وقت تک اس سے انگلش میں بات کرتے رہے۔ اور میں تو پتا نہیں۔“

آخر میں شاید وہ افسوس کا اظہار کر رہا تھا۔ بات وہ واقعی ٹھیک کر رہا تھا ان دونوں نے بالکل دھیان نہیں دیا تھا۔ حیدر بات کر کے خاموش ہو چکا تھا وہ بھی سوچنے لگا۔

”باری سو گئے ہو کیا؟“

”نہیں جاگ رہا ہوں۔ نیند حرام کر کے اب پوچھ رہے ہو کہ نیند آئی ہے کہ نہیں۔ اتنی سی بات کے لیے تو نے مجھے جگا دیا۔“

اس کی ڈانٹ کھا کر حیدر تو خاموش ہو گیا تھا نہ جانے سو رہا تھا یا ویسے ہی چپ ہو گیا تھا مگر وہ اسے ہی سوچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا ضرور تھا جو دوسری لڑکیوں سے مختلف تھا۔

”ہونہہ مادر پدر آزاد معاشرے کی لڑکی۔“

سر جھٹک کر اس نے اسے بھی اپنی سوچوں سے باہر جھٹکنا چاہا۔ حیدر کا خیال تھا کہ وہ نن ہے ”شاید وہ نن ہو شاید.....“ سوچتے سوچتے اس نے پھر سر جھٹکا۔ اسے سوچتے سوچتے اس کا رخ گھر کی جانب مڑ گیا۔ امی کئی فون کر چکی تھیں بار بار آنے کا کہتیں اور خود اس کا بھی دل بے چین ہونے لگا تھا۔ اسے بے قرار کر کے حیدر سکون کی نیند سو چکا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے بھی سونے کی کوشش شروع کر دی۔

☼ ☼ ☼

ہیرالڈ انکل اسے کبھی اچھے نہیں لگے تھے۔ چرچ میں دونوں کو ایجاب قبول کرتے دیکھنا اس کے لیے بہت تلخ تجربہ تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ وہاں سے فرار بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس وقت اسے پاپا بہت یاد آئے تھے جنہیں اس نے ایک دو بار ہی دیکھا تھا۔ ہیرالڈ انکل کے گھر دیا جانے والا شادی کا ڈنر کب کا ختم ہو چکا تھا سب مہمان جا چکے تھے۔ ہیرالڈ اور روزمیرین باتوں میں مصروف تھے۔

”ہے گرل! کب تک یہاں کھڑی رہو گی آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے میں چھوڑ دوں۔ وہ دونوں بہت مصروف ہیں۔“

فنازیو انکل ہیرالڈ کا بیٹا تھا جو اس سے تین چار سال بڑا تھا۔ اس سے ایک دو بار پہلے بھی اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔ ماں کی محبت کا عمل دخل اس کی زندگی میں کبھی رہا ہی نہیں تھا آج وہ اپنے گھر سے بھی بے دخل کر دی گئی تھی آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر اس نے فنازیو کی جانب دیکھا جو اس وقت سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا (ورنہ اس نے ہمیشہ اسے تنگ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔)

”ہاں بیزن جاؤ‘ فنازیو کے ساتھ یہ تمہیں کمرہ دکھا دے گا۔“ روزمیرین نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا اور پھر باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ وہ اب بھی ہیرالڈ انکل کے ساتھ بینکنگ کے کچھ مسائل ڈسکس کر رہی تھیں۔

فنازیو انتہائی بد تمیز لڑکا تھا۔ اس کے کھلونوں کو توڑتے‘ اس کا مذاق اڑا کے اسے نہ جانے کیسا سکون حاصل ہوتا۔ روزمیرین کی بچی کھچی توجہ جو اسے کبھی کبھار دان ہو جایا کرتی تھی ہیرالڈ سے شادی کے بعد وہ بھی ختم ہو چکی تھی۔ عائشہ کے ساتھ گزارے جانے والے سال اس کے لیے انمول سرمائے سے کم نہ تھے۔ اسے لگتا یہ سال اس کی ساری زندگی پر محیط ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب بھی وہ ان کی طرف ضرور جاتی۔

اس کا پیارا ٹیڈی بیئر نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا وہ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکی تھی مگر وہ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ نیلی کانچ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ان دونوں کا ساتھ بہت پرانا تھا اسے اس کے بغیر نیند بھی نہیں آتی تھی۔

"یہ کیا ڈھونڈ رہی ہو۔"

فنازیو دروازے میں کھڑا بلاوجہ دانتوں کی نمائش کر رہا تھا اور اسے زہر لگ رہا تھا شاید اسی نے اسے کہیں چھپا دیا تھا۔

"میرا ٹیڈی بیئر نہیں مل رہا تم نے دیکھا ہے کہیں۔"

اسے علم تھا کہ اس کے رونے سے اس کمینے کو تسکین مل رہی ہو گی مگر اس سے پوچھنا ضروری تھا معاملہ اس کے پیارے ٹیڈی بیئر کا تھا۔

"وہ بہت گندا ہو رہا تھا اسے میں نے گند والے کیبن میں ڈال دیا تھا۔ گند اٹھانے والی گاڑی کو میں پچھلے بلاک میں دیکھ چکا ہوں شاید اب نیچے بھی اٹھا چکی ہو۔"

مزے لے کر ساری بات اسے بتاتے اس نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور دروازہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا وہ پاگلوں کی طرح نیچے بھاگی تھی۔ بیس منٹ میں جمع ہونے والے کوڑے کے ڈھیر سے بہت تلاش کرنے پر گندگی میں لتھڑا ٹیڈی بیئر اسے مل گیا تھا۔ آنسو ایک تواتر سے گر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس پر لگی گندگی صاف کرتے وہ اسے کوسنے لگی۔

"مر جاؤ تم فنازیو! خدا کرے مجھے تمہاری شکل کبھی نظر نہ آئے۔"

☼ ☼ ☼

"عائشہ تم میری بیٹیوں کا بالکل خیال نہیں رکھتی ہو۔ دیکھو فہمی کتنی کمزور ہو رہی ہے۔"

انکل خالد بہت دنوں کے بعد گھر نظر آئے تھے۔ یہاں آنے کی ہڑک کچھ ایسی تھی کہ وہ اسے دبا نہیں سکتی تھی۔ خالد انکل بہت کم گھر میں نظر آتے مگر جب بھی گھر میں ہوتے لگتا کہ خاندان مکمل ہو گیا ہو۔ اس نے رشک سے اس محنتی انسان کو دیکھا جو سارا دن کام کرنے کے باوجود تھکتا نہیں تھا۔ اس کی حسرت بھری نظریں فہمی کے چہرے پر چپک کر رہ گئی تھیں جو باپ سے لاڈ کر رہی تھی۔

"فہمی ادھر آؤ۔ پاپا کو آرام کرنے دو۔"

عائشہ نے کھینچ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا ایک طلسم تھا جو ٹوٹا تھا وہ اپنے آپ کو مس فٹ محسوس کرنے لگی۔ اس کا دل چاہا وہ اٹھ کر بھاگ جائے مگر وہ وہیں بیٹھی رہی۔ ہر جمعے کی طرح آج بھی عائشہ کو درس سننے جانا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ آ گئی تھی۔

بی بی سیدہ کی آواز کا زیر و بم پہلے بھی کئی بار اس کے دل کی دنیا کو زیر و زبر کر چکا تھا۔ آج بھی اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی کسی کو کچھ بھی کہے بغیر وہ وہاں سے اٹھ کر آ گئی۔ یہ اس کی عائشہ کے خاندان سے آخری ملاقات تھی۔

"کل ہی سب چلے گئے۔ کچھ بتا کر بھی نہیں گئے۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ شاید واپس آئیں یا۔۔۔"

وہ دو دن بعد اس طرف آئی تھی دروازے کو لگا لاک منہ چڑا رہا تھا۔ شرمیلا آنٹی کی آواز پر وہ بے اختیار گھوم گئی وہ سامنے والے فلیٹ میں رہتی تھیں۔ باتیں کرنے کی شائق، چونکہ اکیلی تھیں اس لیے جو بھی نظر آتا اسے گھیر لیتیں۔

"آؤ، اندر آ جاؤ، مجھے کچھ پتا چلا تو تمہیں ضرور بتاؤں گی، نمبر دے جانا اپنا۔ جاتے سمے عائشہ بڑی پریشان تھی۔ لیکن میں نے پوچھنا مناسب نہ جانا جب اس نے خود ہی نہیں بتایا تو۔" وہ کچھ غائب دماغی کے ساتھ وہیں کھڑی رہی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ اس بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی ہو۔ پیلی رنگت اور اڑتے آنسو شرمیلا سے بھی چھپے نہ رہے۔

"آؤ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" دھواں دھواں چہرے کے ساتھ وہ در و دیوار کو تکتی رہی۔ یاسیت نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

"نہیں میں چلتی ہوں۔" ایک گہرا تھکا ہوا سانس لے کر اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔ مردہ قدم اٹھاتی وہ لمحہ بہ لمحہ گھر سے دور ہو رہی تھی۔

"زندگی کا مقصد۔"

درس دینے والی خاتون نے کئی بار یہی سوال دہرایا

تھا۔ اب وہ خود اس سوال کو دہرا رہی تھی۔ اسی سوال کو جاننے کے لیے وہ بائبل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ مگر سوالیہ نشان ابھی تک اسی طرح تھا۔ بغیر جواب کے۔

کرسمس منانے سب نانی کے پاس جمع تھے۔ مام، انکل ہیرالڈ، فنازیو اور وہ خود، آنٹی رومیلیا (مام کی بہن) سوسی، سارہ اور انکل مائیکل، انکل میلانو (مام کے بھائی) آنٹی میگن ان کا بیٹا آرنلڈ۔ آنٹی رومیلیا اور انکل مائیکل نے اسے بہت سے تحفے دیے تھے نانی بوڑھی ہونے کے باوجود تندرست و توانا اور چاق و چوبند تھیں اپنے سارے کام وہ خود کرتی تھیں اگرچہ آنٹی رومیلیا بھی اسی قصبے میں تھیں مگر ان کا اپنا گھر، ذمے داریاں تھیں۔

آنٹی روملی اور مام دونوں سگی بہنیں تھیں مگر ان دونوں کی آپس میں کبھی نہیں بنی تھی۔ مام کا خیال تھا کہ روملی جدید تقاضوں سے ناواقف، کم تعلیم یافتہ اور اجڈ عورت ہے جسے گھر اور بچوں کے سوا کچھ نہیں سوجھتا روملی کو ناپسند کرنے کی دوسری بڑی وجہ خود بیزن تھی کیونکہ بیزن روملی آنٹی کو بہت پسند کرتی تھی اسے لگتا کہ خاندان کی مضبوط اکائی اس گھر میں نظر آتی ہے اور یہی چیز اس کی مام کو حسد میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھی۔ خاندان کے باقی افراد بھی انہیں پسند کرتے تھے۔ بیزن کی دوستی سارہ اور سوسن کے ساتھ تھی۔ فیملی فنکشن کے اختتام پر لڑائی ضرور ہوا کرتی نہ جانے ابھی تک سب کچھ اچھا کیوں چل رہا تھا۔ کرسمس کیک بھی کاٹا جا چکا تھا۔

"میری سب سے اچھی بیٹی کے لیے۔"

نانی نے آنٹی روملی کو گفٹ دیا مام کو آگ ہی تو لگ گئی تھی جس بات کا انتظار وہ کافی دیر سے کر رہی تھی وہ وقوع پذیر ہو چکی تھی مام کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے، فنازیو اور انکل ہیرالڈ کے لیے سب کچھ بالکل نیا تھا۔ کمینہ فنازیو کچھ زیادہ ہی لطف لے رہا تھا۔ اپنی پندرہ سالہ زندگی میں پہلی بار اس نے مام کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

"میں کچھ دن نانی کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"

مام غصے میں ابلتی، کھولتی واپس پیرس چلی گئی تھیں۔

"تمہارے اجڈپن کی وجہ تو اب سمجھ میں آئی ہے۔ سارے مینرز تو تم نے سیکھے ہی قصبے سے ہیں یا ان بلڈی یاکیز سے۔ تمہیں سوسائٹی میں موو کرنا بھلا کیسے آئے گا۔"

طنز اور تضحیک کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے دینا فنازیو کا شیوہ نہ تھا اب بھی باہر نکلنے سے پیشتر وہ اس کے پاس ٹھہرا اور اسے پوری طرح سلگا گیا۔

"دفعان ہو جاؤ تم یہاں سے اپنے مینرز کے ساتھ۔"

"اوکے، ٹیک کیئر ہنی، سی یو اگین، آئی ول مس یو۔" ہاتھ ہلاتا، مسکراتا وہ قریب سے گزرتا چلا گیا۔

آنسوؤں کی دھند نے اردگرد ہر چیز کو دھندلا دیا تھا۔

"یہ کیوں مجھے سکون سے نہیں رہنے دیتا، کیوں میری زندگی میں زہر گھولنے ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔"

آنسو گالوں پر بہنے لگے۔

تھوڑی دور بہتا دریا شور مچا رہا تھا دھند کی دبیز چادر کے نیچے دریا کی مدہم و تیز لہریں، جھاگ اڑاتی، شور کرتی رواں دواں تھیں۔ خزاں رسیدہ ہوا پتوں کی بارش برسا رہی تھی۔

"سوسی میرے ساتھ چرچ چلو گی۔"

سوسی زرد پتوں پر چلتی دور نکل گئی تھی اسے زرد پتے بہت پسند تھے۔

"اس وقت۔"

رقص کے انداز میں پتوں پر چلتی وہ اس کے پاس آ گئی۔ اس کی نگاہیں ابھی تک درختوں سے گرتے پتوں پر مرکوز تھیں۔

"اب تو دعا کا وقت بھی ختم ہو گیا۔"

اسے چرچ جانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"تم چلو میں تھوڑی دیر تک آ جاؤں گی۔"

سوسی کے قدم گھر کی جانب اٹھنے لگے اور وہ چرچ کو جانے والی پگڈنڈی پر چلنے لگی۔

"اے میری بچی تم بھی عبادت کرو اس یسوع کی۔ اس سے لو لگاؤ تمہاری بے چینی دور ہو جائے گی۔"

قصبے کے پادری نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ بہت سی تشنگی لے کر وہ اسی طرح واپس لوٹ آئی۔ بائبل کے صفحے ہوا کے دوش پر پھڑ پھڑا رہے تھے ایک جھرجھری لے کر اس نے اپنی توجہ کو مرکوز کرنا چاہا مگر ارتکاز منتشر ہی رہا۔ بی بی سیدہ کے الفاظ اس کے دماغ میں گونج رہے تھے۔

"کسی بھی کتاب کا نیا ایڈیشن پرانے ایڈیشن کو منسوخ کر دیتا ہے جیسے قرآن پاک آخری ایڈیشن اور اس کے آنے سے پہلے کی تمام کتابیں بھی مکمل ہو گئیں کیونکہ ان کو مکمل کرنے والی کتاب آگئی تھی۔ اسلام کے آنے سے ضابطۂ حیات مکمل ہو گیا۔ اس کتاب میں رہتی دنیا تک کوئی تبدیلی نہ ہوگی اور نہ ہی اس کے بعد کوئی نیا ایڈیشن آئے گا۔"

اس نے بائبل کی طرف دیکھا۔

"کورا! کدھر ہو تم تمہیں نانی یاد کر رہی ہیں ادھر آؤ جلدی سے۔"

موسی اس کا ہاتھ کھینچ کر ساتھ لے آئی۔

☼ ☼ ☼

پاکستان چھوڑتے اس کی سوچیں اور خیالات اتنے پختہ نہیں تھے جتنا اس خام تہذیب و تمدن اور معاشرت کو قریب سے دیکھنے پر پختہ ہوتے چلے گئے تھے۔ چھ سال یہاں گزار کر اس نے بہت اچھی طرح جان لیا تھا کہ اس تہذیب کی بنیاد مادیت پر ہے اور یہ مادی زندگی کو ہی زندگی کی معراج سمجھتی ہے۔ مادی لذتیں اس قدر اہمیت حاصل کر گئی ہیں کہ یہ لذتیں ان کا مقصد بن گئی ہیں۔ بے مروتی، سنگ دلی کو فروغ حاصل ہوا ہے اور انسانی زندگی اور روحانی اقدار کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی ہے۔ چنانچہ انسان توازن اور اعتدال سے محروم ہو کر رہ گیا ہے۔ یہاں ظاہری شان و شوکت تو ہے لیکن انسانیت نہیں ہے۔ اخلاقی پستیوں میں گھرے مرد و زن جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ عورت کو بے محابا آزادی ملنے سے فحاشی، عریانی عام ہے جسے لبرل ازم کا نام دے کر ہر جگہ پذیرائی حاصل ہے۔ اس معاشرے میں رہتے اس نے اپنے آپ کو اتنا سنبھال کر رکھا تھا کہ بعض اوقات اسے خود پر حیرت ہوتی لیکن یہ اس کی ماں کی تربیت کا اثر تھا جو جگہ کو چھوڑنے کے بعد بھی اس کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔

"ایک تو مسٹر فلاسفر کو ہر جگہ قنوطیت کا دورہ پڑ جاتا ہے اب ایک گھنٹا صرف ٹائی باندھنے میں لگا دیا۔ ویسے بھی کبھی کبھار اچھے کپڑے پہنے جائیں تو یہی حال ہوتا ہے۔"

ان دونوں کو داؤد کی شادی میں شرکت کرنا تھی جو ان دونوں کا مشترکہ دوست تھا اس کی شادی سائلہ سے ہو رہی تھی جو اس کے والدین کی پسند تھی۔ نکاح کی رسم مسجد میں ادا کی جانی تھی۔ چونکہ ان دونوں کا حلیہ عام طور پر رف اینڈ ٹف ہوتا تھا اس لیے آج کی تیاری کو حیدر نے خاص طور سے تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ وہ خود بھی بلیک سوٹ پہنے تیار تھا۔ بلیو سوٹ نے باری کی شخصیت کو اور بھی نمایاں کر دیا تھا۔

"میرے ساتھ چلتے تجھے اتنی تیاری کی ضرورت نہیں ہے سمجھے، میرے سارے نمبرز زیرو ہو جاتے ہیں،"

حیدر کی ہائیٹ اس سے ذرا کم تھی اس لیے اسے ہمیشہ یہی افسوس ہوتا رہتا کہ جب باری اس کے ساتھ موجود ہو تو اسے اس قد و قامت کی بدولت پذیرائی ملتی ہے۔

"داؤد سے کتنی بار کہا ہے کہ میری بات بھی کرے لیکن اسے اپنے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ تم ہی کچھ کرو میرے لیے۔" اس کے ہاتھ سے پرفیوم کی بوتل لیتے اس نے اسے ایک بار پھر یاد دلانے کی کوشش کی۔ حیدر کو سائلہ کی بہن زینب پسند تھی اور وہ داؤد کے پیچھے پڑا تھا کہ اس کی بات چلائی جائے۔

"پہلے میری ہو لینے دے، ہر کام میں ٹانگ نہ اڑایا

کر۔"

داؤد کا جواب ہمیشہ یہی ہوا کرتا تھا۔

"پتا نہیں اسے مجھ سے کیسے خدشات لاحق ہیں۔ تو بات کر کے دیکھ تیری تو بہت سنتا ہے وہ۔ آج تو سب جمع ہوں گے اس کی امی ابو اور۔۔۔" وہ ایک گھنٹے سے اس کا دماغ کھا رہا تھا اسے ایک دم جھنجلاہٹ ہونے لگی۔

"ٹھیک ہے داؤد پھر کسی دن شادی کر لے گا۔ اس کی شادی اتنی ضروری نہیں وہ تو پھر بھی ہوتی رہے گی۔ آج تمہاری بات چلا لیتے ہیں۔"

اس نے چڑ کر کہا اور حیدر کا قہقہہ بے اختیار بلند ہو گیا۔

"میرے ساتھ رہتے رہتے تو بھی بڑا اچھا مزاح تخلیق کرنے لگا ہے۔"

"اب نکلو یہاں سے، پاکستان کی طرح یہاں فنکشن دیر سے شروع نہیں ہوتے۔"

اس کا بازو پکڑ کر اس نے باہر کھینچ لیا۔

"پاکستان کب جا رہے ہو تم۔" حیدر کا موڈ خوش گوار ہو چکا تھا۔

"جوں ہی پاسپورٹ ری نیو ہو جاتا ہے اسی دن سیٹ کنفرم کروالوں گا۔"

دونوں مسجد کی طرف بڑھنے لگے۔

☼ ☼ ☼

اسے دہلی آئے دو دن ہو چکے تھے۔ باربرا کچھ دن پہلے فرانس پرواز کر چکی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے اسے ساتھ لے جانے کی بھرپور کوشش کی تھی شاید ماما نے اسے فون کیا تھا مگر اس کا ایک ہی جواب تھا۔

"ابھی مجھے نہیں جانا۔"

دہلی آتے اس کے پیش نظر کوئی خاص مقصد نہیں تھا سوائے گھومنے پھرنے کے لیکن دو دن گزر چکے تھے اور وہ ہوٹل سے بھی باہر نہیں نکلی تھی۔ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر بیٹھتے اسے لگا کہ اسے اب کہیں نہیں جانا۔ مسجد کا فسوں خیز حسن، شان و شوکت اور اردگرد کی مسحور کن فضا نے اسے اس طرح جکڑ لیا تھا کہ کئی گھنٹے بیٹھنے کے بعد بھی اٹھنے کو دل نہ چاہ رہا تھا۔ پھیری والوں کی آوازیں، شام کی ملگجی فضا، مختلف چیزوں کے اسٹالز، پھولوں کی عارضی دکانوں سے اٹھنے والی تیز اور ہلکی خوشبو، بازار کی رونق نے پوری طرح اسے ہپناٹائز کر دیا تھا۔ پھولوں کی خوشبو ان پر پڑے پانی کی نمی اور گرمی کی حدت کو سانس کھینچ کر اپنے اندر اتارا۔ مختلف اسٹالز پر گھومتے مرد، عورتیں، بچے کتنا مکمل تھا سب۔ کتابوں میں پڑھا "مشرق" ہمیشہ ایک ماورائی دنیا میں لے جاتا۔ اسی ماورائی، تخیلاتی، خوب صورت فضا کو قریب سے دیکھنا کتنا خوش کن تھا۔

"میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔"

بائیں طرف لگے اسٹال پر رکھی جیولری اور اسے خریدتی عورتوں سے نظریں ہٹا کر اس نے قریب کھڑے لمبے سانولے مرد کو دیکھا جو اس سے اجازت طلب کر رہا تھا۔ بغیر کوئی جواب دیے اس نے کندھے اچکا دیے (یعنی تمہاری مرضی ہے بیٹھنا ہے تو بیٹھ جاؤ) اور خود سیڑھیاں اتر آئی۔ مختلف اسٹالز کے قریب رکھی چیزوں کو دیکھتی وہ اس ایریے سے باہر نکل آئی۔ کئی دنوں سے اس پر چھائی بے زاری کی شدت بتدریج کم ہو رہی تھی حالانکہ باربرا کے جانے کے بعد یہی بے چینی شدت اختیار کر گئی تھی۔ آج کا دن بھی وہاں بیٹھے لوگوں کو گھورتے گزرا تھا۔ اگلے دن وہ پھر وہیں موجود تھی۔ کل کی نسبت، آج وہ کچھ جلد آگئی تھی۔ ہر چیز ویسی ہی تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی ابھی انتا رش نہیں ہوا تھا وہ لوگ بھی شاید اس کے یہاں بیٹھنے کے عادی ہو گئے تھے اس لیے اجنبی نظریں نسبتاً کم تھیں۔

"مجھے بھی یہاں بیٹھنا اچھا لگتا ہے بالکل آپ کی طرح، روز یہاں سے گزرتے تھوڑی دیر ضرور رکتا ہوں۔ کچھ دن سے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ اب لگا کہ میں اکیلا نہیں اور لوگ بھی ہیں جو اس جگہ پر آکے سب کچھ بھول جاتے ہیں حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی۔"

کل والا جوان اجازت طلب کرنے کی بجائے خود ہی اس کے قریب بیٹھ چکا تھا دوسرے انڈینز کی طرح اس

کا انگلش لب ولہجہ اچھا تھا۔ آج وہ اس کی وجہ سے جگہ چھوڑنا نہ چاہتی تھی اسے اس کے بیٹھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قریب سے گزرتے شخص کا رقص اسے اردگرد سے بے گانہ کرگیا۔ اس کی توجہ وار تکاز کو کوئی بہت توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

"خدا کے عشق میں ڈوب کر ناچ رہا ہے یہ شخص"۔ دائیں طرف سے ابھرنے والی آواز پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا وہ بھی تھوڑی دیر اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"مجھے ذاکر کہتے ہیں۔ دفتر میں کام کرتا ہوں۔ یہ گھر کے لیے میرا رستہ ہے۔ یہاں سے پیدل گزرنا میری خوشی بھی ہے اور مجبوری بھی۔ خوشی اس لیے کہ سب کچھ دیکھنا میری تھکاوٹ دور کر دیتا ہے اور مجبوری اس لیے کہ اس طرح کرائے کے پیسے بچ جاتے ہیں۔"

وہ بہت باتونی شخص تھا اس کی باتوں کے جواب میں اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا تھا اس کے باوجود وہ مسلسل بول رہا تھا۔ اس کی صاف گوئی نے اسے متاثر کیا تھا۔

"آپ سیر کرنے آئی ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ اس ایک ایریے کے سوا آپ نے کچھ بھی نہیں دیکھا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

اپنے اندازوں پر شاید اسے بہت یقین تھا اور یہ یقین کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔

"نہیں۔"

آہستگی سے جواب دے کر اس نے اس کی باتوں کی تصدیق کی تھی۔

"کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔" گہرا سانس لے کر اس نے جو جملہ بولا تھا اس کے سر پر سے گزر گیا وہ اردو سمجھ لیتی تھی لیکن اب وہ کیا کہہ رہا تھا وہ بالکل جان نہ پائی۔

"کیا کہا آپ نے۔"

اب کے پوچھا جانے والا سوال اردو میں کیا گیا تھا اگرچہ لب ولہجہ اتنا صاف نہ تھا۔ حیرت کی زیادتی سے وہ اچھل پڑا۔

"یعنی آپ اردو بول لیتی ہیں۔"

اس کے بے ساختہ اظہارِ حیرت پر وہ ہولے سے مسکرادی لوگ اسی طرح ششدر رہ جایا کرتے تھے۔

"ہاں جانتی مگر تھوڑا تھوڑا۔"

اٹک اٹک کر اردو کے لفظ بولتی وہ کچھ زیادہ ہی معصوم لگی تھی کچھ دیر کے لیے وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ اس کی نیلگوں آنکھوں کی اداسی اور گلابی ہونٹوں کا تبسم عجیب تضاد رکھتے ہوئے بھی بڑا پرکشش و پراسرار تھا۔ قریب سے گزرتے پھیری والے کی آواز اسے یکدم ہوش میں لے آئی' خجل ہو کر بالوں میں ہاتھ پھیرتے اس نے اسے دیکھا جو بازار کی رونق میں گم ہو چکی تھی۔

دوسروں کے متعلق رائے قائم کرتے اس نے کبھی زیادہ سوچا نہ تھا۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی خامی تھی۔ پچیس دن پہلے اس کی ملاقات ذاکر سے ہوئی تھی اور اب اس کی رائے تھی "ذاکر ایک اچھا انسان ہے"۔

ذاکر دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا گھر کی ساری ذمے داری اسی پر تھی۔ انڈیا میں بسنے والے دیگر مسلمان نوجوانوں کی طرح ڈگریاں ہونے کے باوجود اچھی نوکری ایک خواب تھا۔ ایک دفتر میں کل وقتی ٹائپسٹ کے طور پر کام کرتا تھا۔ کورا دو تین بار اس کی بہنوں سے مل چکی تھی۔ یہ خاندان اپنی سادگی کی بدولت اسے بہت پسند تھا۔ محبت کے اٹوٹ رشتوں میں گندھا نظر آتا۔

"اگر میں اس بے ریا نوجوان کے لیے کچھ کر سکتی تو ضرور کروں گی۔ شاید باہر جانے سے اس کے حالات کچھ سدھر جائیں۔"

پوری پلاننگ کے بعد وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ پرسوں اسے دہلی روانہ ہونا تھا۔

"ذاکر تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔"

ذاکر سے آخری ملاقات تھی اس کا چہرہ اداس و پریشان تھا بار بار لب کھلتے اور کچھ بھی کہے بغیر آپس میں پیوست ہو جاتے اس کے ساتھ ساتھ چلتے اس نے اچانک پوچھا۔ وہ ٹھٹک کر رکا کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا جیسے فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ اسے کہنا چاہیے یا نہیں۔

"ہاں' لیکن سوچتا ہوں شاید تم'۔۔۔ تمہیں اچھا نہ لگے کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔ کہیں تم مائنڈ نہ کرو۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ میرے پاس مائنڈ نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔"

شگفتہ لب ولہجے سے اس نے سنجیدگی کو دور بھگانا چاہا جو اچانک ہی جگہ بنا بیٹھی تھی۔ مگر وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

"میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں۔ تمہارا دور جانا مجھے تکلیف دے رہا ہے۔"

اسے اس سے اس جواب کی بالکل توقع نہیں تھی نہ ہی اس نے اس کے لیے کوئی جذبہ محسوس کیا تھا جس کا احساس ذاکر کی آنکھیں دلا رہی تھیں فوری طور پر اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا نہ کوئی حرف تسلی نہ حرف امید۔

"اچھے دوست جدا ہوتے وقت دکھی ہوتے ہیں مجھے بھی دکھ ہو رہا ہے۔"

اس نے بات کا رخ دوسری جانب موڑنا چاہا لیکن اس کے جواب نے اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے زور سے مٹھیاں بھینچیں۔

"اگر میں کہوں کہ یہ پسندیدگی محبت ہے تو پھر۔"

کچھ دیر وہ اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہی جہاں بے چینی اضطراب کروٹیں لے رہا تھا۔

"آج مجھے تمہارے گھر جانا تھا پہلے ہی کتنی دیر ہو چکی ہے"۔ بغیر کوئی جواب دیے اس نے تیز قدموں سے آگے چلنا شروع کر دیا بغیر یہ دیکھے کہ وہ ساتھ چل رہا ہے یا نہیں۔

"آپ بہت اچھی ہیں مجھے یاد آئیں گی۔"

ذاکر کی والدہ سے ملتے وہ اداس وملول تھی وہ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئیں۔

"اچھا تو یہ ہے وہ فرنگن جسے میڑھی بنا کر تم اوپر' بہت اوپر جانا چاہتے ہو۔"

وہ نہ جانے کون تھی اور کب آئی تھی اس کی باتوں نے ذاکر کے چہرے کا رنگ پھیکا کر دیا تھا۔

"یہ زیبا ہے اور زیبا یہ کورا' بہت اچھی اردو بولتی ہے اور سمجھ بھی لیتی ہے۔"

جلدی جلدی بولتے اسے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ زیبا کچھ اور نہ کہہ ڈالے۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ذاکر کے چہرے سے اٹھا نقاب پوری طرح نوچ کر اسے ننگا کر دے۔ جسے ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ محبت کا نام دے رہا تھا وہ غرض تھی۔ خوب صورت باتوں کے جال میں قید کر کے وہ یہاں سے رہائی پانا چاہتا تھا لیکن وہ تو کسی غرض کے بغیر اس کی مدد کرنا چاہتی تھی اسے کسی ڈھونگ کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے تکلیف ضرور ہوئی تھی مگر اس تکلیف کی شدت اتنی نہیں تھی کہ وہ اسے بھول نہ پاتی۔ بہت پہلے اس نے کسی اردو کہانی کا ترجمہ پڑھا تھا کہانی کا نام بہروپیا تھا ذاکر پر بھی اسے بہروپیے کا گمان گزر رہا تھا۔

"اچھا ذاکر میں چلتی ہوں۔ شاید ہماری ملاقات کبھی نہ ہو سکے۔ زیبا اور امی کا خیال رکھنا۔"

اس کے دھواں دھواں چہرے پر نظر ڈال کر وہ باہر نکل آئی۔ یہ دوسرا مسلم گھرانہ تھا جس سے اس کی ملاقات ہوئی تھی منافقت سے اٹے چہرے سامنے آئے تھے مگر پہلا اثر اتنا مکمل تھا۔ اس کے باوجود کہ دوسرے لوگ اچھے نہیں تھے پہلا تاثر خراب نہیں ہوا تھا۔ جامع مسجد کے سامنے سے گزرتے ایک لحظہ کو اس کے قدم رکے پراسرار خوب صورتیوں کو اپنی آنکھوں میں سمو کر اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔

پسندیدگی محبت' غرض' فرنگن۔

آئینے کے سامنے کھڑی وہ کتنی دیر خود کو دیکھتی رہی۔ یہ اس کی دہلی میں آخری رات تھی۔

"آخر کہاں گم ہو گئی تھیں تم' نہ کوئی سیل نمبر نہ پتا مجھے آئے اتنے دن ہو گئے ہیں۔"

باربرا اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اس نے اس کی باتیں ان سنی کرتے اس سے جمائما کی شادی کا پوچھا مگر باربرا کا بگڑا موڈ ٹھیک نہ ہو سکا تھا۔

"چنی کیسا ہے۔"

"ٹھیک ہی ہوگا۔"

باربرا نے ایسے منہ بنایا جیسے کونین کی گولی منہ میں آ گئی ہو۔ اس نے حیرت آمیز استعجاب سے اسے دیکھا۔

"کافی عرصے سے میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تمہاری گرینڈ ما کی طبیعت کافی خراب ہے وہ تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔"

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد باربرا نے اسے اصل بات بتائی۔ وہ کافی پریشان ہو چکی تھی۔ سیٹ کنفرم کرنے کے بعد وہ باربرا کو سر رابرٹ کے کچھ کاغذات دینے آئی تھی مگر قدم دروازے ہی میں جم گئے تھے۔ باربرا کے ساتھ نظر آنے والا شخص چمن سنگھ بالکل نہیں تھا۔

"آؤ کورا یہ علی ہیں۔ تم سے شاید پہلے بھی ذکر کر چکی ہوں ان کا۔"

بغیر خجالت و شرمندگی کے باربرا نے اس کا تعارف کروایا۔

"تو یہ وجہ ہے چنی سے دوری کی۔"

الٹے قدموں لوٹتے اسے باربرا اور اپنی سوسائٹی سے انتہا درجے کی نفرت محسوس ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

جب وہ یہاں سے گیا تھا تو ایک نوعمر کالج بوائے تھا۔ ایئرپورٹ سے باہر نکلنے والا قد آور شخص یقیناً" ان کا ابدال ہی تھا مگر گزرے چھ سات سالوں نے اس کی شخصیت میں بہت سی تبدیلیاں کر دی تھیں بھرا بھرا صحت مند جسم، پہلے سے صاف رنگت اور چہرے پر چھائی سنجیدگی اسے دیکھتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ بہت ضد کر کے وہ قطب کے ساتھ آئی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی دل اور آنکھوں میں ٹھنڈک اترتی چلی گئی۔ انہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی ستارے چمکنے لگے تھے۔ ایسے موقعوں پر الفاظ وہ کام نہیں کرتے جو لمس کرتا ہے۔ اس کی کشادہ پیشانی چوم کر انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"اللہ تمہیں لمبی زندگی دے۔"

"فرحانہ، رضوانہ اور ابو ٹھیک ہیں۔"

ماں اور بھائی کے ساتھ چلتے اس نے ان سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ سب آنا چاہتے تھے مگر میں نے ہی ان کو روک دیا۔"

ان چھ سالوں میں اس نے ایک لمبی مسافت طے کی تھی۔ بہت سے ممالک کی سرحدیں چھپتے چھپاتے طے کرنے کے بعد اٹلی میں اپنے دوست کے پاس کچھ عرصہ رہا تھا شاید اس کی قسمت کی یاوری تھی کہ ان ہی دنوں اٹلی کی امیگریشن کھلی اور اس نے پیپرز جمع کروا دیے تھے۔ مالی مدد شعیب نے کی تھی جو وہاں پہلے سے سیٹ تھا اس نے آہستہ آہستہ کر کے شعیب کا سب قرض اتار دیا تھا۔ دن رات ایک کر کے وہ سب کچھ بھول گیا تھا یہاں تک کہ اپنا آپ بھی کوئی کھانے کا پوچھنے والا نہیں تھا کوئی آرام کرنے کا کہنے والا نہیں تھا۔ ہاں ماں کی آواز میلوں دور سے بھی اپنے اندر اس کے لیے فکرمندی ظاہر کرتی تھی۔ اگر آج وہ یہاں تھا تو صرف ان ہی رشتوں کی بدولت۔ وہاں رہ کر اس نے جانا تھا کہ انسان رشتوں کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ پیسے سے انسان آسودگی، راحت اور ہنسی، نہیں خرید سکتا بلکہ کوئی بھی چیز ان رشتوں کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔

گزرتے وقت نے اسے بہت سنجیدہ اور سوبر بنا دیا تھا اگرچہ اس کی عمر چھبیس سال تھی لیکن اس کی سوچ بہت میچور ہو چکی تھی۔ کبھی کبھار غصے کا حملہ بھی شدید ہوتا۔ اسے ہر چیز پر بلاوجہ غصہ آ جاتا۔ جہاں وقت نے اسے بہت بدل دیا تھا وہیں حفیظ چودھری پر بھی گزرے ماہ و سال اپنا اثر چھوڑ گئے تھے۔ مگر یہ بدلنا بھی عجیب تھا۔ جب ان کے پاس طاقت، اقتدار تھا تو ہر وقت اس نے انہیں لڑتے، جھگڑتے، فساد برپا کرتے دیکھا تھا اور اب جبکہ وہ ریٹائرڈ زندگی گزار رہے تھے انہیں لگتا کہ سب ان کے دشمن ہیں جہاں کہیں وہ اکٹھے ہو کر بیٹھ جاتے انہیں لگتا کہ وہ ان کے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔

"سارے کے سارے ماں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ میری اس گھر میں کوئی اہمیت نہیں۔"

انہوں نے ان گنت شکایتیں خالدہ بیگم کی اس کے سامنے کی تھیں۔

"مجھے کوئی نہیں پوچھتا۔ سب امی کے ہاتھ میں ہے۔ سیاہ و سفید کی مالک۔"

وہ دونوں ان کی فطرت سے واقف تھے اس لیے وہ بھی خالدہ کے نام پر پیسے بھیجتا اور قطب بھی ان ہی کو لا کر دیتا تھا۔ اسی لیے انہیں ان سے ہر وقت گلہ رہتا تھا۔ ایک تھکی سانس لے کر اس نے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ اپنے باپ کا مسئلہ سمجھ چکا تھا ساری زندگی انہوں نے اپنی من مرضی کی تھی بلکہ دوسروں پر بھی ٹھونسی تھی اب وہ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ وہ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔

"اب میں چاہتی ہوں تمہاری بات پکی کر دوں انشاء اللہ اگلی بار تمہاری شادی۔ میرا ارادہ اس مرتبہ ہی تھا تیاری مکمل ہے مگر فرحانہ اور رضوانہ اپنے اپنے گھروں کی ہو چکی تھیں۔ ان کا ارادہ ننھی کی بیٹی کے لیے تھا۔ ننھی ان کی خالہ زاد بہن تھی۔ تین بیٹیاں تھیں ان کی اور سب ایک سے بڑھ کر خوب صورت اور خوب سیرت۔

"ابھی نہیں امی۔ کچھ سرمایہ پاس ہو جس سے یہاں کاروبار سیٹ کیا جائے پھر۔۔۔ بس اب آپ کوئی بات نہ کریں ایسی۔"

بات مکمل کر کے وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ پرسوں اس کی فلائیٹ تھی۔

"بتاؤ بھلا جب برا وقت گزر گیا تو اب بھلا کاہے کی پریشانی۔ اوکھا (مشکل) وقت گزر گیا اور کتنا انتظار کروں۔"

منہ میں بڑبڑاتے انہوں نے کئی باتیں سوچ ڈالیں۔ وہ جلد از جلد اپنے فرائض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔ اس نے کچھ بھی بتائے بغیر انکار کر دیا تھا۔

"مجھے تو موقع ہی نہیں دیا۔ قطب! تم ہی بات کرو اس سے جانے میں بھلا دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔"

قطب کو سامنے بٹھا کر انہوں نے اس کی ٹوہ لینے کے لیے کہا۔ نوعمری کے برعکس قطب بہت پراعتماد تھا۔

"کیا پتا وہاں کرنا چاہتا ہے۔ مجھے تو تمہارے سوا کوئی نظر بھی نہیں آتا کس سے بات کروں نہ بہن ہے نہ بھائی۔ ماں باپ بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب تو میری اولاد ہی میرے لیے سب کچھ ہے۔"

"میں بات کروں گا بھائی جان سے" آپ فکرمند نہ ہوں۔" انہیں تسلی دیتا وہ اندر آ گیا۔

"وہ بہت خوب صورت تھی بہت معصوم اور بہت اکیلی۔ نہ جانے اب کیسی ہو گی۔ اپنے ہر کام کے لیے میری طرف دیکھتی تھی اور مجھے بھی وہ اپنی بیٹیوں کی طرح عزیز تھی۔ کتنا عرصہ گزر گیا وہاں سے آئے لیکن اس کی یاد اب بھی مجھے بے چین کر دیتی ہے کئی بار اسے خط لکھا لیکن کوئی جواب نہیں آیا شاید خط اسے ملا ہی نہیں۔ اسے ضرور تلاش کرنے کی کوشش کرنا اور یہ میری طرف سے اسے دے دینا۔"

ننھی آنٹی نے ریپر میں لپٹا گفٹ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے ننھی خالہ کے مشفق چہرے پر نگاہ کی اور پیکٹ ان کے ہاتھ سے تھام لیا۔ اس کے جانے سے پیشتر وہ اس سے ملنے آئی تھیں۔

"آپ فکر نہ کریں خالہ جان میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ آتے ہوئے آپ اسے بتا کر یا ایڈریس لے کر نہیں آئی تھیں۔"

"بس بیٹا وہاں سے نکلتے حالت کچھ ایسی تھی کہ کچھ خبر نہیں تھی تمہارے خالو کے بڑے بھائی اور بھابھی ایکسیڈنٹ کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہوئے اور دو ننھی بچیاں ہماری منتظر تھیں۔ اور اس کا پتا تو مجھے ازبر تھا لیکن تکلیفوں نے سب کچھ بھلا دیا۔"

ماضی بھی کیا چیز ہے کبھی تلخ کبھی شیریں، کبھی غمی کبھی خوشی کبھی خوب صورت، کبھی بدصورت۔ ننھی خالہ کو دیکھتے وہ بھی سوچنے لگا تھا۔

"جیسی آپ بتا رہی ہیں وہ اب ویسی نہیں رہی ہو گی تب وہ چھوٹی تھی اب وہ بھی اسی سوسائٹی کا حصہ ہو گی

۔اس سوسائٹی کا جہاں عورتیں کپڑوں کی طرح شوہر بدلتی ہیں۔ مادر پدر آزاد معاشرے میں پلنے والے' ننگ انسانیت۔"

جتنا اس نے اس معاشرے اور لوگوں کو قریب سے دیکھا تھا اتنی ہی نفرت بڑھی تھی۔ اس کی چکاچوند نے اسے مائل کرنا تو کیا متاثر بھی نہیں کیا تھا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھا اور تھی اس کے وجیہہ چہرے کو ایک ماں کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اگر میری بیٹی کا نصیب اس سے جڑ جائے۔"

فرحانہ انہیں آوازیں دیتی ادھر ہی آرہی تھی۔ آج کل فرحانہ رہنے کے لیے آئی ہوئی تھی نہ جانے وہ تینوں سر جوڑے کیا کھچڑی پکایا کرتیں۔ اب بھی وہ فرحانہ کی بات سننے اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

ہیرالڈ انکل کو جتنی نفرت مسلمانوں اور اسلام سے تھی اس سے کہیں بڑھ کے اسے ان سے اور ان کے بیٹے سے تھی۔ ان کی وجہ سے اب مام کی توجہ کے بچے کچھے لمحے بھی اسے میسر نہیں آتے تھے نہ جانے انہیں اتنا اونچا جانے اور اسٹیٹس بنانے کا شوق کیوں تھا بلکہ خبط کہنا چاہیے۔ کچھ سال بعد آخر انہیں بھی تو نانی کے جیسی زندگی گزارنی تھی بے کار' روکھی پھیکی اور ڈل۔ قصبے میں رہ کر اس نے نانی اور اس کی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ واک' ٹی وی' تاش اور آرام نانی کی ساری زندگی ان ہی چیزوں پر محیط ہو کر رہ گئی تھی ۔کچھ سال بعد یہی زندگی مام کا مقدر بننے والی تھی پھر انہیں اس چیز کا خیال کیوں نہیں آتا۔ وہ سب کچھ کس لیے اور کس کے لیے کر رہی ہیں۔ قصبے سے آئے اسے بہت عرصہ ہو چلا تھا مگر مام کی ناراضگی اسی طرح تھی۔

"آج تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔"

فنازیو جانے کب اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔ اپنے کمرے کی واحد کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے میں وہ اتنی محو تھی کہ اسے اس کے آنے کی خبر نہ ہو سکی۔ کچھ دنوں سے فنازیو کے انداز بدلے بدلے سے تھے۔ اپنے بالکل پیچھے اس کی آواز سن کر وہ اچھل ہی پڑی تھی۔

"میں نے تمہیں ڈرا دیا۔"

اس نے مسکرا کر اسے کندھوں سے پکڑا اور اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔ اس کی بے باک نظریں اس کے چہرے اور جسم پر سرسرانے لگیں۔ وہ نانی کی دی جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھی خود کو ایک جھٹکے سے اس سے چھڑا کر وہ اس سے دور جا کھڑی ہوئی۔ اس معاشرے میں یہ کوئی معیوب بات نہ تھی مگر نہ جانے کیوں وہ اسے اچھا نہ سمجھتی تھی۔ اور نہ ہی ان میں اتنی بے تکلفی رہی تھی کہ اتنے دوستانہ ماحول میں گفتگو ہو۔

"یو آر ویری پیور۔"

وہ پھر اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر نظریں گاڑے وہ کتنی دیر اسے سنجیدگی سے دیکھتا رہا۔ چونکہ اس نے ہمیشہ اسے زچ ہی کیا تھا اس لیے آج اس کی یہ سنجیدگی اسے بہت عجیب لگ رہی تھی۔

"کیوں نہ ہم شادی کر لیں۔"

کورا نے ایک جھٹکے سے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور پوری قوت سے اسے پرے دھکیل دیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم جانتے ہو تم میرے بھائی ہو۔"

مذاق' طنز اور تضحیک تو وہ ہر وقت کرتا رہتا تھا شاید یہ ستانے کا نیا انداز تھا۔

"بھائی! نہ تمہاری ماں میری ماں ہے۔ اور نہ میرا باپ تمہارا باپ پھر میں کس طرح تمہارا بھائی ہوا پور لٹل سول۔" اس نے جنونیوں کی طرح قہقہہ لگایا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔ وہ وہیں بیڈ پر گر کے لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ جیسے کسی نے اسے لطیفے سنا دیے ہوں۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے میں کہتی ہوں دفع ہو جاؤ۔"

وہ ہنستا ہوا بغیر کچھ کہے کمرے سے نکل گیا۔ اب ستانے کے نئے انداز سیکھ لیے ہیں۔

"مام آپ کہاں ہیں۔"

آج وہ پھر اس کے کمرے میں موجود تھا ڈگمگاتے

قدم اور لڑکھڑاتی زبان اس کی ترنگ اور بے خودی ظاہر کر رہی تھی۔

"بے بی کم ود می۔"

وہ اسے اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔ وہ شاید خوف سے مرنے کو تھی اس کا بھیانک و کریہہ چہرہ اس کے چہرے کے بہت پاس تھا۔

"چھوڑ دو مجھے فنازیو' تم میرے بھائی ہو۔"

اس نے اپنے آپ کو اس کی جنونی گرفت سے چھڑانا چاہا۔

"بند کر دو یہ بکواس۔ اس بات کا جواب میں تمہیں دے چکا ہوں۔" اس نے اسے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اس کا سانس حلق میں اٹکنے لگا۔ دروازے پر مسلسل ہونے والی بیل سے وہ گالیاں بکتا باہر نکل گیا اور اس نے دوڑ کر دروازہ بند کیا تھا۔

ہاسٹل شفٹ ہوتے اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا یہاں رہ کر اس نے بائبل اور قرآن کو بہت اچھی طرح پڑھا اور سمجھا تھا۔ بی بی سیدہ کے لیکچرز نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔

"تمام مذاہب اچھی باتیں بتاتے ہیں جیسے نیکی کرو' خدا کی عبادت کرو' خیرات دو' روزے رکھو' لیکن اسلام وہ واحد مذہب ہے جو ان سب کا عملی اطلاق بھی کرواتا ہے جیسے عبادت کے لیے دن میں پانچ بار نماز پڑھنا' دوسروں کی مدد کے لیے زکوٰۃ کا نظام روزے فرض ہیں۔"

بہت سے سوالوں کے جواب اسے مل چکے تھے کچھ اس کی اپنی جستجو تھی اور کچھ بی بی سیدہ کی مہربانی۔ لیکن بہت سے سوال ابھی تشنہ تھے جب تک اسے ان کے بارے علم نہ ہو جاتا وہ کوئی بڑا فیصلہ نہ کر سکتی تھی۔ فیصلہ تو اسے کرنا تھا جلد یا بدیر لیکن.....

"مس کورا جہاں بھی ہیں فوراً" جہاز پر پہنچ جائیں ..... مس کورا جہاز زمین چھوڑنے والا ہے وہ جہاں بھی ہیں جہاز میں پہنچ جائیں۔"

اعلان بار بار کیا جا رہا تھا لیکن اسے بالکل پتا نہیں تھا کیونکہ وہ سو چکی تھی۔ ایئر فرانس میں سیٹ نہ ملنے کے باعث اسے گلف ایئر کے ذریعے فرانس جانا تھا جس کا بحرین میں چار گھنٹے اسٹے تھا اور یہ چار گھنٹے اس نے ایئرپورٹ پر بیٹھے بیٹھے گزار دیے تھے نہ جانے وہ اتنی ڈل کیوں ہو چکی تھی چار گھنٹے بیٹھے رہنا اب رنگ دکھا رہا تھا اور اسے جھپکی آ چکی تھی اس اثنا میں اس طیارے میں جانے والے سارے مسافر سوار ہو چکے تھے سوائے اس کے چونکہ اس کے سامان کی بکنگ ہو چکی تھی اس لیے اسے چھوڑ کر نہ جایا جا سکتا تھا۔ اس کی آنکھ شعوری طور پر اپنا نام بار بار سننے پر کھلی تھی۔

ایئرپورٹ سیکورٹی اور پولیس کے ہرکارے اس کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ کچی نیند کا خمار اور بوکھلاہٹ اتنی زیادہ تھی کہ اگر ایئر ہوسٹس سیٹ کی نشاندہی نہ کر چکی ہوتی تو وہ کہیں اور بیٹھ جاتی۔ حواس بحال ہونے پر اس نے شکر کا ایک لمبا سانس لیا تھا۔

نہ جانے نانی کی طبیعت کیسی ہو گی۔ باربرا نے اسے صحیح طرح ان کی طبیعت کے متعلق بتایا بھی تو نہیں تھا۔ فرانس پہنچ کر اسے کچھ گھنٹے آرام کرنا تھا اور اس کے بعد کنٹری سائیڈ کے لیے ٹرین پکڑنی تھی۔ مام سے ملنے کو بھی دل چاہ رہا تھا لیکن پہلے نانی کو دیکھنا اشد ضروری تھا۔ انڈیا سے یہاں تک کا سفر اس نے جس بے چینی اور غائب دماغی کے ساتھ کیا تھا وہی جانتی تھی ۔نانی سے اسے بہت محبت تھی۔

اس کے ساتھ بیٹھا شخص مکمل طور پر اس سے بے نیاز تھا جیسے وہ یہاں موجود ہی نہ ہو۔ اس نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اس کی خشمگیں نگاہیں اور ان سے اڈتی نفرت اسے آج بھی اچھی طرح یاد تھی۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی اس کے باوجود نفرت کی کوئی بھی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"مس آپ کیا لینا پسند کریں گی۔"

ایئر ہوسٹس کے پوچھنے پر اس نے کچھ بھی کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

کبھی اس کی سوچوں کا رخ باربرا کی طرف مڑ جاتا کبھی نانی کی طرف اور کبھی مام اور ہیرالڈ انکل کی طرف

سب کے سب اسی معاشرے کے پروردہ تھے جسے اس نے ہمیشہ قابل نفرت ہی گردانا تھا۔ لیکن رشتوں کے بغیر وہ بھی نامکمل تھی۔ نفرت کرنے کے باوجود اسی کا حصہ ساری عمر بھاگتے رہنے کے باوجود اس کی ہر دوڑ یہیں آکر ختم ہوتی تھی۔

سیڑھی پر رکھا پہلا قدم ہی لڑکھڑاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ شاید اتنے گھنٹوں کی بھوک کا شاخسانہ تھا۔ چکراتے سر کے ساتھ سہارے کے لیے اس نے ریلنگ کا سہارا لینا چاہا۔ ریلنگ تو ہاتھ نہیں آئی تھی ساتھ چلتے شخص کا بازو ضرور اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ گرنے سے پہلے وہ سنبھل چکی تھی۔ اگر وہ اس کا بازو نہ تھام لیتی تو وہ تین لوگوں کو ساتھ لے کر زمین بوس ہو چکی ہوتی۔

"سوری۔"

ناگواری سے پیشانی پر بننے والی شکنیں کچھ اور بھی نمایاں ہو گئی تھیں۔ سوری کا جواب دینا تو ایک طرف اس نے اس کا حال پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

"ہر کسی کے گلے کا ہار بننے والی مغربی لڑکیاں، ہونہہ۔"

اس کا ہاتھ پرے جھٹک کر وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

"اجڈ، جنگلی، بدتہذیب۔"

دل ہی دل میں برے القابات سے نوازتے وہ اس بات سے منکر نہیں تھی کہ وہ یہاں کے دوسرے مردوں سے بہت مختلف تھا۔ پورے کروفر سے سیدھا چلتا وہ ہر چیز پر چھایا محسوس ہو رہا تھا۔ یہاں کے نوجوان جو لڑکیاں دیکھتے ہی بچھ بچھ جاتے تھے۔ جو نظروں سے کھا جانے کی کوشش کرتے تھے۔ سر جھٹک کر اس نے لایعنی سوچوں کو دور بھگانا چاہا۔

"کیا وہ اس جنگلی سے متاثر ہو رہی تھی جسے نہ بات کرنے کی تمیز تھی نہ اچھا رویہ اور اخلاق نبھانے کی۔"

اس کی بیس سالہ زندگی میں کسی مرد سے متاثر ہونے کا یہ پہلا موقع تھا۔

"تو کیا وہ اخلاق ہے جو فنازیو اپناتا ہے یا وہ جو ہیرالڈ انکل ہر نئی نظر آنے والی خوب صورت لڑکی کے لیے اپناتے ہیں۔" وہ مردوں سے ہمیشہ دور بھاگتی رہی تھی ان کی آنکھوں میں ناچتی ہوس سے خوف زدہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اگرچہ "میں" بہت واضح تھی مگر ان کے ساتھ ہی ساتھ یہ آنکھیں اتنی بے ریا اور شفاف تھیں کہ شاید ہی اس سے پہلے اس نے دیکھی ہوں گی۔

ٹیکسی کو ہاتھ دیتے اس نے سب سوچوں کو پیچھے جھٹک دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ تو اس پیکٹ کو تقریباً" بھول چکا تھا۔ آج بھی شرٹ تلاش کرتے وہ اسی الماری کے سب سے اوپر والے حصے میں رکھا نظر آیا تھا۔ پاکستان سے واپس آئے اسے دو مہینے سے اوپر ہو چلے تھے اپنی عقل اور یاد پر ماتم کرتے اس نے اس پیکٹ کو پکڑ لیا۔ ننھی آنٹی نے کتنی تاکید کی تھی اس کے متعلق اور اسے بھی تو اس سوسائٹی میں رہنے والی معصوم لڑکی کو دیکھنا تھا۔

"آج کے سارے کام بعد میں پہلے اس کو پہنچایا جائے۔"

اس کے ہاتھ میں دبا ایڈریس ایک یہودی فیملی کا تھا۔ ننھی آنٹی کے بھیجے خطوط بھی یقیناً" اسی پتے پر پہنچے تھے اس لیے اپنے اصل مالک تک نہ پہنچ پائے تھے۔ آنٹی کی دی گئی معلومات یہودی بوڑھے کو بتا کر اس نے اس کا حدود اربعہ جاننا چاہا اور واقعی وہ بوڑھا شخص کسی حد تک سمجھ گیا تھا کہ وہ کس فیملی کے متعلق جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایڈریس پر لکھا فلیٹ نمبر ۱۵ تھا اور اس یہودی نے اکائی نشاندہی کی یہی غلطی بار بار ننھی آنٹی سے ہوتی رہی تھی۔ ایک بار پھر پرامید ہو کر اس نے قدم فلیٹ نمبر پندرہ کی جانب بڑھا دیے۔

"مجھے مس بیزن سے ملنا ہے۔" دروازہ کھولنے والی ادھیڑ عمر خاتون اسے اجنبی نگاہوں سے تک رہی تھی۔ اس نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔ وہ ابھی بھی اسے گھورے جا رہی تھی۔

"شاید یہ انگلش نہیں جانتی۔"

دل میں قیاس کرتے ایک بار پھر کہنے کو لب کھولے۔

"وہ یہاں نہیں رہتی۔"

اس کے بولنے سے قبل ہی جواب آگیا تھا۔ ناامیدی پھر ایک بار پوری شدت سے امڈی تھی۔

"بس اس کے بعد اب مجھے کہیں کچھ بھی نہیں تلاشنا نہ اس کا ایڈریس نہ اس کا فلیٹ۔"

دل ہی دل میں ارادہ کرتے وہ مڑنے والا تھا۔ جب عورت کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

"وہ اب Rue de Abasses میں رہتی ہے۔"

جگہ کا نام اور فلیٹ کا نمبر بتا کر اس نے دروازہ کھٹ سے بند کر دیا۔ وہ اس کے انداز پر کچھ دیر وہیں کھڑا رہا تھا۔ وہ جگہ یہاں سے ایک گھنٹے کی مسافت پر تھی۔ پہلے تو اس کا دل چاہا تھا کہ اسے پھر کسی دن پر اٹھا رکھے لیکن بعد میں اس خیال کی نفی کرتے اس نے "میٹرو" کے اسٹاپ کی طرف قدم بڑھا دیے۔

دروازہ کھولنے والی ہستی کو دیکھ کر اس کے منہ میں کڑواہٹ سی گھل گئی تھی۔

"ننھی آنٹی آپ کا خیال بالکل غلط نکلا وہ بالکل بھی دوسری لڑکیوں سے مختلف نہیں۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو شاید میں اسے تلاش کرنے کے لیے اتنی کوشش کبھی نہ کرتا۔"

آنٹی کا خیال صحیح تھا یا غلط اسے ان کا دیا پیکٹ اس کے حوالے کرنا تھا۔

"مجھے ابدال کہتے ہیں۔ پاکستان سے ننھی آنٹی، سوری عائشہ آنٹی نے آپ کے لیے یہ بھیجا ہے۔ آپ مس بیزن ہی ہیں نا۔"

جو بات سب سے پہلے کرنی چاہیے تھی اسے سب سے بعد میں یاد آئی تھی یعنی یہ پوچھنا کہ وہ ہی بیزن ہے۔

"جی میں ہی بیزن ہوں۔"

یکایک اس کے چہرے پر مسرتوں کے چراغ جھلملانے لگے۔ جن کی روشنی سے اس کا چہرہ بقعۂ نور بن گیا تھا۔ خوشی سنبھالنا اس سے مشکل ہو رہا تھا۔

"پلیز آپ اندر آجائیں۔"

وہ شاید اس کی پہلے کی بدتمیزی بھول چکی تھی اس لیے چہرے پر خوشیوں کے ساتھ استقبالی مسکراہٹ موجود تھی۔ وہ جو وہیں سے بھاگ جانا چاہتا تھا ناچار اندر آنے پر مجبور ہوا تھا۔

"کیسی ہیں عائشہ آنٹی، عالیہ، فہمی اور عانیہ، خالد انکل جاتے ہوئے بالکل بتا کر نہیں گئے۔ کتنا یاد کیا ہے میں نے انہیں، کتنا ڈھونڈا ہے انہیں۔"

ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ ڈالے تھے اس نے۔

"وہ بھی آپ کو بہت یاد کر رہی تھیں۔"

پتھریلے تاثرات سے سجا چہرہ مسکراہٹ سے خالی تھا۔

"آپ عائشہ آنٹی کے۔"

"میری خالہ ہیں وہ۔"

"آپ چائے لیں گے یا ٹھنڈا۔" اسے تھوڑی دیر سے یاد آیا تھا۔

"مجھے جلدی ہے ذرا۔"

اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی اس نے باہر قدم بڑھا دیے۔ بہت عرصے بعد اسے بھرپور خوشی ملی تھی۔ کسی اپنے کے ہونے کی خوشی پیکٹ میں سے نکلنے والا سوٹ اپنے ساتھ لگاتے وہ بچوں کی طرح خوش تھی جیسے اسے ہفت اقلیم مل گئی ہو۔ پیکٹ سے نکلنے والا خط پڑھنے کے بعد اسے اس نمبر پر فون کرنا تھا جو آخر میں لکھا تھا۔

"کیا اسے مام کو بتانا چاہیے۔"

فنازیو اب برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ نہ جانے اسے اس کے آنے کا کیسے علم ہوا تھا۔ یا تو بار بار فون کرتا رہتا یا اس کی بلڈنگ کے چکر لگاتا۔ کتنے عرصے سے وہ مام سے بھی نہیں ملنے گئی تھی۔

"نہیں۔"

پہلے خیال کی تردید دماغ نے فوراً" ہی کر دی۔

"ایسی ماں جو اس بات سے لاپروا رہی ہو کہ زمانے کے سرد و گرم سے ناآشنا اس کی معصوم بیٹی اچانک گھر

چھوڑ کر کیوں چلی جاتی ہے اسے بتانے سے بہتر ہے اس تکلیف کو برداشت کرلیا جائے۔"

"تو کیا نانی کو بتانا چاہیے۔" دماغ نے ایک اور حل اس کے سامنے پیش کیا۔

"ایک لمبی مدت کے بعد اب ان کی حالت سنبھلی ہے۔ کیا انہیں پھر ڈسٹرب کردیا جائے اور ویسے بھی وہ اس سلسلے میں کیا کرسکتی تھیں۔"

"کیا اسے پولیس سے مدد طلب کرنی چاہیے۔"

تھک کر اس نے ٹیبل پر سر رکھ دیا۔ اس کا دفتر پیرس کے شمال میں تھا اور گھر پیرس کے درمیان میں۔ آج اسے آفس میں بیٹھے اور پریشانی کا حل تلاش کرتے بہت دیر ہوگئی تھی۔ گھر جانا اس کی مجبوری تھی ورنہ اس کا دل بالکل گھر جانے کو نہ چاہ رہا تھا۔

"میٹرو کی بجائے ٹرین زیادہ بہتر رہے گی۔"

رات کے اس پہر اسے سفر کرنے کا اتفاق شاذونادر ہی ہوا تھا اس لیے اس نے ٹرین اسٹیشن کا رخ کیا۔ رات کو سفر کرنے والے مسافر آدھے سے زیادہ سو رہے تھے۔ جوں جوں ٹرین راستے طے کررہی تھی اس کی بے چینی زیادہ ہورہی تھی۔ گھر پہنچنے کی خوشی مفقود تھی جس کی وجہ وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔

"ہے بےبی آر یو لونلی یو کین جوائن اس۔"

وہ دو تھے شاید اسے اکیلا دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے یا ان کا کام ہی ایسی لڑکیوں کو تلاش کرنا تھا جو اکیلی ہوتی تھیں۔ الجزائر' مراکش سے آنے والے سیاہ فام کام کرنے کی بجائے چوری کرنا یا دو نمبر کام کرنا زیادہ پسند کرتے تھے اندھیری جگہوں پر گھات لگائے وہ لوگوں کو لوٹتے' اگر بارونق علاقے میں بھی ایسا کرتے تو کوئی روکنے کی کوشش نہ کرتا تھا' سنا اس نے بہت بار تھا' سہنے کا اتفاق آج ہوا تھا وہ حد سے زیادہ پریشان تھی۔ مسافروں کی اکثریت سو رہی تھی اور جو جاگ رہے تھے وہ بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ اسے فرانس کی ٹرینوں میں سفر کرنے والے ایک جنونی کے متعلق دیکھی گئی ڈاکومنٹری یاد آنے لگی جو اس نے کچھ عرصہ قبل دیکھی تھی جنونی کا بسیرا رات کی ٹرینیں تھیں جن میں وہ قتل کرتا اور کسی دوسری ٹرین میں سوار ہوجاتا۔ اس نے ایک جھرجھری لے کر سیاہ فام نوجوان کو دیکھا جو اس کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔ اس میں چیخنے کی سکت بالکل نہیں تھی اور اسے یہ بھی علم تھا کہ چیخنا خطرناک ہوسکتا ہے۔

"کورا! میں ذرا دوست کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگیا تھا۔ تم نے برا تو نہیں منایا۔"

وہ رحمت کے فرشتے کی طرح نہ جانے کدھر سے آیا تھا اس وقت اس کا دل چاہا تھا کہ فوراً اس کی پناہ میں آجائے۔ اسے مشکل میں دیکھ کر ہی وہ اس کی جانب آیا تھا ورنہ ان میں کبھی بے تکلفی نہیں تھی۔ اسے اس کا ساتھی سمجھ کر وہ دونوں وہاں سے جاچکے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ تشکر کے احساس و جذبات کے باوجود اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا تھا۔

"تم جیسے لوگ' ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ جنہیں ایک گھر' ماں باپ کے ہوتے نئے نئے تجربات کرنے کا شوق ہوتا ہے۔

مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کا شوق' آزادی کے نعرے' عورت کی بے محابا آزادی' الگ گھر اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نقصانات ..... نقصانات ..... یا جدھر دل چاہا منہ اٹھا کر چل دیے۔ مغربی تہذیب کے پروردہ تم جیسے شتر بے مہار کیا جانیں گھر' گھریلو زندگی' تحفظ اور عزت' ایسی ہی آزادی کے خواہاں ہو تم پھر پریشانی کس بات کی ہے۔ یہ آنسو کیوں بہہ رہے ہیں تمہاری آنکھوں سے تمہارے لیے نئی بات کیا ہے اس میں۔"

یک ٹک وہ اس کی جانب دیکھے جارہی تھی گنگ' آنسو آنکھوں ہی میں خشک ہوگئے تھے۔ شاید وہ موت سے پہلے ہی مرنے والی تھی یا مرچکی تھی۔ لیکن اتنی تذلیل کے باوجود وہ مری نہیں تھی۔ وہ زندہ تھی اور سب کچھ سن رہی تھی کھلی آنکھوں اور کانوں کے ساتھ سیسہ انڈیلتے لفظ' نفرت سے دہکتا چہرہ' شعلے اگلتی زبان سبھی کچھ۔

"اخلاق باختہ اقدار اور اخلاق سے عاری انسان۔"

نہ جانے کیسا غصہ اور حقارت تھی کہ لفظوں کے کوڑے مار مار کر بھی کم نہ ہورہی تھی۔ اسے اسی طرح چھوڑ کر اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔ شاید وہ مڑنے والا تھا۔ جب اچانک ہی وہ ہوش میں آئی تھی۔ اس کے مڑنے سے قبل اس کی کلائی تھام کر ایک جھٹکا دے کر روکا تھا اس نے اسے۔ حیرت سے وہ اس دھان پان لڑکی کی طاقت اور اس کی حرکت کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی خون رنگ آنکھیں اب برس نہیں رہی تھیں بلکہ نفرت برسا رہی تھیں۔

"اتنا کچھ کہنے کے بعد میں تمہیں ایسے ہی جانے نہیں دوں گی۔ تمہاری ان آنکھوں پر پڑی' بند ھی فرعونیت کی پٹی کو تار تار کرنا چاہوں گی جو تم جیسے لوگ ہروقت اپنی آنکھوں پر باندھے رکھتے ہیں۔"

وہ ابھی تک اس کی حرکت پر ششدر تھا۔ اس کا تیز تیز چلتا سانس اس کی برانگیختگی۔ ظاہر کررہا تھا۔ ایک جوار بھاٹا تھا جو اس کے جسم کی دیواروں سے ٹکرا رہا تھا۔

"مجھ جیسے لوگوں کو ضرور نقصان اٹھانا چاہیے کیونکہ مجھ جیسے لوگ دوسروں کی چال چلتے چلتے اپنی چال بھی بھول جاتے ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کا گناہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہی لوگوں سے الگ ہوتے ہیں۔ اپنی ہی چیزوں کو برا خیال کرتے ہیں۔ اپنے اردگرد کی دنیا سے الگ ہوتے ہیں۔ سوتیلا باپ اس کا بدکردار بیٹا اور اسٹینس کے اوپر جان دینے والی غیرت و عزت کے نام سے ناواقف ماں' ان سے الگ رہ کر اپنے ایمان' عزت اور کردار کی حفاظت بلکہ بے محابا آزادی ہے۔"

بول بول کر اس کا سانس پھولنے لگا۔ اب یک ٹک دیکھنے کی باری اس کی تھی۔

"ایک مسلمان کے سامنے دوسرے مسلمانوں کو برا بھلا اور دہشت گرد کہنے والا سوتیلا باپ' جو سب سے بڑا دہشت گرد خود ہے اس کے گھر میں رہنا' گھریلو زندگی گزارنا ..... ماں صرف پیدا کرنے کی قصوروار ہے۔ ایک بیٹی جو اپنے کردار کی حفاظت کے لیے اچانک گھر چھوڑ دیتی ہے ماں اس سے یہ پوچھنا گوارا نہیں کرتی کہ اس نے گھر کیوں چھوڑا۔ الحمدللہ میں مسلم ہوں۔ ایسے میں ہر طرف موجود بھیڑیوں سے خود کو بچانا کتنا مشکل ہے تم جیسے سماج کے ٹھیکیدار کیا جانیں۔ ایمان کی سلامتی کے لیے اگر وہی لڑکی کسی مسلم نوجوان ..... تم جیسے لوگ اس کا سانس لینا مشکل کردیتے ہیں۔"

اس سے مزید بولنا ممکن نہ رہا تھا۔ ٹرین اپنے اسٹیشن پر رک چکی تھی اسے وہیں حیران پریشان چھوڑ کر وہ نیچے اتر آئی۔ اس کے اندر ایک جنگ چھڑی تھی۔ خیالات آپس میں گڈمڈ تھے۔

"دوسروں کے گلے کا ہار بننے والی لڑکیاں۔"

"کورا' پلیز لسن ٹو می۔"

اس کے ساتھ ساتھ چلتے اس نے اسے آواز دی اس نے اسے آواز تو دی تھی مگر اس کے پاس تو کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

"پلیز مسٹر ابدال' میں کچھ سننا نہیں چاہتی اور نہ کچھ مزید کہنا چاہتی ہوں۔"

اسے اس کی بلڈنگ کے پاس چھوڑ کے وہ اپنے گھر کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

اپنی انفرادیت برقرار رکھنے والی ایک کمزور لڑکی جو خود کو سنبھالتے سنبھالتے تھک چکی تھی اور وہ اسے کیا سمجھتا رہا۔ اپنے سوچے لفظ یاد آنے لگے۔ اپنے ہی لفظ اسے مارے ڈال رہے تھے جو وہ اسے کہہ چکا تھا یا سوچ چکا تھا۔ ہمیشہ اس کے بارے میں غلط سوچا تھا۔ غلط فہمیاں پالی تھیں اس کی ہر بات کا مطلب غلط نکالا تھا۔ کیا تعلق تھا اس کا اس سے' جو وہ ہمیشہ اس کے بارے میں برا سوچتا رہا کیا فرق تھا اس میں اور اس کے باپ میں۔ وہ بھی تو اسی طرح کیا کرتے تھے۔ دوسروں کا خیال کیے بغیر اتنے چرکے لگاتا کہ زخموں پر کھرنڈ نہ آنے پاتا۔ اندر کی عدالت سے پڑنے والے کوڑے اسے مارے ڈال رہے تھے۔ احتساب جاری تھا اور وہ سر جھکائے اس عدالت کے روبرو کوئی صفائی دینے کے

قابل نہیں تھا۔

اسے اس سے ہوئی پہلی ملاقات یاد آئی۔ حیدر کو بچانے کے لیے دریا میں کودنا' انسانی فعل تھا۔ وہ اردو جانتی تھی اس لیے کودی تھی۔ اس نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا تھا کوئی بری حرکت نہیں کی تھی لیکن اسے پھر بھی اس پر غصہ آیا تھا۔ دوسری ملاقات میں غیر ارادی طور پر اسے تھامنا بھی اسے بہت کھلا تھا اور اس نے بد اخلاقی کا انتہا کردی تھی یعنی اس کے ہاتھ کو جھٹک کر' غصے سے اسے گھورتے اور تیسری ملاقات تو اسے شرمندگی سے سر ہی اٹھانے نہ دے رہی تھی۔ غیر جانبداری سے اپنی نفرت اور غصے کا تجزیہ کرتے اس پر کھلا کہ وہ ہمیشہ غلط تھا ہر جگہ پر کوئی بھی تعلق نہ ہونے کے باوجود وہ اسے کیوں سوچتا رہا تھا۔ کیوں ..... کیا وہ اس سے متاثر ہو رہا تھا اس کے حلیے سے یا اس کی خوب صورتی سے یا وہ دقتی جھنجلاہٹ تھی جو اسے اتفاقاً" دیکھ کر اس پر سوار ہو جایا کرتی تھی اپنا بے لاگ تجزیہ کرنے کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو' اپنے احساسات کو اور اپنے جذبات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ لیکن ایک بات اس کی سمجھ میں ضرور آگئی تھی کہ اسے اس سے معافی ضرور مانگنی چاہیے۔ اس کی بے چینی کے ختم ہونے کی ایک ہی صورت تھی۔ شاید یہ بے چینی اب اس کے مقدر میں ہمیشہ کے لیے لکھ دی گئی تھی۔ وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وہ بلڈنگ اور فلیٹ چھوڑ کر جا چکی تھی۔ ایک موہوم امید کے سہارے اس نے اس کی ماں کے فلیٹ پر بھی اس کا پتا کیا تھا مگر اس کی طرح وہ بھی لاعلم تھی۔

"اسے عادت ہے اسی طرح غائب ہو جانے کی خود ہی کچھ عرصے بعد آجائے گی۔"

دروازے سے ہی اسے جواب دے کر اس نے کھٹ سے دروازہ بند کردیا۔ اس نے ہر اس جگہ اس کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جہاں اس کے ملنے کے چانسز ہو سکتے تھے مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ ایک انجان لڑکی نہ جانے یکدم ہی اس کے لیے کیوں اتنی اہم ہو گئی تھی۔ ایسی لڑکی جس سے وہ دو تین بار ہی ملا تھا۔

اپنے باپ کے انداز و اطوار اور زبان سے متنفر ہو کر گھر چھوڑنے والا ابدال عرف باری خود کون سا باپ سے مختلف نکلا ہے اس نے بھی تو وہی کچھ کیا ہے جو اس کا باپ کرتا رہا ہے کیا تھا وہ اور کیا بن گیا۔ نرم خو' جذباتی شخص مادی ملک کی مادیت کا شکار ہو کر پتھر بن گیا تھا۔

"کیسے کیسے کچوکے نہیں لگائے اس لڑکی کو میں نے۔

کیا تعلق تھا اس کے اور میرے درمیان۔ کوئی تعلق کوئی واسطہ نہ ہوتے ہوئے بھی شاید کچھ تھا" اسے بے چینی عطا کر کے وہ نہ جانے کہاں گم ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایک عام سی لڑکی کو رابیزن شاید عام سے بھی نچلے درجے پر زندگی گزار دیتی اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت مجھے اپنی جانب نہ کھینچ لیتی۔ اس معاشرے کی دوسری لڑکیوں کی طرح اس میں ضم ہو کر اپنا سب کچھ کھو چکی ہوتی۔ اگر مجھے اپنی تہذیب اور اپنے معاشرے کو دوسرے معاشرے اور تہذیب سے موازنہ کرنے کا موقع نہ ملا ہوتا۔ میری زندگی میں آنے والی پہلی ہستی "عائشہ" جس نے مجھے بھرپور احساس دلایا کہ زندگی صرف کھا پی کر' انجوائے کر کے گزار دینے کا نام نہیں یہ صرف اپنی ذات سے محبت نہیں' یہ صرف مادیت' آسائشات نہیں بلکہ یہ تو اپنے آپ کو بھلا کر اپنے سے وابستہ لوگوں سے محبت کرنے کا نام ہے۔

زندگی نام ہے اس ہستی کو پہچاننے کا جس نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا۔ میرے ارد گرد بسنے والے لوگ صرف اپنے آپ سے محبت کرنا جانتے ہیں۔ کتنی بے چینی تھی میرے اندر اور یہی بے چینی مجھے بھگائے پھرتی تھی۔ اس بے چینی نے مجھے کبھی سکون سے بیٹھنے ہی نہیں دیا۔ ہاں مجھے اعتراف ہے اس چیز کا کہ آنٹی عائشہ سے مل کر میری بے چینیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔

"میری مام ایسی کیوں نہیں جیسی عائشہ آنٹی ہیں؟

ہمارے گھر میں کسی کو کسی کا احساس کیوں نہیں؟
میرے پاپا مجھ سے' محبت کیوں نہیں کرتے۔
کیا ہم خدا سے محبت نہیں کرتے؟"

یہ ایسے سوال تھے جنہوں نے مجھے اندر سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا مگر مجھے ان سوالوں کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ ان کا جواب مجھے خود ہی تلاش کرنا تھا۔ اسے پہلی بار میں نے بیچ پر دیکھا تھا۔ وہ بہت شاندار تھا بہت چارمنگ اور ہینڈسم' اس کا شاندار سراپا متاثر کن تھا ایک بار تو مجھ جیسی مردوں سے دور بھاگنے والی لڑکی بھی ٹھٹک کر اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہوئی تھی لیکن یہ کیفیت بس کچھ لمحے کے لیے تھی نہ جانے وہ میری جانب اتنی نفرت اور حقارت سے کیوں دیکھ رہا تھا شاید میں نے دوستوں کے درمیان مداخلت کی تھی۔ کوئی بھی وجہ سمجھ نہ آسکی تھی وجہ سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی ایک انجان شخص کی نفرت سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں تھا میں نے ایسا کوئی کام نہ کیا تھا جس پر مجھے شرمندہ ہونا پڑتا۔

مشرق اور مشرق سے تعلق رکھنے والی ہر چیز میرے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ بہت سے سوالوں کا جواب تلاش کرنے کی کوشش میں میں بائبل اور قرآن کے نزدیک ہوئی لیکن بے چینی اپنی جگہ رہی تھی۔ باربرا کے پاس انڈیا جانا ایک فرار تھا اپنے آپ سے قرآن اور بائبل سے' مشرقیت نے مجھے پوری طرح اپنے ٹرانس میں لے لیا تھا۔ مشرق کا جو تصور میرے ذہن میں تھا وہ مجھے عائشہ آنٹی کے گھرانے سے ملا تھا یہ مشرق تو اس مشرق سے بہت مختلف تھا۔ نانی کی خراب طبیعت اور ذاکر کے رویے کی بدولت میں انڈیا سے بھی بھاگ آئی تھی۔ جہاز میں اسی شاندار شخص سے ملاقات اور چکرا کر اس کا بازو تھامنے کی بے اختیار حرکت سرزد ہونا ایک اضطراری فعل تھا اور اس کا میرے ہاتھ کو جھٹکنا نفرت اور کراہیت ظاہر کر رہا تھا یہاں پر میں سوچنے پر مجبور ـــ ضرور ہوئی تھی کہ آیا وہ ساری لڑکیوں سے نفرت کرتا تھا یا صرف مجھ سے۔ اس کی بغیر وجہ کی نفرت کے جواب میں مجھے بھی اس سے نفرت ہونی چاہیے تھی مگر اس کے برعکس میں نے اس میں ایک انفرادیت محسوس کی تھی۔ یہاں کے مردوں سے مختلف تھا وہ۔

وہ منفرد شخص عائشہ آنٹی کا بھانجا تھا یہ پتا چلنے پر میں اسے سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ کئی دن اور دن کے ہر گھنٹے میں نے اسے سوچا تھا۔ اسے سوچتے میری سوچوں میں خود بخود ایک چھوٹا سا گھر (بالکل عائشہ آنٹی کے گھر جیسا) آجاتا جہاں خالد انکل کی طرح محبت کرتا مرد محبتوں کے خزانے لٹا کے بھی تہی نہیں ہوتا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے لگتا میری ساری پریشانیوں سب بے چینیوں کا حل اس شخص کے پاس موجود ہے۔ اس کی پناہ میں ہے۔ اس کی زبردست سمجھا جانے والی شخصیت میں ہے۔ کبھی کبھار اس کی نفرت سے بھری آنکھیں بھی یاد آتیں لیکن ایک خوب صورت گھر اور پناہ کی بے پناہ خواہش خود ہی کوئی نہ کوئی دلیل' تاویل گھڑ کر اسے کہیں پیچھے بہت پیچھے دھکیل دیتی۔ ہوں نا میں بھی پاگل۔ مغربی معاشرے میں پل بڑھ کر جوان ہونے والی' مشرقی سوچ رکھنے والی دوغلی لڑکی۔ جو دو تین ملاقاتوں کے بعد (اور ملاقاتیں بھی کوئی بہت یاد رکھنے والی نہیں) ایک بد دماغ شخص کی محبت کا شکار ہو چکی تھی۔ اکیسویں صدی کی مغربی پروردہ لڑکی اور دیکھے کی محبت' دل کرتا ہے زور زور سے قہقہہ لگاؤں اپنے اوپر اپنے معاشرے کے بعد فنازیو وہ شخص ہے جس سے میں نے انتہائی شدید نفرت کی ہے۔

انڈیا سے آنے کے بعد اس نے میری زندگی اجیرن کر رکھی تھی اور آفس میں دیر ہو جانے کی وجہ بھی وہی بد ترین شخص تھا۔ ٹرین میں ان بد تمیز لڑکوں سے بچانے والا' میری سوچوں کا محور وہ شاندار شخص اور اس کا تحفظ بخشتا وجود میرے قریب تھا اس احساس نے ہی مجھے سرشار کر دیا تھا لیکن یہ سرشاری کتنے مختصر عرصے کے لیے تھی میرے خوابوں کی کرچیاں میرے

اپنے ہی ہاتھوں کو لہولہان کر چکی تھیں۔ اتنی نفرت کرتا تھا وہ مجھ سے، لیکن نہیں اس کی یہ نفرت دراصل میرے معاشرے اور میری تہذیب سے تھی۔ اس میں میرا قصور کہاں نکلتا تھا۔ اسلام قبول کرنے پر تو مجھے خود بہت سی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سارا خاندان میرے خلاف ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ نانی بھی۔ لیکن مجھے اس کی باتوں سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اس تہذیب کے رنگ میں رنگا کب دیکھا تھا اس نے مجھے کیا برائی دیکھی تھی اس نے میرے اندر کیا حق پہنچتا تھا اسے اس طرح کہنے کا اور پھر مجھے بھی شدید غصہ آیا تھا۔ یقیناً" وہ پشیمان تھا۔ لیکن اس کی پشیمانی مجھے میری خودی اور عزت نفس واپس نہیں لوٹا سکتی تھی۔

کیا گندے معاشرے میں بسنے والی ایک لڑکی کو اچھی سوچ رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ مجھے میرے فلیٹ تک چھوڑ کے گیا ہے اور مجھے علم ہے کہ یہ آخری بار نہیں وہ پھر آئے گا لیکن مجھے اب اس کا سامنا نہیں کرنا۔

ہاں مجھے علم ہے کہ میں ایک نئی بے چینی کو اپنے اندر جگہ دے رہی ہوں وہی بے چینی جس سے میں اکیس سال تک بھاگتی رہی ہوں۔ لیکن مجھے اپنے پندار سے بڑھ کر کچھ بھی عزیز نہیں (میری اس بات پر میرا دل مجھ پر ہنس رہا ہے) لیکن کوشش کے باوجود میں اس شخص سے نفرت کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس لیے میں یہاں سے جا رہی ہوں..... کہاں، معلوم نہیں۔

☼ ☼ ☼

"یاری! میرا دل چاہتا ہے تجھ سے اتنی باتیں کروں کہ کوئی تشنگی نہ رہے۔ نہ جانے کیوں تم مجھے بھیا جیسے لگتے ہو۔ امی، ابو بھیا مجھے بہت یاد آتے ہیں۔ امی کا آخری بار کا پیشانی پر دیا جانے والا بوسہ اب بھی میرے اندر ٹھنڈک اتار دیتا ہے۔ ابو کی ناراض ناراض آواز ابھی بھی میرے دل کو ایوانوں میں گونجتی ہے اور بھیا کی سنجیدہ صورت اور محنتی ہاتھوں کا لمس ابھی بھی مجھے اپنے کندھوں پر محسوس ہوتا ہے۔"

حیدر بہت سنجیدہ ہو رہا تھا۔ اس کی نگاہیں دور خلاؤں میں کہیں بھٹک رہی تھیں۔ اتنے دن سے اسے تلاش کرتے اس نے حیدر کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی جس کا چلبلا پن نہ جانے کہاں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے تو بہت خوش ہونا چاہیے تھا۔ داؤد نے دوست ہونے کا حق ادا کر دیا تھا اس کی بات زینب سے پکی ہو چکی تھی۔ اور جلد ہی شادی بھی ہونے والی تھی۔ خوشی اور غمی کے موقع پر اپنے اسی طرح یاد آیا کرتے ہیں وہ اسی فیز سے گزر رہا تھا۔ رشتوں کو کھو کر زندگی گزارنا کتنا مشکل ہے۔ اس نے حیدر کی طرف دیکھا جس کی خلاؤں میں بھٹکتی آنکھیں دھندلانے لگی تھیں۔

"میرا دل کرتا ہے تجھے اتنی زور سے بھینچوں کہ اندر کی ساری تکلیف دور ہو جائے۔"

اس نے خود ہی آگے بڑھ کر حیدر کو گلے لگا لیا۔ وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ اس کے آنسو بھی ساتھ گرنے لگے۔ ہر وقت ہنسنے والے شخص کو اس طرح روتے دیکھنا اس کے لیے آسان نہ تھا۔ دل پھٹنے کے قریب تھا لیکن اس نے اسے رونے دیا کتنے دنوں کا غبار تھا جو اندر جمع ہو تا رہا تھا وہ آہستہ آہستہ اسے تھپکتا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کا وجود جھٹکوں کی زد سے باہر نکلا تھا۔

"یار بس بھی کر دے' تو نے تو لڑکیوں کو مات کر دیا۔ کیا کوئی لڑکی اپنی رخصتی پر اتنا روئی ہو گی جتنا تو اپنی رخصتی پر رو رہا ہے وہ کیا کہا ہے کسی شاعر نے۔

اک دن فراق یار میں رویا میں اس قدر
چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی کمر کمر"

شادی کے بعد اسے کہیں اور منتقل ہو جانا تھا اس لیے اسے چھیڑنے کو اس نے رخصتی کا لفظ استعمال کیا تھا۔ بذلہ سنجی اس کی عادت نہیں تھی مگر اسے اس اداسی سے باہر نکالنے کے لیے اس نے پر مزاح انداز اختیار کیا تھا۔

"مجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے کر لے' کر لے۔ لوگ شادی سے پہلے منگیتروں سے باتیں کرتے ہیں' شادی کی پلاننگ کرتے ہیں' اگلی زندگی کی شروعات

کے متعلق اور تو مجھ سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتا ہے۔ میں تیری "محبوبہ" ہوں جو شادی کے بعد تجھ سے دور ہو جائے گی۔"

اس کے انداز پر حیدر کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔

"تو بالکل میرے لیے قطب جیسا ہے۔ مجھے کبھی خود سے الگ نہ سمجھنا تو یہاں رہے یا کہیں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں دل دور نہیں ہونے چاہئیں۔"

اس نے ایک بار پھر اسے ساتھ لگا لیا۔

"زینب کے لیے خریداری کون کر رہا ہے۔"

"بڑی جلدی خیال آ گیا تجھے۔ پہلے مجھے یہ بتا کہ آج کل کدھر ہوتا ہے تو۔ مدقوق' ناکام عاشقوں کی طرح بڑھی داڑھی' صحراؤں مطلب جگہ جگہ کی خاک چھاننا' نہ گھر کا ہوش نہ کسی اور جگہ کا' اصل بات بتا اصل بات۔"

حیدر پرانی جون میں لوٹ آیا تھا اور اب اس کے درپے ہو چکا تھا۔ اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ یکدم ہی سنجیدہ ہو گیا۔ بے چینی کا شدید حملہ یکدم ہی پھر ہوا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔"

حیدر سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا اور وہ سر جھکائے اسے سوچتا رہا۔

"کورا کون ہے؟"

گمبھیر خاموشی کو حیدر کی سنجیدہ آواز نے توڑا۔ اس نے حیدر کو بہت حیرت سے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی چلا گیا۔

"وہی لڑکی جو ہمیں بیچ پر ملی تھی۔ لیکن تم....."

حیدر نے ایک صفحہ اس کے آگے کر دیا جس پر کئی جگہوں پر کورا لکھ کر مٹایا گیا تھا۔ اسے برا بھلا کہنے کے بعد اس نے سوچا تھا اسے لکھ کر سوری کرے گا۔ لیکن ــــ موزوں جملے ذہن میں نہ آ رہے تھے اور بے دھیانی میں وہ کورا کا نام ہی لکھتا چلا گیا تھا۔ حیدر کو وہ صفحہ نہ جانے کہاں سے ملا تھا اس کی آنکھیں اس سے استفسار کرتی رہیں اور اسے ان کا جواب دینا تھا۔ اپنی اپنی پراگندگی اور انتشار کو اس نے اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔

"کاش وہ مجھے صرف ایک بار مل جائے تاکہ میں اس سے صرف سوری کہہ سکوں۔ میری بے چینی کے دور ہونے کی ایک یہی صورت ہے" اور حیدر سوچ رہا تھا آیا یہ صرف سوری کرنے کی بے چینی ہے۔

☼ ☼ ☼

سوی' سارہ اور خاص طور پر نانی کی نفرت انگیز نظروں کو سہنا اتنا آسان نہیں تھا لیکن یہ نفرت مستقل نہیں رہی تھی شاید انہوں نے اسے نئے مذہب کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔ نانی کے پاس آئے اسے دو مہینے سے اوپر ہو چلے تھے۔ نانی بیمار رہنے کے بعد ایک بار پھر تندرست ہو کر اپنی معمول کی سرگرمیوں میں مصروف ہو چکی تھیں۔

الگ تھلگ گوشے میں بیٹھ کر کچھ نہ کچھ سوچتے رہنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ مزے سے ڈھکا قصبہ اور قصبے کی سست رفتار زندگی' کتنا سکون تھا یہاں لیکن اپنا سکون تو وہ کہیں بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ شاید اس ٹرین میں جس میں اس نے آخری بار سفر کیا تھا۔ یا اس بلڈنگ کے گیٹ پر جہاں وہ اسے آخری بار چھوڑ کے گیا تھا۔ کہاں چھوڑا تھا اس نے سکون۔ اس کی بے سکون راتوں کی کبھی کبھار کی نیند میں وہ خواب اسے اب بھی نظر آتا تھا جس میں چھوٹے سے گھر میں انکل خالد جیسا شخص اپنے پورے تحفظ کے ساتھ موجود ہوتا تھا اس شخص کو پہچانتے ہوئے بھی وہ اس سے نگاہیں چرا کر اس خواب کو لاشعور میں دھکیلنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ لیکن نفسیاتی اصطلاح میں جس چیز کو جتنا دبایا جائے وہ اتنی ہی شدت سے ابھرتی ہے اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا اس خیال کو وہ جتنا پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتی اسی شدت سے وہ اس پر حملہ آور ہوتا۔

نانی کو اچانک ہی اپنی صحت یابی کا خیال آیا تھا اور صحت یابی کے سلسلے میں ہی انہوں نے ایک پارٹی رکھی تھی۔ سارا خاندان اس پارٹی میں مدعو تھا لیکن

اسے نہ تو پارٹی سے دلچسپی تھی اور نہ ہی خاندان کے افراد سے۔ وہ پارٹی میں شریک نہ ہونا چاہتی تھی مگر نانی کو اداس کر کے اسے کہیں بیٹھے رہنا بھی پسند نہ تھا۔

"آپ کی نانی کا ویلج بہت خوب صورت ہے بالکل آپ کی طرح خوب صورت' خالص اور پر اسرار۔"

پارٹی کے ہاؤ ہو سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی الگ تھلگ کونے میں بیٹھی وہ حسب معمول کچھ سوچنے میں مشغول تھی وہ کون تھا وہ نہیں جانتی تھی لیکن وہ مخاطب اسی سے تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا جو اسی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں مائیک ہوں۔ آپ کی مام کے ساتھ اسپیشلی آپ سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ کی مام بہت شاندار عورت ہیں۔ آپ مجھے نہیں جانتیں لیکن میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" اسے نانی کی بات یاد آگئی۔

"تم خود تو کسی نوجوان کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں مجھے یا تمہاری ماں کو ہی تمہاری بات کرنی ہوگی۔"

اس شخص کا یہاں آنا شاید اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

"آج موسم بہت خوب صورت ہے کیوں نہ باہر واک کی جائے۔" مائیک نے اپنی ہلکی براؤن آنکھیں اس پر گاڑ کر ہاتھ آگے بڑھا دیا بڑھے ہاتھ کو نظر انداز کر کے اس نے قدم دوسری جانب بڑھا دیے۔

"سوری میں آپ کے ساتھ واک نہیں کرنا چاہتی"

اسے وہیں ہکا بکا چھوڑ کر اس نے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے۔ اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ کیا سوچ رہا ہوگا۔

ہمیشہ کی طرح پارٹی کا اختتام آج بھی لڑائی پر ہوا تھا۔ لڑائی کا سب سے اہم کردار وہ خود تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ آج کی لڑائی میں سارا خاندان ایک طرف تھا اور وہ ایک طرف۔

"کتنا امیر شخص ہے وہ اور کتنی دور سے صرف تم سے ملنے آیا تھا اور تم نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ واقعی مینرز نام کی کوئی شے تمہارے پاس نہیں ہے۔ جب تم کہیں انوالو نہیں ہو تو..... تم نے اپنی جہالت سے کیا کھو دیا ہے تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ کتنا روڈلی ہو کیا ہے تم نے۔ کیا تم کہیں اور انٹرسٹڈ ہو۔" مائیکل انکل' آنٹی روبلی' نانی اور باقی سب بھی مام کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

"میں مسلم ہوں اور کسی مسلمان سے ہی شادی کروں گی۔"

ان کی بہت ساری باتوں کے جواب میں اس نے صرف ایک جملہ ہی کہا تھا۔ کچھ دیر کے لیے سب خاموش ہو گئے تھے۔

"اوہ' تو وہ شخص جو کئی بار تمہارا پوچھ چکا ہے۔ کیا نام تھا اس کا۔"

مام نے اپنے ذہن پر زور دیا۔ نفرت ان کے ہر ہر انداز سے عیاں تھی۔ ہیرالڈ انکل اور فنازیو تو اس کی بات سنتے ہی وہاں سے جا چکے تھے۔

"ابدال! یہی نام ہے نا اس شخص کا جو مسلمان ہے!" ان کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ تضحیک ہی تضحیک تھی

"اسی سے چھپ کر بیٹھی ہو تم یہاں۔ تیسری دنیا کا جاہل شخص جسے ٹھیک طرح سے ڈریسنگ بھی کرنا نہیں آتی۔ تو جاؤ اسی سے کر لو جا کر شادی یہاں کیوں چھپ کر بیٹھی ہو۔ اب اگر وہ میرے پاس آیا تو ضرور میں اسے تمہارا ایڈریس دے دوں گی۔"

اس کے لیے ان کے پاس انتہا درجے کی نفرت' بے زاری اور حقارت تھی۔

"بند کریں اندازے لگانا' وہ شخص ہو یا کوئی اور مجھے آپ سے فیصلہ نہیں کروانا۔"

کندھے اچکا کر انہوں نے جہنم میں جاؤ کا اشارہ کیا اور گلاس تھامے دوسری طرف مڑ گئیں۔ ایک ایک کر کے سب وہاں سے جا چکے تھے۔

"میں تمہارا ایڈریس اسے دے دوں گی۔"

اس سے پہلے کہ مام اسے اس کا ایڈریس دیتیں اسے یہ قصبہ بھی چھوڑنا تھا۔

اجنبی یہ بھی عجب موسم ہے
تیری فرقت کا جھلستا موسم
آگ بن کر میرے سوچوں پر برستا موسم
کتنا محروم طرب موسم ہے
غم بجاں نوحہ بہ لب موسم ہے
تیری خوشبو کا جزیرہ نہ تیری یاد کا شہر
میری نس نس میں اترتا ہوا
تنہائی کا زہر
زہر کی لہر
زہر کی لہر کے ہمراہ تیرے درد کا قہر
قریہ جاں میں اترتا ہے تو یوں لگتا ہے
جیسے نازل ہو کسی شہر چراغاں پہ عذاب
جیسے بے آب و ہوا رُت میں جھلس جائیں گلاب
دل میں اب درد بکھرتا ہے تو یوں لگتا ہے
جس طرح ٹوٹ رہی ہو کسی خیمے کی طناب

دریا کے کنارے کنارے چلتے اس نے گھور اندھیرے پر نگاہیں جما دیں۔

"کیا یہ بے چینی صرف اس کے ملنے تک کی ہے۔ کیا اس سے ملنے کے بعد یہ دور ہو جائے گی۔"

ان سوالوں کے جواب دینا اور خود سے پوچھنا کتنا مشکل تھا۔

"تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے۔"

حیدر نے ایک دن اس سے کہا تھا جس کی اس نے تردید کی تھی بہت سی تاویلیں دے کر۔

"چونکہ میں ابا کا اس طرح کا رویہ سہتا رہا بلکہ ہمارا سارا خاندان اور اسی ماحول میں پروان چڑھا تو مجھے لگا کہ میں ایک اور ابدال کی شخصیت کی توڑ پھوڑ کا باعث تو نہیں بن گیا۔"

لیکن حیدر مطمئن ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ گھر سے نہ جانے کتنے فون آ چکے تھے اور گھر والے ایک ہی تقاضا کرتے تھے۔

"واپس لوٹ آؤ۔" نہ جانے اسے کیوں لگتا تھا کہ اگر وہ گیا تو پھر اسے ہمیشہ کے لیے کھو دے گا۔ کھو تو وہ اسے چکا تھا۔ لیکن ایک موہوم امید تو تھی کہ کہیں وہ مل جائے گی۔

"کھونا اور پانا۔"

اسے خود پر بے اختیار ہنسی آگئی۔ ایسا کیا تعلق تھا ان کے درمیان کہ وہ پانے اور کھونے کی باتیں کرتا یا سوچتا۔

امی اسے بارہا شادی کے لیے کہہ چکی تھیں اس کے بعد قطب تھا انہیں اس کے بارے میں بھی سوچنا تھا لیکن اس کی کوئی سوچ بھی اس طرف آتی ہی نہ تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے قدم گھر کی جانب بڑھا دیے جہاں حیدر اس کا منتظر تھا فون پر محو گفتگو حیدر نے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی فون اسے پکڑا دیا۔

"کہاں گم ہو اتنے دن سے' نہ خیر نہ خبر' حیدر سے پوچھ رہی تھی میں تمہارے بارے میں۔"

خالدہ بیگم نے بے تابانہ پوچھا۔

"کہیں بھی نہیں یہیں تھا۔ آج کل کام کچھ زیادہ ہے۔" تھکا تھکا بے زار لہجہ انہیں پریشان کر گیا تھا۔

"ابدال! تم ٹھیک تو ہو۔ میرے بچے کھانا ٹھیک سے کھاتے ہو نا۔"

پوچھتے پوچھتے وہ رونے لگیں۔

"امی میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کو بتایا نا کہ آج کل کام کچھ زیادہ ہے باقی گھر میں سب ٹھیک ہیں؟"

اس نے کوشش کر کے اپنے لہجے کو بشاش بنایا تھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہیں۔ بس تمہارے ابو کی طبیعت آج کل ٹھیک نہیں رہتی۔ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ تمہاری خالہ عائشہ کی بیٹی فہمی کو میں نے قطب کے لیے مانگ لیا ہے تمہارے ابو کا ہی اصرار تھا کہ میرے ہوتے ہوئے۔" وہ شاید پھر رو رہی تھیں۔

"امی سنبھالیں اپنے آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ ابو کی طبیعت کیا زیادہ خراب ہے۔"

وہ بھی بہت پریشان ہو گیا تھا۔ باپ تو آخر باپ تھا ان کی بیماری کا سن کر اسے بے چینی ہونے لگی۔

"نہیں اتنی خراب تو نہیں لیکن....."

اور یہی لیکن اور اس کے بعد کے جملے اسے ایک

نئی پریشانی عطا کر گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ اچانک اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔ فون پر کئی بار اس سے بات ہو چکی تھی لیکن اسے اپنے سامنے دیکھنا ان کے لیے بہت خوشی کا باعث تھا۔ انہیں اب تک یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ اس سے مل رہی ہیں۔ گاؤن میں چھپا لمبا نازک وجود اور سنہرا رنگ لو دے رہا تھا۔ اس کی خوب صورتی مبہوت کر دینے والی تھی کچھ سیکنڈز وہ بھی عجیب کیفیت کا شکار رہیں۔ کتنی دیر سے وہ باہر کھڑی تھی انہوں نے اسے اندر کھینچ کر گلے لگا لیا۔ آنسوؤں کی نمی اور محبت کی حرارت کے ہوتے لفظوں کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔

"بیزن میری بیٹی کیسی ہو تم؟"

وہ جملہ جو وہ بہت دیر کے بعد ادا کر پائی تھیں۔ بیزن کا حال بھی ان سے جدا نہیں تھا۔ ایک بار پھر انہوں نے اسے چھو کر دیکھا جیسے اس کے ہونے کا یقین کر لینا چاہتی ہوں۔ وہ انہیں روتی آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں سے دیکھتی رہی۔

"بیزن نہیں ارحمہ نام ہے میرا اسلامی نام۔ جو بی بی سیدہ نے رکھا ہے۔"

اس نے آہستہ سے بتا کر انہیں مزید حیران کر دیا وہ رونے کے ساتھ ساتھ اسے چوم بھی رہی تھیں۔ عالیہ، فہمی اور عانیہ بھی آچکی تھیں۔ رقت انگیز منظر نے ہر ایک کو اشک بار کر دیا تھا۔

"کیا کسی سے ملنا اتنا خوش کن بھی ہو سکتا ہے کہ انسان سب تلخیاں، تکلیفیں بھول جائے۔"

جتنی خوشی انہیں اس کے یہاں ہونے سے ہوئی تھی اس سے بڑھ کر اس بات کی ہوئی تھی کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے۔

"تم شاید یقین نہ کرو کہ ہم نے ہمیشہ تمہیں مس کیا ہے ہر موقع پر۔ امی اور میں نے تمہیں بہت خط لکھے مگر تمہارا کوئی جواب نہیں آیا۔ ہم سمجھے شاید فرانس کی تیز رفتار زندگی۔۔۔"

عالیہ سے اس کی دوستی بہت پرانی تھی اور اتنا عرصہ درمیان میں آنے کے باوجود ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے جدائی کا کوئی لمحہ آیا ہی نہ ہو۔ عالیہ ایم اے پولیٹیکل سائنس کی طالبہ تھی۔ عانیہ اور فہمی کالج گرلز تھیں۔ ایک طویل مسافت کے بعد اسے لگا جیسے اسے منزل مل گئی ہو۔ ہاں اسے مسکرانا آگیا تھا۔ فہمی اور عانیہ کی لڑائیاں اور عالیہ کی گھوریاں اسے اتنی اچھی لگا کرتیں کہ وہ بے اختیار مسکرائے جاتی۔ وہ ان میں ایسے گھل مل گئی تھی جیسے صدیوں سے یہیں رہتی آئی ہو۔ اس کی بے چین راتیں اسی کے تصور سے آباد تھیں جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت اہم تھا۔

چھوٹے سے خوب صورت گھر کا تصور اور خواہش ایک کسک بن کر اس کے دل و ذہن میں موجود تھی۔ عائشہ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کام کرنا اسے بڑا دلچسپ لگا کرتا۔

اسے یہاں آئے مہینے سے اوپر ہونے کو تھا۔ وہ صرف ان سے ملنے آئی تھی مگر اتنا رہنے کے بعد بھی اس کی سیری نہ ہو رہی تھی اور جب وہ جانے کا نام لیتی کوئی بھی اس پر تیار نہ ہوتا لیکن وہ ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتی تھی ان پر بوجھ بنے ہوئے۔ اس کی ملاقات ابدال کی فیملی سے بھی ہوئی تھی۔ خالدہ کو اس نے عائشہ کی طرح ہی مشفق دیکھا تھا۔ اس نے عائشہ کو منع کر دیا تھا کہ وہ ابدال کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتائیں گی کچھ بھی پوچھے بنا انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا مگر خالدہ بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ ایسا کیوں چاہتی ہے۔

"ارحمہ جلدی کرو۔ دھوپ دیکھو کتنی تیز ہو چکی ہے۔ دھوپ کے تیز ہونے سے پہلے نکلنے کا ارادہ تھا ہمارا۔ فہمی کی بچی بھی پتا نہیں اندر گھس کے کیا کر رہی ہے۔ ساری دیر اسی نے کروائی ہے۔"

فہمی، قطب کے ساتھ منسوب تھی اور خالدہ نے عائشہ سے جلدی شادی کا کہا تھا اگرچہ عائشہ، عالیہ سے پہلے فہمی کی شادی پر راضی نہ تھیں مگر حفیظ بھائی کا

خیال کرتے انہوں نے ہامی بھر لی تھی۔ بازاروں کے چکر لگ رہے تھے۔ ارحمہ نے جانے کا ارادہ کیا تو سب ہی اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔

"تم جا کر تو دکھاؤ تمہاری جان نہ نکال دی تو۔"

فہمی اگرچہ اس سے چھوٹی تھی لیکن آپا یا باجی کا تکلف کرنے کی بجائے اسے تم کر کے ہی مخاطب کرتی تھی۔ اس کے منہ سے جانے کا سن کر اس نے خوب دھمکیاں دے ڈالی تھیں اور اسے ماننتے ہی بنی تھی۔

"آخری روٹی ڈال دی ہے۔ اب بس آرہی ہوں۔"

ارحمہ نے تیزی سے روٹی توے پر ڈالی اور آواز دے کر عالیہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ فہمی اس کے ساتھ تھی اسے روٹی بیل کر دیتے وہ اس سے باتوں میں مگن تھی۔ اس کے بہت کہنے پر فہمی نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا ورنہ وہ بچوں کی طرح ناراض ہو جاتی۔ سارے گھر کی صفائی عالیہ کے سر تھی۔ فہمی آٹا گوندھ کر سالن بنا چکی تھی اور اب وہ اس کے ساتھ مل کر روٹی بنا رہی تھی۔ اس اپنے پن کا نعم البدل کہیں نہیں تھا۔ اسے کوئی اجنبیت محسوس نہ ہوتی۔ بازار سے واپس آکر روٹی بنانا مشکل لگتا اس لیے انہوں نے یہ کام پہلے ہی کر لیا تھا۔

"آج قطب بھایا کو ساتھ لیا جائے تاکہ اس گرمی سے کچھ نجات حاصل ہو سکے۔ آخر ہمیں بھی تو اس گاڑی کا فائدہ ہونا چاہیے جس پر فہمی عیش کرنے والی ہے۔"

فہمی، قطب کے نام پر ہی بلش ہو جاتی تھی اسے چھیڑنے میں اسے بہت لطف آتا۔ اس کے دھمو کا جڑنے سے قبل ہی اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"تم لوگ ہی جاؤ اپنے قطب بھایا کے ساتھ مجھے کوئی شوق نہیں کہیں جانے کا۔"

فہمی نے دانت کچکچاتے قطب بھایا پر زور دیا۔

"ہم نے اپنے قطب بھایا ہی کہا ہے تمہارے نہیں۔"

اس کے انداز پر عالیہ اور ارحمہ زور زور سے ہنسنے لگیں اور فہمی پاؤں پٹختی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔ فہمی اور قطب ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر اس پسندیدگی کا اظہار نہ قطب کی جانب سے کبھی ہوا تھا نہ فہمی کی جانب سے ہاں قطب کی شادی کی بات ہوتے وقت قطب نے اس کا نام ضرور لے دیا تھا اور خالدہ کو بھلا بیٹے کی پسند سے بڑھ کر کون عزیز ہو سکتا تھا انہوں نے فہمی کو مانگنے میں ایک منٹ نہیں لگایا تھا۔

"اب چل پڑو اڑیل ٹٹو کی طرح ایک جگہ ہی اڑ گئی ہو۔" عالیہ کے دھکا دینے پر وہ ناراض سی ان کے ساتھ چل پڑی عائشہ اور خالدہ پہلے ہی کسی مارکیٹ میں جا چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

حیدر کی شادی نبٹا کر اس کا ارادہ پہلی فرصت میں پاکستان جانے کا تھا۔ امی کے فون کے بعد اس کی پریشانی شدت اختیار کر گئی تھی۔

"شاید ابو زیادہ بیمار ہیں۔ کوئی مجھے کچھ بتاتا کیوں نہیں۔"

اس کے بعد وہ کئی بار گھر فون کر چکا تھا لیکن سب اسے یہی جواب دیتے کہ "اب ٹھیک ہیں۔" لیکن اس کی تسلی نہ ہو پاتی۔ وہ خود انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اگر حیدر کی طرف سے شریک ہونے والا وہ واحد شخص نہ ہوتا تو کب کا پاکستان جا چکا ہوتا۔ یہ کچھ دن اسے پہاڑ جیسے محسوس ہو رہے تھے۔ حیدر کو پریشانی سے بچانے کے لیے اس نے اسے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ ورنہ وہ اسے بھیجنے کی کوشش کرتا۔

ولیمہ کے اگلے دن اسے پاکستان فلائی کرنا تھا۔ حیدر اور زینب، زینب کی خالہ کے پاس اٹلی جا چکے تھے۔ یادوں پر کوئی پہرا نہیں بٹھا سکتا۔ جہاز میں بیٹھتے ہی وہ اسے بڑی شدت سے یاد آئی تھی۔ جہاں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور جواب اسے اس سے ہزاروں میل دور لیے جا رہا تھا۔

جیون کیا ہے چلتا پھرتا ایک کھلونا ہے
دو آنکھوں سے ایک سے روتا ایک سے ہنستا ہے

چلتے چلتے راہ میں یونہی رستہ مڑ جاتا ہے
انجانے میں انجانے سے رشتہ جڑ جاتا ہے
کسے پتہ ہے کس رستے میں کب کیا ہوتا ہے
جیون کیا ہے چلتا پھرتا ایک کھلونا ہے
بیت گیا جو وہی ہر پل آگے کیوں چلتا ہے
راکھ ہوئے انگارے کب کے پھر بھی دل جلتا ہے
جو جی چاہے وہ مل جائے کب ایسا ہوتا ہے
ہر جیون' جیون جینے کا سمجھوتہ ہوتا ہے
دور پہاڑی کے پیچھے جب سورج ڈھلتا ہے
پرچھائیاں جیسا کوئی سانسوں میں چلتا ہے
بھولی بسری یادوں کو اشکوں سے دھوتا ہے
جیون کیا ہے.....

ٹیکسی گیٹ کے سامنے رکی اس نے بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ شام کے گہرے ہوتے سائے ہر طرف سکوت پھیلا رہے تھے۔ اس نے کسی کو بھی اپنے آنے کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ قطب کی شادی اور ابا کی بیماری اسے کشاں کشاں ادھر کھینچ لائی تھی۔

"ماموں جان آگئے' ماموں جان آگئے۔"

فرحانہ کے بیٹے عادل کی پرجوش چہکار سب کو باہر کھینچ لائی شادی کی بدولت گھر بھرا ہوا تھا۔ فرحانہ' رضوانہ بچوں سمیت براجمان تھیں۔ ابا کے رشتہ دار سب ہی موجود تھے۔

"ابو جی کیسی طبیعت ہے آپ کی۔"

حفیظ چودھری بھی بیٹے کو دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر شوگر کی بدولت بہت کمزور ہو گئے تھے۔

"بس اب سمجھو ٹھیک ہو گیا۔ کوئی بیماری نہیں مجھے بھلا چنگا ہوں۔ ساری بیماری تمہارے آنے سے پہلے تک کی تھی۔"

وہ بہت کمزور ہو چکے تھے اتنے کروفر والے شخص کو چارپائی کا "بندی وان" بنے دیکھنا اس کی آنکھیں بھگو گیا۔ خالدہ نے بیٹے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لیے تھے۔

"ارادہ تو یہی تھا کہ تمہارے آنے پر ہی قطب کی ڈیٹ فکس کی جائے پر تمہارے ابا مان کے ہی نہیں دیے۔ کہہ رہے تھے وہ تو مانتا نہ تھا اسی کی بات چلاؤ۔"

اس کا دھیان بٹانے کو انہوں نے بات شروع کی تھی۔

"باتیں تو ہوتی رہیں گی پہلے اسے فریش ہو لینے دو اتنی دور سے سفر کر کے آیا ہے۔"

"بس ذرا جلدی پریشان ہو جاتے ہیں یہ ساری جلدی بھی انہوں نے ڈالی ہے۔ اب طبیعت پہلے سے کافی بہتر ہے۔ اللہ نے چاہا تو بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

خالدہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"رضوانہ بھائی کے کپڑے نکال دو۔"

رضوانہ جو ان کے پیچھے چلی آ رہی تھی اچھا کہہ کر کپڑے نکالنے لگی۔

"یار بھائی اگر ابا بیمار نہ ہوتے تو کبھی میں آپ سے پہلے شادی کے لیے تیار نہ ہوتا۔ لیکن ابا کی ضد کے آگے مجبور ہونا پڑا اور آپ بھی تو.... پتا نہیں کن چکروں میں پڑے ہیں رکاوٹ کیا ہے آخر اس میں؟"

قطب کو اس بات کا بڑا قلق تھا۔ بات طے کرنے تک تو ٹھیک تھا لیکن شادی.... وہ کبھی بھی ابدال سے پہلے نہ کرنا چاہتا تھا۔ رضوانہ' فرحانہ' امی ہر ایک سے بحث کر چکا تھا لیکن کوئی بھی اس کی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ اب وہ ابدال کے سامنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ "یار بھائی" اس کا خاص طرز تخاطب تھا اب بھی ایسے ہی مخاطب کیا تھا۔ ابدال نے اپنے لمبے اونچے بھائی کو پیار سے دیکھا جس کے سانولے چہرے پر غصے کی سرخی چھائی ہوئی تھی۔

"کوئی رکاوٹ نہیں۔ میرے لیے بھی کوئی تلاش کر لیتا تو۔" رضوانہ نے اسے اس کی پسندیدگی (فہمی کے متعلق) بتایا تھا اسی لیے وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ جھینپ گیا۔

"تو اب کون سی دیر ہوئی ہے تلاش کرنے میں بھی دیر نہیں لگتی بلکہ میں نے تو تلاش کر رکھی ہے اپنی بھابھی۔ بس آپ کے ہاں کرنے کی دیر ہے۔ اسی دن آپ کی بھی ساتھ کر لیتے ہیں۔"

قطب' بھائی کے آنے سے کھل اٹھا تھا اگرچہ اس کے سامنے اسے اسی بات پر شرمندگی بھی ہو رہی تھی قطب نے جلدی سے باہر کا رخ کیا۔

"یار ٹھہر جا' کہاں بھاگا جا رہا ہے۔"

ابدال نے واقعی اسے پکڑ کر روکا تھا۔ نہ جانے وہ کدھر بھاگ رہا تھا شاید امی کو بتانا چاہ رہا تھا۔ وہ واقعی پریشان ہو گیا تھا وہ تو اس کی شرمندگی دور کرنا چاہ رہا تھا جو اسے خواہ مخواہ ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ابدال بھائی باہر نیاز آپ کو بلا رہا ہے۔"

نیاز کھانے پکانے والے شخص کا نام تھا۔ مہندی کا فنکشن چونکہ گھر میں ارینج کیا گیا تھا اس لیے اسے ہی ہر طرف دیکھنا پڑ رہا تھا۔ اپنے گھر بلکہ خالہ عائشہ کی طرف کے انتظامات بھی خالد انکل کے ساتھ مل کر وہی کر رہا تھا۔

"اس سے کہو بس آ رہا ہوں۔"

پھپھو مریم کا بیٹا اصفی پیغام دینے آیا تھا۔ شامیانے 'لائٹنگ' کھانا پکوانے کا انتظام سبھی کچھ اس کے ذمے تھا اسے اپنا آپ بھی بھول چکا تھا۔

"ابدال بھائی کپڑے بدل لیں اندر رکھے ہیں۔"

اب بھی رضوانہ اسے اندر دھکیل گئی تھی اور جوں ہی وہ تبدیل کرنے لگا تھا پھر اس کی پکار پڑ چکی تھی۔ اگرچہ پھپھو مریم کا اصفی' نگی اور پھپھو زینت کا نجم بھی اس کے ساتھ تھا مگر اس کی ذمے داریاں سب سے بڑھ کر تھیں۔

"بھائی آپ ابھی تک اسی طرح پھر رہے ہیں۔ مہندی لے کر جانا ہے۔"

"بھئی تم لوگ جاؤ میرا جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ لڑکیوں کا فنکشن ہوتا ہے یہ اور پھر مجھے دسیوں کام ہیں باہر۔"

مصروف انداز میں اسے جواب دے کر وہ باہر نکلنے لگا۔

"عائشہ خالہ کے گھر جو کھانا آج ملنے والا ہے وہ لگتا ہے آپ ہی پکار رہے ہیں۔"

رضوانہ نے اس کے ملگجے حلیے' بڑھی شیو اور شکن زدہ لباس کو دیکھ کر کہا تھا۔ اس کا حلیہ واقعی ابتر ہو رہا تھا۔ صبح کی بھاگ دوڑ اور گرمی نے الگ برا حال کر رکھا تھا۔ شاور لینے کی شدید خواہش کو محسوس کرتے اس نے باتھ روم کا رخ کیا۔

قطب کے دوست ڈھول کی تھاپ پر ناچتے ایک ہنگامہ برپا کیے ہوئے تھے۔

"نہ' نہیں یار مجھے تو بالکل بھی ناچنا نہیں آتا۔"

فیض نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دائرے میں کھینچنا چاہا جہاں ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ لیکن وہ ہاتھ چھڑا کر مزید دور ہو گیا تھا۔

"خالد انکل کھانے کی ٹیبل جو کیٹرنگ والوں نے لا کر رکھی تھیں کہاں رکھوائی تھیں آپ نے۔"

"چھت کے ایک کونے میں رکھوائی تھیں اور تو کہیں جگہ ہی نہیں تھی۔"

"وہ لگوانی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں جا کر۔"

ایک ذمے دار بیٹے کی طرح دہری ذمے داریاں نبھاتے وہ کہیں سے بھی غصیلا ابدال نہ لگ رہا تھا شاید یہ اس خوشی کی بدولت تھا جو اس کے بھائی کی شادی نے اسے عطا کی تھی۔ اس نے قدم چھت کی جانب بڑھا دیے۔

☆ ☆ ☆

"فہمی میری چوڑیاں نہیں مل رہیں۔ چوڑیوں والے ڈبے کدھر ہیں۔"

عانیہ تیار ہو چکی تھی۔ چوڑیوں کے لیے اس نے ایک ایک کر کے سارے ڈبے بیڈ پر ڈھیر کر دیے۔ پیلا جوڑا پہنے دلہن بنی فہمی ان سب کی تیاریوں کو دیکھتی خاموش خاموش تھی۔

"ادھر الماری میں دیکھو شاید ارحمہ کا اور تمہارا سیٹ ادھر رکھا تھا۔"

سب لڑکیوں نے مہندی کے لیے پیلے اور آتشی گلابی کنٹراسٹ کے کپڑے بنوائے تھے۔ ہر ایک کو اپنی

تیاری کی پڑی تھی۔
"اب بدل بھی آؤ کپڑے یا ایسے ہی فنکشن دیکھنے کا ارادہ ہے۔" عالیہ تیار تھی۔ لپ اسٹک کا آخری ٹچ دیتے اس نے ارحمہ کو گھورا جو فہمی کو پھولوں کا زیور پہنا رہی تھی۔

"ہاں بس تیار ہو رہی ہوں میں بھی۔"

ڈھول بجتے ہی ساری لڑکیاں باہر بھاگ گئی تھیں۔ اس کا باہر جانے کا بالکل ارادہ نہ تھا۔ کپڑے بدل کر اس نے ہلکی پنک لپ اسٹک لگائی اور چھت کی منڈیر سے نیچے دیکھنے لگی۔ ناچتے لڑکوں میں وہ نہیں تھا مگر وہ اشتیاق سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ کتنا نیا تھا سب کچھ اس کے لیے۔ دوپہر اس نے اسے بڑھی شیو اور ملگجے حلیے میں دیکھا تھا کتنا تھکا تھکا لگ رہا تھا وہ۔

"کیا یہ ساری پژمردگی اس سے نہ ملنے کی تھی۔ کیا وہ اس لیے بے چین تھا کہ اس سے سوری کر سکے۔"

حیدر نے آنٹی خالدہ اور آنٹی خالدہ نے آنٹی عائشہ سے اس بات کا ذکر کیا تھا جو عالیہ کے ذریعے اس تک بھی پہنچ چکی تھی۔ کتنا خوش کن تھا یہ سوچنا کہ کوئی شخص اس کے لیے بھی پریشان ہو سکتا ہے۔ اسے بھی تلاش کر سکتا ہے۔ ساری زندگی بغیر کسی کو بتائے اس نے جگہیں بدلی تھیں مگر کوئی بھی اس کے لیے اس طرح پریشان نہ ہوا تھا۔

"لیکن اس کی بے چینی صرف اپنے پچھتاوے کو کم کرنے کے لیے ہے۔ اس کی تلاش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"

ایک دم ہی مایوسی' ناامیدی دھند بن کر اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔

"ایکسکیوزمی مجھے یہ ٹیبل اٹھوانے ہیں۔"

وہ اپنے خیالوں میں اس قدر محو تھی کہ پیچھے سے آتی آواز پر تقریباً" اچھل کر مڑی تھی اور نیچے اترنے کی کوشش میں ٹیبل سے گرتے گرتے بھی سنبھال لی گئی تھی۔ چھت کی منڈیریں بہت اونچی تھیں اس لیے وہ ان منڈیروں کے ساتھ رکھے ٹیبلز پر کھڑی ہو کر نیچے کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس کے مضبوط بازوؤں کا سہارا لے کر وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔

"کورا آپ۔"

اس کے ساتھ ٹکرانے والی ہستی اس کے حواس پر بجلی بن کر گری تھی۔ اس کے تھامے ہوئے بازوؤں پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ جلتے بجھتے قمقموں کی ہلکی روشنی نے اس کے سنہری چہرے کے خدوخال کو واضح کر دیا تھا۔ اتنے دنوں کی تھکاوٹ' پژمردگی' بے چینی ایک دم ہی غائب ہو گئی تھی۔ کچھ دیر کے لیے وہ دونوں اس ماحول' اور اردگرد سے بیگانہ ہو گئے تھے۔

"آپ کا فلیٹ' آپ کی مام کا گھر' نانی کا گاؤں کون سی جگہ ہے جہاں آپ کو تلاش نہیں کیا۔"

آہستہ آہستہ بولتے وہ اس لمحے کے سحر سے آزاد نہ ہو پا رہا تھا کچھ ایسا ہی حال اس کا بھی تھا۔ دل چاہتا وقت تھم جائے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اسے اس طرح ملے گی۔

"کیوں تلاش کر رہے تھے آپ مجھے۔ کچھ اور کہنے کے لیے رہ گیا تھا کیا۔ کوئی نشتر' کوئی وار شاید باقی ہے ابھی۔" اس فسوں خیز لمحے سے متاثر ہونے سے پہلے باہر نکلنے والی وہی تھی۔ کبھی وہ سوچتی تھی کہ اگر وہ سامنے آئے گا تو شاید وہ اسے کچھ بھی کہہ نہ پائے گی مگر اسے سامنے دیکھ کر اسے اس کی ساری باتیں یاد آ گئی تھیں اس کے طنز میں بجھے تیر جس سے اس نے اسے چھلنی کیا تھا۔

"اخلاق باختہ معاشرے کے اخلاق سے عاری لوگوں سے آپ کا کیا کام۔"

وہ اسے شرمندہ نہ کرنا چاہتی تھی مگر نہ جانے کیوں وہ سب بولتی چلی جا رہی تھی۔ طنزیہ لہجہ خود بخود خود ترسی کا شکار ہو گیا۔

"وہ پہلا شخص جو بہت مضبوط کردار کا تھا اس کی بے اعتباری نے اس لڑکی کے پاس کچھ بھی رہنے نہیں دیا' کچھ بھی نہیں۔"

اس نے اسے بولنے دیا۔ اب وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔ آنسو نہ جانے کب کے روک رکھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی آنکھوں میں خود بخود آ گئے تھے۔

"اس لڑکی نے بھی اس شخص کے پاس کچھ نہیں رہنے دیا یہاں تک کہ اس کا دل بھی۔ وہ شخص کتنا شرمندہ ہے خود سے شاید کہ ساری عمر خود کو معاف نہ کر سکے۔ اگر وہ لڑکی ..... بہت بھاگا ہوں میں اس لیے کہ کہیں ابدال کی شخصیت جیسی توڑ پھوڑ دوسری طرف بھی نہ ہو رہی ہو۔ ابدال جو ایسا بالکل نہیں تھا لیکن باتوں کی بدولت ..... جو اس کے گھر میں ہوتی تھیں۔ وہ کیا سے کیا بن گیا۔ اگر وہ اچھی لڑکی اسے معاف کر دے تو شاید اس کی یہ بے چینی دور ہو سکے۔"

اسے معلوم تھا کہ وہ اس شخص بلکہ کسی سے بھی ناراض نہیں رہ سکتی اسی لیے تو بھاگ رہی تھی اس سے۔ اقرار کے جگنو اس کے ہاتھ میں تھما کر اس نے اسے شانت کر دیا تھا۔

"آپ ٹیبل لینے آئے تھے۔" وہ ابھی تک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی بولتی نگاہوں سے نروس ہو کر اس نے اس کی توجہ ٹیبلز کی جانب کرنی چاہی اس نے کبھی سوچا تھا یہ شخص مسکراتا ہوا کیسا لگے گا۔ آج وہ اس کے سامنے تھا اور مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سے خائف ہو کر اس نے قدم نیچے کی جانب بڑھا دیے۔

"اس لڑکی نے اس شخص کو معاف کیا یا .....؟" اس کے چہرے پر چھائے سارے رنگ دیکھنے کے باوجود وہ اس سے سننا چاہتا تھا۔

"وہ لڑکی تو اس شخص سے ناراض کبھی تھی ہی نہیں اور وہ بھاگ بھی اسی لیے رہی تھی کہ اگر وہ اس کے سامنے رہی تو یہ بد اخلاق شخص اسی طرح رہے گا۔"

جلدی جلدی بولتے وہ تیزی سے نیچے اتر گئی۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتے اس نے روشن' مسکراتے تاروں کی جانب دیکھا جو اس کے ساتھ ساتھ مسکرا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"پکڑیں اپنے اس لاڈلے کو رو رو کر گھر سر پر اٹھا رکھا ہے۔ اگر قطب بھایا یا اماں گھر میں ہوتیں تو اس سے زیادہ انہوں نے شور مچانا تھا کہ یہ رو کیوں رہا ہے۔"

اسے ابھی روٹی بنانی تھی۔ سالن بھی بڑی مشکل سے بنایا تھا۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ ابدال کا سارا دن آرام کا موڈ تھا اور اسے غصہ آ رہا تھا۔ روحان کو اس کے پاس بٹھا کر وہ باہر صحن میں آ گئی قطب' امی اور فہمی دو سالہ عینی کے ساتھ اس کی نانو کی طرف گئے تھے۔ ابا ریٹائرڈ ملازمین کی ہونے والی ماہ وار میٹنگ میں تھے۔ چھوٹے سے خوب صورت گھر کا تصور اور خواب اب خواب نہیں رہا تھا۔ اس چھوٹے خوب صورت گھر میں نظر آنے والا محبت کرنے والا مرد اس کی محبت' مان' تحفظ سب ہی کچھ تھا۔ ساری زندگی بھاگتے رہنے کے بعد اس نے یہ راز پا لیا تھا کہ روحانی تسکین مذہب' محبت اور عزت میں ہے۔ مادی آسائشات تیز رفتار زندگی' آزادی کا احساس تھوڑی دیر تو انسان کو خوش رکھ سکتا ہے مگر اندر سے کھوکھلی تھوڑی دیر کی تسکین اسے ہمیشہ بے چینی عطا کرتی ہے۔

☼ ☼

شگفتہ محمود کی مرتب کردہ
"خاتون کا دسترخوان" اور "کرن دسترخوان"
کے بعد
خوبصورت رنگین تصاویر کے ساتھ پہلی بار چینی
کھانوں کی مکمل کتاب
چائنیز کھانے
قیمت/150 روپے
ڈاک خرچ/16 روپے
منگوانے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار کراچی

شہنیلا صدیقی

ماہ جبیں

آپ نے کبھی دور تک پھیلے جنگل میں سفر کیا ہے ۔ جس کے درختوں کی ہر شاخ سوکھی اور ٹنڈ منڈ ہو لیکن وہ پھر بھی اتنے گھنے ہوں کہ آسمان ان کی زرد بانہوں کے پیچھے چھپا ہو اور وہ آسمان جو ہلکے نیلے رنگ کا اجلا اجلا دکھتا ہے وہ میلے زرد و سیاہ غبار کے پیچھے خود بھی میلا اور زرد و سیاہ دکھے۔

کیا آپ نے کبھی ایسے جنگل میں سفر کیا ہے؟

میں نے کیا ہے۔ میں کر رہی ہوں اور نہ جانے کب تک کرتی رہوں گی۔ ارے ـــ یہ میں نے "نہ جانے کب تک" کیوں کہا؟ یہ تو طے ہے کہ یہ سفر میری موت تک رہے گا۔ میں نے ایسا ہی میلا آسمان دیکھا ہے اور میں نے ایسی ہی پر خار زمین دیکھی ہے۔

کیا آپ نے کبھی خاردار رہگزر پر سفر کیا ہے؟

میں نے کیا ہے' میں کر رہی ہوں اور نہ جانے کب تک ـــ

یا وحشت یہ انجانے میں خواہش کہاں سے آگئی ؟اس میلے آسمان سے ابر نیساں کا قطرہ میرے دل میں کہاں سے آن گرا؟

جبکہ میں جانتی ہوں باجی جان کی پکار پر مجھے اپنی تنہائی سے نکلنا پڑے گا۔ باجی جان کے حکم پر مجھے مسکرانا پڑے گا۔ باجی جان کے اشارے پر مجھے دوسروں کو خوش کرنا پڑے گا۔

باجی جان کہتی ہیں اس عمر میں تو انہوں نے اس محلے میں آنے والے ہر گاہک کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا' اور ان کی صحیح جانشین ماہ رو اور ماہ جبین تھیں۔ نانی کہتی ہیں کہ میں اپنی ماں جیسی ہوں۔ شکل و صورت کوئی خاص نہیں لیکن ایسا حسن جو نہ ہوتے ہوئے بھی زیر کر دے اور ایسا جکڑے کہ کوئی پھندے سے نکل نہ سکے۔ اہل نظر ہی اس حسن کو جانچتے ہیں۔

خیر یہ تو نانی کی محبت ہے ورنہ میں حسن میں لاثانی نہیں ہوں تبھی تو ہفتے میں ایک دن ہی میری محفل سجتی ہے۔ جبکہ ماہ رو اور ماہ جبین کو تو بمشکل چند لمحے سکون کے ملتے ہیں۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے سکون کیا ہے؟

میں نے سوچا ہے۔ سکون ابر نیساں کا وہ قطرہ ہے جو آسمان کی وسعتوں سے نکل کر دور کا سفر طے کرتا ہوا سمندر کی تہ میں پڑی ایک سیپ میں چھپ جاتا ہے اور نایاب موتی بنتا ہے اور کوئی جستجو کرنے والا کڑی محنت و مشقت کے بعد اسے پالیتا اور ایک فتح یاب مسکراہٹ اس کے لبوں پر آتی ہے لیکن اگلے لمحے ہی وہ آسمان سے شکوہ کرتا ہے۔

واہ ابر نیساں کیا تیرے اندر صرف ایک ہی موتی تھا۔

تو بہت نایاب ہوتا ہے سکون۔

لیکن میں سوچتی ہوں اگر مجھے وہ موتی مل جائے تو ـــ تو کیا میں صرف ایک لمحہ کو مسکراؤں گی اور پھر آسمان سے شکوہ کروں گی۔

نہیں' میرا خیال ہے کہ میں وہ سیپ ہوں جو ابر نیساں کے اس قطرے کو اپنے اندر قید کر لیتی ہے اور اسے گوہر بنا دیتی ہے۔ ہاں میں وہ سیپ ہوں جس سے اس کے گوہر کو چھین لیا جائے تو تاحیات کسی اور کو گوہر نہیں بناتی ـــ ہاں میں وہ سیپ ہوں۔

"ماہ سیمیں! آج جاگیردار صاحب اور ان کے دوستوں نے آنا ہے انہیں تمہاری آواز پسند ہے اسی لیے آج اپنے باذوق دوستوں کو لائیں گے گیت کو اگر مجسم پیش کرو گی تو وہ اور بھی خوش ہوں گے۔" باجی جان نے مجھے بال سکھاتے دیکھ کر یاد دلایا۔

"خوشی کیا ہوتی ہے باجی جان؟" بالوں کو جھٹکے سے پشت پر دھکیل کر میں نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔ جن کو میرے بے وقت سوال نے شاید پریشان کر دیا تھا۔

"جس کو پا کر یا دیکھ کر ہی آپ کا دل بھی گنگنا اٹھے وہ آپ کی روح کو بھی اچھا لگا۔ آپ بے وجہ ہی ہنس دیں ۔ بس وہی خوشی ہے۔"

"ہنسا تو تماشوں پر جاتا ہے اور جو اچھے لگیں انہیں تو چھپا لیا جاتا ہے۔" میں ان کے جواب پر مطمئن نہ ہوئی اداسی میرے روم روم میں اترنے لگی۔

"باجی جان! یہ کیسی دوغلی خوشی ہے اور پھر یہ کیا کہ جب ہنسی ہنس کر آپ تھک جائیں تو اٹھ کر چلے جائیں ـــ تو کیا خوشی چند گھنٹوں کی ہوتی ہے ؟اور اگر چند گھنٹوں کی ہوتی ہے تو پھر ایسی خوشی کی ہوس کیوں؟"

میری آنکھوں میں لاتعداد ادھورے سوال تھے۔

باجی جان کے پاس ان کے جواب نہ تھے۔ وہ تو صدیوں سے یہاں تھیں۔ شکلیں تبدیل ہوتی جاتی تھیں لیکن ان جیسی عورتیں ان ہی روحوں اور قسمتوں کے ساتھ یہاں رہتی تھیں۔ وہ یہاں کے ماحول میں رچ بس چکی تھیں۔ اچھائی' برائی' عزت' ذلت کی تمیز ان کے دل و ذہن سے محو ہو چکی تھی۔ ان کے دن' رات اسی محلے' اسی مکان کی روشنی کے ارد گرد گھومتے تھے۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی گئیں اور میں دریچے سے پرے آسمان کو دیکھنے لگی جو بہت خاموش تھا۔ میرے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

"تو تیرے پاس بھی جواب نہیں۔"

☼ ☼ ☼

جاگیردار صاحب پچھلے دو سالوں سے آرہے تھے۔ دو تین گھنٹے مسلسل گیت و غزل سنتے اور پھر مدہوشی سے قبل چلے جاتے تھے۔ جمعرات کی شام صرف انہی کی ہوتی تھی۔ آج ان کے چند دوست ہمراہ تھے۔

آج صبح سے ہی میرا دل کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔ بادل گھر گھر آرہے تھے۔ لیکن ایک قطرہ جو برسا ہو۔ ایسا گماں ہوتا تھا کہ جس طرح کسی کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں حسرت سے تکتی ہوئی کچھ مانگتی ہوئی ہوں۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ دریچے پر بیٹھی بس اسی طرح آسمان کو تکتی رہوں۔ کچھ نہ کروں، کچھ نہ سنوں لیکن خود پر بس تھوڑی تھا۔ ہم کیا چاہتے ہیں وہ ہم کو ہی ٹھیک سے معلوم نہ تھا پھر دوسرے کیسے سنتے اس لیے مجھے محفل میں جانا پڑا میں نے حاضرین کو دیکھے بغیر غزل چھیڑ دی اور جب نظر اٹھی تو کھڑکیوں سے پار شاید ایک قطرہ برس چکا تھا میں نہیں جانتی تھی کہ بہار کا یہ بادل ہی دراصل ابر نیساں تھا اسی میں وہ قطرہ چھپا تھا جس نے گوہر بننا تھا اور اس قطرے نے تمام مشکلوں، مصیبتوں بلاؤں اور لہروں کو شکست دے کر خود کو اس سیپ میں محفوظ کر لیا۔ سیپ جو صدیوں سے خالی تھی اپنے ہی خالی پن پر افسردہ تھی ادھوری تھی جس کے اندر سوال اٹھتے تھے جس کے جواب نہ تھے۔ سیپ نے قطرے کو محفوظ کر لیا اور گوہر بننے کا عمل شروع بھی ہو گیا۔

عجیب سی سنہری آنکھیں تھیں۔ کبھی آپ نے سنہری آنکھوں کے طلسم پر غور کیا ہے؟ مت کیجیے گا۔ آپ بھی اس طلسم میں گرفتار ہو جائیں گے ایسے گرفتار کہ خود اپنے آپ کو بھلا بیٹھیں گے اور ایک ہلکی ہلکی سنہری آنچ میں گرفتار جو آپ کے دل میں حرارت پیدا کرتی رہے گی اور بدن سے روح کا رشتہ ٹوٹتا رہے گا۔

مگر میں.... میں گرفتار بھی ہو گئی اور برباد بھی۔

میں نہیں جانتی مجھے کیا ہوا نہ جانے غزل مکمل ہوئی کہ نہیں، نہ جانے میرے گھنگھرو بجے یا نہیں محفل کی شمع خود بجھی یا وقت سے پہلے بجھائی گئی لیکن اتنا یاد ہے کہ بڑی ماں نے مجھے بہت مارا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ میں نے کیا کیا کہ بڑی ماں جو خاموش تماشائی رہتی تھیں وہ اچانک بے دار ہو گئیں اور وہ اسی وقت بے دار ہوتی تھیں جب کسی سے گناہ ہو جائے۔ اب بڑی ماں بے دار ہو گئی تھیں لیکن کیوں؟

کیا سنہری آنکھوں کا طلسم اس قدر خطرناک ہوتا ہے؟ کیا ابر نیساں گھن گرج سے برسا تھا؟ کیا میرے قدم بے اختیار ہو گئے تھے؟ میں کچھ نہیں جانتی کچھ بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

آسمان پر بادل چھائے تھے۔ عجب حبس کا عالم تھا۔ کئی ہفتوں سے گرمی عروج پر تھی لیکن آج سورج اپنی روشنی کو سمیٹے بیٹھا تھا تب بھی برا حال تھا۔ حبس ایسا کہ سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ کھلا آسمان اور سانس لینے میں اسی قدر دشواری۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میں زندہ ایک قبر میں، قید ہوں جہاں سے نکلنا دشوار اور سانس لینا اذیت ہے۔

"باجی جان! موت کیسی ہوتی ہے۔" یونہی دریچے پر بیٹھے بیٹھے میں نے پوچھا۔ باجی جان جو بستر کی سلوٹیں دور کر رہی تھیں ٹھٹک گئیں پھر میرے قریب آئیں۔

"موت اندھیرے کی مانند ہے۔"

"تو کیا اندھیرے کی طرح سکون دیتی ہے کیونکہ اندھیرا اور خاموشی تو سکون دیتے ہیں نا؟" میری سوالیہ نظریں باجی جان کے چہرے پر تھیں جن کے لبوں پر اب ایک کاٹ دار مسکراہٹ تھی۔

"کسے؟ تجھے یا مجھے تو اندھیرا عذاب دیتا ہے اور مزید عذاب میں دھکیلتا ہے۔"

"باجی جان تو کیا موت کے بعد بھی عذاب ہو گا۔"

"یہ تو برحق ہے لیکن...." میں نے تڑپ کر ان کی بات کاٹی۔

"باجی جان! مجھے موت سے ڈر لگتا ہے مجھے رب سے ڈر لگتا ہے وہ عذاب دے گا ان سب اعمال پر جو

میں نے کیے۔" میں بلک بلک کر رو دی۔ مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی رو دیں۔

"سیمیں! تیرا یا میرا قصور ہی کیا ہے، کیچڑ میں کھلے پھول کو تو خبر نہیں کہ وہ کہاں کھلا ہے، یہ تو اس کا نصیب ہے۔"

"باجی جان! نصیب بدلے نہیں جا سکتے؟" بہت آس سے میں نے پوچھا۔ وہ سرد آہ بھر کر رہ گئیں۔

"سیمیں! ہم جیسی عورتوں کے حصے میں یہی گھر ہیں یہی دریچے ہیں اور جو کبھی ہم یہ تبدیل کرنا چاہیں یا کوئی دعوے دار لے بھی جائے تو وہ چند مہینوں میں اکتا کر، دنیا کے طعنوں سے گھبرا کر ہمیں اور اپنی نسل کو بھی یہیں پھینک جاتا ہے۔ تیرے باپ نے بھی تو یہی کیا تھا بہت ڈرپوک نکلا قابل نفرین۔"

نہ جانے کیا کچھ سوچ کر باجی جان کی آنکھوں میں چند چنگاریاں سلگیں اور پھر سب کچھ پرسکون ہو گیا۔

"باجی جان! میرے باپ نے محبت کا دعوا کیا تھا؟" نہ جانے کیوں اس آدمی کا ذکر مجھے ہمیشہ اچھا لگتا تھا پوری دنیا میں واحد مرد جس سے میرا تعلق تھا خون کا روح کا۔

"یہ دعوے جھوٹے ہوتے ہیں۔ بڑی ماں صحیح کہتی ہیں۔" باجی جان اٹھ کر چلی گئیں۔ باہر ہلکی ہلکی ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی۔ حبس ختم ہو رہا تھا اور ان ہواؤں میں ان گھنے بادلوں میں دو سنہری آنکھیں جھانک رہی تھیں۔ میں نے دریچے بند کر دیے۔ کیا فائدہ اس ہوا کا اس گھٹا کا" نہ جانے کتنی صدیاں بیت گئی تھیں وہ واپس نہ آیا تھا۔ لمحے صدیوں میں گزر رہے تھے یا شاید لمحے ساکت ہو گئے تھے۔ عجب بے یقینی تھی۔

کیا کبھی آپ کو ایسی بے یقینی ہوئی ہے؟

مجھے ہوئی ہے میں خود کو صدیوں سے بھٹکتی ہوئی روح لگ رہی تھی ایک لاحاصل انتظار میں۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی عجب دوراہا آگے گرد و غبار اور پیچھے دور تک صحرا۔ نہ جانے کہاں سے آئی تھی۔ نہ جانے کہاں کا سفر تھا۔ نہ پیچھے کا پتا نہ آگے کا۔

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیے جلانے لگے

میری جھکی پلکیں اٹھیں تو دیوار کے ساتھ سنہری آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ گویا مغرب کے بعد ایک بار پھر سورج طلوع ہو رہا تھا۔ سورج طلوع ہو رہا تھا کہ غروب مجھے خبر نہ تھی نہ ہی مجھے کچھ خبر رکھنے کی ضرورت تھی۔ ایک مست کیفیت طاری تھی مجھ پر۔ میں زمین پر تھی یا آسمان پر مجھے خبر نہ تھی۔ یہ میرے گھر کی بالائی منزل تھی یا ایک بیاباں صحرا کچھ اندازہ ہی نہ تھا۔

خود فریبی سی خود فریبی ہے
پاس کے ڈھول بھی سہانے لگے

مجھے خبر نہ تھی کہ یہ کیسی خود فریبی، کیسا عالم تھا۔ مجھے سب کچھ اچھا لگنے لگا تھا۔ محفل، جلتی شمعیں، ساز، سرگوشیاں، بے باک قہقہے اور فقرے یا شاید وہاں کچھ بھی نہ تھا ایک جامد سناٹا تھا اور میرے سامنے وہ تھا۔ ہمارے درمیان روشنی تھی یا روشنی بھی اس میں سے پھوٹ رہی تھی۔

"اگر شمع کو اپنے جلنے کی داستان سنانے کا موقع مل جائے تو یقیناً" تمہاری آواز بن جائے۔ کیا کوئی شمع تمہارے اندر بھی جل رہی ہے؟" محفل ختم ہوئی جب سب ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے تو نہ جانے کیسے وہ باجی جان سے نظر بچا کر آگیا۔

"یہ روشنی شمع نے ایک سورج سے مستعار لی ہے جب سورج ہوتا ہے تو شمع جلتی ہے اور جب سورج نہیں ہوتا تو یہ اس کے فراق میں ہی جلتی ہے۔" میرے لفظوں میں، میرے لہجے میں کیا تھا کہ سورج کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا پھر چپ چاپ لوٹ گیا۔ میرے دل میں جلنے والی شمع ایک تیز ہوا کے جھونکے سے بھڑک اٹھی اور پورا بدن جل گیا۔

نہ جانے کتنے مہینے، کتنے برس، کتنی صدیاں اور کتنے نوری سال گزر گئے میں جلتے جلتے راکھ ہو گئی اور وہ راکھ ہوا میں ملنے ہی والی تھی کہ وہ آگیا میرا ایک ایک مسام پھر سے یکجا ہو گیا۔

باجی جان سے کیا بات ہوئی نہ جانے کتنی دیر اس

نے بحث کی۔ پھر مجھے جاگیردار صاحب کے معتبر حوالے سے اس کے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی۔ باجی جان نوٹوں کی گڈیوں کو تجوری میں رکھ کر مجھے اس کے ساتھ جانے کا کہہ رہی تھیں۔ میں بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپ نے کبھی کسی قیدی پرندے کو آزاد کیا ہے اس کی آزاد اڑان دیکھی ہے؟"

کاش آپ دیکھتے باجی جان کی اجازت کے بعد میری کیا حالت تھی میں نے لمحوں میں سارا قیمتی زیور اور لباس نوچ نوچ کر پھینکا۔ سفید لباس اور بڑی سی سیاہ چادر میں لپٹی میں ۔۔۔ اس کے پیچھے چلی آئی نہ جانے کہاں؛ مجھے ضرورت بھی کیا تھی کچھ پوچھنے کی وہ میرا سورج تھا اور میں اس کے گرد گردش کرنے والا محض ایک سیارہ۔

ہوٹل کی ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ کر کتنی دیر ہم خاموش رہے۔ میرے اور اس کے درمیان ایک موم بتی جل رہی تھی۔ اس نے پھونک مار کر اسے بجھا دیا۔

میں نے پلکیں اٹھائیں میری آنکھوں میں اٹھنے والے سوال کو پڑھ کر وہ مسکرا دیا۔

"وصال میں فراق کی جلن اور درد و تکلیف کا کیا کام؟"

کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے۔

میں نظریں جھکائے ایک داسی کی طرح سورج کے سامنے تھی میرے پورے وجود میں روشنی تھی میرے اندر باہر ہر جگہ روشنی تھی ٹھنڈک تھی اور ہلکی ہلکی رس بھری آوازیں تھیں۔

"ماہ سیمیں۔" اس کے لبوں کو چھوتا ہوا میرا نام کس قدر معتبر ہو گیا تھا۔

میں نے دیکھا اس کے لبوں پر ہلکا سا تبسم تھا بالکل ایسے ہی جیسے سردیوں کی نرم دھوپ کمرے میں جھانکے۔

میں اسے دیکھتی رہی اور وقت گزرتا گیا۔

"چلو آؤ۔" اس نے آہستگی سے میرا ہاتھ تھاما۔

"کہاں؟" میں بغیر حیل و حجت کھڑی ہو گئی۔

"کمرے میں پھر تمہارے جانے کا وقت ہو جائے گا۔"

میرا وجود ساکت ہو گیا دل جیسے مرنے لگا اور وہ شمع جو اس نے بجھائی تھی میرے دل میں سلگ اٹھی۔

وہ سورج تھا؟

یا ان ہزار پروانوں سا ایک پروانہ۔

میں کچھ نہ بولی اور ایک معمول کی طرح اس کے پیچھے چلی آئی۔

"جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تو پتا ہے کہ مجھے کیا محسوس ہوا تھا؟"

وہ دریچے سے باہر جھانک رہا تھا کہ ایک دم پلٹا۔ میرے ساکت وجود میں اب کوئی سوال نہ تھا۔

"یہ کہ ان سیاہ آنکھوں میں ٹھہری اماوس کو کس طرح روشن کروں۔ اس اداسی کو کیسے کھلکھلاہٹ میں بدلوں اور کیسے تمہیں وہاں سے یہاں تک لاؤں۔"

میرا جھکا سر نہ اٹھا تمام باتیں تمہید تھیں اور میرے لیے بے معنی تھیں۔

میں کیا تھی؟ کہاں تھی؟ مجھے اب کیا خبر میں تو بس ایک دائرے میں تھی جس کا نام محبت تھا۔ مجھے پاک محبت کی طلب تھی۔ میرے دل کی دھرتی سوکھی تھی ازل سے، پیاسی تھی نہ جانے کب کی۔ پھر ابر نیساں نے ایک قطرہ برسایا وہ موتی بن کر قیمتی ہو چکا تھا۔ میں کیسے مان لیتی کہ وہ موتی کسی کے لیے نہیں تھا۔ کیا یہاں سب جسم کے خریدار ہیں؟ صرف جسم کے؟ خوب صورتی کے متمنی تھے؟

میں آہستہ آہستہ مر رہی تھی حبس بڑھتا جا رہا تھا ہوا کو کسی نے قید کر لیا تھا گویا۔

کیا یوں ہو سکتا تھا کہ میرے سچ کے مقابل جھوٹ تھا۔ کیا میری پاکیزہ شدت کے جواب میں ایک سطحی اور عامیانہ سا جوش۔

مجھے اپنے سفید لباس میں جا بجا کیچڑ نظر آ رہی تھی۔

"ماہ سیمیں!" لیکن اس کی پکار میں پھر نرمی اور پاکیزگی کیوں تھی شاید انسان کے اندر جو کچھ ہو وہ ہی اسے ہر جانب نظر آتا ہے۔ میں جل رہی تھی اور میری آنکھیں پگھل رہی تھیں۔

"تم رو کیوں رہی ہو! ماہ سیمیں؟" وہ پریشان ہو گیا تھا لیکن اس کے ہاتھوں کی حدت سے زیادہ تپش میرے دل میں تھی۔ وہ کیا جانتا۔

"اللہ کی قسم میں تمہیں کسی ناپاک ارادے سے نہیں لایا۔"

میں چونک گئی میری آنکھوں سے جھلکتی بے اعتباری اس کے دل تک پہنچ گئی۔

"اللہ کی قسم!" اس نے یقین دلانے والے لہجے میں ایک بار پھر مضبوط آواز میں دہرایا۔

"اوہ۔" ایک پرسکون سانس لبوں سے آزاد ہوئی۔

"ماہ سیمیں۔" وہ چند لمحے مجھے بغور دیکھتا رہا اور بولا۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"شادی؟" آہ کس قدر حسین لفظ مگر کس قدر اجنبی۔

میری دسترس اور میری سوچوں سے بھی دور۔

میری زندگی کا حاصل مگر قسمت سے پرے۔

کیا آپ نے کبھی کسی پیاس سے تڑپتے شخص کو دیکھا ہے جو مدتوں پانی کی تلاش میں بھٹکے اور ایک جگہ چمکتا پانی دیکھ کر سرپٹ دوڑے بہت دوڑے لیکن سراب کو پا نہ سکے۔

میری بھی یہی حالت تھی مجھے انجام پتا تھا۔ میرا وجود ساکت تھا لیکن میری روح نے سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"ہاں ہاں شادی آج ابھی اسی وقت۔" میری آنکھوں بلکہ میرے چہرے کے ایک ایک نقش پر بے یقینی، مایوسی کو وہ دیکھ چکا تھا اور میرے ہاتھ تھامے مکمل یقین دلا رہا تھا۔

نہ جانے کیا ہوا میں کھڑی ہو گئی۔

"فیض صاحب! مجھے چھوڑ آئیں وہاں، جہاں کی میں ہوں۔"

"تم نے ایسا کیوں کہا؟" دل چیخا۔

"ماہ سیمیں تم مجھے جواب دیے بغیر نہیں جا سکتیں۔" وہ تڑپ اٹھا۔

"فیض صاحب کچھ سوال، کچھ کہانیاں ادھوری رہ جائیں تو بہتر ہوتا ہے۔" میرے لہجے میں سلگتی کیفیت کو وہ بھانپ گیا۔

"گویا تم ادھوری رہنا چاہتی ہو۔" وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر مجھے بغور دیکھنے لگا۔

"نہیں۔ بلکہ میں تو پہلے سے ہی ادھوری ہوں اور آپ کے بغیر تو ادھورے پن کا احساس تو کیا ہر قسم کا احساس ختم ہو جائے گا۔"

میں چپ رہی مگر میرا دل چیخ رہا تھا۔

"ماہ سیمیں تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟ جب کہ تم بھی جانتی ہو تم میرے بغیر ساری عمر جلو گی۔"

"میں تو آپ کی قربت میں بھی جل رہی ہوں۔"

میں نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور مجھے شانوں سے تھام کر میرا رخ اپنی جانب کیا۔

"ماہ سیمیں کیا تم لوگوں سے خوف زدہ ہو؟" شاید وہ میری خاموشی جان گیا تھا۔ میں چپ رہی اور میری پلکیں جھکی رہیں۔

"جانتی ہو میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تو کیا محسوس کیا تھا۔" وہ چند لمحوں کے لیے چپ رہا۔

"تمہاری آنکھوں کی خاموشی میں ہزاروں سوال تھے تمہاری آواز میں ہزاروں شمعوں کی سلگتی کیفیت تھی۔ میرا دل چاہا کہ اس خاموشی کو ختم کر دوں اور تمہارے وجود میں روشنی بھر دوں۔ ماہ سیمیں کوئی تو رشتہ ہے نا میرا تمہارا شاید روح کا۔" میں نے پلکیں اٹھائیں سورج کی آنکھیں نم تھیں چہرہ سرخ۔

"میری روح نے تمہاری طلب میں اتنی زندگی گزاری۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں اور تم ملیں تو کہاں، پھر خود کو ہر طرح سے مطمئن کرنے کے لیے میں وہاں کتنے مہینے واپس نہ آیا لیکن پھر میں معاشرے کی زنجیریں لوگوں کے چبھتے سوال کے ڈر پھینک کر دوبارہ آیا۔ کیا تم مجھے خالی لوٹا دو گی۔" اس کی گرفت میرے شانوں پر اور مضبوط ہو گئی۔ اس سے قبل میں کمزور ہو جاتی۔ عقل سہارا بن کر چلی آئی اور میں نے نرمی سے

اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹائے اور بولی۔
"فیض صاحب مجھے چھوڑ آئیں وہاں جہاں کی میں ہوں۔"
"میری شدتوں کے جواب میں بھی وہی بات۔" وہ چیخ اٹھا۔
میں نے چادر مضبوطی سے سر پر جمائی اور آگے بڑھ گئی۔
واپسی کا سفر اذیت ناک تھا۔ سارا راستہ وہ بے ربط جملے بولتا رہا اور مجھے سمجھاتا رہا لیکن میں نے نہ بولنے کی قسم کھائی تھی یوں بھی کوئی لفظ اگر منہ سے ادا ہوتا تو یقیناً" وہ اس کی محبت کے اقرار میں جوابی اقرار ہوتا۔ اس لیے میں لبوں کو سختی سے بھینچے بیٹھی تھی۔ نہ جانے کیا ہوا تھا وہ گھر تک جا ہی نہ سکا۔
"اس گلی سے آگے گیا تو میں جل جاؤں گا میرا حوصلہ فنا ہو رہا ہے ماہ سیمیں! میں تو اپنی ذات میں گم تھا اب تو میں نہیں نہیں ہم ڈھونڈتا تو شاید تمہیں تمہارے اندر مل جاؤں ماہ سیمیں اور کبھی میں بھٹکتا ہوا اپنی ذات کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تمہارے در پر آؤں تب مجھے میرا اپنا آپ دینا۔" وہ سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بڑبڑا رہا تھا۔ میں دم بخود تھی۔
"ماہ سیمیں! یہ عشق کی آگ جو میرے جسم کے اندر باہر جل رہی ہے اللہ نہ کرے کہ تمہیں کبھی جلائے میں یہ بد دعا تمہیں نہیں دے سکتا بالکل نہیں دے سکتا۔" اس نے اسٹیرنگ پر سر رکھ لیا۔
میرے پاؤں کانپ رہے تھے آگے پھر وہی دریچوں والا گھر تھا اور پیچھے وہ ..... ایک سہانا سپنا۔
لیکن بہر حال ایک سپنا تھا جو کبھی نہ کبھی تو ٹوٹنا تھا۔
میں نے قدم آگے بڑھا دیے پھر پیچھے مڑ کر دیکھا وہ نم آنکھوں سے پکار رہا تھا اس سے پہلے کہ میں ڈانوا ڈول ہوتی تیزی سے اپنی گلی کی طرف بھاگی نہ جانے وہ گیا یا نہیں میں نے مڑ کر نہ دیکھا۔
"فیض صاحب یہ محبت جو بہت پاکیزہ ہے۔ جس کے نور نے مجھے روشن کر دیا۔ جس کی تڑپ نے آپ کو بے چین کر دیا بس یہی تو لمحہ ہے جو یہ محبت امر ہو گئی۔

ورنہ کچھ عرصہ بعد اس ظالم معاشرے کے زہر میں بجھے جملے اور کٹیلی نگاہیں آپ کو زخمی کر دیتیں اور یہ محبت رفتہ رفتہ آپ پر بوجھ بن جاتی پھر کیا ہوتا؟
ابھی تو میری زندگی کا سامان آپ کی محبت ہے تمام عمر کانٹوں پر چل سکتی ہوں یہ سوچ کر کہ ان قدموں کے لیے کسی نے اپنی آنکھیں بچھائی تھیں۔ پورے خلوص سے ہوس لالچ سے پاک مقدس محبت کسی کی آنکھوں میں میرے لیے تھی۔
آہ کتنے سندر ہوں گے وہ سپنے جہاں تمہارے سنگ میں بلا خوف و خطر تمہاری باہوں میں ہوں گی۔
اوہ اللہ! کس قدر معتبر ہوں میں اس کوچے میں آکر کسی نے مجھے پوری سچائی سے اپنانے کے لیے کہا پھر میری محبت کا بھی تو فرض تھا کہ اسے کسی امتحان میں نہ ڈالوں۔"
میری آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے جنہیں میں نے سیاہ چادر میں جذب کر لیا اور پورے اعتماد سے زنداں کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ جسے میں نے خود اپنے لیے منتخب کیا تھا۔
"اب کم از کم ادھورے خواب اور لاعلمی کے سوال میرے پاس نہ ہوں گے۔" باجی جان نے مجھے دیکھا تو ٹھٹک گئیں۔
"تو واپس کیوں لوٹ آئی ماہ سیمیں۔" کس قدر مطمئن تھیں وہ کہ اس بے چین روح کو ایک اچھا ساتھی مل گیا تھا۔
"باجی جان میں زندگی کے کسی حصے میں اسے "قابل نفرین" نہیں کہنا چاہتی تھی۔" میں نے باجی جان کی گود میں سر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"میں محبت کے اس موتی کی ہمیشہ حفاظت کروں گی اب میرے دل کی سیپ میں دوسرا موتی نہیں پنپ سکتا۔"

☼ ☼

خنساء نگار عدنان

ناولٹ

نیو سٹوڈنٹ لائبریری
ہسپتال روڈ صادق آباد
لوٹ کتاب کے اوپر ...
Ph. ...704467

یہ بھی آزمائش کے سخت دنوں میں سے ایک دن تھا جب یہ اچھی خبر آئی۔

"الشمین آپی کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ بہت پیارا بہت صحت مند" وہ چھوٹی سی چھت پر ٹہل ٹہل کر انٹری ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی جب صبوحی نے تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتے ہوئے پھولی سانسوں کے ساتھ اسے اطلاع دی۔

"واقعی.... رئیلی۔" بہت دنوں بعد اس نے صبوحی کے چہرے پر ایسی خوشی بھری لالی دیکھی تھی خود اس کی آنکھوں میں کیسے کیسے دیے جل اٹھے تھے۔

"ہاں آؤ نیچے اماں بلا رہی ہیں دونوں خالاؤں کو..... ہمیں یعنی" وہ کھنکتے لہجے اور کھلکھلاتی ہنسی کے ساتھ بولی تو وہ بھی سرہلاتی مسکراتی اس کے ساتھ نیچے اتر آئی

-

اماں کا جوش ان سے بھی بڑھ کر تھا۔

"اللہ تیرا شکر ہے لاکھ لاکھ تو نے بھی ہمیں اپنی نعمتوں خوشیوں کے لائق جانا ہمارے گناہوں کو قابل معافی سمجھا۔ ساتھ خیریت کے میری بچی اس کٹھن مرحلے سے گزری اور ساتھ میں خوشخبری.... میرے دو اچھے والے جوڑے نکال کر پریس کر دو صبا اور صبوحی تم ذرا میرے ساتھ بازار چلو کچھ بچے کے ریڈی میڈ کپڑوں کی خریداری کر لیں گے ایک الشمی اور ایک اس کی ساس کا میں صبح سویرے ہی نکل جاؤں گی اگر یہ مونی میرے ساتھ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں شام تک لوٹ ہی آؤں گی حالانکہ اصولاً تو پہلا بچہ ماں باپ کے گھر ہوتا ہے نانا کے گھر.... پر قسمت.... گھر ہی نہیں تھا .... اللہ تیرا شکر ہے کہیں کوئی کلمہ ناشکری کا نہ نکل جائے اب جیسے ہی وہ چھلا نہاتی ہے مہینہ بھر کے لیے گھر لے آؤں گی اتنے مہینوں کے دوران ایک بار بھی میں اس کی خبر گیری کو نہ جا سکی نہ کوئی سوغات بھیج سکی وہ تو ساس اچھی ہے اس کی کبھی کوئی طعنہ نہیں دیا تمہاری پھوپھی ساری کی ساری تمہارے ابا جیسی ہے برداشت اور محبت والی۔" اماں کے منہ سے پہلی بار انہوں نے اپنی نند کے لیے ایسا تحسین آفریں جملہ سنا تھا دونوں اماں کی نظر بچا کر ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے زیر لب مسکرا دیں۔

"اماں میں بھی چلوں ساتھ میرے پیپرز تو ختم ہو گئے یوں بھی شام کو تو آپ نے آ ہی جانا ہے۔" صبوحی اماں کا اچھا موڈ دیکھ کر ٹھنکی۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں صبا اکیلی رہ جائے گی اور اس مونی کی تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی ڈاکٹر کو دکھایا اتنی مہنگی دوائیں لا کر دیں مجال ہے جو اس ڈھیٹ نے ایک گولی بھی منہ میں انڈیلی ہو سارا سارا دن غائب رات کو کہیں چوروں کی طرح دبے پاؤں آتا ہے وہ بھی نشے میں دھت گرتا پڑتا پتا نہیں کس بدبخت نے اسے یہ بری لت لگائی اور لگ بھی گئی تو کیسے اتنی دور نکل گیا کہ مجھے پتا ہی نہیں چلا جب ادھر تھا تو پھر بھی کچھ میری بات سن لیتا تھا پنڈی جا کر تو بالکل ہی ہاتھوں سے نکل گیا اور اس موئے نشے کی اتنی شدید لت ادھر جا کر ہی اس کے سر چڑھی میرے مولا ساری مشکلیں آسان کیں اس سختی کو بھی ٹال ہی دے نصیبوں سے۔ اسے یوں دیکھ کر میں تو موت سے پہلے گزر جاؤں گی۔" اماں جیسے سینے پر دوہتڑ مار کر فریادی انداز میں بولیں۔

"اماں پلیز اب اس خوشی کے موقع پر یوں رنجیدہ نہ ہوں اللہ نے چاہا تو انشاء اللہ وہ بھی ٹھیک ہو جائے گا آپ نے دوبارہ بات کی ڈاکٹر شاہ زیب سے۔" صبا نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تو ایک دم سے سنبھل سی گئیں۔

"ہاں کی تھی بات پر جب مریض ہی علاج کروانے میں دلچسپی نہ لے تو ڈاکٹر کیا کرے گا اچھا ہم دونوں بازار جا رہے ہیں تم سیڑھیوں کا دروازہ اچھی طرح سے بند کر لینا ان کا کلینک نیچے کھل گیا ہے سو رنگ رنگ کے مریضوں کا آنا جانا ہے تم دروازہ نہ کھولنا اور میں ذرا ہو آؤں گوجرانوالہ سے پھر اس مونی کے بچے کا بھی کوئی علاج کرتی ہوں یوں اپنے قیمتی لعل کو مٹی میں رلتا تو نہیں چھوڑ سکتی رزلٹ نکلا میٹرک کا اور کمبخت بری طرح سے فیل۔ سوچتی ہوں زبردستی کہیں کوئی کام سیکھنے پر ڈال دیتی ہوں کچھ تو کرنا ہے زندگی میں کہ یونہی

کوڑیوں کی طرح ہاتھ پیر توڑے محتاج پڑا اس ذلت میں جیتا رہے گا اٹھ صبوحی اندر سے میری چادر اور پرس لے آ شام ہو رہی ہے جلدی واپس بھی آنا ہے۔"

وہ بیٹے کے خیال سے ملول لہجے میں کہہ رہی تھیں الشمین کے بیٹے کی پیدائش نے انہیں مونی کی پیدائش کا دن یاد دلا دیا چار بیٹیوں کے بعد ہونے والے اس بیٹے کی پیدائش پر وہ کیسے جی اٹھی تھیں انہیں لگا تھا آج انہوں نے زندگی کی ہر جنگ جیت لی اب کوئی محاذ کیسا ہی کڑا ہو ان کی فتح ہی فتح ہے۔ آخر بیٹے کی مائیں یونہی تو نہیں سینہ سر تان کر چلتیں اور ان چار بیٹیوں کی پیدائش پر اور بعد میں جیسی باتیں طعنے تیر انہوں نے جھیلے تھے انہیں لگتا تھا پانچویں بیٹی کی پیدائش کا سن کر تو شاید ان کی سانسیں ہی تمام ہو جائیں گی وضع حمل کے نو ماہ سے لے کر زچگی کے تکلیف دہ مرحلے تک ایک ایک پل جیسے انہوں نے سولی پر لٹک کر گزارا تھا نو ماہ وہ پیر جلی بلی کی طرح رات رات بھر جاگتی رہتی تھیں اگرچہ صبا کے ابا کا ایسا کوئی مطالبہ یا دھمکی تو نہ تھی مگر ان کا اپنا دل جیسے اس آواز کے سوا اور کوئی آواز سننے پر تیار ہی نہیں تھا۔

"بیٹا ہوا ہے۔"

اس جملے کی سرگوشی پر بھی ان کا دل اچھل کر کلیجے میں آجاتا اور اس بیٹے نے آج ان کی یہ حالت کر دی تھی کہ اسے دیکھتیں تو شرمندگی سے خود سے بھی نظریں نہ ملا پاتیں چاروں بیٹیاں کیسی اچھی فرماں بردار سمجھدار اور خیال رکھنے والی تھیں اور ایک ہی بیٹا اور کیسا دکھ دینے والا نکلا اس کا غم تو جیسے انہیں اب کسی روگ کی طرح چاٹنے لگا تھا۔

"اماں پرس میں تو صرف چار سو روپے ہیں۔" صبوحی کی آواز پر وہ بڑی دور سے واپس آئی تھیں۔

"ستیاناس میں نے خود تو۔" انہوں نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"صبح ہی تو گنے تھے پورے نو سو روپے تھے اچھی طرح دیکھ۔" وہ بوکھلا کر اس کے ہاتھ سے وہ کالا بٹوہ لے کر جھاڑنے لگیں پانچ روپے کا سکہ اچھل کر زمین پر گرا اور سو سو کے چار نوٹ۔

"پانچ سو کا نوٹ کہاں گیا۔" ان کا سکون خوشی اطمینان سب اڑنچھو ہو گیا۔

"کل ہی تو کرایہ ملا تھا انہوں نے چار ہزار روپوں میں سے صرف ہزار روپیہ پرس میں رکھا جس میں سے سو روپے کا سودا سلف آگیا باقی نو سو پرس میں ہی رہنے دیے۔"

"اماں صبح مونی آپ کے تکیے کے نیچے کچھ دیکھ رہا تھا۔" الماری سے کپڑے نکالتی صبا آہستگی سے بولی۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا شکر ہے چار سو تو چھوڑ گیا۔ اب اس گھر کے بھیدی کا مجھے کچھ کرنا ہی پڑے گا یہ تو مجھے کہیں کا نہ چھوڑے گا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

راستے بھر صبوحی نے اماں کو راضی کر ہی لیا کہ وہ بھی بھانجے کو دیکھنے ان کے ساتھ ہی جائے گی۔

"اماں چند گھنٹوں کی تو بات ہے پلیز۔" اماں کا دل پسیج گیا۔

"واپس آکر مجھے اکیڈمی جوائن کرنی ہے پڑھانے کے لیے پھر تو کہیں بھی جا نہیں سکوں گی" اس کی اس دلیل میں وزن تھا اماں مان گئیں۔

"مگر اماں میں اکیلی کیسے رہوں گی مجھے نہیں پتا مجھے ڈر لگے گا۔" صبا فوراً پریشان لہجے میں بولی۔

"اوہو تم ننھی بچی ہو نا ڈر لگے گا چند گھنٹوں کی بات ہے اوپر نیچے کے دروازے بند رکھنا اگلے ہفتے تمہارا ٹیسٹ ہے ساتھ جاؤ گی تو سارا دن ضائع ہو گا واپس آکر رات کو بھی تھکاوٹ کی وجہ سے پڑھ نہ سکو گی سوچ لو۔" صبوحی نے اس کی کمزوری کو نشانہ بنایا تو وہ بے بسی سے اماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

"اچھا میں انجی سے کہہ جاتی ہوں وہ آجائے گی تمہارے پاس۔" اماں نے اس کا خوف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر عامر بھائی بھی ساتھ آگئے تو؟.... نہیں نہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے خود ہی نفی میں سر ہلا دیا

حالانکہ بعد میں عامر بھائی نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی مگر ان کی نظروں میں کچھ ایسا ہوتا تھا کہ وہ دونوں ہی خائف رہتی تھیں بہنوئی سے۔

"اماں میں رہ لوں گی ویسے ہی انجی کی ساس اسے کہاں آنے دیں گی پھر ادھر آکر سارا دن انجی کے نخرے پیپسی منگوا دو چٹپٹا کوئی کھانا پکا دو گول گپے منگوا لو اور نہ جانے کون کون سی فرمائشیں میں پھر پڑھ چکی۔" اس نے خود ہی انکار کردیا۔

"بدتمیز بہن کو بوجھ سمجھتی ہو اس حال میں یہی کچھ ہوتا ہے اور میکے آکر تو خاص طور پر پسند کی چیزیں کھانے کو دل کرتا ہے۔" اماں نے فوراً" انجی کی حمایت کی۔

"اُفوہ اماں ایک تو شادی کے بعد لڑکیوں کو ۔ اس حال میں رہنے کا ہی شوق رہ جاتا ہے بس۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"آپ رہنے دیں میں اکیلی رہ لوں گی۔"

"تمہاری مرضی ورنہ انجی آجاتی تمہارے پاس تو مجھے فکر نہ رہتی اب وہاں سے بھی جلدی نکلنا پڑے گا۔" صبح جاتے ہوئے بھی اماں فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں آپ آرام سے آئیے گا اور میں کوئی ننھی بچی نہیں جو اندھیرے سے ڈر جاؤں گی اور شام کو تو نیچے کلینک کا اچھا خاصا رش رہتا ہے پھر خوف کیسا اور اماں وہ ننھے منے کو میرا ڈھیر سارا پیار دیجیے گا ٹیسٹ دیتے ہی میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی اسے دیکھنے 'یہ صبوحی کی بچی زیادہ خالہ نہیں بنی میں بھی ہوں۔'"

وہ دونوں تیار ہو کر نیچے اتر رہی تھیں جب وہ بولی۔

"اچھا اب دروازہ بند کرو نیچے سے تو انٹرنل لاک ہے خود ہی بند ہو جائے گا کوئی بھی آئے پوچھے بغیر نہ کھولنا مونی آئے تو اس سے زیادہ بات نہ کرنا ویسے ہی آج کل اس کا بھیجا الٹا ہوا ہے اللہ حافظ۔" اماں اسے تاکید کرتی ہوئی نیچے آگئیں تو وہ دروازہ بند کرکے پلٹ آئی۔

صفائی کرکے اس نے اپنے لیے چائے کا ایک کپ بنایا اور پڑھنے بیٹھ گئی ابھی دس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ کسی طوفان کی طرح سیڑھیوں کا دروازہ دھڑ دھڑایا گیا اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"مونی کے پاس صرف انٹرنل لاک کی چابی ہوتی ہے اور وہ اس وقت کبھی گھر نہیں آیا تو پھر نیچے لاک کھول کر کون آگیا وہ بھی اوپر تک۔" اسے لگا وہ خوف کے مارے ابھی فوت ہو جائے گی کہ دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا جیسے در و دیوار پر کوئی بھونچال آگیا ہو وہ ڈبڈبائی نظروں سے لرزتے دروازے کو دیکھنے لگی نہ کھولنے کی ہمت تھی نہ پوچھنے کی کہ کون ہے؟

٭ ٭ ٭

"بھائی بڑا آدمی بننے کے لیے کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟" وہ رکا "میرے خیال میں سخت محنت اور لگن کی ہے نا۔" وہ تیقن بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے چند لمحوں کی گمبیر خامشی کے بعد ہولے سے کہا۔

"نہیں۔" وہ حیران سا ہوا "محنت کے بغیر کوئی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے بھلا!"

"کامیابی کی طرف قدم بڑھانے کے لیے محنت اور لگن کی نہیں بس ایک لمحے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اس کا دوسرا جواب بھی اسے حیران کر گیا۔

"ایک لمحے کی؟ کیا مطلب؟" اسے قطعا" سمجھ نہ آئی۔

"فیصلہ کن ایک لمحے کی ۔۔۔ اور یہ لمحہ ہر انسان کی زندگی میں آتا ہے بظاہر ذلت کے ریپر میں لپٹا ہوا ایک معمولی سا لمحہ ۔۔۔ جسے ہر کوئی توجہ کے لائق نہیں گردانتا اگر ایسا ہوتا تو یہ دنیا کامیاب لوگوں کا ہجوم ہوتی اور اس ہجوم سے ایک گوہر نایاب قابل تقلید نمونہ ڈھونڈنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا۔" اس کے ہاتھ سامنے پڑے پیپر ویٹ کو گھما رہے تھے نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں اور دماغ میں جیسے کوئی وژن سا چل رہا تھا کوئی تصویری منظر۔

"کیسا لمحہ اور اس لمحے کی پہچان؟" وہ اس کی بات پر

الجھ کر بولا۔

"اس لمحے کی کوئی پہچان نہیں ہوتی مگر یہ ہر انسان کی زندگی میں آتا ضرور ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ خوش قسمتی ہر انسان کی زندگی میں ایک بار دستک ضرور دیتی ہے اور یہ ہر کسی کے بھاگ میں نہیں ہوتا کہ اس دستک پر جھٹ سے اٹھ کر دروازہ کھول دے اور جن بد نصیبوں کی قسمت میں وہ در کھولنا نہیں لکھا ہوتا ان کے منہ پر یہ معمولی سا لمحہ ایک اور آزمائش کی صورت مارا جاتا ہے اب یہ اس کی قسمت کہ وہ اس تھپڑ کو خوش بختی میں بدلے یا مزید ذلتوں میں ڈوبتا چلا جائے۔" وہ جیسے ہر ہر لفظ کی پرت میں جھانک کر بول رہا تھا اور اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔

"its a Paradox (ایک برعکس صورتحال) وہ کیا کہیں گے ایک تیر سے دو شکار" اس کی بات پر وہ کھل کر مسکرایا اور جیسے اس کی ناسمجھی کو انجوائے کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہاری پہلی بات ٹھیک ہے یہ Paradox ہی ہے مگر دوسری بات یہاں فٹ نہیں بیٹھتی اصل میں زندگی کا ظہور ہر انسان ہر ذی روح میں ایک ہی طرح سے ہوتا ہے مگر پھر اس زندگی بتانے کے لیے اسے ذہن مختلف ملتے ہیں اور ہر کوئی اپنی لاجک کے مطابق زندگی کو برتتا ہے اور اپنے حساب سے نتائج نکالتا ہے اسی لیے تو اس زندگی کے بارے میں اتنے مختلف نکتہ نظر سامنے۔۔۔"

"پلیز بھائی بس" اس نے یکدم ہاتھ اٹھا دیے تھے "آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے میرے ننھے سے دماغ کی ہنڈیا چٹکنے لگی ہے میں ویسے ہی مان لیتا ہوں کہ بڑا آدمی پیدائشی بڑا نہ بھی ہو تو یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ قسمت کی ملی بھگت اسے بڑا آدمی بنا کر ہی چھوڑتی ہے چاہے اس کی ابتدا کسی رینگنے والے کیڑے کی طرح کی ہو میں مان گیا" وہ کہتے ہوئے ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اپنی کتابیں اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"تم اتنی جلدی مان گئے میں تو ابھی تک نہیں مان سکا کہ قسمت نے کیا ملی بھگت کی ہے کہ میں کامیاب ہونے کے باوجود ناکام ہوں تہی دامن ہوں بالکل خالی ہاتھ دیکھو تو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے ہاتھوں کی گہری گہری لکیروں کو دیکھنے لگا۔

٭ ٭ ٭

"کھولو۔" دھاڑ تھی 'یا کسی شیر کی چنگھاڑ اس نے دوڑ کر پاگلوں کی طرح دروازہ کھول دیا۔

سامنے کھڑا مونی اسے سب دنوں سے مختلف اور بے حد خوفناک لگا تھا اس کا دھک دھک دھڑکتا دل اور بھی خوفزدہ ہو کر سینے میں سمٹ کر رہ گیا۔

اس کی شرٹ کے اوپری دونوں بٹن ٹوٹے ہوئے تھے کھلے سینے سے جھانکتے بنیان کے گلے پر خون لگا تھا۔ اس کے سینے پر رکھی دونوں مٹھیاں اور بھی بھنچ گئیں مونی کے ہونٹ خون میں تر بتر تھے بکھرے بال اور وحشت چھلکاتی نگاہیں۔

"ہٹو پرے۔" اس نے اتنی زور سے صبا کو دھکا دیا کہ وہ باورچی خانے کی دیوار سے جا کر ٹکرائی۔

وہ اپنے پیچھے چھپائے ہاتھوں کو آگے کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

اماں کے کمرے میں کچھ دیر کھٹر پٹر کرنے کے بعد وہ باتھ روم میں چلا گیا تو وہ متجسس سی ہو کر دکھتے کندھے کو دباتی ہوئی اماں کے کمرے میں چلی آئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلی نظر پر پتا چل رہا تھا کہ اس نے کدھر کدھر ہاتھ مارے ہیں۔ وہ اماں کا بستر ٹٹولنے کے بعد ان کے سرہانے والی ادھ کھلی الماری میں دیکھنے لگی الماری کھلتے ہی کچھ نیچے گرا تھا۔

سونے کی موٹی چین کسی سانپ کی طرح بل کھاتی اس کے قدموں میں پڑی تھی ایک موبائل سیٹ اور سیاہ رنگ کا پھولا ہوا والٹ ۔۔۔ وہ بے اختیار نیچے جھکی۔ چین ٹوٹی ہوئی تھی اور والٹ پر خون لگا تھا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں عینکو کیوں میری جاسوسیاں کرتی پھرتی ہو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔"

وہ غسل خانے سے نکلتے ہی اس پر پل پڑا تھا کہ اسے بھاگ جانے کا موقع بھی نہیں مل سکا مونی دیکھتے

میں سوکھا سڑا مریل سا لگتا تھا مگر اس کا ہاتھ لوہے کی زنجیر کی طرح صبا کے کندھوں پر پڑا تھا کراٹے کی طرح کے دو ہاتھ اس کے منہ سے چیخیں نکال گئے۔

"چمچی اماں کی جاسوس' ہر وقت میری ٹوہ میں' آخر تجھے تکلیف کیا ہے کسی دن میرے ہاتھوں سے ضائع ہو جائے گی سن لو کان کھول کر......" اس نے صبا کی چیخوں پر شاید اسے بخشتے ہوئے ایک ٹانگ رسید کی اور نیچے گری چیزیں سمیٹنے لگا۔

"چوری کر کے لائے ہو تم یہ سب ہے نا' کمینے یہ کام رہ گیا تھا نیک نامی والا جو آج یہ بھی کر آئے شرم نہیں آتی تمہیں حرام کھاتے ہوئے کتے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔

"ہاں کی ہے چوری نیک بی بی' جا جا کے گلی میں شور مچا اپنے جس چاچے مامے کو بلانا ہے بلا میں کسی سے نہیں ڈرتا" وہ ڈھٹائی سے سارا کچھ سمیٹتا ہوا بستر پر گرتے ہوئے بولا اس کے سوجے سوجے ہونٹوں سے خون تو رسنا بند ہو گیا تھا مگر لگتا تھا ابھی پھر سے رسنے لگے گا۔

"مونی تمہیں شرم نہیں آتی کیوں کر رہے ہو یہ سب..... اماں تو مر جائیں گی یہ سن کر" اب کے وہ لہجے میں نرمی اور دکھ بھر کر بولی۔

"مر جائیں۔" وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولا "ہر کسی کو اپنے مقررہ وقت پر جانا ہی ہے اماں جائیں گی تو کون سا کمال کریں گی اب دفع ہو جاؤ یہاں سے میرے سر میں درد ہو رہا ہے جا کر اپنی یہ چنی چنی آنکھیں موٹی موٹی کتابوں میں گھسا میرا ٹیم نہ خراب کر جا....." وہ لہجے میں زمانے بھر کی نفرت و حقارت سمیٹ کر بولا تو وہ گہرا سانس لے کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے چپکے سے کمرے کی ادھ کھلی کھڑکی سے جھانکا وہ والٹ الٹائے نوٹ گنتے ہوئے انہیں چوم رہا تھا۔

"اماں ابا یہ کیا ہو گیا یہ ہمارا مونی تو نہیں یہ تو..... یہ تو کوئی چور ڈاکو لٹیرا..... اماں اس کی نظروں میں کوئی لحاظ نہیں یہ تو ہمارا بھی سودا کر ڈالے گا اماں..... چھت مل گئی اور تحفظ نہ رہا اب کس سے فریاد کریں ہم۔" وہ اپنے ہی بازوؤں میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔

اماں اور صبوحی شام گہری ہونے سے پہلے ہی لوٹ آئیں۔

"ارے اتنی جلدی میں نے تو کہا تھا آپ رات سے پہلے نہیں آئیں گی ابھی تو مغرب ہوئی ہے" اسے دونوں کو اتنی جلدی واپس آتے دیکھ کر انوکھی سی خوشی ہوئی تھی صبح سے وہ جس عدم تحفظ جس خوف کا شکار ہو رہی تھی وہ جیسے اماں کے آتے ہی اڑنچھو ہو گیا اگرچہ مونی دوپہر کو ہی چلا گیا تھا مگر اس کا خوف کم نہیں ہو سکا تھا اور اس عجیب و غریب خوف کے احساس نے اسے پڑھنے بھی نہ دیا تھا۔

"اماں کھانا کھا لیں تو انہیں اس مونی ذلیل کے سارے کرتوت بتاؤں گی اب چھپانا تو خود سے دشمنی کے برابر ہے اس کی آنکھوں سے دید لحاظ اپنا پن سب رخصت ہو چکا وہاں تو جیسے صرف خون کی پیاس ہے یا دولت کی ہوس۔"

"اماں اور کھائیں نا۔" وہ اپنی سوچوں میں گم دو چار لقمے ہی کھا سکی تھی جبکہ اماں اور صبوحی تو اس سے بھی پہلے اٹھ گئی تھیں۔

"بس کھا لیا" اماں کے مختصر جواب پر وہ چونکی وہ دونوں خلاف توقع چپ سی تھیں الفشی اور اس کے بیٹے کے بارے میں تھوڑا بہت بتا کر خاموش ہو گئی تھیں۔

"کیا ہوا اماں آپ چپ چپ سی کیوں ہیں خیر تو ہے!" وہ بے چین سی ہو کر بولی' خیر نہ ہونے کی خبر تو اس کے پاس تھی۔

"اپنی قسمت سے تو لگتا ہے خیر کا نام ہی اٹھ گیا" اماں ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔

"کیا ہوا اماں' صبوحی تم ہی بتاؤ میں تو پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" وہ مضطرب انداز میں صبوحی کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"کچھ نہیں ہوا اماں تو یونہی پریشان ہو جاتی ہیں جاوید بھائی کی نوکری چھوٹ گئی' پتا نہیں آفس میں کسی

سے جھگڑا ہو گیا تو نواب صاحب نوکری کو لات مار کر گھر بیٹھ گئے اور کون سا ذریعہ آمدن ہے اس لیے الفشی آپی پریشان تھیں تو اماں کا پریشان ہونا تو لازمی بنتا ہے" صبوحی نے جلدی جلدی وضاحت سے کہا۔

"ہاں تو نہ ہوں پریشان' اگلی بات کا تو تمہیں پتا نہیں۔" اماں جو وضو کرنے جا رہی تھیں جیسے خود پر ضبط کھو بیٹھیں واپس پلٹتے ہوئے بولیں۔

"اگلی بات کون سی؟" صبوحی ان کے انداز پر قدرے پریشان ہو کر بولی۔

"باہر جانے کا پروگرام بنا رہا ہے جاوید کسی ایجنٹ سے بات بھی کر لی ہے اب پیسے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔" وہ جیسے پھولے سانسوں کے درمیان بولیں اور خود کو سہارا دینے کے لیے تخت پر بیٹھ گئیں۔

"تو اماں اس میں ہماری پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو اچھی بات ہے کہ فوراً" ہی کچھ کرنے کا سوچ رہے ہیں باہر جا کر تو اچھے اچھوں کے دماغ ٹھکانے لگ جاتے ہیں خود ہی سارا آرام اور دماغ کا خناس نکل جائے گا" صبوحی مطمئن ہوتے ہوئے بولی صبا باری باری دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

"براہ راست تو نہیں۔" اماں نے ٹھنڈی سانس لی "الفشی نے اشارتاً" مجھے کہا ہے کہ جو پیسے صبا کے داخلے کے لیے رکھے ہیں وہ دے دوں کہ جی لڑکیاں خواہ لاکھ پڑھ لکھ لیں ڈاکٹر انجینئر بن جائیں اماں آخر کار ہر عورت کی طرح انہیں گھر بار سنبھالنا اور بچے ہی پیدا کر کے پالنے ہوتے ہیں تو کیا ضرورت اتنی پڑھائیوں کی اور ان پر فضول پیسہ برباد کرنے کی پھر بھی اگر صبا کو شوق ہے تو جاوید باہر چلا جائے قدموں پر کھڑے ہوتے ہی آپ کا قرض لوٹا دیں گے صبا سال بعد داخلہ لے لے۔" اماں صبا کے چہرے کے پھیکے پڑتے رنگوں سے نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

"واہ صبا سال بعد داخلہ لے لے' جواب اس غریب کی تعلیم میں اتنے روڑے اٹکا رہے ہیں سال بعد کیا نہ کریں گے اور صبا کیوں اپنا سال ضائع کرے انہوں نے خود لات ماری ہے نوکری کو' خود اپنے لیے روپوں پیسوں کا انتظام کریں ہم نے ان کی ہر پریشانی کو حل کرنے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا اور ہمارے پاس کون سے ڈالرز پڑے ہیں چند ہزار ہی ہیں جو ان کی نظروں میں کھٹک رہے ہیں اور اماں جاوید بھائی پر کیا فرشتے نازل ہوتے ہیں جو انہیں ہمارے گھر کے ان رازوں کے بارے میں بتاتے ہیں یہ سب الفشی آپی نے بتایا ہو گا اور روپے اینٹھنے کا شارٹ کٹ بھی ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے بس وہ جاوید بھائی کا نام لے کر ہمیں بلیک میل کرنا چاہ رہی ہیں مجھے ان کی خصلت کے بارے میں علم ہے وہ اسی طرح کی ہو چکی ہیں اب خود غرض اور بے حس۔" صبوحی جیسے پھٹ پڑی۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں جاوید اتنا بھی سیدھا نہیں دو بار باتوں باتوں میں اس نے جتا دیا کہ ڈلیوری پر کتنا خرچ آیا ہے اور پہلا بچہ تو ہمیشہ ننھیال میں پیدا ہوتا ہے ہماری باری سارے دستور الٹے ہو گئے ایک تو بے روزگاری اوپر سے یہ خرچا اچھا خاصا قرض لے بیٹھا ہوں جس کی واپسی کی بھی فی الحال کہیں سے امید نہیں اور تقاضا کرنے والوں نے جان کھانی شروع کر دی ہے یہ فرمائش کا الگ سے انداز ہے اب بتاؤ میں کس پر کان دھروں اور کس بات کو کان سے نکالوں' کس آزمائش میں ڈال گئے بہشتی تمہارے ابا مجھے۔ اچھا میرے مولا جیسی تیری مرضی تو ہماری آزمائشوں میں راضی ہے تو ہمارے دلوں کو بھی اپنی رضا پر راضی کرے اور اس سے بڑھ کر کیا دعا مانگوں تجھ سے۔" اماں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں تو صبا مردہ قدموں سے خود کو گھسیٹتے ہوئے اندر کمرے کی طرف بڑھی۔

"صبا اے صبا مونی آیا تھا دن میں یا شکل ہی نہیں دکھائی اس نے..... سنتی ہو۔" وہ تکیے میں منہ چھپا کر دھواں دھار رو رہی تھی جب اماں نے اونچا اونچا پکار کر اس سے پوچھا تو وہ سسکیاں روکتے ہوئے سوتی بن گئی۔

"اماں شاید سو گئی ہے صبا' دن بھر کی تھکی ہو گی سارا کام بھی کیا اور پڑھتی بھی رہی اوپر سے یہ مفت کی ٹینشن..... کوئی ضرورت نہیں آپ کو ان فضول

فرمائشوں پر کان دھرنے کی میں بتا رہی ہوں صبا ڈاکٹر بنے گی ضرور' یہ ابا کا خواب تھا پھر اماں اس پاگل نے پڑھا بھی تو اتنا ہے دن رات کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہتی تھی اب یوں منزل پر آ کر اس کا دل توڑ ڈالیں میں یہ کبھی نہیں ہونے دوں گی ہاں" صبوحی بڑی محبت اور احساس سے اس کی جگہ اماں سے کہہ رہی تھی اماں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا کافی دیر تک صبا کان لگا کر سنتی رہی باہر مکمل خاموشی تھی۔

"اماں بے چاری کیا کریں ایک طرف میرا یہ فضول سا خواب دوسری طرف بسی بسائی بیٹی کا گھر اور ــــ تیسری طرف تباہی کے گڑھے میں گرتا عمر بھر کا اثاثہ مونی ؟ اماں میں کیسے بتاؤں آپ کو کیسے آپ کا سرمایہ بیچ رستے لٹ گیا آپ سنیں گی تو آپ پر کیا نہ گزرے گی۔" وہ اماں کو بتانے کے ارادے باندھتی توڑتی جانے کب نیند کی وادی میں اتر گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ اگلی صبح بھی کوشش کے باوجود اماں کو کچھ نہ بتا سکی مگر جب کوئی حد سے گزر جائے تو اس کا راز فاش کرنے کے لیے قدرت خود اہتمام فرما دیتی ہے۔

وہ اگرچہ اس قصے کو بھولی نہیں تھی کہ مونی نے نشے کے ساتھ چوری چکاری کی لت بھی پال لی ہے مگر کسی سے چاہتے ہوئے بھی ذکر نہ کر سکی اور مونی کے گھر میں موجود ہونے پر وہ اس کا سامنا کرنے سے بھی کتراتی ہفتوں ان دونوں کی ملاقات نہ ہوتی اور اس ملاقات نہ ہونے کا مونی کو کون سا قلق تھا وہ پہلے والا معین تھوڑی تھا جسے صبا تھوڑی دیر کو نظر نہ آتی تو وہ ہر طرف ڈھنڈورا پیٹ دیتا کہ اماں صبا گم ہو گئی ہے۔

ہر بار صبا کے نظر نہ آنے پر وہ یہی ایک جملہ دہرانے پر کئی بار اماں سے مار بھی کھا بیٹھا کہ کیا بدشگونی کا منحوس جملہ بولتا ہے مگر وہ بھی ایک ڈھیٹ تھا یہ جملہ دہرانے سے باز نہ آتا اور اب تو جیسے زمانے بیت گئے تھے صبا کے کان اس جملے کو سننے کے لیے ترس گئے تھے۔

"میں تو اماں سے کہہ رہا تھا اماں صبا کہیں گم ہو گئی ہے مجھے مل نہیں رہی۔" اسے لگا کوئی بازگشت اس کے کانوں میں گونجی تھی مگر اتنی حقیقی کہ وہ چونک سی گئی۔

وہ چھت پر جھاڑو دینے آئی تھی اور کوڑا سمیٹتے ہوئے اس میں پھڑپھڑاتے اخبار کے ٹکڑے کو پڑھنے بیٹھ گئی جو نشے کے بارے میں کسی آرٹیکل کا پھٹا ہوا حصہ تھا پڑھتے پڑھتے وہ واقعی مونی کے بارے میں سوچتے ہوئے گم ہو گئی۔

"واقعی گم ہو گئی ہو۔" کسی نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرائے تو ہاتھ میں پکڑا اخبار کا ٹکڑا ہاتھ سے نکل گیا اور وہ ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کے بالکل سامنے مونی کھڑا تھا ایک درست حلیے میں سلیقے سے جمے بال صاف ستھرا دھلا ہوا چہرہ استری شدہ لباس اور پہلے کی طرح چمکتی آنکھیں اور آنکھوں میں ہلکورے لیتی اپنائیت اس کے چہرے پر منڈھی سوکھی جھرخ کھال تو ویسے ہی سیاہ ملگجی تھی مگر سیاہ پڑتے لبوں پر دوڑتی مسکراہٹ بڑی جاندار تھی بالکل پہلے جیسی۔

"میں کیوں گم ہونے لگی اور تمہیں کیا میں گم ہو جاؤں یا مر جاؤں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

"یہ ہوئی نا بات' صبا مجھ سے ناراض ہو۔" وہ سامنے آ گیا۔

"نہیں ہونا چاہیے کیا؟" وہ ناراض لہجے میں بولی۔

"ہونا چاہیے۔" وہ ہتھیلی رگڑنے لگا "کیا کروں نہ چاہتے ہوئے بھی بہت دور چلا گیا تھا اور اب ــــ" اس نے سر اٹھا کر افق میں ڈوبتی شفق کو دیکھا۔

"اور اب ــــ" صبا بے تابی سے بولی۔

"اور اب واپس آنا چاہتا ہوں تمہارے پاس گھر میں اماں کے پاس۔" وہ اداس سے لہجے میں بولا۔

"واقعی تم سچ کہہ رہے ہو۔"

"بالکل سچ مگر اس کا یقین خود مجھے بھی نہیں۔" وہ اداسی سے بولا "صبا مجھے واپس آنے کے لیے تمہاری مدد تمہارا حوصلہ درکار ہے" وہ کیسی اپنائیت سے

فرمائش کر رہا تھا۔

"تم نے اماں کو سب کچھ بتا دیا ہو گا ہے نا۔" اس کے بچوں جیسے اداس و معصوم چہرے کو دیکھا تو اسے بے اختیار اس پر پیار آ گیا۔

"تم نے ایسا کیوں سوچا کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی اور میں نے اماں کو کچھ نہیں بتایا۔"

"تھینک یو سسٹر میں پرائیویٹ امتحان دینا چاہتا ہوں میٹرک کا تم مجھے پڑھاؤ۔" صبا کو اپنے کانوں پر جیسے یقین نہ آیا گویا قدرت نے ان کی ہر مشکل آسان کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا ہے وہ جو اماں سورۃ الم نشرح کی آیت "مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے" کا دن رات ورد کیا کرتی تھیں یہ اسی ورد کا خوب صورت نتیجہ تھا۔

اور مونی نے جو کہا وہ کر کے بھی دکھایا تھا۔

اور سارے گھر کے لیے یہ انقلاب تو انقلاب فرانس و روم سے بھی بڑا انقلاب تھا۔

وہ دن رات کتابیں لے کر نہ صرف پڑھ رہا تھا بلکہ باہر بھی صرف سودا سلف لینے جاتا بہت فرمانبردار تابعدار اور سلجھا ہوا مونی جس کی تمنا اماں اور بہنوں کا دل کرتا تھا بالکل ویسا معین انیس بن گیا تھا وہ۔

"مونی تم نے نشہ بالکل چھوڑ دیا ہے نا میرے بچے" اماں دن میں ایک بار تو یہ سوال بے قراری سے ضرور کرتیں آتے جاتے اس پر سورتیں پڑھ پڑھ کر پھونکتیں اپنی ہی نظر لگ جانے کے ڈر سے نظر بھر کر نہ دیکھتیں۔

"اماں میں کوشش کر رہا ہوں آپ دعا کرتی رہیں" وہ جھکے سر کے ساتھ اتنی سعادت مندی سے کہتا کہ اماں کا دل کیا رواں رواں محو دعا ہو جاتا اس کے لیے سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا سب کچھ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا قسمت نے ایک خسارہ لکھا تھا تو کئی منافع بھی بن مانگے جھولی میں ڈال دیے تھے۔

صبا نے انٹری ٹیسٹ کلیئر کر لیا تھا۔

اگلے ہفتے سے ایڈمیشن شروع تھے صبوحی نے اکیڈمی جوائن کر لی تھی اس کی پہلی تنخواہ نے اماں کا دل نہال کر دیا تھا۔

"اماں بہت اچھے سر ہیں سر عبداللہ انہوں نے ایم بی اے کر رکھا ہے نوکری نہ ملنے کے باعث یہ چھوٹی سی اکیڈمی ڈیڑھ سال پہلے شروع کی تھی اور اب ذرا آپ جا کر دیکھیں چھوٹی کلاسز سے لے کر ماسٹر لیول تک تین تین شفٹوں میں بھی رش کم نہیں ہو رہا میرے سامنے انہوں نے کئی طالب علموں کو واپس لوٹایا ہے سب سے بڑی بات اپنے اسٹاف کے ساتھ بہت مہربان اور احترام بھرا سلوک کرتے ہیں ان کے اس خیال رکھنے والے رویے کی وجہ سے سارا اسٹاف ہی اپنے کام میں بہت فیئر ہے پوری محنت اور لگن سے پڑھاتے ہیں تبھی تو ان کی اکیڈمی طلبا میں مشہور ہوتی جا رہی ہے۔" صبوحی تو کسی ٹیپ کی طرح چلنا شروع ہو گئی تھی پھر اپنی کمائی کا نشہ اپنے فعال ہونے کا احساس اسے دنوں میں خود اعتماد بنا گیا تھا مگر ڈر خوف اور ہراس کے معاملے میں وہ گھر میں صبا سے بھی زیادہ ڈرپوک چوہیا مشہور تھی اور اس واقعے کے بعد تو وہ کئی کئی راتیں ڈر کر چیخیں مارتی ہوئی اٹھ جاتی تھی خود پر اس کا اعتماد بحال ہوتے بہت دن لگ گئے تھے۔

"اللہ انہیں جزا دے ان کا خیال رکھے جو اللہ کے بندوں کا خیال رکھتے ہیں مجبوری کی بات نہ ہوتی تو میں کبھی بیٹی کی کمائی کھانے کا تصور نہ کرتی پرانے وقتوں کی جاہل عورت ہوں نا ماں باپ نے ایک ہی بات گھٹی میں ڈال رکھی تھی کہ بیٹی تن پرایا پالو پوسو مقدور بھر لکھاؤ پڑھاؤ اور اگلے گھر کو چلتا کرو اس کی کمائی کا خیال ہی تازیانے کی طرح لگتا تھا پر اب زمانے بدل گئے ہیں مگر ہم جیسے لوگوں کے لیے بڑی دقت ہے اس بدلتے زمانے کی سوچ کا ساتھ دینے کے لیے' اسی لیے تو جیسے بن پڑا دو بیٹیاں بیاہ ڈالیں وقت کچھ اور مہلت دیتا تمہارے ابا کو تو تمہارا بھی اب تک کر چکی ہوتی باقی ہماری سوچیں سوچیں ہی رہتی ہیں اگر رب منظور نہ کرے تو ــــ بیٹے کی کمائی کو حق برحق سمجھتے ہیں ہم لوگ تبھی تو پہلے حمل سے بیٹے کی خواہش پالنا شروع کر دیتی ہیں اب یہ تو بختوں والوں کے بھاگ۔ جو نیک

بیٹوں کی نیک کمائی کھائیں اللہ کا شکر ہے کمائی لائے نہ لائے آنکھوں کو دل کو سکون تو دے۔" اماں نے دور بیٹھے پڑھتے ہوئے موبی کو دیکھ کر کہا۔

"اماں آج میں تنخواہ لائی ہوں انشاء اللہ جلد ہی موبی بھی لائے گا اور اماں یہ بات تو سمجھ میں آئی نہیں میری کمائی آپ کو طعنے کی طرح لگی اور دوسری طرف آپ صبا کو ڈاکٹر بنانا چاہتی ہے ڈاکٹر بن کر وہ بھی تو کمائے گی نا" اس نے نشو سے اپنی عینک چمکاتی صبا کو شرارت سے دیکھ کر کہا۔

"کمائے سو بار' خلق خدا کی خدمت کرے گی کیا پتا اسی نیک عمل کے صدقہ جاریہ سے ہم جیسے گناہ گار بھی بخشے جائیں۔" اماں کو ابا کے جانے کے بعد صبا سے کچھ خصوصی سا پیار ہو گیا تھا جب بھی اس کی طرف دیکھتیں اسی طرح پیار سے دیکھتیں وہ پہلے والی ڈانٹ پھٹکار تو جیسے وہ بھول ہی گئی تھیں۔

"اماں جانے دیں یہ قوم کی خدمت کا گھسا پٹا مقولہ اب تو ڈاکٹروں کے نام کے ساتھ ڈاکو اور چھرے کے لاحقے لازمی استعمال ہوتے ہیں نیچے دیکھ لیں ڈاکٹر شاہ زیب کی طرف ان کی تو راتیں بھی چاندی ہو رہی ہیں اس پسماندہ علاقے میں ایک کوالیفائی ڈاکٹر کیسے راجہ اندر سمجھا جاتا ہے جو اور جتنے دام منہ سے نکالیں چپ کر کے دے جاتے ہیں اماں اب یہ خلق خدا کی خدمت غریبوں کی ہمدردی سب کتابی باتیں ہیں کیوں صبا؟" وہ یہ سب کچھ صبا کو اکسانے کے لیے کہہ رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں کہوں گی Time will tell" وہ کہتی ہوئی کندھے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی تو صبوحی اور اماں مسکرا دیں۔

☼ ☼ ☼

اس کے ایڈمیشن سے ایک دن پہلے افشین آپی آ گئیں۔ پیارے سے گل گوتھنے رضی کے ساتھ۔ جاوید بھائی انہیں چھوڑ کر شام ہی میں واپس چلے گئے۔

"جاوید رات تو رہتا اتنے عرصے بعد تو آنا ہوا ہے اس کا۔" اماں نے کہا بھی۔

"بس پریشان بہت ہیں آج کل۔" افشی نے کندھے سے لگا کر چھوٹے رضی کو ہلکے ہلکے جھولے دینے شروع کیے۔

"کیوں خیر ہے۔" اماں کے منہ سے جملہ پھسلا اور وہ زبان کی اس بے اختیاری پر بعد میں پچھتائیں بہت۔

"کام جو کوئی نہیں' دبئی روم جانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں تھوڑا بہت ہی پیسہ اکٹھا ہوا ہے وہ بھی چھلے کے دوران خرچ ہو گیا دودھ گوشت کے بغیر گزارا نہیں وہ خود آپ سے بات کرنا چاہ رہے تھے پھر خود ہی کہنے لگے زبان کا بھرم میں کھو دوں اس سے بہتر ہے تم اپنی ماں سے ذرا سہولت سے بات کر لو گی' اماں پلیز چند مہینوں کی تو بات ہے وہ قسمیں کھا رہے ہیں کہ جاتے ہی چاہے انہیں فٹ پاتھ پہ سونا پڑے سب سے پہلے آپ کے پیسے بھجوا دیں گے تو آپ صبا کو داخل کروا دیجیے گا۔"

وہ لجاجت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے فوراً" دل کی بات زبان پر لے آئیں رضی کو پلنگ پر لٹا کر وہ اماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولیں اماں کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہوا! انہوں نے چور نظروں سے پلنگ کے بائیں طرف کی بند الماری کو دیکھا ابھی تھوڑی دیر پہلے صبوحی اکیڈمی سے آتے ہوئے بینک سے رقم نکلوا کر لائی تھی انہیں نہ خود پر بھروسا تھا نہ کسی اور پر صبوحی بارہ ساڑھے بارہ بجے گھر سے نکلتی تھی جاتے ہی اس نے رقم نکلوا کر اپنے بیگ میں رکھ لی تھی اور سارا ٹائم اسے دھڑکا سا لگا رہا مقررہ وقت سے گھنٹے پہلے چھٹی لے کر گھر آ گئی تھی افشی اور جاوید کی وجہ سے اس نے چپکے سے اندر جا کر الماری میں پیسے رکھ کر تالا لگا دیا اور چابی اماں کو دیتے ہوئے باورچی خانے میں آ کر ہولے سے بتا گئی صبح اس نے صبا کے ساتھ میڈیکل کالج جانا تھا ایڈمیشن کے لیے ۔۔۔ ان تینوں ماں بیٹیوں کا خواب کل صبح شرمندہ تعبیر ہونے والا تھا اور اب افشی کا یوں اس خواب سے دستبرداری اختیار کرنے کا فرمائشی انداز' وہ دونوں بھی دروازے کے پاس ہی اماں کا جواب سننے کے لیے کان لگائے ہوئے تھیں۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے میری بیٹی اور جاوید بھی اللہ رکھے کوئی غیر تو نہیں پہلے بھی میرا بچہ تھا اور اب تو تمہارے حوالے سے مجھے اور بھی عزیز ہے پھر روزگار کے مسئلے سے بڑا مسئلہ کیا ہو سکتا ہے' میں تمہاری اور جاوید کی پریشانی سمجھ سکتی ہوں اور مجھے پیسے دینے میں کوئی بے اعتباری بھی نہیں پیسہ تو ہوتا ہی کام آنے کے لیے ہے ہمارے نہ سہی تمہارے کام آ گیا اور چاہے واپس بھی نہ کرتے یہ کون سا کوئی غیروں میں لین دین کی بات تھی گھر کی بات تھی ۔۔۔" اماں کہتے کہتے رکیں۔

"تو ۔۔۔ تو اماں آپ کو کوئی اعتراض نہیں آپ دے رہی ہیں نا پیسے' مجھے پہلے ہی یقین تھا میں تو جاوید کو راستہ بھر کہتی آئی ہوں کہ وہ فکر ہی نہ کریں میری ماں آپ کی ماں جیسی نہیں کہ بیٹے کو یوں بے روزگار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے دیکھ کر سوائے طعنے مارنے کے اور کچھ نہیں کرتی سارا روپیہ زیور غائب کر دیا اور ہمارے دو جی کی روٹی بھی ان پر چند دنوں میں بھاری پڑنے لگی کیا بتاؤں اماں کیسے کیسے دن دیکھ کر آئی ہوں اور ھر جاوید کی بے روزگاری کی وجہ سے۔" وہ آواز بھراتے ہوئے بولیں۔

"پر افشی بچے تجھے پہلے مجھے کہنا چاہیے تھا اصل میں صبا تو آج جا کر ایڈمیشن کے پیسے جمع کروا آئی فارم وغیرہ کل جمع ہوں گے۔" انہوں نے اپنے ہوش میں بلکہ شعور میں پہلی بار اماں کو ایسے دھڑلے سے پکے لہجے میں صاف جھوٹ بولتے سنا۔

اور افشی تو مارے شاک کے چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکیں۔

"کیا ۔۔۔ کیا کہہ رہی ہیں اماں۔" ان کا سکتہ ٹوٹا تو ان کے منہ سے نکلا۔

"آ ۔۔۔ آپ نے تو خود بتایا تھا مجھے پندرہ کو اس کا داخلہ ہے۔" وہ اٹک اٹک کر بولیں۔

"ہاں تو کل پندرہ ہی ہے آج تو صرف داخلے کی رقم جمع کروانی تھی فارم بھر کر اور فارم کل جمع کروانا ہے یہی جمع پونجی تھی جو میں لگا بیٹھی تمہارے مرتے ہوئے باپ کو قول دیا تھا کہ اس کی یہ خواہش جیسے بھی ہو پورا کروں گی اور سچ پوچھو میں تو ہمت ہار بیٹھی تھی ارادہ ہی بدل دیا تھا یہ تو اللہ نے وسیلہ بنایا کہ گھر بھی بل گیا اور تھوڑی بہت رقم داخلے کے لیے بھی بچ گئی حالانکہ ابھی تو بہت خرچے ہیں کتابوں کے پھر فیس اور نہ جانے کیا کیا سوچتی ہوں' جس اللہ نے اب مدد کر دی وہی آگے بھی کوئی وسیلہ بنا دے گا" اماں حتی المقدور لہجے میں معصومیت اور افسردگی سمو کر بولیں کہ ان دونوں کو ہنسی آ گئی۔

"ماں بس مرے ہوئے لوگوں کے ارمانوں کا خیال کرتی رہیے گا یہاں چاہے زندہ قبر میں اتر جائیں مہینے بھر پہلے سے آپ کے کان میں ڈال رکھا تھا پھر بھی آپ نے ایسی بے مروتی دکھائی کہ بسی بسائی بیٹی کا گھر اجڑنے کا خیال بھی نہ کیا اور اس ذرا سی چھپکلی کے خواب پورے کرنے میں مجھے تو بلی چڑھا دیا ایک بار بھی آپ کا دل نہ کانپا اب میری اکیلی جان تو نہ تھی یہ بھی ہے" افشی نے سوئے ہوئے رضی کی طرف اشارہ کیا۔

"اور جو جاوید کا دماغ خراب ہو آپ کی ایسی بے لحاظی پر مرد ہے آخر دھونس دینے پر آ جائے تو یہیں کی یہیں بیٹھی رہ جاؤں میں کیا کر لیں گی آپ دھکے دے کر نکال دیں گی خوب تماشا بنوایا آپ نے میرا۔ آج پتا چلا باپ کے بن ماں باپ کا گھر بھی پرایا ہوتا ہے ابا ہوتے تو ان چند روپوں کا ذرا خیال نہ کرتے جن کے لیے آپ نے مجھے میرے شوہر کی نظروں میں گرا دیا' کیسے بتاؤں گی یہ سب مجھ سے نہ ہو گا پڑی ہوں اب یہیں اوھر ۔۔۔" وہ روتی چلاتی تیز تیز بولتی پیر جھٹکتی اماں کو گھورتی باہر نکل گئیں دونوں جلدی سے وہاں سے ہٹ گئی تھیں ۔اماں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

جس کا اندیشہ ان کے دل کو تھا وہی ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کیسی بھاری کیسی بھیانک اور طویل تھی کہ

کروٹیں بدل بدل کر بھی تمام نہیں ہو رہی تھی۔

اماں تو شاید آدھی رات کے بعد ہی مصلہ اٹھا کر باہر آگئی تھیں کمرے میں گھٹن سی تھی صبا ان کے ساتھ ہی سوئی ہوئی تھی دوسرے پلنگ پر مونی بے سدھ سو رہا تھا صبوحی افشی کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھی۔ نیند تو صبا کو بھی رات بھر ٹوٹی پھوٹی ہی آئی۔

زیرو پاور بلب کی روشنی میں اس نے جلتی آنکھوں سے ٹائم دیکھا تہجد کا وقت تھا وہ اب بھی کبھار اماں کے ساتھ تہجد پڑھ لیا کرتی تھی اور آج تو اس کی زندگی کا سب سے اہم دن تھا اس کا آغاز بھی وہ اپنے رب کو خلوص دل سے یاد کر کے کرنا چاہتی تھی یہ خیال ہی اس کے سست ڈھیلے ڈھالے بدن میں نئی توانائیاں بھرنے کے لیے کافی تھا وہ پل بھر میں بستر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی مونی کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔

وہ وضو کر کے اماں کے برابر کھڑی ہو کر خدا کے حضور حاضر ہو گئی۔

فضا میں کیسا سکون کیسی خامشی تھی کہ دل خود بخود اپنے پیدا کرنے والے کے آگے جھکا جا رہا تھا سکون قلب کے لیے رات کے اس پہر سے بڑھ کر اور کوئی موزوں وقت نہیں ہوتا۔

کچھ یہی حال اماں کا تھا بے حد سکون اور بے نیازی سے وہ ذکر اللہ میں مصروف تھیں ورنہ رات کو جیسے افشی ناراض ہوئی اس نے غصے میں کھانا بھی نہیں کھایا ان سے بات نہیں کی وہ رات بھر چپکے چپکے روتی رہی تھیں مگر اب جیسے گہرا سکون ان کے دل میں موجزن تھا انہیں اس لمحے افشی کی ناراضگی یا غصے کی ذرا فکر نہ تھی۔

پر انہیں کیا پتا ان کا یہ سکون کتنا عارضی ہے اور آنے والی صبح ان کے لیے کتنی بڑی پریشانی کی سوغات لا رہی ہے۔ ہم صرف اپنے لیے اچھا سوچنے پر قادر ہیں جبکہ ہمارے عمل پر قدرت قادر مطلق کے سوا اور کسی کے پاس نہیں۔

بس تھوڑی ہی دیر کے لیے وہ صبا کے ساتھ اوپر چھت پر گئی تھیں چڑیوں کو دانہ ڈالنے اور ہوا خوری کے لیے صبوحی نماز کے لیے اٹھی اور پڑھ کر پھر سو گئی صبح کا وقت یوں بھی غفلت بھرا ہوتا ہے اور غفلت بھی ایسی کہ وہ جاگتے ہوش میں ہوتے ہوئے بھی جیسے غافلوں میں شمار ہو گئیں۔

پتا نہیں کس وقت مونی کے اندر کا شیطان جاگا کس طرح اس نے الماری کی چابی حاصل کی رقم اڑائی اور چمپت ہو گیا۔

"اماں آپ رات کو افشی آپی کو کہہ رہی تھیں کہ پیسے تو ہوتے ہی کام آنے کے لیے ہیں ہمارے کام نہ آئے تمہارے آ گئے ایک ہی بات ہے..... تو پیاری اماں آپ کے کام نہ آئے میرے آ گئے ایک ہی بات ہے..... معاف کر دیجیے گا اور مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کیجیے گا اتنی رقم سے چند دن تو عیش کے گزریں گے اور وہ میں اس شہر میں تو ہرگز نہیں گزاروں گا..... اور بددعا نہ دیجیے گا آخر کو میں بھی آپ کا لخت جگر ہوں اور اگر دے بھی دیں تو اماں ڈارلنگ پروا نہیں' کہتے ہیں ماؤں کی بددعائیں لگا نہیں کرتیں..... اور سچی بات کہوں اماں جی اس پیسے پر میرا حق بنتا بھی ہے دو بیٹیاں دھوم دھام سے بیاہ کر ان کا حق تو آپ نے دے ڈالا برا بھلا..... باقی دونوں کے لیے بھی مجھے پتا ہے کچھ نہ کچھ چھپا رکھا ہو گا نہ بھی ہو تو آپ اپنی لاڈلیوں کو یہ گھر ہی بخش دیں گی میرا حق تو پھر اس معمولی رقم پر ہوا نا ادھر کے بائے اماں پیاری زندگی ہوئی تو پھر ملاقات ہو جائے گی ورنہ ہمیشہ کے لیے بائے....."

وہ رقعہ تھا یا کسی قیامت کا نامہ بر اماں کا جسم تو کھڑے کھڑے جھٹکے کھانے لگا۔ وہ خود تو شاید اس قیامت خیز جھٹکے کو خامشی سے جھیل جاتی مگر اماں کی حالت..... اور دوسرے پل وہ چیخنے لگیں۔

مرغ بسمل کی طرح ان کا جسم کسی ذبح ہونے والے جاندار کی طرح تڑپ رہا تھا۔

جب کسی طرح وہ اماں کو سنبھال نہ سکی تو صبوحی کو پکارنے لگی بلکہ اماں کی چیخوں اور واویلے سے وہ دونوں دوڑتی ہوئی اندر آئی تھیں۔

"کیا ہوا..... اماں کو کیا ہوا..... کیا ہوا ہے انہیں۔"

افشی تو ان کے پھڑپھڑاتے بدن اور منہ سے بہتی رال چھت کی طرف تکی آنکھیں دیکھ کر حواس باختہ ہی ہو گئیں۔

"صبو پانی لے کر آؤ۔" اس نے بمشکل انہیں پلنگ پر لٹایا تھا صبوحی پانی لینے دوڑ گئی۔ مگر ان کی حالت کسی طرح بھی سنبھل نہیں رہی تھی۔

"کہیں کوئی اٹیک ہی نہ ہو جائے جلدی سے ڈاکٹر کو بلاؤ۔" افشی کی بات پر صبوحی ساتھ والے کے گھر فون کرنے دوڑی اور یہ ڈاکٹر شاہ زیب کی کمال مہربانی تھی کہ وہ فون کرنے پر بیس منٹ میں پہنچ گئے۔

"کسی بہت بڑے شاک سے گزری ہیں میں سکون کے لیے انجکشن لگا رہا ہوں سو گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہسپتال لے جانا پڑے گا۔"

ڈاکٹر نے انجکشن لگاتے ہوئے کہا وہ تینوں روئے جا رہی تھیں۔

"مونی مونی کہاں ہے صبا" افشی کو روتے روتے خیال آیا تو وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

اماں کی آنکھیں غنودگی کے اثر سے بند ہونے لگیں تو ڈاکٹر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ اندازا" تین سے چار گھنٹے سوئیں گی انہیں آپ سونے دیں خود سے اٹھیں گی تو اچھی بات ہے میں یہ دوائیں لکھ رہا ہوں منگوا کر اٹھنے پر شروع کرا دیں اور کوشش کریں یہ ریلیکس رہیں میں شام میں دوبارہ آ کر چیک کر لوں گا اس دوران کوئی مسئلہ ہو تو یہ میرا موبائل نمبر ہے اس پر مجھے بتا دیجیے گا۔" ڈاکٹر نے نسخہ پر لکھا موبائل نمبر صبوحی کو دکھایا اور بیگ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

"ڈاکٹر صاحب وہ آپ کی فیس....." صبوحی ساتھ چلتے ہوئے جھجک کر بولی تو وہ مسکرا دیے۔

"آنٹی ٹھیک ہو جائیں تو میں خود مانگ لوں گا بلکہ کرائے سے کاٹ لوں گا ڈونٹ وری یوں بھی ڈاکٹروں کے ساتھ آج کل ڈاکو اور چھرے کا لاحقہ تو لگتا ہی ہے" انہوں نے اتنے معنی خیز انداز میں صبوحی سے کہا کہ وہ ہق دق سی رہ گئی۔

اس شام کیا اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ بیپٹ تک سنی گئی ڈاکٹر صاحب جا چکے تھے اور وہ کھڑی سوچتی رہ گئی۔

"اوہ تو یہ اس ڈرامے کا نتیجہ ہے افسوس صد افسوس سنا تھا چودھویں صدی کے ماں باپ ایسے ہوں گے کہ اولاد کے کلیجے نکال کر کھا جائیں گے پر کبھی بھولے سے بھی نہ سوچا تھا کہ ایسا کبھی دیکھ بھی سکیں گے اور ہماری ماں نے یہ سچ کر دکھایا تف ہے مجھ ایسی اولاد پر جو پھر بھی ان سے بھلائی کی امید لگائے دامن پھیلا کر چلی آئی بھکارن بن کر اور انہوں نے کیا ڈالا میری جھولی میں جھوٹ بے اعتباری دھوکا..... ایسا سفید جھوٹ کہ صبا بی بی کا داخلہ ہو چکا رقمیں جمع ہو چکیں جیسے میں نے کروڑوں مانگ لیے تھے جیسے میں ان کی سگی نہیں سوتیلی اولاد تھی راہ چلتے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھائی ہوئی' ارے میرا تو حق بنتا تھا سینہ ٹھوک کر لے سکتی تھی مانگ سکتی تھی عدالت کا در کھٹکھٹا سکتی تھی ابا پلاٹ چھوڑ گئے تھے دکان کی رقم اماں چٹ کر گئیں اور پلاٹ کی بھی خود ہی ہضم کر لی' صحیح کہا مونی نے ارے ایسی خود غرضی کے آگے تو ایسی ہی بے حسی کا مظاہرہ کرنا چاہیے بہت برا کیا اماں آپ نے میرے ساتھ جھوٹ بول کر کیا سکھایا مجھے جھوٹ دغابازی فریب..... بہت افسوس ہے مجھے بہت افسوس میرے ساتھ ہاتھ دکھایا اور بھول گئیں ایک خدا اوپر بھی بیٹھا ہے جس نے میرے صبر کا جواب دیا یہ..... یہ مونی کا خط مجھے تو شرم آ رہی ہے انہیں ماں کہتے ہوئے۔" وہ خط ہاتھ میں لیے اونچا نیچا لہراتے بے تکان بولے جا رہی تھیں۔

"بس کرو آپی بہت ہو گئی' صد شکر اماں ہوش میں نہیں ورنہ آپ کی یہ بکواس سن کر نہ جانے وہ زندہ بھی رہتیں یا نہیں آخر کوئی حد ہوتی ہے بدگمانی کی بدزبانی کی" صبوحی جیسے پھٹتے ہوئے بولی۔

"بس کرو جادوگرنیوں کٹنیوں تم نے ماں پر جادو کیا ہے تمہارے علاوہ کوئی مظلوم کوئی ہمدردی کے لائق دکھتا ہی نہیں ہم گھر سے کیا گئیں پرائی ہو گئیں کہ انہیں

ٹکے کا بھروسا نہ رہا ہم پر۔" وہ اب بے جھجک چلا رہی تھیں۔

"اور اس کا جواب تو یہ بنتا ہے کہ میں کیس کروں اپنے حق کے لیے اور میں پیچھے نہیں ہٹوں گی بتا دیتا بے شک۔" وہ پیر پٹختی باہر نکل گئیں تو دونوں بے سدھ پڑی اماں کو دیکھتے ہوئے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

اماں نے ان کی زندگی میں ایک ہی جھوٹ بولا جس کا پول بھی رات بھر میں کھل گیا۔

بھرم بھی ٹوٹا اور ہاتھ بھی کچھ نہ آیا۔

صبا تو ان کی پائنتی پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس کے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں اسے ہی نہیں چبھی تھیں اماں کے ہر حوالے کو بھی لہولہان کر گئی تھیں۔

"اماں یہ کیا ہو گیا اماں...." صبوحی اسے زبردستی اٹھاتے ہوئے باہر لے آئی۔

"پلیز اماں کو سونے دو اس وقت انہیں صرف اور صرف آرام اور سکون کی ضرورت ہے بس دعا کرو وہ انہیں تو پہلے کی طرح بھلی چنگی ہوں آدمی دکھ بھی ایک حد تک جھیل سکتا ہے کب اس کے اندر کا آدمی کچھ بھی مزید سہنے سے انکار کر دے کچھ پتا نہیں چلتا وضو کرو اور دو نفل پڑھ کر اماں کی صحت یابی کے لیے دعا کرو اس وقت اماں کی زندگی ان کی صحت سے بڑھ کر ہمارے لیے کچھ بھی اہم نہیں باقی سب جھگڑے اور معاملے تو چلتے ہی رہتے ہیں بس زندگی ہونی چاہیے۔"

صبا کا ہاتھ پکڑ کر وہ غسل خانے تک لے گئی تو صبا کی سمجھ میں بھی یہ اہم ترین نکتہ آ گیا کہ اس وقت اماں کی زندگی سے بڑھ کر کچھ بھی اہم نہیں۔ وہ آگے بڑھ کر وضو کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

شام تک اماں کو ہوش آ گیا تھا۔

مگر یہ کیسا ہوش تھا کہ وہ کچھ بولتی تھیں نہ پوچھتی تھیں بلانے پر بس ٹکر ٹکر ان کی شکلیں دیکھے جاتیں۔

"ڈاکٹر صاحب آتے ہیں تو دوبارہ چیک کرتے ہیں پتا نہیں کیوں اماں کی یہ حالت دیکھ کر میرا تو دل گھبرایا جا رہا ہے۔" صبا گھبرائی گھبرائی سی چپ بیٹھی صبوحی کے پاس آ کر بولی۔

"ہوں آتے ہیں تو اوپر بلا لیں گے آپی جا رہی ہیں واپس۔" وہ دبی آواز میں بولی تو صبا کا چہرہ فق سا ہو گیا افشی صبح سے کمرے میں تھیں ان دونوں کے اصرار منت سماجت کے بعد بمشکل انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا انہوں نے بہتیرا سمجھایا معافی تلافی کی مگر ان کی ایک ہی رٹ تھی اماں نے اس کے ساتھ جھوٹ بول کر بہت برا کیا ہے اس کے اعتبار کا خون کیا ہے وہ اب زندگی بھر ان پر اعتبار نہیں کرے گی انہوں نے سگی ماں ہوتے ہوئے سوتیلی کا برتاؤ کیا ہے اس کے ساتھ۔

"آپی ایسی بات نہیں اماں نے کہا تھا کہ وہ جاوید بھائی کے لیے کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت انتظام کر دیں گی انہوں نے آپ کے کسی اعتماد کا خون نہیں کیا صرف ابا سے کیا وعدہ نبھانے کی کوشش کی اور وہ بھی تقدیر کو منظور نہ ہوا ہمارے تو مقدر میں کوئی خوشی جیسے رہی نہیں اور دکھ ہم ایک دوسرے سے بدظن ہو کر بڑھائے جا رہے ہیں آپی کچھ دکھ آفاقی ہوتے ہیں جو اوپر سے ہمارے بخت میں درج کر دیے جاتے ہیں اور کچھ دکھ زمینی ہوتی ہیں جو ہم انسان دوسرے انسانوں سے روٹھ کر ناراض ہو کر انہیں دکھی کر کے اپنی قسمت میں زبردستی لکھواتے ہیں' آپ بھی پریشان ہیں ہم بھی اماں بھی تو بجائے ایک دوسرے کے دکھ کو سمجھنے یا بانٹنے کی کوشش کرنے کے ہم ایک دوسرے سے خفا ہو کر ان دکھوں میں اضافہ کر رہے ہیں پلیز آپی آپ تو بڑی ہیں دل بھی بڑا کریں اماں کی خاطر" صبوحی نے آخر میں ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے صبا بھی رونے لگی۔

"تم جو بھی کہو مجھے جتنا صدمہ ہوا ہے اس بات سے وہ کسی طرح بھی کم نہیں ہو گا مجھے بس اب جانے دو۔" وہ سامان باندھے بیٹھی اسی اکل کھرے لہجے میں بولیں

"اچھا ٹھیک ہے جائیے مگر اس وقت نہیں صبح اماں کی حالت کچھ سنبھل تو جائے یوں بھی رات سر پر ہے اکیلی کیسے جائیں گی" صبا نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر منت سے کہا تو کچھ سوچ کر وہ چپ ہو گئیں

"یہ اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ہیں بس اسی شاک کے زیر اثر ہیں دوائیں دینا شروع کر دیں اعصابی کمزوری ہے زیادہ انہیں ڈسٹرب نہیں کریں اسی طرح آرام کرنے دیں دو ایک دنوں میں شاک کا اثر کم ہو گا تو خود ہی سنبھل جائیں گی" ڈاکٹر نے شام کو اوپر آ کر اماں کو دوبارہ چیک کرتے ہوئے کہا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

"ڈاکٹر صاحب کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے جو یہ کچھ بول نہیں رہیں جیسے.... جیسے انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"نہیں کوئی سیریس مسئلہ نہیں ہے میں رات تک نیچے ہی ہوں اگر کوئی بات ہو تو آ کر بتا دیں چلتا ہوں میں۔"

وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے چلے گئے تو اماں نے خاموشی سے کروٹ لے لی گویا وہ اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھیں۔ دوسرے دن جاوید بھائی افشی کو لینے آ گئے۔

"اللہ نے غیب سے مدد کی ہے ایک دوست نے پیسے دے دیے ہیں کچھ ایجنٹ سے میں نے بات کر لی کہ باقی کی رقم وہاں جا کر دے دوں گا اس ماہ کی پچیس کو جانا ہے دس دن تو ہیں تم چلو میرے ساتھ میرے جانے کے بعد آ کر رہ لینا۔" پتا نہیں اللہ نے کس کا بھرم رکھا تھا اماں کا افشی کا یا جاوید بھائی کا بہرحال افشی کچھ ناراض کچھ مغرور کچھ دکھی سی شام تک شوہر کے ہمراہ چلی گئیں۔

اماں کی حالت بھی کچھ سنبھل گئی تھی یا داماد کو سامنے دیکھ کر انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا موسمی بخار کا بہانہ کر دیا گیا تھا۔

افشی نے اماں کے دیے ہوئے کپڑے اور بچے کے کھلونے وغیرہ لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

"بڑا شکریہ اماں اس بار جو آپ نے مجھے تحفہ دیا ہے اس کے بعد ان تحفوں کی کیا ضرورت اپنی ان شہزادیوں کے لیے سنبھال کر رکھ لیں ہمارا اللہ مالک ہے اللہ حافظ۔"

وہ بڑے طمطراق سے کہتی ہوئی شوہر کے پیچھے سیڑھیاں اتر گئی تھیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

چوکھٹ کے پاس کھڑی صبا نے اماں کی بڑبڑاہٹ سنی تو اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اماں کا ریکارڈ لگا دیتی مگر اس وقت تو ان کے جھریوں زدہ چہرے پر جتنا دکھ رقم تھا وہ اسے ہی نظر بھر کر پڑھ نہیں سکتی تھی۔

وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

پھر دن اتنی سست روی اور بے زاری سے گزرنے لگے کہ اسے ہر چیز سے وحشت سی ہونے لگی سارا دن کمرے میں پڑی رہتی دیواروں اور چھت کو تکتی رہتی جہاں بیٹھی گم صم سی گھنٹوں بیٹھی رہتی کئی کئی آوازیں دینے پر بھی نہ سنتی۔

کل جاوید بھائی جا رہے تھے اماں کو آنے کے لیے کہہ رہے تھے۔

"پتا نہیں افشی آپی کو کیا ہو گیا ہے بجائے اماں سے ہمدردی کرنے یا ان کا دکھ محسوس کرنے کے مسلسل طعن و تشنیع کیے جا رہی ہیں اور تو اور انجی کو بھی فون کر کے ساری بات مرچ مسالا لگا کے بتا دی دیکھا نہیں تم نے پرسوں وہ آئی تو کیسے طنز کر رہی تھی جیسے اماں اور ہم کسی خزانے پر سانپ بنے بیٹھے ہیں پتا نہیں ان کے دماغوں کو شادی کے بعد کیا ہو گیا ہے کون سا کیڑا ان میں رینگنے لگا ہے جتنی آفتیں ہم پہ اس دوران آئیں اتنے ہی ان کے دل سخت.... ہوتے گئے ہیں شاید اس لیے کہ انہوں نے شادی سے پہلے کوئی دکھ نہیں دیکھا اماں ابا کو طاقتور بارعب اور صحت مند دیکھا اور ہم نے ان دونوں کے دکھ اور تکلیفیں دیکھیں اس لیے ہمارے دل اس قدر حساس ہو گئے ہیں اماں آہ بھی کرتی ہیں تو جیسے میرا دل چھلنی ہونے لگتا ہے حالانکہ پہلے تو ایسا نہیں تھا اور موئی.... اس کا تو معاملہ

ہی سوا ہے پتا نہیں کس مردود کی صحبت میں بیٹھا اور اس کی کایا ہی پلٹ گئی ابھی کیا عمر تھی اور..... تم کچھ بولتی کیوں نہیں" صبوحی جیسے بولتے بولتے تھک سی گئی اور اس کی مسلسل چپ پر اکتا کر بولی۔

"کیا بولوں... صبوحی کل چھبیس ہے" وہ ٹھنڈی آہ سی لے کر بولی۔

"ہاں بتایا تو ہے کل جاوید بھائی جا رہے ہیں کوریا۔"

"اور پرسوں چھبیس ہے نا..... آخری ڈیٹ....." وہ جیسے خود سے کہہ رہی تھی صبوحی پہلے تو کچھ نہیں سمجھی پھر اسے یاد آیا چھبیس تاریخ اس کے ایڈمیشن کی لاسٹ ڈیٹ تھی۔

"پتا ہے صبو جس دوپہر میں میرٹ لسٹ میں اپنا نام دیکھ کر آئی تو مجھے لگا آج سے اس لمحے سے میری زندگی نے ہر کامیابی پر اپنا حق ثابت کر دیا ہے اب کوئی مشکل کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی میں نے اپنے ہر خواب کی تعبیر پائی ایک بے مقصد زندگی کو مقصد مل گیا بلکہ میرے ہونے کا میرے وجود کا مقصد مجھے مل گیا سوچو اگر کسی کو یہ پتا چل جائے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے اسے پیدا کرنے کی وجہ کیا تھی تو سوچو اس دل کی مارے خوشی کے کیا کیفیت ہوگی مجھے لگا اس گرم چمکیلی دوپہر سے خوب صورت سہانی دوپہر میری زندگی میں اور کوئی نہیں آئے گی اور میڈیکل کالج کی عمارت جیسے میری خوابوں بھری نگاہیں تک رہی ہیں اس سے بڑھ کر خوب صورت منظر میری نگاہوں میں اور کبھی نہیں محفوظ ہوگا۔

میں جب بھی کسی بڑے دکھ یا سانحے سے دوچار ہوں گی اس خوب صورت دوپہر اور اس پر شکوہ عمارت کی تصویر ذہن میں لاتے ہی پرسکون شاد کام ہو جاؤں گی..... اور اب پرسوں دوپہر ایک بجے کے بعد میرے کالج کے یہ سارے چمکیلے خواب چور چور ہو جائیں گے اور ان کی کرچیاں صبو ان کی کرچیاں میری بینائی میری بصارت بھی لے جائیں گی میری زندگی کا مقصد مجھ سے چھن گیا اب سب کچھ ختم ہو گیا میرے لیے اس زندگی کی کشش ہر خوشی میرے لیے بے معنی ہو کر رہ گئی سب کچھ ختم ہو گیا سب کچھ۔"

وہ بولتے بولتے ہچکیوں سے رونے لگی اور پتھرئی صبوحی اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی کہ آگے بڑھ کر اسے کوئی دلاسا کوئی جھوٹی تسلی ہی دے ڈالے طمانیت کا کوئی فقرہ کسی ان دیکھی آس کا کوئی ٹوٹا پھوٹا کنارہ ہی اسے تھما دے وہ تو ایسی کشتی میں سفر کر رہی تھیں جس کا نہ کوئی چپو تھا نہ پتوار بس پانی کے بہاؤ پر یہ ڈولتی بہتی کشتی ہچکولے کھاتی لہروں پر جدھر وہ لے چلیں انہیں لے جائے گی کدھر؟ کسی کو نہیں معلوم..... اور جسے معلوم ہونے چلا تھا اپنی کشتی کو سمت دینے کا اختیار اس کے ہاتھ کاٹ دیے گئے کہ اسے بھی اذن سفر مل گیا مگر بے سمت ساحلوں کی جانب۔

اسے یاد ہے ابا کہا کرتے تھے میں نے بہت سالوں پہلے جب میرے بچپن اور لڑکپن نے یتیمی کا بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر بہن بھائیوں کی پرورش کو اپنا نصب العین بنایا تھا اس وقت میں نے دل میں قسم کھائی تھی کہ اپنے بچوں میں سے ایک کو، کسی ایک کو یہ خواب ورثے کے طور پر دے جاؤں گا کہ وہ چاہے جان سے کھیل جائے مگر اس ورثے کا مان رکھے میں ڈاکٹر بننا چاہتا تھا میرا ایک بچہ میرے اس خواب کی تکمیل کا بیڑہ ضرور اٹھائے اور جب بھی ابا جوش میں یہ سب کہتے ننھی صبا دو پونیاں ہلاتے ابا کے بازو سے لٹک کر کہتی ابا میں آپ کا یہ خواب ضرور پورا کروں گی ڈاکٹر صبا انیس کی نیم پلیٹ ابا ہمارے گھر کے دروازے پر ضرور لگے گی آئی پرامس۔

وہ اپنا چھوٹا سا ننھا ہاتھ ابا کے مضبوط بڑے بڑے ہاتھوں میں دیتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہتی تو ابا جیسے خوشی سے نہال ہو جاتے اسے چوم چوم کر پیار کرتے جاتے..... صبا نے اپنا وعدہ نبھایا اور قسمت نے ایک بار پھر ابا جیسے لوگوں کی قسمت میں فقط ہنسی لکھ دی ایک تمسخر بھری ہنسی۔

صبا ابھی بھی رو رہی تھی اور وہ چپ چاپ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

اور باتھ روم سے نکلتے ہوئے اماں نے سب کچھ

سن کر جیسے اپنے اعصاب کو نئے سرے سے نڈھال ہوتے محسوس کیا اور دیوار کا سہارا لیتے ہوئے وہیں زمین پر بیٹھ گئیں۔

"مولیٰ نامراد یہ تو نے کیا کیا، کتنی حسرتوں سے میں نے اپنے مجازی خدا کے خواب کو پورا کرنے کا عہد کیا تھا اور تو نے اس ایک عہد میں بھی مجھے سرخرو نہ ہونے دیا۔" وہ سینہ تھام کر رونے لگیں۔

☼ ☼ ☼

چھبیس تاریخ کی دوپہر کتنی روشن کتنی بھری بھری اور دلنشین تھی..... اس کا اندازہ تو مسرور سی سیڑھیوں پر قدم دھرتی صبا انیس کو ہو رہا تھا اس دوپہر کی خوبصورتی تو پچھلی دوپہر کے حسن سے بھی کئی گنا زیادہ تھی۔

"اماں میری پیاری اماں..... اماں جان یہ دیکھیں رسید ایڈمیشن فارم جمع ہونے کی رسید..... اماں شکریہ تھینک یو اماں آئی لو یو..... اماں آپ نے مجھے زندگی دے دی..... زندگی کی سب سے بڑی خوشی میرے جینے کا مقصد..... اب صبا آپ سے زندگی بھر کچھ نہیں مانگے گی کوئی سوال نہیں کرے گی سچ اماں میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ..... اماں سوچیں ابا کتنا خوش ہوں گے ہے نا۔" وہ اماں کے گلے سے جھولتی جوش، خوشی کے عالم میں بے ربط جملے بولے جا رہی تھی۔

"اور اسی خوشی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے اماں آج نان اور حلیم کو عزت بخشیں ایک بار کھائیں گی تو بار بار فرمائش کریں گی" صبوحی نے حلیم اور نان کی ٹرے اماں کے پلنگ پر رکھتے خوشی بھری چہکار سے کہا۔

"اچھا اب چھوڑ مجھے اور لگی کوئی ماں باپ کو بھی یہ لڑکیوں کی طرح تھینک یو شکریہ بولتا ہے یہ تو بچوں کا حق ہوتا ہے جسے ہم ادا کریں تو کوئی کارنامے کی بات نہیں شکر تو اس رب کی ذات کا جس نے مجھے یہ حق ادا کرنے کی توفیق دی کھانا کھاتے ہی نفل پڑھو شکرانے کے میں تو پڑھ چکی ظہر کے ساتھ" اماں اس کا ماتھا چومتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگائے پلنگ پر آبیٹھیں۔

"اماں مٹھائی کا ڈبہ تو ڈاکٹر شاہ زیب کے لیے بھی ہونا چاہیے جنہوں نے ہماری مدد کی" صبا بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اور اللہ کا شکر ہے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑا اس روز رات کو وہ مجھے دیکھنے نہ آتے اور میں اپنا دل کھول کر ان کے آگے نہ رکھ دیتی تو کسی کے آگے جھولی پھیلانا کتنا مشکل ہے یہ کوئی کسی نادار خوددار سے پوچھے۔"

"اور اماں دو سال ایڈوانس کرایہ دے کر انہوں نے اپنا تو کام پکا کرا لیا اب دو سال تک وہ ادھر ہی ہیں اور اماں آپ کی بالیاں صبوحی کے ٹاپس اور چین میرا لاکٹ..... سب ملا کر اور وہ تھوڑا بہت جو بینک میں بچا تھا بمشکل ایڈمیشن ہو سکا اور جو ہر ماہ کے اخراجات پھر کتابوں کے لیے رقم..... اماں بہت مشکل ہو جائے گی سچ" وہ فکر مند سے لہجے میں بولی۔

"اللہ مالک ہے میں نے سر عبداللہ سے صبح والی شفٹ کے لیے بھی بات کر لی ہے اس کے علاوہ بھی رات کو کچھ ٹیوشنز مجھے مل رہی ہیں دو لڑکیاں ہیں گھر آ کر ہی پڑھا کریں گی یہ پیچھے جو شیخ صاحب ہیں ان کی بیٹیاں" صبوحی نے باہمت لہجے میں گویا انہیں حوصلہ دیا۔

"اور اماں آپ نے میرے لیے ڈاکٹر صاحب سے بات کی" صبا بولی۔

"کی ہے وہ کہتے ہیں ابھی یہ کالج تو جانا شروع کرے پھر اگر ٹائم ملا تو آ جایا کرے کلینک میں، ویسے بھی انہوں نے ہیلپ کے لیے ایک نرس تو رکھی ہی ہوئی ہے اور اس کے علاوہ کچھ سوچ لیں گے اللہ مالک ہے جس نے ہمیں اس قابل جانا ہے کہ اس اتنی بڑی مشکل کو سر کر لیں وہ آگے بھی ہماری مدد کرے گا تم دونوں اب کھانا کھاؤ اور وضو کر کے نماز اور نفل پڑھو وقت تنگ پڑ رہا ہے" اماں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تو دونوں سر ہلا کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

پھر آنے والے دن بہت سبک رفتار مگر بے حد

مصروف ہوتے چلے گئے صبا نے کالج جانا شروع کردیا۔
چند ہفتوں بعد اس نے نیچے ڈاکٹر شاہ زیب کے کلینک بھی جانا شروع کردیا کہ تھوڑی بہت آمدنی کی صورت نکل سکے ابھی تو وہ اگرچہ سیکھنے کے ابتدائی مراحل میں تھی مگر ڈاکٹر صاحب کو شاید ان کے حالات کی تنگی کا احساس تھا وہ اسے ان تین گھنٹوں کے پندرہ سو یا دو ہزار دے دیتے تھے اس کے لیے اس وقت یہ بھی غنیمت تھا مگر اصل بوجھ تو جیسے صبوحی پر آپڑا تھا دونوں شفٹوں میں پڑھانے کے علاوہ گھر آکر بھی ٹیوشن دینا' دنوں میں اس کا منہ اتر گیا تھا۔
اماں دونوں کو یوں دن رات جتے دیکھ کر ایک آہ بھر کر رہ جاتیں۔
"صحیح کہتے ہیں سیانے 'زندگی کو زندگی کے طور پر جینا ہو تو ہاتھ میں علم کا ہتھیار ہو یا کوئی کسب، ہنر پھر ہی بندہ کامیابی سے یہ جنگ جیت سکتا ہے اب تمہاری ماں جاہل بے ہنر ورنہ تم دونوں کے ساتھ میں بھی کچھ کرلیتی تو اتنی شرمندگی تو نہ ہوتی" ایک دن وہ کہہ ہی بیٹھیں۔
"توبہ توبہ اماں آپ کیسی باتیں کرتی ہیں آپ ہی تو ہیں جو آج ہم اپنی چھت کے نیچے سہولت سے علم حاصل کررہی ہیں آپ کی ہمت اور دعاؤں سے اماں ہم یہ سب کررہی ہیں ورنہ تو ابا کے بعد۔۔۔ اور جو کچھ مونی نے کیا۔" صبوحی کی زبان سے پھسلا اور اماں کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا بے شک وہ ان دونوں کے سامنے بڑے ضبط اور صبر کا مظاہرہ کرتی تھیں کبھی مونی کو یاد نہیں کرتی تھیں مگر یہ حقیقت تھی مونی ان کے دل کا دکھتا ہوا پھوڑا تھا جس پر اس کا نام لینے سے بھی پھوٹ پڑنے کا ڈر رہتا وہ ان دونوں کے جانے کے بعد تنہائی میں چپکے چپکے اسے یاد کرکے رویا کرتیں اس کے لیے دعائیں مانگتیں اور سچ تھا وہ ایک دن بھی اس کے لیے بددعائیں نہیں مانگ سکی تھیں وہ ان کی ہزار مناجاتوں کی مانگی ہوئی میٹھی مراد تھی جس کا برا وہ اس وقت بھی نہ چاہتیں اگر وہ ان کو قتل بھی کرڈالتا۔
"یا اللہ تو نے کیوں ماں کے دل کو اتنا نرم اتنا وسیع بنایا کہ ایک عورت کسی دوسرے کی شوہر یا سسرال کی ذرا سی سختی پہ دل میں گہری خفگی پال لیتی ہے اور مرتے دم تک ان دکھوں کو نہ فراموش کرنے کا عہد کرتی رہتی ہے جو اسے ان سے ملے ہوں اور اولاد اسے کوڑے مارتی رہے اور وہ دل کے ظرف کا دائرہ بڑھاتی ہی چلی جاتی ہے" وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر ان کے پاس سے اٹھ آئیں تو دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر کچھ اخذ کرنے کی کوشش کی۔
"جو کچھ بھی ہو اماں کے دل میں جو جگہ مونی کی ہے وہ کوئی نہیں لے سکتا اور پتا ہے وہ اسے بہت مس کرتی ہیں دیکھتی نہیں کتنی کمزور ہوگئی ہیں۔" صبا ہولے سے بولی۔
"ہوں مجھے معلوم ہے پتا نہیں کدھر ہوگا کچھ اتا پتا ہوتا تو شاید۔۔۔" صبوحی بات ادھوری چھوڑ کر چپ کر گئی۔
"کیسا جارہا ہے تمہارا کالج۔" اس نے موضوع بدلنے کو پوچھا۔
"اے ون۔"
"اب تو تم شام کو خاصی لیٹ آنے لگی ہو اتنی تھکی ہوتی ہو پھر نیچے کلینک چلی جاتی ہو اس طرح تو تم اپنی پڑھائی پر توجہ نہ دے سکو گی۔" صبوحی فکر مندی سے بولی۔
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں میں رات میں کسر پوری کرلیتی ہوں پھر ایک بات ہے صبو۔" وہ رک گئی۔
"کیا؟"
"ڈاکٹر صاحب۔۔۔ پتا نہیں کیوں مجھے نیچے کام کرنا اچھا نہیں لگتا پتا نہیں کیوں؟" وہ آہستگی سے بولی۔
"کوئی وجہ تو ہوگی۔"
"بس۔۔۔ پتا نہیں کیوں ڈاکٹر صاحب جیسے دوہری شخصیت کے مالک ہیں نرم دل اور کچھ بے حس یا خود غرض۔۔۔ دوا میں پانی ملا کردیتے ہیں اور انجکشن بھی ۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر جو ان کی اصل آمدن کا ذریعہ ہے وہ پتا ہے کیا۔۔۔" وہ پھر جھجک سی گئی۔

"وہ کیا؟" صبوحی پریشانی سے بولی۔
"وہ ناجائز۔۔۔ اسقاط حمل کے کیس لیتے ہیں اپنی کسی دوست لیڈی ڈاکٹر کے کلینک پہ۔۔۔ بلکہ مجھے کہہ رہے تھے دو تین سال تمہارے مکمل ہوجائیں تو مجھے اس لیڈی ڈاکٹر کا احسان بھی نہیں لینا پڑے گا اتنے سلجھے ہوئے مہذب انسان اور ایسا گھٹیا کام اور پتا ہے اس دن کہہ رہے تھے میں کلینک کسی اور اچھے علاقے میں بھی بنا سکتا تھا مگر اس علاقے میں اس لیے بنایا ہے کہ یہ شہر کے پسماندہ ترین علاقوں میں سے ہے اور ادھر اس طرح کے کیس دوسرے علاقوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور رقم بھی منہ مانگی ملتی ہے مجھے ان کی ذہنیت پر بہت افسوس ہوا تم اماں سے ذکر نہ کرنا۔۔۔ اگر ایڈوانس نہ لیا ہوتا تو اماں سے بات کرلیتے اب تو ہم فی الحال کچھ کر نہیں سکتے۔" صبا کی باتوں نے چند لمحے کے لیے صبوحی کو سن سا کردیا۔
"اور اگر اس دوران کوئی پولیس کیس بن گیا تو ۔۔۔" وہ چند لمحوں بعد بولی۔
"اچھا اب تم پریشان نہ ہو میں اس لیے ذکر نہیں کر رہی تھی اللہ مالک ہے" اگر کوئی اور ذریعہ ہوتا تو تم نیچے جانا چھوڑ دیتیں۔"
"ہوں اچھا میں اماں کو دیکھتی ہوں اندر کیوں چلی گئیں۔" وہ اٹھ کر اندر گئی اور صبوحی جیسے خود کو یقین دلانے لگی کہ وہ جو باتیں بتا کر گئی ہے وہ سچ ہیں۔

☼ ☼ ☼

"اماں گوجرانوالہ گئی ہیں۔" صبا کالج سے لوٹی تو صبوحی نے اسے اطلاع دی۔
"جاوید بھائی سے ملنے۔"
وہ کتابیں رکھتے ہوئے چونکی۔
"کیا مطلب وہ تو کوریا گئے ہوئے ہیں۔" وہ حیرانی سے بولی۔
"کیسا کوریا؟" صبوحی ہنسی "ان کے ساتھ ہاتھ ہو گیا ایجنٹ سارا روپیہ لے کر اڑنچھو ہوگیا اور جاوید بھائی ان کے پانچ ساتھی چوبیس دن تک کسی سرحدی چوکی میں سرکاری مہمان رہے پتا نہیں کوئی نیکی تھی جو حکام کو یقین آگیا کہ زیادتی ان بے چاروں کے ساتھ ہوئی ہے وہ تین دن پہلے گھر آچکے تھے اماں کو صبح ہی پتا چلا تو وہ رو نہ سکیں کہہ رہی تھیں رات تک آجائیں گی اگر نہ آسکیں تو انجی کو فون کردیں تا وہ تم دونوں کے پاس آجائے گی کھانا گرم کروں۔"
"ہوں۔" وہ گم صم سی اسے دیکھ رہی تھی "پتا نہیں برا صرف ہمارے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے اور بھی تو اتنے لوگ ہیں دنیا میں پہلے چانس میں ان کی قسمت کیسے کلک کرتی ہے اور جیک لگ جاتا ہے۔" وہ چند لمحوں بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔
"اور اللہ نے سب انسانوں کی الگ الگ صورتوں کے ساتھ قسمتیں بھی الگ الگ بنائی ہیں اگر سمجھیں گے تو یہ جاوید بھائی کے لیے بڑا سبق ہوگا اب تو باہر جا کر بھی وہ حالات نہیں کہ فقط محنت مزدوری کرکے دو چار سالوں میں اپنے قدم جمالیں گے وہاں مسلمان اور خصوصاً" پاکستانی کتنے مشکوک حالات کا سامنا کر رہے ہیں پھر جو نووارد ہو انہیں تو یہ کرنا ہی نہیں چاہیے تھا اتنے پیسوں سے ادھر کوئی چھوٹا موٹا کام کر لیتے تو عزت بھی بنتی اور پیسہ بھی ہاتھ سے نہ جاتا تم کپڑے بدل لو میں کھانا لارہی ہوں پھر مجھے بھی اکیڈمی جانا ہے بڑی مشکل سے بیچ کے یہ دو گھنٹے ملتے ہیں آنے کے لیے۔" صبوحی کہتی ہوئی چلی گئی تو صبا فوری طور پر اٹھ نہ سکی۔
"یہ وہی صبو ہے جسے اماں زمانے بھر کی کام چور اور ہڈ حرام کہا کرتی تھیں کام سے بچنے کے لیے ہم دونوں کیسے گھر کے کونے کھدروں میں چھپتی پھرتی تھیں اور اب کیسے سینہ تان کر اس نے ہر ذمہ داری کا بوجھ اٹھالیا۔

اوہ۔۔۔ صبو کو تو بتایا نہیں" کسی نئی سوچ سے اس کا چہرہ چمک اٹھا وہ جلدی سے کپڑے اٹھا کر غسل خانے میں چلی گئی۔
"صبو یہ دیکھو" کھانے کے بعد لال ہوتے چہرے کے ساتھ اس نے انگلش اخبار اس کے آگے کیا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ اخبار لے کر دیکھنے لگی۔
"A new ray of light"۔" اس نے پڑھا "صبا انیس" اب کے اسے جھٹکا سا لگا۔
"یہ۔۔۔ یہ۔" وہ بے یقینی سے آرٹیکل کو دیکھتی اور کبھی صبا کے سرخ چہرے کو۔
"یہ میں نے آرٹیکل بھیجا تھا اور سچی رتی برابر یقین نہیں تھا کہ یہ چھپ بھی جائے گا میری انگلش کب اتنی اچھی ہے ابھی' پھر بھی انہوں نے تھوڑی سی تصحیح کے بعد لگا دیا' ہائے میں نے کالج میں دیکھا تو پھر تو مجھ سے کوئی کلاس نہیں لی جا رہی تھی میں نے اخبار کے آفس فون بھی کیا انہوں نے اور بھی تعریف کی اور مزید لکھنے کو کہا اور بتا ہے اس کا معاوضہ بھی ملے گا دیکھو اللہ نے میری سن لی میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہ رہی تھی میں نے بہت دعا مانگی تھی کہ اللہ کوئی اور وسیلہ بنا دے جاہے چھوٹا سا ہی اور بن گیا' پڑھو یہ سب میں نے لکھا ہے مجھے خود پڑھ کر یقین نہیں آ رہا۔"
وہ پرجوش انداز میں چمکتی نظروں اور سرخ چہرے کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"ونڈر فل زبردست' دیکھا جب انسان کچھ کرنے کا تہیہ کر لیتا ہے اور بالکل فیئر انداز میں کام کرنا چاہتا ہے تو پھر اللہ کیسے کیسے غیبی طریقوں سے اس کی مدد کرتا ہے یہ سب تمہاری نیک نیتی مضبوط ارادے اور اماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے مبارک ہو بہت" صبوحی پرخلوص لہجے میں مبارک دیتے ہوئے اسے گلے لگا کر بولی۔
"اور تم جیسی پیاری بہن کی ان تھک محنت اور پرخلوص محبت بھی تو شامل ہے میرا نصیب بننے میں۔" وہ جواباً اس کے پیار بھرے خلوص سے متاثر ہو کر بولی۔

"نصیب کا لکھا تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے باقی مددگار تو سب وسیلے ہوتے ہیں بے چارے مدد کرنے پر مجبور میں اب چلتی ہوں اخبار ساتھ لیے جا رہی ہوں کسی کلاس کے دوران ٹائم ملا تو دیکھوں گی ورنہ گھر آ کر رات کو سکون سے پڑھوں گی دوسرے اپنے کولیگز میں ذرا شو ہی ماروں گی بھئی آج سے ہمارے گھر کا ایک ممبر بھی لکھاریوں میں شامل ہو گیا ہے۔" وہ اخبار تہہ کر کے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے بولی تو صبا کھل کر مسکرا دی۔
"ابھی تو اماں کو بھی یہ خوشخبری سنانی تھی انجی اور افشی آپی کو بھی افشی آپی تو شاید خوش نہ ہوں وہ آج کل اتنی پریشان جو ہوں گی پتا نہیں بے چارے جاوید بھائی پہ کیا گزری ہو گی اب اماں خیر سے لو میں پہلے ہی وہ اتنی پریشانیاں جھیل رہی ہیں اب کوئی مسئلہ نہ ہو۔" صبوحی کے جانے کے بعد وہ اپنے لیے چائے بناتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اور مسئلہ تو پیدا ہو گیا تھا جاوید بھائی کی نوکری یا روزگار کا ورنہ افشی کا ادھر آ کر بیٹھ جانا لازمی تھا اماں ان دنوں بھی بہت پریشان تھیں۔
"پتا نہیں کیوں ایک دن کا بھی سکون نہیں' ایک مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ دوسرا پیدا ہو جاتا ہے اللہ ہمارے گناہ معاف کرے۔" اماں اب جاوید بھائی کے روزگار کے لیے مختلف قسم کے وظیفے کر رہی تھیں۔
یونہی باتوں میں ایک دن اماں نے ڈاکٹر صاحب سے اس مسئلے کا ذکر کر دیا وہ انہیں تسلی دینے لگے کہ آپ فکر نہ کریں اللہ مالک ہے افشی اگلے ہفتے آ رہی تھیں اور اب کے ان کا قیام کتنا طویل ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کسی کو بھی نہیں تھا۔
"اماں جی میرے ایک دوست کی فیکٹری ہے لاہور گوجرانوالہ روڈ پر اسے اکاؤنٹنٹ کی ضرورت ہے میں نے اسے فون کر دیا ہے آپ کل اپنے داماد کو بھیج دیں۔"
ڈاکٹر شاہ زیب نے ایک بار پھر انہیں زیر بار کر دیا وہ تو تشکر کے مارے کچھ بول ہی نہ سکیں۔
اور جاوید بھائی کو نوکری مل بھی گئی کوریا جانے والا سبق یقیناً بہت بڑا تھا کہ وہ اب مزدوری کرنے پر بھی تیار تھے۔ افشی آئیں اور ہفتہ رہ کر چلی گئیں۔
"اماں جاوید کو کھانے کی دقت ہوتی ہے پھپھو تو اب پکا بھی نہیں سکتیں شوگر سے سارے جسم پر آگ کے قریب جاتے ہی الرجی ہو جاتی ہے انہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کر دیجیے گا اور سچی بات کہوں اماں" وہ آنکھوں میں چمک بھر کر سرگوشی والے انداز میں بولیں۔
"اتنے ہمدرد اتنے خیال رکھنے والے ہیں ذرا ان کی فیملی کے بارے میں تو ٹوہ لیجیے آپ۔" وہ کسی خیال کے تحت بولیں۔
"ماں باپ ہیں نہیں خود اکلوتا تھا آٹھ سال پہلے شادی کی تھی پہلی زچگی کے دوران کوئی پیچیدگی ہو گئی بیوی اور بچہ دونوں ہی فوت ہو گئے دوبارہ شادی کا خیال نہیں آیا۔ اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا پہلی بار میں سب صاف صاف بتا دیا تھا۔" اماں نے تفصیل بتائی۔
"تو پھر ٹھیک ہے" آپ چند ماہ دیکھ کر میں تو کہتی ہوں صبوحی کے لیے خود سے بات کر لیں ایسا لائق قابل اور خیال رکھنے والا داماد آپ کو اور کہاں ملے گا"
افشی کی بات پر اماں چپ سی کر گئیں۔
"چلیں دیکھیں گے ابھی تو ہم خود اس کے مقروض ہیں قرض اترے گا تو کچھ سوچیں گے پھر ایسی باتیں لڑکی والے خود سے کریں تو اچھا نہیں لگتا۔" اماں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔
"جانے دیں اماں اب کون سا زمانہ ہے ان آؤٹ آف فیشن باتوں کو سینے سے لگانے کا۔" وہ ناک چڑھا کر بولیں۔
"اچھا دیکھیں گے۔"
"ایسا رشتہ ہاتھ سے نکل گیا تو پچھتائیں گی میری بات یاد رکھیے گا۔" وہ جاتے جاتے بھی کہنا نہ بھولیں
۔

پھر انجی آ گئی اس کی اگلے ماہ ڈلیوری تھی۔
اماں افشی کو پہلے بچے کی دفعہ گھر نہ لانے کے طعنے نہیں بھولی تھیں اس لیے انجی کو مہینہ بھر پہلے لے آئیں اسی بہانے عامر بھائی بھی آنے لگے جس پر صبا اور صبوحی دونوں کڑھنے لگیں۔
اب اگرچہ حالات بدل چکے تھے اور عامر بھائی کی

ایک خبطی سی لڑکی کی کہانی
وہ خبطی سی دیوانی سی
آسیہ سلیم قریشی کا ایک ایسا ناول جو خواتین ڈائجسٹ میں قسط وار چھپا اور بے حد مقبول ہوا' آج بھی ہر لڑکی' ہر خاتون یہ ناول پڑھنا چاہتی ہے'
اب کتابی صورت میں چھپ گیا ہے
مجلد، خوبصورت سرورق، قیمت 400 روپے
خواتین ڈائجسٹ
اردو بازار کراچی
ملنے کا پتا
○ مکتبہ عمران ڈائجسٹ اردو بازار کراچی
● لاہور اکیڈمی، 205 سرکلر روڈ بیرون اردو بازار، لاہور

نظروں کا انداز بھی مگر جو میل ان کی طرف سے ان دونوں کے دل میں آچکی تھی وہ کسی طور صاف ہونے والی نہیں تھی اگرچہ انجی کے حوالے سے وہ ان کا بہت احترام کرتی تھیں مگر دل سے عزت؟ یہ کام مشکل تھا۔

دوسرے مہینے انجی کے ہاں بیٹی ہو گئی جس پر عامر بھائی کا موڈ آف ہو گیا۔

"میرے بھائیوں کے سبھی دوستوں کے ہاں پہلی بار میں بیٹا ہی ہوا ہے ایک میرے ساتھ ہی نرالا ہوا ہے" ان کا موڈ ہی ٹھیک نہیں ہو رہا تھا انہوں نے بچی کو دیکھا تک نہیں ان کی والدہ اور بھائی بھابی بھی بس کھڑے کھڑے آئے اور انجی کی خیر خیریت پوچھ کر چلے گئے۔

اس کے بعد عامر بھائی نے پورے ڈیڑھ ماہ میں تین چکر لگائے وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے۔

"ایسے لوگ جو دوسروں کی بیٹیوں کو میلی نظروں سے دیکھیں اپنے گھر بیٹی ہو جائے تو صدمے سے ان میں کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رہتی بزدل لوگ۔" یہ صبوحی نے ایک دن یہی بات کہہ ہی ڈالی اور صبا اس کی بات کی تردید بھی نہ کر سکی۔

گھر میں انجی اور اس کی بیٹی کی وجہ سے کام بہت بڑھ گیا ان دونوں کو جو تھوڑا بہت فارغ وقت ملتا اب وہ بھی نہیں ملتا تھا ابھی اس نے نیچے کلینک میں جانا نہیں چھوڑا تھا ڈاکٹر صاحب نے اس کی تنخواہ بھی بڑھا دی تھی اور اپنا التفات بھی جو اسے ذرا بھی اچھا نہیں لگتا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ ابھی اخراجات پورے کرنے کے لیے یہ نوکری اس کی مجبوری تھی اب تو یوں بھی میڈیکل کا دوسرا سال تھا اس کی پڑھائی کا شیڈول خاصا ٹائیٹ ہوتا جا رہا تھا اسے یہ تین گھنٹے نکالنا بھی مشکل لگتا انجی چلی گئی تو جیسے کتنی مصروفیت کم ہو کر رہ گئی اب اسے پڑھنے کو بھی کافی ٹائم مل جاتا۔

اس روز وہ کالج نہیں گئی تھی اور بیٹھی پڑھ رہی تھی جب اماں ہانپتی کانپتی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئیں ان کے چہرے کا رنگ اڑا جا رہا تھا۔

"صبا دروازہ بند کر لو میں ابھی آتی ہوں۔" وہ اسے کچھ بھی بتائے بغیر چادر اور اپنا پرس اٹھا کر الٹے قدموں سیڑھیوں کی طرف مڑ گئیں۔

"اماں کہاں جا رہی ہیں کچھ بتا کر تو جائیں۔" وہ گھبرا کر ان کے پیچھے لپکی۔

"میں بس ابھی آئی آ کر بتاتی ہوں نیچے گیٹ کی چابی ہے میرے پاس تم اوپر سے بند کر لو" وہ کچھ بھی کہے بغیر سیڑھیاں اتر گئیں۔

صبا پلٹ کر انہیں کھڑکی سے دیکھنے لگی وہ تیز قدموں سے جا رہی تھیں۔

"پتا نہیں کہاں گئی ہیں ابھی کون آیا تھا کہ اماں نیچے دیکھنے گئیں اور ــــ" وہ پریشان ہو کر ٹہلنے لگی۔ اس کی پریشانی زیادہ دیر تک نہ رہی تھوڑی دیر میں نیچے رکشا کی آواز آئی وہ دوڑ کر کھڑکی میں گئی۔

اماں کسی کو سہارا دے کر رکشا سے اتار رہی تھیں۔

"کون ہے؟ اماں کے ساتھ" اس کا دل دھڑکا۔

وہ من من کے قدموں کو گھسیٹتی ہوئی نیچے اتری اور گیٹ کھول کر اماں کے ساتھ سہارا دے کر اس مردہ حال نیم جان مونی کے ڈھانچے کو گھسیٹ کر اوپر لے آئی۔

"نشے کی زیادتی اور خوراک کی کمی نے اس کے اندر کا سارا نظام بالکل کھوکھلا کر دیا ہے اب اس کے اندر کچھ بھی نہیں میں آپ کو کوئی زیادہ امید نہیں دلا سکتا" شام کو ڈاکٹر شاہ زیب کے چیک اپ کے بعد کہے گئے الفاظ نے ان تینوں کے جسموں سے جیسے روح کھینچ لی۔

وہ اتنا عرصہ دل میں اس حقیقت سے نظریں چرائے یہی سوچتی رہتی تھیں کہ وہ زندہ ہو گا اور ٹھیک ہو گا انہیں تو پتا ہی نہیں تھا وہ ان کے پاس اس حال میں پہنچے گا کہ اس کے بدن میں سانسیں بھی شاید گنتی کی بچی ہوں گی۔

"ڈاکٹر صاحب جیسا بھی علاج جس طرح کا بھی علاج ہو میں کراؤں گی چاہے مجھے یہ گھر بیچنا پڑے آپ کسی اور ڈاکٹر کا بتا دیں جو ایسے مریضوں کا علاج کرتا ہو۔" کہتے ہوئے اماں پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"اماں آپ تو بہت حوصلے والی ہیں اتنی بڑی بڑی مصیبتیں جھیل گئیں اسے بھی ایک امتحان سمجھیں زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے ہم صرف دوا کر سکتے ہیں یا دعا۔ وہ آپ کیجیے میں اس سلسلے میں کچھ کرتا ہوں جو میرے بس میں ہے۔" ڈاکٹر شاہ زیب نے ایک بار پھر اس مشکل کی گھڑی میں ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

اماں رونے لگیں کبھی بستر پر پڑے اس ڈھانچے کو دیکھتیں اور کبھی ڈاکٹر شاہ زیب کو دعا اور دوا تو بعد کی بات تھی وہ تو انہیں رات تک بچتا محال نظر آ رہا تھا اور جہاں سے وہ اسے اٹھا کر لائی تھیں تعفن زدہ گندے نالے کے کنارے سے اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں اور اس کے گرد کیڑے رینگ رہے تھے وہ دو دن سے ادھر اس طرح پڑا تھا ارد گرد کوڑے اور گندگی کے ڈھیر اور ان پر منڈلاتے چیل گدھ کوے خارشی کتے اور مریل بلیاں، پتا نہیں خدا نے کس فرشتے کو بھیجا جس نے اس حال میں بھی اسے پہچان لیا اور گھر آ کر اطلاع کی۔

"شاید اسے میری نظروں کے سامنے رخصت ہونا تھا اس لیے۔" ان کے دل نے چیخ کر کہا تو وہ اپنی چیخوں پر قابو نہ رکھ سکیں۔

☼ ☼ ☼

اور پھر کوئی معجزہ تھا یا ماں کی دعاؤں کی طاقت کہ ایک مردے میں اللہ نے جان ڈال دی دو ماہ دس دن بعد اس نے اماں کو اور بہنوں کو پہچان کر آنسو بہائے تھے تکیے سے ٹیک لگا کر چمچے سے یخنی پی تھی۔

"اماں مجھے معاف کر دیں اماں میں بھٹک گیا تھا شیطان نے مجھے کہیں کا نہ رہنے دیا اور اس نشے نے اماں جیتے جی مجھے آپ سے اپنی بہنوں سے اور گھر سے دور کر دیا میں گلیوں میں نالیوں میں رلتا رہا ہوں پیسے ہونے کے باوجود میں دو دو دن کچھ نہیں کھاتا تھا صرف انجکشن اور پڑیا، پتا نہیں اماں یہ کیسا زہر ہے کہ نہ مارتا ہے نہ جینے دیتا ہے بس اندر ہی اندر کسی اندھیرے میں اتارتا جاتا ہے اماں یہ کیسی غفلت ہوتی ہے نہ اپنے بدن کا ہوش نہ روح کا پتا نہ دل کی خبر ــــ اماں یہ کیا ہے؟ اور اس سب کے بعد میں زندہ بھی کیوں ہوں میں کیسے آپ لوگوں سے نظریں ملاؤں اماں مجھے معاف نہ کرنا میں معافی کے قابل نہیں ــــ" وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور اماں تو اسی گھڑی اس کا ہر گناہ ہر جرم بخش چکی تھیں جس گھڑی نالے کے پاس کسی مردار کی طرح پڑا اسے دیکھ چکی تھیں۔

صبا اور صبوحی نے بھی اسے دل سے معاف کر دیا وہ زندہ سلامت لوٹ آیا تھا اور اب توبہ کے بعد تائب ہونے کا ارادہ بھی رکھتا تھا تو انہیں اور کیا چاہیے تھا انہیں اس پر ہمیشہ غصہ آیا تھا نفرت کبھی نہیں ہوئی تھی اور غصہ تو آتا ہی اتر جانے کے لیے ہے سو ان کا غصہ بھی اتر چکا تھا۔

"تم بس اس ذلیل نشے کو ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرو ہمیں تم سے اور کچھ نہیں چاہیے بس تم خود سے عہد کرو" صبا نے اس کے روکھے بالوں کو سلجھاتے ہوئے کہا۔

"وعدہ ــــ وعدہ کرتا ہوں تم سے نہیں خود سے۔" وہ اب نقاہت کے مارے ہانپنے لگا تھا اماں نے اسے لٹا دیا اب تو اچھے دن پاس آ ہی گئے تھے سو بے قراری کیسی؟ اماں شکرانے کے نوافل ادا کرنے چل دیں۔

☼ ☼ ☼

صبا کا تھرڈ ایئر ختم ہوا تھا اور وہ آج کل فارغ تھی جب ایک بار بلکہ ایک زمانے کے بعد خوشیوں نے ان کا در کھٹکھٹایا اماں کا اور اس کا خیال تھا سر عبداللہ کوئی پینتیس پچاس برس کے ہوں گے جن کی نرم مزاجی کے گیت صبوحی گاتی رہتی ہے وہ تو محض پینتیس برس کے نکلے اور بڑے اعتماد اور شائستہ انداز میں انہوں نے اماں سے صبوحی کا ہاتھ مانگ لیا۔

"میری والدہ میرے بچپن میں فوت ہو گئی تھیں والد اور چھوٹا بھائی تھا میرا تعلق مظفر آباد سے ہے ایک

سال پہلے والد کا انتقال ہو گیا تو بھائی کو بھی میں ادھر ہی لے آیا رشتہ دار اور کوئی ہے نہیں سوائے ایک چچا کے وہ کچھ خفا ہیں، مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتے تھے اور ان کی بیٹی..... وہ کہیں اور دلچسپی رکھتی تھی اس کے کہنے پر میں نے چچا سے انکار کر دیا تو بس، ویسے میں کسی دن انہیں بھی لے آؤں گا آپ تسلی رکھیں۔" انہوں نے آہستہ آہستہ بتاتے ہوئے جیسے اماں کی تسلی کرا دی۔

"اصل میں بیٹا میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کم از کم دو سال کہ بیٹی کو بیاہنے کے لیے....." اماں متذبذب سا ہو کر بولیں ورنہ سامنے بیٹھے وجیہ خوبرو پڑھے لکھے رشتے کو ٹھکرانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

"اماں جی آپ سوچ لیں مجھے بھی کوئی جلدی نہیں اور مجھے آپ کی سلجھی ہوئی میچور سوچ والی بیٹی کے سوا جہیز وغیرہ کچھ نہیں چاہیے۔" انہوں نے فوراً" کہا تو اماں ہلکا سا مسکرا دیں۔

اور یہ حسن اتفاق تھا یہ کیا کہ اسی رات ڈاکٹر شاہ زیب نے اماں سے صبا کے لیے اپنے رشتے کی بات کر ڈالی اماں کا کمزور دل تو جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

"ابھی تو اس کے دو سال باقی ہیں آپ کو تو پتا ہے۔" ان کی آواز کی کپکپاہٹ خود ان پر بھی عیاں تھی۔

"میں صرف آپ سے ذکر کر رہا ہوں ارادہ میرا بھی ایک دو سالوں میں ہی کرنے کا ہے۔" وہ اطمینان سے بولے۔

"میں صبا سے بات کیے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتی۔" اماں نے فوراً" کہا سر عبداللہ کے آنے پر انہوں نے صبوحی کے چمکتے چہرے اور شرمیلی مسکان سے اس کی پسندیدگی کا اندازہ لگا لیا تھا جبکہ صبا کی بات اور تھی۔

"آپ رائے لے لیں صبا کی۔" وہ اسی پرسکون لہجے میں بولے۔

"اب معین کیسا ہے۔"

"الحمدللہ بہت بہتر اب تو اٹھ کر چلتا پھرتا ہے خود سے کھاتا پیتا ہے آج تو بازار جا کر سبزی بھی لے کر آیا بلکہ ہفتہ بھر سے باہر بھی جانے لگا ہے اللہ کا شکر ہے۔" اماں تشکر بھرے لہجے میں بولیں۔

"پھر بھی خیال رکھیے گا جسم تو اس کا توانا ہو چکا ہے ہو رہا ہے مگر روح ابھی بھی بہت کمزور ہے اور قوت مدافعت اس سے بھی زیادہ اور میرے خیال میں اب اسے کسی نشہ چھڑانے والے سینٹر کی ممبرشپ دلوانی چاہیے وہ کچھ دن اسے پاس رکھ کر اس کی قوت مدافعت بہتر کریں گے میں کل آپ کو اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گا" وہ جاتے جاتے کہہ گئے تو اماں ایک بار پھر مشکور نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"اماں آپ کو یاد ہے وہ بات" وہ رات دونوں اماں کے پاس ہی بیٹھی تھیں کہ صبوحی بولی اماں نے صبا سے ڈاکٹر صاحب کے رشتے کی بات کی تو وہ چپ کر گئی۔

"کون سی بات؟"

"وہ اماں....." وہ جھجک کر صبا کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ خالہ اماں والی جو وہ جاتے جاتے اپنے بیٹے کے لیے..... انگوٹھی دے گئی تھیں۔" صبوحی کی بات پر اماں کو جیسے چپ سی لگ گئی کتنی دیر ان سے کچھ بولا نہیں گیا۔

"اماں۔" صبوحی نے ان کا ہاتھ ہلایا۔

"ہوں بھائی کو دودھ دے آئی۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولیں ان کی نظریں صبا کی جھکی ہوئی لرزتی پلکوں پر تھیں۔

"یاد ہے میں کیسے بھول سکتی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولیں۔

"اور وہ انگوٹھی..... میرے خیال میں اس سارے کرائسز میں وہ کہاں بچی ہو گی۔" وہ ہولے سے بولی تو اماں اٹھ کر اپنی الماری میں کچھ ڈھونڈنے لگیں۔

تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد وہ مڑیں تو ان کی ہتھیلی پر وہی انگوٹھی جگر جگر کر رہی تھی۔

"اماں یہ آپ کے پاس ابھی بھی ہے" صبوحی کے حلق سے چیخ نکلی۔

"تمہاری ماں خائن نہیں ہے صبو اور جو میں اس انگوٹھی کو استعمال میں لے آتی تو عبیدالرحمٰن کی بات سچ ثابت کر دیتی کہ مہمانداری کا معاوضہ وصول کر لیتی ایسی کمینی تو نہیں تھی میں۔" وہ کہتے ہوئے افسردہ سی پلنگ پر بیٹھ گئیں صبا ایک دم سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

صبوحی اور اماں کچھ دیر باتیں کرتی رہیں پھر وہ بھی لائٹیں بجھا کر سو گئیں۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب سرہانے ہونے والی کھٹر پٹر پر ان کی آنکھ کھلی ہر طرف مکمل خاموشی تھی "کوئی چوہا ہو گا۔" انہوں نے سر جھٹکا شاید آدھی رات کا ٹائم تھا جو پھر سے نیند غالب آ گئی وہ تہجد کے لیے بھی دیر سے اٹھیں۔

اور مونی کا خالی بستر دیکھتے ہی ایک دم سے ان کا دھیان اس کھٹر پٹر کی طرف چلا گیا۔ انہوں نے جلدی سے لائٹ آن کر دی۔

"صبا مونی کہاں ہے، مونی۔" وہ بے قراری سے آوازیں دیتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

مونی کہیں بھی نہیں تھا۔

"اماں وہ انگوٹھی....." صبوحی سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

انگوٹھی ان کے سرہانے کے نیچے سے غائب تھی اماں وہیں نیچے بیٹھتی چلی گئیں۔

"مونی اللہ کرے تو اب تجھے کبھی نہ ملے تو نے جیتے جی یہ داغ بھی میری پیشانی پر لگا دیا بددیانتی کا....." وہ سر پکڑ کر سینے پر دوہتڑ مار کر بولیں۔

صبا چوکھٹ کے پاس کھڑی آنسو پیتی رہی پھر روتی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی۔

"مونی....." اماں نے کیسی فریاد حلق سے نکالی تھی اور رات کے گھور اندھیرے میں انگوٹھی مٹھی میں دبائے بڈیوں کی چٹخن سے مجبور مونی اندھا دھند بھاگتے ہوئے کسی گاڑی سے ٹکرایا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

وقت کی سوئیاں جیسے چار سال پیچھے بھاگنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

رکشا کی ونڈ اسکرین پر بارش کی ننھی ننھی بوندیں پھسل پھسل کر گر رہی تھیں برستی بارش میں تیزی آ رہی تھی اور شام کی گہرائی میں بھی اور اس کی آنکھوں کے آگے چھاتی دھند میں بھی۔

وہ چاہ کر بھی اپنے بائیں جانب نہیں دیکھنا چاہتا تھا وہ اپنے پہاڑ جیسے حوصلے والی ماں کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا یا اپنے آنسو اپنی ماں سے چھپانا چاہ رہا تھا۔

گاڑی پورے چار گھنٹے لیٹ تھی۔

اور ویٹنگ روم جیسے کسی برف خانے کا کوئی حصہ تھا۔

"کہہ رہے ہیں شاید گاڑی رات بھر نہ آئے۔" اس جملے نے ان دونوں کی رہی سہی طاقت بھی نچوڑ لی۔

(آخری حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

☼ ☼

زی ٹی وی کا مشہور پروگرام
کھانا خزانہ
نیا ایڈیشن
سنجیو کپور
خوبصورت تصاویر کے ساتھ
حسین و خوبصورت گیٹ اپ
قیمت صرف =/225 روپے
ملنے کا پتا:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی

عطیہ انعام الحق

سالوں لگ گئے بے اختیاری

چلتے چلتے وہ تھک چکی تھی اسی لیے سپیدے کے درخت سے ٹیک لگا کر آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھنے لگی۔

"میں پاگل ہوں جو اکیلا باتیں کر رہا ہوں۔" حسن جھنجلایا۔

"کل تم میرے ساتھ گھر چلنا علی تمہیں ہر روز یاد کرتا ہے۔" اس کے سامنے کھڑا وہ کہہ رہا تھا۔ اسے پتا تھا حسن جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کے دو سال کے بیٹے کو اس زندہ لاش سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ بچے ہمیشہ ہنستے مسکراتے چہروں کو پسند کرتے ہیں اور وہ تو ہنسنا

مکمل ناول

بھی بھول گئی تھی۔

"عالیہ بھی تمہارا پوچھ رہی تھی۔" اس نے ایک اور جھوٹ بولا۔ وہ یہ سب اسے بولنے پہ اکسانے کے لیے کر رہا تھا لیکن وہ خالی خالی نظروں سے ابھی تک آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر کی ہدایت پر وہ بہت اصرار کر کے اسے باہر لایا تھا۔ عرصے بعد اس نے باہر کی دنیا دیکھی تھی۔ خوش گوار موسم اور پارک کی رونق نے بھی اس کے موڈ پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔

حسن نے تاسف کے ساتھ اس کے ملگجے لباس اور بکھرے بالوں کو دیکھا۔ وہ کتنی بری طرح بکھری تھی حسن اسے سمیٹ لینا چاہتا تھا لیکن اس کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہو رہی تھیں۔

"نینا!" اس نے پکارا اور پہلی بار اس نے حسن کو دیکھا تھا حسن ذرا سا مسکرایا۔

"کوئی تو بات کرو۔" وہ چاہتا تھا وہ اپنے جذبات ان

لوگوں سے شیئر کرے لیکن وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔ حسن اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ تمہاری وجہ سے ماموں جان کتنے پریشان ہیں ان کی صحت بہت خراب ہو رہی ہے پلیز تم ـــ" وہ جو ایک پتھر کو ٹھوکریں مارتا ہوا بول رہا تھا حیران رہ گیا۔ نینا نے اچانک بھاگنا شروع کر دیا۔

"مظہر رکو میری بات سنو۔" وہ پاگلوں کی طرح پارک کے بیرونی گیٹ کی طرف اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔

"مظہر رکو' اللہ کے لیے رک جاؤ۔" اس کا اسکارف نیچے گر چکا تھا۔ لوگ حیرت کے ساتھ مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے وہ ہر کسی سے بے خبر روتی ہوئی بھاگ رہی تھی۔ سڑک کے کنارے پڑے پتھر سے ٹھوکر لگنے پر وہ بری طرح زمین پر گر گئی۔ وہ اٹھ کر دوبارہ بھاگنا چاہتی تھی لیکن حسن نے پکڑ لیا۔

"کیا ہو گیا ہے؟" اس پر جھکا وہ اس لمحے لوگوں کی حیران اور سوالیہ نظروں سے سخت شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

"حسن وہ ـــ" اس نے گیٹ کی طرف دیکھا وہاں مظہر نہیں تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"اٹھو گھر چلتے ہیں۔" حسن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بار بار بے یقینی سے بیرونی گیٹ کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے اس نے مظہر کو دیکھا تھا لیکن اب وہاں وہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"یار مجھے بھوک لگی ہے۔" زارا نے ٹیبل بجاتا

شروع کردیا۔

اسی وقت گرم بھاپ اڑاتے سموسے اور ٹھنڈی بوتلیں ان کی ٹیبل پر آگئیں سب سے پہلے زارا نے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔

"اوہ یاد آیا میں تم لوگوں کے کارڈ لے کر آیا تھا۔ اگلے ہفتے ایشاع کی شادی ہے اور مظہر بھابھی نے آرڈر دیا ہے کہ تم کل ہی ہماری طرف شفٹ ہو جاؤ۔" دانیال نے فائل میں سے شادی کے کارڈ نکال کر ان کی طرف بڑھائے۔ اگلے ہفتے اس کی بہن کی شادی تھی۔ مظہر اکثر ان کی طرف جاتا رہتا تھا اس لیے دانیال کے ابا بھابھی اور بھائی سب اس کے منتظر رہتے۔

"مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے اس لیے میں ابھی نکل رہا ہوں۔" پیپسی کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے اس نے اپنا کارڈ اٹھایا اور کھڑا ہو گیا۔

"سر زید کی کلاس نہیں لینی۔" نیمنا نے یاد دلایا تو مظہر نے نفی میں سر ہلا دیا اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک غائب ہو باقی دلچسپی سے اپنا کام کر سکیں۔

"میں بھی ساتھ چلوں گا۔" دانیال جلدی جلدی سموسہ ختم کرنے لگا۔

"تو ٹھیک ہے ہم بھی آج ہی شادی کے لیے شاپنگ کر لیتے ہیں۔" زارا اور نیمنا بھی کھڑی ہو گئیں۔

"ہنی آؤ تمہیں بس اسٹاپ تک چھوڑ دیں۔" مظہر نے ہانیہ کو آفر کی وہ دوپٹا درست کرتے ہوئے ان کے ساتھ کینٹین سے باہر نکلی۔ زارا نے ذیشان کے ساتھ کہیں باہر جانا تھا اس لیے "جلدی کرو" کی رٹ لگا رکھی تھی۔ وہ سننے والے کب تھے۔ چاروں کی شاپنگ میں کافی وقت لگ گیا۔ زارا کا غصے سے برا حال تھا۔

"آئندہ کبھی تم لوگوں کے ساتھ آنے کی غلطی نہیں کروں گی۔" گاڑی سے باہر اترتی شام کو دیکھتے اس نے اعلان کیا۔

"ایز یو وِش۔" اس کے برابر پچھلی سیٹ پر بیٹھے دانیال نے کندھے اچکائے مظہر نے میوزک لگا دیا۔

مجھے عشق ہے تم ہی سے میری جان زندگانی
تیرے پاس میرا دل ہے میرے پیار کی نشانی

"بند کرو اس بکواس کو۔" زارا چلائی۔ مظہر نے مسکراتے ہوئے فل والیم کر دیا۔

میری زندگی میں تو ہے میرے پاس کیا کمی ہے

"مظہر!" اسے غصہ آ رہا تھا۔ وہ تینوں بھی ساتھ ساتھ گانے لگے۔

جسے غم نہیں خزاں کا وہ بہار تو نے دی ہے
میرے حال پر ہوئی ہے تیری خاص مہربانی

وہ مزے سے گا رہے تھے اور ساتھ ساتھ مسکرا رہے تھے۔ زارا نے باری باری تینوں کو گھورا پھر ہنسنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"میں چاہتا ہوں وہ میرے ساتھ دبئی چلے، ہو سکتا ہے ماحول کی تبدیلی اس پر اچھا اثر ڈالے۔" توقیر صاحب کاروباری سلسلے میں باہر جاتے رہتے تھے وہ نیمنا کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ یہی ڈاکٹر کا بھی مشورہ تھا لیکن وہ راضی نہیں تھی۔

"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

"تم اسے سمجھاؤ تمہاری بات تو مان لیتی ہے۔" انہوں نے حسن کو بلایا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ انہیں کیسے بتاتا کہ جب من خالی ہو جائے تو پھر باہر کے موسم اور حالات اثر نہیں کرتے۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ٹھہر گئی۔ کارپٹ پر بے شمار کارڈز، پرفیومز، جیولری، سوکھے پھول، کپڑے بکھرائے وہ ایک کنگن سے کھیل رہی تھی، وہ جانتا تھا یہ سب چیزیں کس نے دی تھیں۔

"کیا ہو رہا ہے؟" لہجے کو بمشکل خوش گوار بناتا وہ اندر چلا آیا لیکن نیمنا نے اس کی طرف نہیں دیکھا وہ بار بار کنگن کو پہن اور اتار رہی تھی۔ حسن اس کے سامنے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ وائٹ سلیولیس تنگ سی

شرٹ پر جگہ جگہ لگے ہوئے داغ بتا رہے تھے کہ اس نے کئی دن سے لباس نہیں بدلا۔ الجھے بال کمر اور کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ حسن کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے اسے پھر سے پہلے والی نیمناں توقیر بنا دے۔ جس کے حسن، جس کی ڈریسنگ سے ہر کوئی متاثر رہتا تھا جس کے ہونٹ ہر وقت مسکراتے رہتے تھے۔ جس پر ایک زمانہ رشک کرتا تھا اور بہت سے لوگ اس کی خوش قسمتی سے حسد کرتے تھے۔

"نیمناں!" حسن نے پکارا لیکن وہ اسے دیکھے بغیر کنگن کو اپنی کلائی میں گھماتی رہی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" وہ رو پڑا۔ وہ ابھی بھی اس کنگن سے کھیل رہی تھی جو مظہر نے اس کی سالگرہ پر ٹھیک دو سال پہلے اسے اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔

☼ ☼ ☼

لشکارے مارتی بلیک لینڈ کروزر کو پارکنگ ایریے میں پارک کر کے سن گلاسز لگاتی وہ گاڑی سے نیچے اتری۔ حسبِ معمول بہت سے لوگوں نے مڑ مڑ کر اس حسن کی دیوی کو دیکھا تھا جو ہر کسی سے بے نیاز گردن اکڑائے چل رہی تھی۔ لیمن کلر کی قمیص اور گلے پر آف وائٹ دھاگے کا نفیس سا کام ہوا تھا۔ آف وائٹ دوپٹا لاپروائی سے کندھے پر ڈالے، لمبے بال پشت پر کھلے چھوڑے، ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ وہ ہر کسی کی نظروں کا مرکز تھی۔

دروازہ دوسری ہی بیل پر کھل گیا۔ مظہر دروازے میں کھڑا اسے ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اب کیا نظر لگاؤ گے؟" وہ شوخ ہوئی تو مظہر نے مسکراتے ہوئے اندر آنے کا راستہ دیا۔

"تمہیں پتا ہے کہ پاپا ویک اینڈ میرے ساتھ گزارتے ہیں پھر بھی تم نے بلا لیا۔" موبائل اور ہینڈ بیگ سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ مظہر اس کے سامنے سنگل صوفے پر ٹک گیا۔

"میں اداس ہو گیا تھا۔"

"بہت خوب۔" وہ ہنسنے لگی۔

"آج لنچ ساتھ کریں گے۔"

"لیکن پاپا اکیلے ہیں گھر پر۔" اسے توقیر صاحب کی فکر تھی جو صرف ویک اینڈ پر ہی ملتے تھے۔ ہفتے کے باقی دنوں میں ان سے کم ہی ملاقات ہوتی وہ بزنس کے سلسلے میں بہت مصروف ہوتے اور نیمناں ان کی مجبوری سمجھتی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں سننا بس ہم اکٹھے کھانا کھائیں گے اور کھانا تم بنا رہی ہو۔"

"کیا!" اس کی فرمائش پر وہ مسکرائی۔

"ہاں، بریانی بنانی آتی ہے؟"

"ٹھیک ہے کیا یاد کرو گے۔" وہ کچن میں آ کر فریج کا جائزہ لینے لگی۔ فریج میں سے گوشت نکال کر سنک پر رکھا اور پیاز نکالنے لگی۔ اس نے بالوں کا جوڑا بنانا چاہا لیکن مظہر نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"تمہیں پتا ہے مجھے کھلے بال اچھے لگتے ہیں۔"

آنکھوں میں بے پناہ محبت لیے اس کے سامنے بیٹھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نیمناں مسکراتے ہوئے مسالا نکالنے لگی۔ اسی وقت باہر کا دروازہ کھلا آنے والے زارا اور دانیال تھے۔

"ہمیں یقین تھا لیلیٰ مجنوں کے پاس ہو گی۔" زارا نے کہا وہ دونوں ہنسنے لگے۔

"یار دانی تم یہ ڈپلیکیٹ چابی میرے حوالے کر دو کافی ڈسٹرب ہوتا ہوں تمہاری بے وقت انٹری کی وجہ سے۔" مظہر نے برا سا منہ بنا کر کہا تو دانیال نے زوردار مکا اس کی کمر پر دے مارا زارا اور نیمناں ہنس رہی تھیں۔ مظہر کے فلیٹ کی دوسری چابی دانیال کے پاس ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ جب چاہتا آ جاتا۔

"تم کیا کر رہی ہو؟"

"بریانی بنا رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر چاول بھگونے لگی۔

"ہاں جلدی سے بناؤ اور مظہر تم آئسکریم لے آؤ۔" اسے آرڈر دے کر دانیال کچن سے باہر نکل گیا۔

"تم بازار سے چیزیں لے آؤ میں سلاد بنا لوں گی۔" نیمناں نے کہا۔

"فریج میں شامی کباب پڑے ہیں وہ بھی فرائی کرلینا۔"

اسے ہدایت دیتا وہ باہر چلا گیا۔

"اس وقت تم دونوں مستقبل کے امی ابا لگ رہے ہو۔" زارا نے اسے چھیڑا وہ گھور کر رہ گئی۔ زارا باہر دانیال کے پاس چلی گئی تو اس کی بات پر نیناں بے اختیار مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

شدت عشق خیر ہو تیری
کیسے عالم میں لا کر چھوڑ دیا

قدرے ویران سی سڑک کے کنارے گاڑی سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دیے وہ زور زور سے رو رہی تھی۔ اسے گئے دو سال ہو چکے تھے۔ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ پاگل ہو چکی تھی۔ لیکن وہ نہیں مل رہا تھا جسے دیکھنے کے لیے اس کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔

کسی نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ نیناں نے چونک کر دیکھا دھندلا سا عکس نظر آنے پر اس نے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔ اس کے سامنے سفید لباس میں سرخ بال اور سرخ داڑھی والے کوئی بزرگ کھڑے تھے۔ ان کے چہرے کا اطمینان اور مسکراہٹ بہت خوب صورت تھی۔ ان کی شخصیت میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ نیناں احتراماً کھڑی ہو گئی۔

"کیا نام ہے؟" وہ بہت محبت سے پوچھ رہے تھے۔ نیناں بے اختیار ان کا نورانی چہرہ دیکھے گئی۔

"کیا کھو گیا ہے؟" پہلے سوال کا جواب نہ پا کر وہ دوسرا سوال پوچھنے لگے اس سوال کو سن کر اس کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہنے لگے۔

"وہ جو اس ساری دنیا میں میرے لیے اہم تھا وہ کھو گیا ہے۔"

"مسلمان ہو؟" انہوں نے نیناں کی ریڈ سلیولیس شرٹ اور بلیک جینز کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ نیناں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مسلمان ایسے کبھی نہیں روتا وہ اپنے رب کی رضا میں ہمیشہ راضی رہتا ہے تب بھی اس کا شکر ادا کرتا ہے جب خوش ہوتا ہے اور تب بھی راضی رہتا ہے جب وہ اپنے بندے کو آزماتا ہے۔" بات کرتے ہوئے وہ وہیں سڑک کے کنارے بیٹھ گئے نیناں ان کے سامنے خشک مٹی پر ہی بیٹھ گئی۔

"دکھ اور غم میں صبر کرنا چاہیے اس کی مدد مانگنی چاہیے۔" ان کے چہرے پر بہت دلکش مسکراہٹ تھی۔

"میں کیا کروں کیسے صبر کروں مجھے سکون ہی نہیں ملتا میری بے چینی اور دکھ ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔" وہ پھر آنسو بہانے لگی۔ بابا جی نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"دلوں کا سکون اور چین اس کی یاد سے ملتا ہے' جب بندہ اپنے مالک سے غافل ہو جاتا ہے تا تو بے سکونی اندر ڈیرے ڈال دیتی ہے' سب کچھ پا کر بھی دل مطمئن نہیں ہوتا جب تک مالک سے غافل رہے۔" ان کی بات نے پہلی بار نیناں کو شرمندہ سا کر دیا۔

"نماز پڑھا کرو' قرآن پڑھا کرو' درود پاک پڑھا کرو اس کے نام اور کلام میں بڑی برکت ہے۔"

"تو کیا مجھے سکون مل جائے گا؟" وہ بے یقین تھی۔

"وہ اپنی طرف آنے والے اپنے بندے کو مایوس نہیں کرتا کیونکہ اسے اپنے ایک بندے سے ستر ماؤں جتنا پیار ہے ایسا پیار جس کے لیے اچھے اور برے کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔"

"میں بہت بری ہوں بابا جی اپنی اب تک کی زندگی میں کبھی اس کا شکر ادا نہیں کیا۔۔۔" وہ شرمندہ تھی اس کا لہجہ بھیگ گیا۔

"تو کیا ہوا اس کی رحمت ہر گناہ پر بھاری ہے تم اس کے سامنے جھکو تو سہی وہ معاف کر دے گا۔" بابا جی نجانے کیا کیا جتا رہے تھے وہ ایک نئے راستے پر چل پڑی۔

☼ ☼ ☼

وہ توقیر صاحب کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ابھی چھ برس کی تھی جب اس کی ماں کی ڈیتھ ہوئی اس کی پرورش گورنس کے ہاتھوں ہوئی لیکن توقیر صاحب نے بھی

اسے بہت پیار دیا۔ وہ زیادہ تر اپنے بزنس میں مگن رہتے تھے۔ نیناں کی بے پناہ خوب صورتی اور دولت نے اسے ہر دل عزیز بنا رکھا تھا۔ باپ کے علاوہ اس کی پھوپھو تھیں اور ان کا بیٹا حسن جو توقیر صاحب کے ساتھ بزنس چلا رہا تھا۔

ہانیہ سے اس کی دوستی بچپن میں ہوئی۔ ہانیہ مڈل کلاس سے بی لانگ کرتی تھی۔ میٹرک کے بعد کالج میں ہانیہ کو لانے والی وہی تھی۔ کالج میں ان کی دوستی زارا سے ہوئی۔ زارا بھی اس کی طرح اپر کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔ زارا کے والدین نے اپنی اکلوتی اولاد پر کوئی توجہ نہیں دی۔ جس کی وجہ سے وہ بھی ان سے بہت دور تھی۔ ہنس مکھ' شوخ اور بے باک سی زارا یزدانی کا مزاج ویسا ہی تھا جیسا بڑے گھرانے کی بگڑی ہوئی اولاد کا ہونا چاہیے۔ بی کام میں انہیں دانیال مل گیا۔ دانیال کی ان سے دوستی کی وجہ ہانیہ تھی۔ وہ بھی ہانیہ کی طرح درمیانے طبقے سے تھا اور پھر وہیں ان چاروں کی دوستی سید مظہر علی شاہ سے ہوئی۔ وہ ان کے ڈپارٹمنٹ کا خوب صورت ترین لڑکا تھا۔ اس کی خوب صورتی اور دولت نے بہت سی لڑکیوں کو اس کا دیوانہ بنا رکھا تھا۔ اس کی دنیا نیناں توقیر تک محدود تھی۔ وہ لاہور کے پوش علاقے میں اپنے ذاتی فلیٹ پر رہتا تھا۔ اس کا تعلق سندھ کی کسی سید فیملی سے تھا۔ وہ اس کے بارے میں اتنا ہی جانتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان کی دوستی مضبوط ہوتی چلی گئی۔

مظہر اور نیناں کی محبت سے وہ سب واقف تھے۔ نیناں کی کلاس میں ایسے تعلقات کو برا بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ زارا کو ذیشان سکندر نامی عام سے لڑکے سے اچانک ہی محبت ہو گئی اور اس کا زیادہ وقت اس کے ساتھ گزرنے لگا۔ زارا کے والدین کو اس بات پر اعتراض تھا وہ کئی بار اسے روک چکے تھے۔ خود وہ چاروں بھی اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کر چکے تھے لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔

اس نے چند دنوں میں ذیشان کو نیچے سے اوپر پہنچا دیا تھا۔ زبردست فلیٹ گاڑی اور ملازمت نے ذیشان کو زارا کا دیوانہ بنا رکھا تھا۔

دانیال کو ہانیہ سے محبت تھی اور وہ اظہار بھی کر چکا تھا لیکن ہانیہ نے اسے بتایا کہ وہ بچپن ہی سے انگیجڈ تھی۔ یوں دانیال کی خاموش محبت اس تک محدود تھی باقی سب بے خبر تھے۔ وہ سب ایم بی اے کے آخری سال میں تھے۔

☼ ☼ ☼

اس کے بدلتے ہوئے رویے نے توقیر صاحب اور حسن دونوں کو خوش کیا تھا۔ اب اس کا زیادہ وقت قرآن پاک اور درود پاک پڑھنے میں گزرتا تھا۔ وہ باقاعدگی سے نماز پڑھنے لگی۔ اس نے اپنا لباس بھی بدل لیا تھا۔ ایک بار پہلے بھی اس نے لباس بدلا تھا۔ مظہر کو اس کا مغربی لباس پسند نہیں تھا اس نے خود

خواتین ڈائجسٹ کا
نیا ناول
آرزو نکھر آئی
(آسیہ سلیم قریشی)
قیمت =/400 روپے
بذریعہ رجسٹری منگوانے کے لیے
=/430 روپے روانہ کریں۔
ملنے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی

نیناں کو بہت سی شلوار قمیص خرید کردی تھیں۔ لیکن اس کے بعد وہ پھر سے جینز اور شرٹس پہننے لگی تھی۔ اب پھر اس نے مغربی لباس چھوڑ دیا تھا وہ دوپٹا اوڑھنے لگی تھی۔ وہ ہر روز عصر کی نماز کے بعد باہر جاتی تھی پھر مغرب سے پہلے اس کی واپسی ہوتی۔

اسے زندگی کی طرف واپس آتا دیکھ کر انہوں نے شادی کی بات کی جسے اس نے ٹال دیا۔ حسن بھی اب شادی پر زور دے رہا تھا اور یہ ایک ایسی بات تھی جس کے لیے وہ خود کو رضامند نہیں کر سکی۔

"پاپا چاہتے ہیں میں شادی کر لوں۔" وہ اپنی ہر مشکل بابا جی سے شیئر کرنے لگی تھی۔ وہ ساری باتیں یاد ہیں جو اس نے پچھلے دو سال سے کسی سے نہیں کی تھیں۔ دل کی ہر بات کہہ دینے سے اس کا غم کچھ کم ہوا تھا۔ "تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔" بابا جی کی بات پر وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔ اسے ان سے اس بات کی توقع نہیں تھی وہ تو اس کے ماضی سے واقف تھے۔

"اللہ کے بعد والدین کا اولاد پر سب سے زیادہ حق ہوتا ہے۔"

"اگر وہ لوٹ آیا؟" اسے ابھی بھی آس تھی۔

"اس کے معاملات میں دخل اندازی کون کر سکتا ہے وہ وہی کرتا ہے جو ہمارے لیے بہتر ہوتا ہے تم اس کی رضا میں راضی رہو' ہونا تو وہی ہے جو مالک نے لکھ رکھا ہے ہمارے رونے یا ہنسنے سے کیا ہوگا۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔" اس نے پیپل کے موٹے تنے سے ٹیک لگا لی۔

"تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے باپ کو خوش رکھو اس کا تم پر سب سے زیادہ حق ہے والدین کی نافرمانی ایک ایسا گناہ ہے جس کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں ملتی ہے تم اپنے والدین کو خوش کرو گی تو اللہ راضی ہوگا۔"

"اللہ راضی ہوگا۔" وہ بڑبڑائی۔

اور پھر تقدیر نے اس سے وہ فیصلہ خود ہی کروا لیا۔ تقدیر کا لکھا کب ٹل سکتا ہے۔ تقدیر کے اپنے ہی کھیل ہوتے ہیں ضروری تو نہیں کہ جسے چاہا گیا ہو اسے اسی چاہت کے ساتھ پا بھی لیا جائے۔

وہ گھر لوٹی تو ملازم نے بتایا کہ توقیر صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا ڈرائیور انہیں ہسپتال لے گیا ہے۔ اس نے فوراً" حسن کو فون کیا اور جلدی سے ہسپتال پہنچی۔

توقیر صاحب آئی سی یو میں تھے۔ وہ کوریڈور کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھی بے تحاشا روتی ہوئی دعا مانگ رہی تھی۔ اسے اپنے مہربان' شفیق اور بے حد محبت کرنے والے باپ کی تکلیف بہت دکھ دے رہی تھی۔

"اللہ ایک بار پاپا کو تندرستی دے دے میں کبھی انہیں پریشان نہیں کروں گی۔" اس نے دل میں عہد کیا۔

توقیر صاحب کو آئی سی یو سے روم میں شفٹ کر دیا گیا وہ ابھی تک ہوش میں نہیں تھے۔ وہ ان کے پیروں پر سر رکھ کر بلک بلک کر روئی۔ اس کی وجہ سے اس کے پاپا کتنے کمزور ہو گئے تھے۔ حسن نے کتنی دفعہ اسے احساس دلایا کہ توقیر صاحب اس کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ کتنی دفعہ وہ اس کے سامنے روئے تھے لیکن اسے ہوش کب تھا۔ وہ تو ایک شخص کے پیچھے پاگل ہو رہی تھی۔ اسے اپنے دکھ اور غم کے سامنے کچھ نظر ہی کب آتا تھا۔

حسن اسے زبردستی گھر لے آیا۔

"ماموں جان کو ہوش آیا تو کیا حال ہوگا ان کا تمہیں یوں دیکھ کر تم فریش ہو جاؤ' کھانا کھا لو پھر چلتے ہیں۔" حسن کی بات پر وہ اس کی طرف آ گئی ویسے بھی وہ اس کی بات مان لیتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی انجانے میں ہی سہی اس نے حسن کو بہت دکھ دیا تھا۔ نہا کر اس نے عالیہ کے کپڑے پہن لیے۔

"حسن کہاں ہے؟"

"ہسپتال سے فون آیا تھا وہیں گئے ہیں۔" علی کو دلیہ کھلاتے ہوئے عالیہ نے لاپروائی سے بتایا۔

"خیر تو ہے نا؟" اس کا دل گھبرانے لگا۔

"سب ٹھیک ہے تم بیٹھو میں کھانا لاتی ہوں۔" اس کے دکھ کے باعث شاید عالیہ ذرا سا مسکرائی تھی کہ وہ جائے نماز بچھا کر شکرانے کے نفل پڑھنے کو

وقتی طور پر اس کے پاپا خطرے سے باہر تھے اور حسن نے فون کر کے بتایا تھا کہ انہیں ہوش آگیا ہے۔ وہ ان کے پاس جانے کے لیے بے چین تھی لیکن حسن خود ہی گھر چلا آیا۔

"ماموں جان چاہتے ہیں کہ تمہارا نکاح کر دیا جائے میں نے انہیں سمجھانا بھی چاہا لیکن وہ ضد کر رہے ہیں۔" وہ دعا مانگ کر اٹھنے ہی والی تھی جب حسن نے اس کے پاس بیٹھ کر اطلاع دی۔

"اتنی جلدی کس بات کی ہے؟"

"ماموں جان اپنی زندگی میں تمہیں کوئی مضبوط سہارا دینا چاہتے ہیں۔"

وہ کیسے انکار کر دیتی ابھی اپنے باپ کی صحت یابی کی دعا مانگتے ہوئے تو اس نے اپنے رب سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں کبھی دکھ نہیں دے گی۔

"ذیشان پچھلے ڈیڑھ سال سے ہماری فیکٹری میں مینیجر ہے اچھا انسان ہے' اکیلا ہے ماموں جان اس سے تمہاری شادی دھوم دھام کے ساتھ کرنا چاہتے تھے لیکن اب۔۔۔" حسن نجانے کیوں رو پڑا۔ نیناں خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی وہ نیناں کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"مجھے پاپا کے پاس لے چلو حسن۔" اس کی آواز کپکپانے لگی۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔ ذیشان اور مولوی صاحب حسن کے ساتھ ہی آئے تھے۔ اسی وقت عالیہ' حسن اور ملازمین کی موجودگی میں اس کا نکاح ہو گیا۔ اس نے ذیشان کو نہیں دیکھا تھا اور دیکھنا بھی کیوں تھا؟ دل نے جس کا ساتھ بہت شدت کے ساتھ چاہا تھا جب وہی نہیں تو پھر کوئی بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے۔

"حسن مجھے پاپا کے پاس لے چلو۔" اس کا دل بہت زیادہ گھبرا رہا تھا۔ وہ فوراً" توقیر صاحب سے ملنا چاہتی تھی ان سے مل کر ان کے سینے میں منہ چھپا کر بہت سا رونا چاہتی تھی۔

"ہاں چلو۔" حسن کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں مولوی صاحب کو چھوڑنے کی ذمہ داری ڈرائیور کو سونپ کر وہ گاڑی کا لاک کھول رہا تھا جب عالیہ بھاگتی ہوئی پورچ میں آئی۔

"حسن' انکل کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" نیناں زمین پر ڈھے گئی۔

✲ ✲ ✲

ٹی وی لاؤنج خالی تھا وہ اس کے بیڈ روم میں چلی آئی۔ واش روم سے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر سامنے دیوار پر لگی اپنی تصویروں کو دیکھنے لگی۔ سامنے کی ساری دیوار اس کی بے شمار ان لارج تصویروں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اسے مظہر کی دیوانگی پر ہنسی آ رہی تھی۔ اسی وقت وہ تولیے سے بالوں کو رگڑتا باہر نکلا۔

"تم ہمیشہ دیر کرتے ہو۔" نیناں نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

"اقبال ہمیشہ دیر سے آتا ہے۔" کہتے ہوئے اس نے گیلا تولیہ نیناں کے اوپر پھینک دیا اور خود ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تم کبھی نہیں سدھرو گے۔" تولیہ واش روم میں لٹکاتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم آجاؤ گی تو سدھر جاؤں گا۔"

"تم سدھر ہی نہیں سکتے۔" وہ بیڈ شیٹ ٹھیک کرنے لگی۔

"آکر تو دیکھو۔" بالوں میں برش پھیرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اس نے شیشے میں نظر آتا نیناں کا عکس دیکھا۔

"دیکھ لیں گے اب نکلو دیر ہو رہی ہے۔" وہ اس کے پاس آ گئی۔ وہ جو پرفیوم لگا رہا تھا اس پر بھی پرفیوم چھڑکنے لگا۔

"پاگل ہو تم۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹی مظہر ہنسنے لگا۔

"اگر پریڈ مس ہوا تو میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" اس کا موبائل' والٹ اور اپنی چیزیں لے کر وہ تیزی سے باہر نکلی۔

"پہلے کب آپ نے چھوڑا ہے۔" دروازہ لاک

کرتے ہوئے مظہر نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ شیفون کے رائل بلیو کلر کے سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ نیناں مسکراتی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ گاڑی مظہر ڈرائیو کر رہا تھا۔

"یہاں صبح صبح بہت ٹریفک ہوتی ہے۔" نیناں کو کالج پہنچنے کی جلدی تھی۔ نجانے کیوں مظہر نے رات کہا تھا کہ صبح وہ اس کے ساتھ چلے گا۔ اس کی فرمائشیں انوکھی ہی ہوا کرتی تھیں۔ اشارے پر ان کی گاڑی رکی تھی۔

ان کے برابر آ کر رکنے والی گاڑی توقیر صاحب کی تھی۔ ایک لمحے کے لیے ان کی نظر مظہر اور اس کے ساتھ بیٹھی نیناں پر پڑی تو وہ چونک گئے۔

☼ ☼ ☼

اس کی سالگرہ تھی۔ حسن نے اسے فون پر وش کیا تھا۔ اس نے کالج سے چھٹی کر لی کیونکہ پھوپھو اور حسن گھر آ رہے تھے۔ توقیر صاحب بھی گھر پر تھے۔ دوپہر کا کھانا، شام کی چائے ان کے ساتھ پی کر وہ مظہر کے فلیٹ پر چلی آئی۔ زارا اور دانیال کے ساتھ وہاں ذیشان بھی تھا اور وہ لوگ بار بار اسے بلا رہے تھے۔

رات کا کھانا مظہر نے کھلایا تھا۔ آئس کریم کھا کر وہ لوگ دیر تک سڑکوں پر گاڑی گھماتے رہے۔ گاڑی میں تیز میوزک بج رہا تھا۔

ان کے ساتھ یادگار شام منا کر وہ رات ساڑھے بارہ بجے واپس آئی اسے چھوڑنے مظہر ہی آیا تھا۔

"تم اندر نہیں آؤ گے؟"

"نہیں۔" وہ اترنے لگی تو مظہر نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"ابھی رکو۔" اس کا لہجہ اور آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارتا پیار کا سمندر دیکھ کر نیناں پلکیں جھکا گئی۔ گاڑی میں بالکل خاموشی تھی۔ اسٹریٹ لائٹس کی روشنیاں بند شیشوں سے اندر آ رہی تھیں۔ باہر دور تاریک آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔

اس کا ہاتھ چھوڑ کر مظہر نے کوٹ کی جیب سے سرخ مخملی کیس نکالا اسے کھول کر نیناں کی طرف بڑھا دیا۔ اس میں پڑا کنگن نیناں نے ہاتھ میں لے لیا۔ گولڈ کے کنگن پر وائٹ گولڈ کا خوب صورت کام ہوا تھا۔ جگہ جگہ سفید نگینے جڑے ہوئے تھے۔

"بہت خوب صورت ہے۔"

"تم سے زیادہ نہیں۔" مظہر نے اس کے ہاتھ سے کنگن لے کر اس کی کلائی میں پہنا دیا۔

"کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا۔" اس کی پرشوق نگاہیں نیناں پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"پھر کیا ہوتا۔" نیناں نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"تم موڈ میں آ کر مجھے چوما کرتیں۔"

"مظہر!" اس کی سرگوشی پر نیناں چیخ پڑی پھر دونوں ہنسنے لگے۔

"بہت فضول ہو تم۔" اسے کہتی وہ گاڑی سے اتر آئی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے لگ رہا ہے زارا اپنا وقت غلط جگہ برباد کر رہی ہے۔" ہانیہ نے نوٹس بند کر کے گفتگو میں حصہ لیا۔

"لیکن اسے کیسے سمجھایا جائے؟"

"زارا کا مسئلہ اور ہے وہ نہیں سمجھے گی اسے جو محبت اور توجہ گھر میں ملنی چاہیے تھی وہ اسے باہر ڈھونڈ رہی ہے۔" مظہر نے سب کے دل کی بات کہہ دی۔

"آخری کلاس تو ہو گی نہیں میرا خیال ہے چلنا چاہیے۔" نیناں فائل اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ زارا ان کی طرف آ رہی تھی۔

"دانیال مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" ہانیہ دانیال کو کم کم ہی مخاطب کرتی تھی۔

"جی۔" دانیال حیران ہوا۔ ہانیہ نے باری باری سب کی طرف دیکھا پھر گلا صاف کیا اور بولی۔

"دراصل۔۔۔" اس نے ایک بار پھر سب کو دیکھا۔

"تنہائی میں بات کرنی ہے؟" دانیال نے پوچھا تو مظہر نے باقاعدہ اسے مارنا شروع کر دیا۔

"ایسے کون سے راز و نیاز ہیں جو ہم نہیں سن سکتے"

"میری منگنی ٹوٹ چکی ہے آپ اپنے گھر والوں کو بھیج سکتے ہیں۔" ہانیہ نے سر جھکائے جو بات کی تھی وہ سب کے لیے حیران کن تھی سوائے دانیال کے جو بے یقینی سے ہانیہ کو دیکھ رہا تھا پھر "یاہو!" کا نعرہ لگاتا ہوا مظہر کے گلے لگ گیا۔ باقی سب کو قصہ سمجھ آیا تو نیناں اور زارا نے ہانیہ کو نوٹس اور فائلز سے مارنا شروع کر دیا۔

"چھپی رستم' میسنی' فضول۔" وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ ہانیہ مسلسل ہنس رہی تھی۔ انہوں نے سنجیدہ اور کم گو ہانیہ کو اتنا خوش پہلی بار دیکھا تھا۔ ان دونوں کو خوش دیکھ کر وہ تینوں بھی خوش ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"آخر مسئلہ کیا ہے؟" وہ مظہر کو پریشان دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"تم وعدہ کرو میرا ساتھ دو گی۔" مظہر نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔

"کیا ہو گیا ہے مظہر!" نیناں نے بے اختیار اس کا مضبوط ہاتھ اپنے نرم ہاتھوں میں لے لیا اور وہ اونچا لمبا چوڑا مرد اس کے سامنے بچوں کی طرح رو پڑا۔ اس کے پیروں میں گھٹنوں کے بل بیٹھا وہ رو رہا تھا۔ نیناں کی جان پر بن آئی۔

"مظہر پلیز بتاؤ کیا ہوا ہے۔" نیناں نے بے اختیار اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"نینی میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا آئی لو یو۔" مظہر نے نیناں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں ایسے تھام لیے جیسے اس کے بھاگ جانے کا ڈر ہو۔

"آئی لو یو ٹو۔" اس سے پہلے نیناں نے ایسا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اب اسے مظہر کے آنسو دکھ دے رہے تھے وہ بے بسی سے مسکرایا پھر اٹھ کر اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے پتا ہے اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟" نیناں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"لیکن میں اپنے گھر والوں کو نہ بتا سکتا ہوں نہ انہیں بلا سکتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ ہماری فیملی میں شادی خاندان سے باہر نہیں کی جاتی۔" نیناں کو اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ میں آئی وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی ورنہ مظہر کے آنسوؤں نے اسے ڈرا دیا تھا۔

"تم ان سے بات کر کے دیکھنا ہو سکتا ہے وہ مان جائیں۔" اس نے مسئلے کا حل مظہر کے سامنے رکھا۔ مظہر کی آنکھوں میں ابھی تک نمی تھی وہ مسلسل نیناں کو دیکھ رہا تھا۔

"نینی! وہاں روایات انسان سے زیادہ اہم ہیں وہ لوگ اپنی روایات کی پاسداری کے لیے سب کچھ کر گزرنے والے ہیں وہ مجھے مار تو دیں گے لیکن آؤٹ آف فیملی سے شادی پر رضامند نہیں ہوں گے' میری یہ بات ہی حویلی میں قیامت لے آئے گی۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے؟" وہ کچھ دیر بعد بولی۔

"تم انکل سے بات کرو وہ ایسے ہی مان جائیں۔"

"تم ریلیکس ہو جاؤ میں پاپا کو منا لوں گی۔" اس کے لیے سب سے اہم اس شخص کی مسکراہٹ تھی جو ابھی بھی غائب تھی۔

"نینی!"

"ہوں۔"

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے'
بال لمبے اور گھنے کرتا ہے'
ملنے کا پتہ: ۳۷، اردو بازار، کراچی

"مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔" وہ نظریں جھکا کر بولا۔

"پلیز جلدی بتا دو مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" نیناں بے چینی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہمارے ہاں وٹے سٹے کا رواج ہے اگر کسی بہن کا بھائی بدلے میں شادی نہیں کرتا تو بہن ساری زندگی بیٹھی رہتی ہے وہاں اسی سلسلے میں ایک ہی مرد کی دو دو تین تین شادیاں عام بات ہے۔" نیناں اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہا تھا۔

"میں جب میٹرک میں تھا اور میری بہن کی شادی کی گئی تو بدلے میں میری شادی آپا کی نند یعنی زرتاج سے کر دی گئی۔" بہت آرام سے اس نے نیناں کے سر پر دھماکہ کر دیا۔ نیناں پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگی وہ اس کی طرف پلٹا۔

"لیکن اس میں میری خوشی، مرضی شامل نہیں ہے اس وقت مجھے شادی کا صحیح مفہوم ہی معلوم نہیں تھا اب اپنے سے دس سال بڑی زرتاج کو دیکھ کر عجیب سا لگتا ہے۔" وہ تیز تیز بول رہا تھا۔ وہ شخص جسے اس نے جنون کی حد تک چاہا تھا وہ صرف اس کا نہیں تھا یہ سوچ کر نیناں کی آنکھیں برسنے لگیں۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے نینی!"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ بمشکل بولی۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا اور اب اس لیے بتایا ہے کہ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔" وہ اس کے قریب چلا آیا۔ نیناں واپسی کے لیے پلٹی لیکن مظہر نے مضبوطی سے ہاتھ جکڑ لیا۔

"ہاتھ چھوڑو۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟" وہ چیخی۔

"میری مرضی۔" وہ ہمیشہ ہر بات میں ایسے ہی کہا کرتا تھا نیناں شکایتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے معاف کر دو۔" وہ شاید پھر رونے والا تھا۔ نیناں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں تمہیں معاف نہیں کروں گی نہ تم سے شادی کروں گی میں...." وہ مزید بول نہیں سکی تو جانے کے لیے اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

"نیناں معاف نہیں کرے گی ناراض رہے گی تو سید مظہر علی شاہ مر جائے گا۔" نیناں نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"میری زندگی میں نیناں توقیر کے علاوہ کبھی کوئی نہیں آیا نہ آئے گا' زرتاج میری بیوی اس وقت بنی جب مجھے اچھے برے کا شعور نہیں تھا بڑوں کا حکم تھا جو پورا کر دیا لیکن پھر تم مل گئیں اور وہ بہت پیچھے رہ گئی۔"

اس کا حرف حرف سچا تھا نیناں جانتی تھی اس کی آنکھوں میں نیناں توقیر کا عکس تھا پھر بھی نجانے کیوں وہ وہاں سے چلی آئی۔

☆ ☆ ☆

اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور آتی بھی کیسے؟ وہ ہر رات مظہر سے بات کرنے کے بعد سویا کرتی تھی۔ وہ ہر رات فون کرتا اسے کہتا "مظہر علی شاہ نیناں توقیر سے بے حد محبت کرتا ہے۔"

وہ بار بار فون کر رہا تھا لیکن وہ ناراض تھی۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا۔ وہ کسی بھی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اٹھ کر توقیر صاحب کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ فائل پر جھکے کام کر رہے تھے اسے دیکھ کر فائل بند کر دی۔ وہ ان کے صوفے کی سائیڈ پر بیٹھ گئی اور اپنے بازو ان کی گردن کے گرد ڈال دیے۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اصل بات کی طرف آ گئی۔

"میری جان سو باتیں کرے۔" وہ مسکرائے۔

"پاپا!" وہ جھجک گئی۔

"ہاں ہاں بتاؤ۔" انہوں نے ہمت بندھائی۔

"میرا دوست ہے نا مظہر وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کس سلسلے میں؟" وہ بیٹی کو دیکھنے لگے۔ نیناں اٹھ

کر فش ایکوریم کے پاس چلی آئی اور اندر تیرتی رنگ برنگی مچھلیوں کو دیکھنے لگی۔

"تمہاری پھپھو نے بھی حسن کے لیے بات کی ہے اور مجھے بھی حسن پسند ہے۔" توقیر صاحب اس کے پیچھے آ کر رک گئے وہ تیزی سے ان کی طرف پلٹی۔

"ہرگز نہیں حسن سے تو بالکل نہیں۔"

"کیا خامی ہے اس میں؟" توقیر صاحب کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"پاپا پلیز آپ مظہر سے مل لیں اگر میں الفاظ میں بتا سکتی تو ضرور بتاتی کہ وہ میرے لیے کیا ہے۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ سختی سے بولے نیناں تیزی سے باہر آ گئی۔ ڈرائنگ روم کی گلاس وال سے باہر تاریک آسمان کو دیکھتے ہوئے وہ بہت پریشان تھی۔

"ٹھیک ہے تم صبح مظہر کو بلا لینا۔" توقیر صاحب جانے کس وقت اس کے پیچھے آئے تھے۔ وہ ان سے لپٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو!" وہ پہلی بار حسن کے آفس آئی تھی۔ اسے توقیر صاحب سے کوئی کام ہوتا تو ان سے مل کر چلی جاتی۔ حسن اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

"پیپرز کیسے ہوئے ہیں؟" ان کا لاسٹ سمسٹر ختم ہو چکا تھا اور اب وہ سب فری ہو چکے تھے۔ دانیال اور عالیہ کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں جس میں وہ دونوں بھی پیش پیش تھے۔

"اچھے ہوئے ہیں۔" ہینڈ بیگ کو لاپروائی سے صوفے پر پھینک کر وہ ٹیبل پر سے فائلز اور پیپرز سائیڈ پر کھسکا کر ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

"آفس تو شان دار ہے۔" وہ ستائشی نظروں سے اس کا کمرہ دیکھنے لگی۔ حسن اسے دیکھ رہا تھا۔ شاکنگ پنک کلر میں اس کی دمکتی رنگت' اس کا متناسب سراپا غضب ڈھا رہا تھا۔

"اور تم نے کیا حماقت کی ہے؟" ناک چڑھاتی ہوئی

خواتین ڈائجسٹ پبلی کیشنز
کی ایک خوبصورت پیشکش
نامور مصنفہ رضیہ جمیل
کا "ساگر دریا بادل بوند"
کے بعد مشہور و معروف ناول
اک گھروندہ برف کا
اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے
☆ خوبصورت سرورق
☆ مضبوط جلد
☆ آفسٹ پیپر
قیمت صرف =/300 روپے
کتاب منگوانے کے لیے
آج ہی =/330 روپے
کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ
ارسال فرمائیں۔
ملنے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی

وہ حسن کو دیکھنے لگی۔

"بابا سے شادی کی بات کر دی اور مجھ سے پوچھا تک نہیں۔"

"اب پوچھ لیتا ہوں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟" کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتا ہوا وہ مسکرایا۔

"ہاں بالکل ہے۔"

"کیا؟" وہ مذاق سمجھ رہا تھا۔

"میرا دوست ہے نا مظہر میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" حسن کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے بولی تو حسن کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"کیا ہوا؟"

"سوچ رہا ہوں اچھے وقت پر پتا چل گیا ہے ورنہ خواہ مخواہ میں "کیدو" بن جاتا۔" وہ زبردستی مسکرایا۔ نینان ہنستی ہوئی سامنے صوفے پر ٹک گئی۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس کے لہجے میں پہلے والی فریش نس نہیں تھی۔

"تم پھوپھو سے کہو یا خود کوئی حسینہ پسند کر لو اور جلدی سے شادی کر لو تاکہ پھوپھو کے ذہن سے میں اور بابا کے ذہن سے تم نکل جاؤ تب ہی بابا مظہر کو اوکے کریں گے۔" وہ بات کر رہی تھی اس کے موبائل پر میسج ٹون ہوئی تو وہ میسج پڑھنے لگی۔ اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے حسن بے دھیانی میں اسے دیکھے گیا۔

"میں چلتی ہوں مظہر سے ملنا ہے وہ کل سے پریشان ہو گا۔" وہ وہاں سے چلی آئی اور حسن نے اسے روکا نہیں اسے اس وقت نینان سے بات کرنا، خود کو سنبھالنا اور مظہر نامہ سننا دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔

مظہر، دانیال کی طرف شفٹ ہو چکا تھا۔ شادی میں چند دن رہ گئے تھے مظہر اور دانیال بازاروں کے چکر لگا لگا کر بے حال تھے۔ وہ دونوں کبھی ہانیہ کی طرف اور کبھی دانیال کی طرف پہنچ جاتیں۔

"پہلے تم دونوں فیصلہ کر لو کہ ہو کس کے ساتھ لڑکے والوں یا لڑکی والوں کے ساتھ؟" دانیال لڑائی پر اتر آتا۔

"ہم دو غلے ہیں۔" زارا خود ہی اپنی بات کو انجوائے کرتی۔ بھابھی اور ایشاع ان کی بے حد مشکور تھیں جنہوں نے کتنی ہی شاپنگ مکمل کر لی تھی۔ اس دن دانیال کے گھر سے واپسی پر وہ مظہر کو توقیر صاحب سے ملوانے کے لیے گھر لے آئی۔ مظہر پہلے بھی کئی بار آ چکا تھا لیکن اس کے بابا سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔

مظہر کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ توقیر صاحب کے کمرے میں آئی وہاں پھوپھو اور حسن کو دیکھ کر وہ اور خوش ہو گئی۔

"رہنے دو ایسے مکھن کو۔" وہ پھوپھو سے گلے ملی تو انہوں نے ہٹا دیا۔

"جب آؤ تم غائب ہوتی ہو پہلے تو چکر لگا ہی لیتی تھیں اب وہ بھی نہیں۔"

"پھوپھو دو دوستوں کی شادی ہے۔"

"ٹھیک ہے میں حسن کی شادی کا کارڈ دینے آئی تھی۔" ان کی بات پر اس نے حیرت سے کونے میں گم صم بیٹھے حسن کو دیکھا۔

"کون ہے؟" اسے حسن سے اتنی جلدی کی امید نہیں تھی لیکن پھوپھو کی اطلاع نے اسے بہت خوشی دی تھی۔

"تم آنا کسی دن چلیں گے۔"

"جی۔" انہیں جواب دے کر وہ توقیر صاحب کے کان میں گھس گئی وہ ہنسنے لگے۔

"زہت باہر نینان کا دوست آیا ہے میں اسے داماد بنانا چاہتا ہوں تم دونوں بھی مل لو۔"

"اللہ خوش رکھے۔" اسے دعا دے کر پھوپھو اور حسن، توقیر صاحب کے ساتھ باہر نکلے۔ اسے اپنی پسند پورا بھروسہ تھا لیکن مظہر کو دیکھ کر پھوپھو ڈرائنگ روم کے دروازے میں ہی رک گئیں۔ توقیر صاحب کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ نینان پریشان سی ہو گئی۔

"السلام علیکم!" ان دونوں کو بت بنا دیکھ کر مظہر ہی آگے بڑھا۔

"بابا یہ سید مظہر علی شاہ ہے میرا دوست۔"

"تم زمان علی شاہ کے بیٹے ہو؟" پھوپھو کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔ مظہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بھائی جان میں تو برباد ہو گئی تھی لیکن اپنی بچی کو ان درندوں کے ہاتھ نہیں لگنے دوں گی۔" پھوپھو رو پڑیں۔ توقیر صاحب صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئے۔ مظہر، نینان اور حسن تینوں حیران تھے۔

"پھوپھو آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"نینان مظہر سے کہو یہاں سے چلا جائے۔" توقیر صاحب بہت آہستہ آواز سے بولے۔

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ یہ فراڈ ہے دھوکا ہے ان کا کام ہی معصوم لوگوں کی زندگیاں برباد کرنا ہے۔" پھوپھو نے انتہا کر دی نینان چپ نہیں رہ سکی۔

"پلیز پھوپھو بس کریں۔"

"ماما حوصلے سے بات کریں۔" حسن نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نینان یہ اس شخص کا بیٹا ہے جس نے میری بہن کی زندگی برباد کر دی، زمان علی شاہ نے زہت سے شادی اپنی پسند اور مرضی سے کی تھی وہ کہتا تھا وہ اس دنیا میں اکیلا ہے۔ شادی کے چند ماہ بعد وہ اچانک غائب ہو گیا ہم نے بہت ڈھونڈا اور ایک سال بعد اس نے زہت کو طلاق بھیج دی۔ حسن اسی کا بیٹا ہے۔" توقیر صاحب نے حقیقت سے پردہ اٹھایا۔

مظہر علی شاہ کی شکل اپنے باپ سے بہت ملتی تھی اور یہاں یہی بات اسے لے ڈوبی۔

"لیکن بابا سائیں کی غلطی میں میرا کیا قصور؟" مظہر توقیر صاحب کے پاس چلا آیا۔

"تمہاری رگوں میں اسی کا خون دوڑتا ہے، تمہارا تعلق اسی قبیلے سے ہے جہاں انسانیت نام کی چیز سے کوئی واقف نہیں۔" پھوپھو کا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"انکل ابھی آپ غصے میں ہیں ٹھنڈے دل سے سوچیے گا میں پھر آؤں گا اور اس وقت تک آتا رہوں گا جب تک آپ کو مجھ پر یقین نہیں آ جاتا، میں نینان کو دھوکہ نہیں دوں گا کیونکہ کوئی بھی شخص اپنی زندگی اپنی سانسوں سے دھوکہ نہیں کیا کرتا۔" وہ توقیر صاحب کے پاس رکا نہ بات کہہ کر چلا گیا۔ نینان اور حسن اس نئی کہانی پر حیران تھے۔

☼ ☼ ☼

ڈھو لیا بجا دے آج ڈھول
کہ اسی رُسے یار نو منانا اے

میوزک فل والیم میں چل رہا تھا۔ لڑکیاں ناچ رہی تھیں۔ دانیال بھی اٹھ کر ناچنے لگا انہوں نے بمشکل شرم دلائی۔ وہ بہت زیادہ خوش تھا۔ مہندی کا فنکشن ان کے بڑے سے سرخ اینٹوں والے صحن میں ہی ارینج کیا گیا تھا۔ وہ دونوں ایک سائیڈ پر کھڑی انجوائے کر رہی تھیں بھابھی نینان کو کھینچ لائیں۔

"بھائی کی مہندی ہے تمہیں ناچنا چاہیے۔" انہوں نے کہا وہ بے بسی سے اسٹیج پر دانیال کے ساتھ بیٹھے مظہر کو دیکھنے لگی۔ وہ خود اسٹیج سے اتر کر بھنگڑا ڈالنے لگا۔ ہر نظر ان دونوں پر ٹھہر گئی۔ سفید کرتا شلوار میں مظہر علی شاہ ہر دل کی دھڑکن بنا ہوا تھا۔ اس کے لیے میرون شیفون کی ساڑھی بھی مظہر نے ہی خریدی تھی۔ جس کے پلو اور بلاؤز پر نفیس سا کام ہوا تھا۔ فنکشن کی مناسبت سے کیا گیا میک اپ، قیمتی جیولری نے اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیے تھے۔ بالوں کی لمبی چوٹی میں موتیے کے پھول لگائے کلائیوں میں میرون کانچ کی چوڑیاں اور گجرے پہنے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

زارا مسلسل تصویریں بنا رہی تھی۔ گانا ختم ہوا تو دونوں ایک ساتھ زارا کے پاس آ گئے۔ لوگوں کی نظریں اب تک ان پر جمی ہوئی تھیں۔

"سچ بہت پیارے لگ رہے تھے تم دونوں۔" وہ بہت خوش تھی۔

"تم بھی آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔" مظہر نے اس کا بدلا بدلا روپ دیکھا عام طور پر وہ شرٹس اور جینز

ہی پہنتی تھی۔ ایشاع اور دانیال انہیں اسٹیج پر بلا رہے تھے وہ دونوں اسی طرف آگئیں۔

مہندی کی رسم شروع ہوئی تو اسے مظہر کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ اسے دیکھنے کے لیے وہ اسٹیج سے نیچے اتری وہ دروازے میں فون پر بات کرتا نظر آگیا۔

"کس کا فون تھا؟"

"نینی! مجھے ذرا جلدی ہے تم مجھے میرے فلیٹ پر چھوڑ آؤ میری گاڑی تو دانی کے پاس رہے گی نا۔"

"خیر تو ہے نا؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے تم رکو میں دانی کو بتا کر آتا ہوں۔" اسے تسلی دے کر وہ آگے بڑھ گیا حالانکہ اس کے اپنے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

"مظہر پلیز بتاؤ کیا بات ہے؟" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تو نیناں بے تابی سے بولی۔ وہ ایسے ہی ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی تھی۔

"باباسائیں کی طبیعت بہت خراب ہے مجھے فوراً گاؤں جانا ہے میری سیٹ اوکے ہو چکی ہے تم ایئرپورٹ تک میرے ساتھ چلو گی نا؟" اس کے اچانک اس پروگرام نے نیناں کو اداس کر دیا۔

فلیٹ میں پہنچ کر اس نے بیگ ـــ میں چند کپڑے اور کاغذات رکھے جب اس کی طرف پلٹا تو سر پکڑ کر رہ گیا۔ صوفے پر بیٹھی وہ آنسو بہا رہی تھی۔

"انشاء اللہ میں جلدی واپس آجاؤں گا۔" دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھتے ہوئے وہ ذرا سا جھکا۔

"کب؟" اس نے اپنی کالی بڑی بڑی آنکھیں مظہر پر جماویں۔

"جب باباسائیں ٹھیک ہو گئے۔"

"وہ نہیں آنے دیں گے، پہلے تم یہاں پڑھتے تھے لیکن اب فارغ ہو گئے ہو۔" اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔

"وہ مجھے کیسے روک سکتے ہیں اور تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں واپس نہیں آؤں گا۔" اس نے اپنے ہاتھ سے نیناں کے آنسو صاف کیے۔ آنکھوں کا کاجل پھیل چکا تھا۔

نرمی سے کہتا ہوا وہ اس کے سجے سنورے روپ کو دیکھ رہا تھا۔

"اگر زرتاج نے روک لیا تو؟" اس کے دل کو کسی طرح چین نہیں آرہا تھا۔

"کیا!" وہ ہنسا پھر اس کے مہندی سے سجے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

"ایسی بات کبھی سوچنا بھی مت اور مجھے دیر ہو رہی ہے پلیز اب اٹھ جاؤ۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ نیناں کا جسم نجانے کیوں بے جان ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے فلیٹ پر ایک نظر ڈالتی اس کے پیچھے چل پڑی۔

گاڑی پھر وہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ نیناں کا دل عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا وہ مسلسل مظہر کو دیکھ رہی تھی جو بار بار ٹائم دیکھ رہا تھا۔

گاڑی ایئرپورٹ کے باہر رکی تو نیچے اترنے سے پہلے نیناں نے چہرہ صاف کیا۔

"مظہر!" وہ اسے اندر تک چھوڑنے آئی تھی۔ مظہر اللہ حافظ کہہ کر آگے بڑھنے لگا تو نیناں نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"اگر تم اسی طرح روتی رہیں تو میں پریشان رہوں گا میں پہلے ہی پریشان ہوں۔" وہ واقعی پریشان تھا۔

"وعدہ جناب میں ایک ہفتے کے اندر اندر آجاؤں گا دانی اور ہنی کے دبئی جانے سے پہلے تم دعا کرنا۔"

نیناں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"خبردار جو میری واپسی تک ایک بھی آنسو بہایا۔" اس پر محبت بھری نظر ڈال کر وہ مڑ گیا۔ نیناں بھاگتی ہوئی ایئرپورٹ سے باہر نکلی تھی۔ دانیال اور زارا فون کر رہے تھے۔

"میری طبیعت خراب ہے۔" کہہ کر وہ سیدھی گھر آگئی نجانے کس بات پر اتنا رونا آرہا تھا۔ اگلے دن دانیال کی شادی میں اس نے بے حد سادگی سے شرکت کی تھی۔ رات وہ مظہر کو فون کرتی رہی اس کا موبائل بند تھا وہ اور پریشان ہو گئی۔ ان لوگوں سے اجازت لے کر وہ جلدی ہی گھر واپس آگئی۔

☼ ☼ ☼

اسے گئے ایک مہینہ گزر گیا تھا نہ اس کا فون آیا اور نہ وہ خود۔ دانیال کی شادی کے فوراً بعد حسن کی شادی بھی ہو گئی۔ پھوپھو اور توقیر صاحب کے اصرار پر اس نے حسن کی شادی میں برائے نام ہی شرکت کی تھی۔ دانیال اور ہانیہ شادی کے دو ہفتے بعد دبئی شفٹ ہو چکے تھے۔ وہ مظہر کے لیے سخت پریشان تھی جس کا موبائل بھی مسلسل بند تھا۔ اس کی دوستی زارا تک محدود تھی باقی ہر کسی سے تعلقات ختم ہوتے جا رہے تھے نہ وہ کسی سے ملتی تھی نہ زیادہ گھر سے باہر نکلتی تھی۔

اس دن زارا اس کے پاس آئی تو کافی چپ چپ تھی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے زندگی میں پہلی بار زارا کو اتنا سنجیدہ دیکھا تھا۔

"ذیشان مجھ سے بات نہیں کرتا نہ گھر پر ملتا ہے شاید وہ ناراض ہے۔" زارا اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"کیوں؟"

"اسے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی لیکن میں نہیں دے سکی کیونکہ پاپا نے مجھے ایک روپیہ بھی دینے سے انکار کر دیا ہے اور میرا اکاؤنٹ بھی خالی ہے۔" نیناں جانتی تھی اس نے اپنے اکاؤنٹ کی ساری رقم ذیشان پر خرچ کی ہو گی۔ وہ ذیشان کی اصلیت جان کر دکھی ضرور تھی لیکن زارا سے کچھ نہیں کہا۔ وہ زارا کی اس کے لیے دیوانگی سے واقف تھی۔

"انکل کیوں ناراض ہیں؟"

"وہ چاہتے ہیں میں ذیشان سے نہ ملوں۔ کیونکہ اس کا تعلق مڈل کلاس سے ہے اور میں نے تو ان سے شادی کی بات بھی کر دی ہے اسی لیے وہ ناراض ہیں۔" زارا کا لہجہ بھیگ گیا۔

"تم فکر نہ کرو میں انکل سے بات کروں گی۔" اس نے زارا کے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔

"میں اپنی گاڑی سیل کر دوں گی اور پیسے ذیشان کو دے دوں گی پھر تو وہ مان جائے گا۔" نیناں کو رونا آرہا تھا یعنی زارا جانتی تھی کہ ذیشان کی محبت مطلبی تھی پھر بھی وہ اسے منانے کے لیے بے چین تھی۔ اسے زارا پر حیرت بھی ہو رہی تھی۔ ذیشان نے اسے جس محبت کا احساس دلایا تھا وہ شاید اس محبت کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ چاہے وہ احساس جھوٹا ہی ہو، تو والدین کی بے توجہی نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔

"پیسوں کا کیا ہے زارا میں رات تک بھیج دوں گی تم ذیشان کو دے دینا۔"

"تم بہت اچھی ہو نیناں!" اس نے نیناں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے پھر بولی۔

"دانی اور ہنی کا فون آیا تھا دونوں بہت خوش ہیں۔"

"ہاں میری بھی بات ہوئی تھی۔" ایک لمحے کے لیے دونوں کے ہونٹ مسکرائے۔

"صبح بھابھی اور ایشاع سے ملنے چلیں گے۔"

"کیوں؟"

"ہمیں دیکھ کر وہ خوش ہوں گی اور پھر کتنے پیار سے ملتی ہیں وہ۔" زارا کی زندگی میں ـــــ بے لوث محبت کی کمی تھی اور یہی احساس اس کی سب سے بڑی کمزوری بن چکا تھا۔ نیناں نے جانے کی ہامی بھر لی.... زارا جانے کے لیے اٹھی تو چکر سا آگیا۔

"کچھ دنوں سے طبیعت عجیب بوجھل بوجھل سی ہے۔" سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے وہ بے بسی سے بولی۔ پھر اس کے نہ نہ کرنے پر بھی نیناں اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ ڈاکٹر نے جو خبر سنائی تھی وہ نیناں کے لیے کسی شاک سے کم نہیں تھی۔ اسے زارا سے ایسی امید نہیں تھی۔

"مبارک ہو آپ ماں بننے والی ہیں۔" یہ الفاظ اس کے لیے ناقابل یقین تھے لیکن زارا کا جھکا ہوا سر بتا رہا تھا کہ سب سچ ہے۔

"تم اس قدر گھٹیا ہو سکتی ہو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔" ہاسپٹل سے باہر نکلتے ہی وہ پھٹ پڑی۔

"محبت کے نام پر ـــ انتہائی گری ہوئی حرکت ہے یہ تم ذیشان کی وجہ سے پریشان ہو نہ کہ وہ دور کیوں ہو

رہا ہے اسی وجہ سے زارا بی بی!" غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"وہ اب تمہیں پہلے والا مان اور عزت کبھی نہیں دے گا۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو نینال۔" برستی آنکھوں کے ساتھ زارا بمشکل بولی۔ اس کی رنگت سرسوں کے پھول کی طرح زرد ہو رہی تھی۔ وہ یقیناً" پریشان تھی۔

"دراصل میں نے......"

"مجھے مزید کچھ نہیں سننا اور پلیز آئندہ مجھ سے مت ملنا۔" غم اور غصے نے اسے سب بھلا دیا۔ زارا کی ایک بھی سنے بغیر وہ ٹیکسی میں گھر چلی آئی۔ رات تک اسے اطلاع مل چکی تھی کہ زارا روڈ ایکسیڈنٹ میں مر چکی تھی۔ اس کا سارا غصہ دھرے کا دھرا رہ گیا سفید کفن میں لپٹے اس معصوم سے چہرے کو آخری بار دیکھ کر وہ بہت زیادہ روئی تھی۔

گزشتہ پانچ سال انہوں نے ایک ساتھ گزارے تھے پانچ سالوں میں اس نے جو چہرہ ہر روز دیکھا تھا وہ دوبارہ کبھی نہیں نظر آتا تھا۔ زارا کے والدین بے تحاشا رو رہے تھے اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ان سے کہہ دے کہ اگر انہوں نے اپنی بیٹی کو وہ پیار اور توجہ دی ہوتی جو اس کا حق تھی تو یہ سب نہ ہوتا۔

زارا کی موت کے بعد اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔ لوگوں سے ملنا' باہر نکلنا' بولنا وہ سب بھول چکی تھی۔ مظہر کا انتظار کرتے دو سال گزر گئے۔ ان دو سالوں میں پھوپھو کی ڈیتھ ہو گئی۔ توقیر اور حسن نے اسے واپس اسی دنیا میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سب بے سود رہا۔ ان دو سالوں میں اس کی ذہنی حالت کافی حد تک بگڑ گئی تھی اور اب جب وہ خود کو سنبھال رہی تھی تو ایک اور بے حد عزیز رشتہ کھو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

بولتی تو وہ پہلے بھی نہیں تھی لیکن اب وہ بالکل خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔ حسن اس کے دکھ میں ساتھ تھا۔ وہ ایسے اس کا خیال رکھ رہا تھا جیسے وہ دو سال کی بچی ہو۔ اس نے آفس جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ آفس کے معاملات ذیشان سنبھال رہا تھا اور توقیر صاحب کا داماد ہونے کی حیثیت سے وہ سب اسی کا تھا۔

عالیہ کا رویہ اس کے ساتھ بہت خراب تھا۔ دونوں میاں بیوی میں اکثر جھگڑے ہونے لگے تو اس نے واپس اپنے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن حسن اسے اکیلے وہاں چھوڑنے کے لیے راضی نہیں تھا۔

"جس دن میں مر جاؤں گا اس دن تم اکیلی ملازموں کے ساتھ رہ لینا۔" اس کی بات نے نینال کو چپ کروا دیا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے حسن کے گھر کا سکون خراب ہو۔ وہ عالیہ کی جیلسی کو سمجھ رہی تھی۔ حسن کا اس کے لیے پریشان رہنا' اس کا خیال رکھنا عالیہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ حسن سے کہنا چاہ رہی تھی کہ وہ ذرا دیر کے لیے اسے گھر لے چلے وہ بہت اداس تھی لیکن اندر سے آتی تیز آوازوں نے اس کے قدم دروازے پر ہی روک دیے۔

"ڈیڑھ ماہ ہو گیا ہے انکل کی ڈ کو لیکن اس کا سوگ ختم نہیں ہو رہا میرے گھر میں نحوست پھیلا رکھی ہے۔" یہ عالیہ تھی۔

"جب ذیشان رخصتی پر زور دے رہا ہے تو کیوں نہیں اسے رخصت کرتے؟"

"عالیہ وہ ذہنی طور پر تیار نہیں ہے۔"

"سب سمجھ رہی ہوں میں جب تک تم اس کی دلداریاں کرتے رہو گے وہ ٹھیک ہو گی بھی نہیں میں بتا رہی ہوں حسن اب وہ اس گھر میں رہے گی یا میں۔" مزید کچھ سننے کی اس میں ہمت نہیں تھی وہ ڈرائیور کے ساتھ گھر آ گئی۔ توقیر صاحب کے کمرے میں جاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے دراز سے وہ تصویریں نکال لیں جن میں وہ سب ایک ساتھ تھے۔ ایک تصویر میں وہ مظہر کے ساتھ بیٹھی اسٹیج کی طرف دیکھ رہی تھی دونوں مسکرا رہے تھے۔ اگلی ساری تصویروں میں وہ پانچوں ایک ساتھ تھے۔ ہنستے مسکراتے ہوئے اس نے

ساری تصویریں' مظہر کے دیے سب کارڈز چولہے پر رکھ دیے۔ اس کے دیے ہوئے سب گفٹ شاپنگ بیگ میں ڈال کر ساتھ لے آئی۔ وہ بیگ اس نے حسن کی کسی ملازمہ کو دینا تھا یقیناً" وہ اتنی قیمتی چیزیں پا کر بہت خوش ہوتی۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنی کلائی میں پہنے اس کنگن کو دیکھا جو اس کی کلائی میں رہتا تھا۔ اس نے وہ کنگن اتار کر چلتی گاڑی سے باہر سڑک پر پھینک دیا۔ لاکھ ضبط کے باوجود آنسو گالوں پر بہہ نکلے اس نے تھک کر سر سیٹ کی بیک پر ٹکا دیا۔

کون بتائے کون سمجھائے کون سے دیس سدھار گئے
ایک لگن کی بات ہے جیون ایک لگن ہی جیون ہے
پوچھ نہ کیا کھویا کیا پایا کیا جیتے کیا ہار گئے

☼ ☼ ☼

وہ بہت دنوں بعد بابا جی کے پاس آئی تھی۔ دل پر دکھ کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا اسے اپنا دکھ کسی بہت اپنے سے شیئر کرنا تھا۔ بابا جی سڑک سے ذرا فاصلے پر درختوں میں گھری اس چھوٹی سی جگہ پر آباد تھے۔ وہاں صرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کچی صاف ستھری جگہ پر ایک طرف نل لگا تھا اور پھر آس پاس کھیت تھے بابا جی نے اسے بتایا تھا وہاں سے ذرا فاصلے پر آبادی تھی بہت سے لوگ اکثر ان سے ملنے آتے رہتے تھے۔

بابا جی آنکھیں بند کیے گا رہے تھے وہ آہستہ سے ان کے پیچھے زمین پر بیٹھ گئی۔

کیا حال سناواں دل دا
کوئی محرم راز نہ مل دا

ان کی آواز میں بہت سوز تھا۔ نینال کی آنکھیں خود بخود برسنے لگیں۔

بابا جی خاموش ہو چکے تھے اس کا دل چاہ رہا تھا وہ چیخ چیخ کر روئے اور وہ خود کو روک نہیں سکی۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ زور زور سے رونے لگی۔ دنیا میں کوئی ایک شخص ایسا بھی ہوتا ہے جس کے سامنے آپ کو پاگلوں کی طرح روتے ہوئے' اپنا ہر دکھ کہتے ہوئے' سارے جذبات شیئر کرتے کوئی شرمندگی نہیں ہوتی بابا جی بھی اس کے لیے وہی ہستی بن چکے تھے۔

"صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

بابا جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اور کتنا صبر کروں بابا جی۔"

"اللہ اپنے بندے پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔"

"بابا جی دعا کریں اب سید مظہر علی شاہ کبھی میرے سامنے نہ آئے زندگی کے کسی موڑ پر بھی وہ مجھ سے نہ ملے۔" نینال نے دوپٹے کے پلو سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے ان سے کہا۔

"میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بنا کر جو رشتہ ذیشان سکندر سے جوڑا ہے اسے پوری ایمان داری سے نبھانا چاہتی ہوں۔" اس نے ذیشان کو ابھی تک دیکھا نہیں تھا لیکن وہ خود کو اس شخص کے ساتھ مخلص رکھنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

"اللہ تمہیں اس فیصلے پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔" بابا جی نے دعا دی۔ وہ ذرا فاصلے پر رکھے مٹی کے پیالے کو دیکھنے لگی جس میں سے چڑیاں پانی پی پی کر اڑ رہی تھیں۔ بابا جی آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنے لگے۔ ان کے ہونٹ ہر وقت ہلتے رہتے تھے۔ نینال نے کبھی انہیں فضول بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

"بابا جی دعا کیجیے گا کہ زندگی آسان ہو جائے۔" وہ اٹھنے لگی لیکن انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔

"میں دعا ضرور کروں گا۔" وہ مسکرائے۔

"دعا کے لیے اس نے اچھے اور برے کی شرط نہیں رکھی ایک وہی تو ایسا در ہے جہاں سنی جاتی ہے اور سب کو نوازا جاتا ہے وہ سب کو بغیر حساب کتاب کے دیتا ہے تم بھی دعا مانگا کرو۔ وہ ضرور سنے گا۔" نینال نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر یاد آنے پر بولی۔

"عالیہ اور حسن کے درمیان میری وجہ سے بہت کشیدگی پیدا ہو گئی ہے اسی لیے میں نے فیصلہ کر لیا ہے

کہ میں ذیشان کے ساتھ رہوں گی اور ذیشان بھی رخصتی پر بہت زور دے رہا ہے۔" نجانے کیوں اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

"کل ذیشان آئے گا مجھے لینے" حسن کو سادگی سے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا لیکن مجھے یہی اچھا لگ رہا ہے۔ پاپا جان ہوتے تو اور بات تھی۔" اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹک گیا۔ باباجی خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ ان کے دیکھنے کا انداز بتا رہا تھا کہ ان کا دھیان کہیں اور تھا وہ بے دھیانی میں نیناں کو دیکھ رہے تھے۔

"حسن امریکہ شفٹ ہو رہا ہے یہ عالیہ کی ضد ہے کیونکہ وہ سمجھتی ہے میں اس کا گھر بسنے نہیں دوں گی اور شاید حسن بھی یہاں نہیں رہنا چاہتا۔" وہ جیسے خود سے باتیں کر رہی تھی اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"نیناں بیٹا!" باباجی نے اچانک کہا۔

"اگر مظہر واپس آگیا تو اسے اپنا لینا۔"

"کیا!" نیناں کو بے حد حیرت ہوئی۔

"اب جاؤ اور کبھی گھبرانا مت یاد رکھنا تاریک رات کے بعد ہی روشن دن کی ابتدا ہوتی ہے' صبر اور نماز سے مدد مانگنا' اس کی یاد سے غافل مت ہونا اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا۔" وہ باباجی کی باتوں کو منہ کھولے سن رہی تھی اس کا دھیان ان کی پہلی بات پر اٹکا ہوا تھا۔

"خود کو کبھی اکیلا مت سمجھنا اللہ ہمیشہ اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہے اور مصیبت میں وہ کبھی اپنے بندے کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔" بات ختم کر کے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنے لگے۔ نیناں خاموشی سے اٹھ آئی۔ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے پلٹ کر دیکھا باباجی درختوں کے جھرمٹ میں کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ نیناں ہاتھ ہلاتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ جب بھی باباجی سے مل کر رخصت ہوتی وہ وہیں بیٹھے تسبیح کے دانے گھمانے لگتے مگر آج وہ دور تک اسے دیکھتے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

جب سید مظہر علی شاہ اس کے پاس تھا تو زندگی کے پانچ سال اس نے اسی کی پسند ناپسند کے مطابق گزارے تھے۔ اسے شوخ کلرز پسند تھے اور نیناں نے ہمیشہ شوخ کلرز پہنے تھے پھر وہ چلا گیا اور زندگی کے سارے رنگ اپنے ساتھ لے گیا۔ رنگ' خوشبو' بارش' چاند' پھول' ہوا' تتلی' بادل سب کہیں پیچھے رہ گئے تھے۔

جب سے توقیر صاحب کی ڈیتھ ہوئی تھی اور اس نے مظہر کو اپنی زندگی سے باہر نکالا تھا اس نے سفید رنگ پہننا شروع کر دیا تھا لیکن آج وہ پریشان تھی کہ کیسا لباس پہنے۔ ذیشان اسے لینے آچکا تھا وہ حسن اور عالیہ کے ساتھ ڈرائننگ روم میں بیٹھا تھا۔

بہت سوچنے کے بعد اس نے وائٹ شیفون کا سوٹ پہن لیا جس کی شرٹ اور دوپٹے کے پلوؤں پر وائٹ ریشمی دھاگے کا نفیس سا کام ہوا تھا۔ بالوں کی سادی چٹیا بنا کر اس نے ہونٹوں پر نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگائی۔ سر پر سلیقے سے دوپٹا اوڑھ کر اس نے خود کو آئینے میں دیکھا اس کا سادہ سا روپ پاکیزہ لگ رہا تھا۔ پیروں میں سفید سینڈل پہن کر وہ کمرے سے نکل آئی۔ وہ ذیشان کو اپنی طرف سے مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان لیے وہ اندر داخل ہوئی لیکن سامنے صوفے پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"السلام علیکم!" ذیشان مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ نیناں صوفے پر گر سی گئی۔

"کیا ہوا؟" حسن اس کے قریب آگیا۔ نیناں کو عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کے سامنے جو شخص کھڑا تھا اس کے لیے اس حقیقت کو تسلیم کرنا بہت مشکل تھا۔ ذیشان سکندر اس کی عزیز دوست زارا یزدانی کی پہلی اور آخری محبت تھا۔ وہ ایک لمحے میں اسے پہچان گئی تھی گزرے دو سالوں میں وہ ذرا بھی نہیں بدلا تھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟" ذیشان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"سوری ذرا چکر سا آگیا تھا۔" وہ بمشکل مسکرائی۔ حسن اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ذیشان اس کے سامنے سنگل صوفے پر ٹک گیا۔

"نیناں انکل کی ڈیتھ کی وجہ سے بہت ڈسٹرب ہے۔" حسن ذیشان کو بتا رہا تھا۔ نیناں سر جھکائے بیٹھی عجیب الجھن میں تھی۔ ذیشان کے رویے سے لگ رہا تھا کہ اس نے نیناں کو نہیں پہچانا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے سوچا۔ کالج لائف میں وہ کئی بار مل چکے تھے۔ وہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ چکی تھی' اپنے اللہ کی رضا میں راضی تھی' وہ اپنے سامنے کسی بھی مرد کو دیکھ سکتی تھی لیکن شوہر کے روپ میں ذیشان سکندر کا وجود بہت عجیب لگ رہا تھا۔

"کھانا تیار ہے۔" علی کو اٹھائے عالیہ دروازے میں آئی وہ سب اٹھ گئے۔ عالیہ آج بہت مطمئن تھی۔ نیناں کے ساتھ اس کا رویہ بھی قدرے بہتر تھا۔ ذیشان عالیہ سے باتیں کرتا ہوا خوش گوار موڈ میں کھانا کھا رہا تھا۔ حسن کو نیناں کی کھوئی کھوئی حالت پریشان کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم خوش تو ہو نا؟" حسن نے یہ سوال دسویں بار دہرایا۔ نیناں نے ایک بار پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ اسے ذیشان کے فلیٹ میں شفٹ ہوئے ابھی دو دن ہی ہوئے تھے اور ان دنوں میں ذیشان نے رسمی بات چیت کے علاوہ کوئی بات نہیں کی تھی وہ بھی خاموش تھی۔

"کوئی مسئلہ ہو مجھے فون کر لینا ویسے میں فون کرتا رہوں گا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ ان سے ذرا فاصلے پر کھڑی عالیہ کا سارا دھیان ان کی طرف ہی تھا بظاہر وہ ذیشان سے باتیں کر رہی تھی۔

"حسن ٹائم ہو رہا ہے۔" عالیہ ان کے پاس آگئی ذیشان بھی ساتھ تھا۔ وہ دونوں انہیں ایئرپورٹ تک چھوڑنے آئے تھے کیونکہ حسن اپنی بیوی کے ساتھ امریکہ شفٹ ہو رہا تھا۔ اس کی سسرال بھی وہیں تھیں۔ عالیہ کی خوشی دیدنی تھی۔

"ماموں جان کا بزنس تو ذیشان سنبھال رہا ہے باقی پراپرٹی اور گھر کے پیپرز تمہارے پاس ہیں اس کے علاوہ ماموں جان کی ساری رقم میں تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا چکا ہوں۔" وہ ضروری باتیں بتا رہا تھا جو اس کے نزدیک ضروری نہیں تھیں۔ وہ ڈوبتے دل کے ساتھ سن رہی تھی۔ حسن اس کا کزن' دوست' غم گسار سب کچھ تھا۔ بچپن سے جوانی تک کے سفر میں اس کی مہربانیاں نیناں کے ساتھ رہیں لیکن گزشتہ دو سالوں سے اس نے محبت کا حق ادا کر دیا تھا۔ اپنی ہر ذمہ داری اور مصروفیت کو پس پشت ڈال کر وہ صرف نیناں کو سنبھال رہا تھا۔ نیناں کو ایک اور دوست سے بچھڑنے پر دکھ ہو رہا تھا بے حد دکھ۔

"اپنا خیال رکھنا۔" اس نے دھیرے سے نیناں کا گال تھپتھپایا۔ نیناں کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں جسے چھپانے کے لیے وہ تیز تیز پلکیں جھپکنے لگی۔ عالیہ برا سا منہ بنا کر علی کو لیے آگے بڑھ گئی ذیشان بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"حسن مجھے معاف کر دینا مجھے پتا ہے میں نے تمہیں دکھ دیا ہے تم خوش نہیں ہو۔" اس کی بات پر حسن نے گہری نظر اس پر ڈالی۔ دو سالوں میں وہ کس قدر بدل گئی تھی۔

"دکھ اس بات کا نہیں ہے نیناں کہ جسے میں نے چاہا اسے پا نہیں سکا دکھ تو اس بات کا ہے کہ جسے تم نے چاہا وہ بھی تمہیں نہیں مل سکا میری قربانی بے سود رہی اور ہم دونوں ہی خالی ہاتھ رہ گئے۔" حسن اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں۔ نیناں نے صدق دل سے اس شخص کی خوشیوں کے لیے دعا کی۔ اسے یقین تھا کہ اس سے دور جا کر حسن کی زندگی بدل جائے گی۔

"کاش میں حسن کے لیے کچھ کر سکتی۔" ذیشان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا۔ مظہر کے ہوتے ہوئے حسن اسے اپنی محبت سے آگاہ کر بھی دیتا تو وہ کیا کرتی؟ مظہر کو چھوڑ کر حسن کو اپنا

لیتی؟ شاید نہیں لیکن اب دل میں دکھ ضرور تھا۔ سر جھٹک کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

ایئرپورٹ سے واپسی پر اسے گھر چھوڑ کر ذیشان کہیں چلا گیا۔ وہ پچھلے چھ گھنٹوں سے ایک ہی جگہ پر بیٹھی تھی۔ یہ وہی فلیٹ تھا جو زارا نے ذیشان کو گفٹ کیا تھا۔ وہ چاروں زارا کے ساتھ وہاں آئے تھے چھوٹا سا لگژری فلیٹ انہیں بے حد پسند آیا تھا لیکن اس وقت اسے وہاں رہنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ باہر سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور پھر ذیشان اندر چلا آیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا وہ لائٹ جلا کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"کھانا لاؤں؟"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" ذیشان نے جوتا اتار کر کارپٹ پر پھینک دیا۔

"مجھے توقیر صاحب کے گھر کے کاغذات چاہئیں۔" دوسرا جوتا بھی اسی لاپروائی سے پھینکتا ہوا وہ بولا۔ اس کا لہجہ اور پھر اس کے پاپا کا اس طرح نام لینا نینال کو سخت برا لگا۔

"کس سلسلے میں؟"

"مجھے وہ گھر سیل کرنا ہے بلکہ کر رہا ہوں۔"

"کیا!" وہ کھڑی ہو گئی۔ ذیشان مطمئن سا اسے دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"پیسوں کی ضرورت ہے تو مجھ سے لے لیں لیکن میرے پاپا جان کا گھر کبھی سیل نہیں ہو گا یہ آپ نے کیسے سوچ لیا۔" ذیشان کی بات سے اسے شاک لگا تھا کچھ پیسوں کی خاطر وہ توقیر صاحب کا کروڑوں کا گھر بیچنا چاہتا تھا۔

"اور میں تو سوچ رہی تھی ہم وہیں شفٹ ہو جائیں یہاں ـــ" وہ بات کرتی کرتی رک گئی نجانے کیوں وہ ماضی کا ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں؟" اس کا درشت لہجہ نینال کو حیران کر گیا۔

"اور ایک بات تو بتاؤ۔" وہ ہنستا ہوا اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔

"مظہر نے تم سے شادی کیوں نہیں کی؟" ا... جس لمحے کا ڈر تھا وہ آ چکا تھا۔

"مظہر کے ساتھ تمہارا اسکینڈل ہر جگہ مشہور پھر شادی کیوں نہیں ہوئی؟" اس کے ہونٹوں پر جلانے والی مسکراہٹ تھی۔ نینال کچھ بول نہیں سکی۔

"میں بتاتا ہوں اس کی وجہ۔" وہ پھر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم جیسی لوز کریکٹر لڑکیاں ایسے ہی ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے پھینک دی جاتی ہیں ان سے شادی کوئی نہیں کرتا۔" وہ شان سے صوفے کی پشت پر بازو پھیلائے بول رہا تھا۔ نینال سے کھڑے ہونا مشکل ہو گیا وہ صوفے پر گر سی گئی۔

"مگر میں نے شادی کی تھی زارا یزدانی سے' پہلے پہل تو اسے پھنسانے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے پھر تو سب آسان ہو گیا میری محبت میں وہ ایسی میرے قدموں میں گری کہ دوبارہ اٹھ نہیں سکی۔"

"تو کیا زارا نے ذیشان سے نکاح کر لیا تھا۔" اس کا دماغ گھومنے لگا۔

"میں نے تو اس جیسی بے باک لڑکی سے محبت اور پھر نکاح جیسے عذاب اس لیے پال لیے تھے کہ وہ زمین آسمان پر لے جائے گی' اس کے باپ کو بلیک میل کرنے کے لیے میں نے نکاح کیا تھا لیکن اس کے باپ نے کہہ دیا وہ زارا کو کچھ نہیں دے گا میں اسے چاہے بلیک میل کر لوں۔" اس کی اصلیت یہ تھی نینال سوچ رہی تھی اچھا ہوا جو زارا اس کی اصلیت جانے بغیر مر گئی ورنہ بہت دکھی ہوتی۔

"مگر وہ لڑکی تو میرے پیچھے ہی پڑ گئی ایک دن فون کر کے بتانے لگی کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے میں نے صاف کہہ دیا کہ ایسے بچوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا اور نجانے کس کا گناہ ہے جو تم میرے سر ڈال رہی ہو۔ میں نے اسے خوب کھری کھری سنائیں اور پھر اسی دن اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ چل بسی۔"

نینال اس شخص کو بہت کچھ سنانا چاہتی تھی لیکن شدتِ غم سے کچھ بھی نہیں بول سکی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"اچھا ہوا وہ مر گئی ورنہ زندگی عذاب بن جاتی' کیا گزری ہو گی' زارا پر؟ کیا حال ہو گا اس وقت جب اس نے یہ الفاظ ذیشان کے منہ سے سنے ہوں گے' اسے مرنا ہی تھا ایکسیڈنٹ سے نہ مرتی تو ویسے مر جاتی' بے چاری کیسے اپنے والدین کا سامنا کرتی جن سے وہ اس شخص کے لیے لڑتی آ رہی تھی۔" نینال کو اپنی عزیز دوست پر ترس آ رہا تھا۔ اس نے بھی تو زارا کی بہت بے عزتی کی تھی اس کی ایک بات نہیں سنی تھی۔

"وہ تو چلی گئی مگر قسمت مجھ پر مہربان ہو گئی جو توقیر صاحب مل گئے انہوں نے مجھے اپنی کمپنی میں منیجر رکھ لیا وہ مجھ پر بہت بھروسہ کرتے تھے اٹھتے بیٹھتے تمہارے پاگل پن کا ذکر کرتے رہتے پھر انہوں نے بتایا کہ تم ٹھیک ہونے لگی ہو اور مجھ سے درخواست کی کہ تم سے شادی کر لوں میں مان گیا کیونکہ تم ہی وہ سیڑھی ہو جو مجھے اوپر لے جا سکتی ہے وہ بے چارے بھی گزر گئے مگر مجھے پار اتار گئے۔" وہ بہت خوش تھا۔ اپنی اصلیت بتاتے ہوئے اس کے چہرے پر ذرا بھی شرمندگی نہیں تھی۔

"شادی تو میں اب کسی باکردار لڑکی سے کروں گا اب میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔" صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر ذیشان نے آنکھیں بند کر لیں۔

"تم سے شادی مجبوری تھی ورنہ میں کسی کی اترن کبھی قبول نہیں کرتا۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔" وہ دھاڑی۔

"تم کیا سمجھ رہے ہو میں اتنی آسانی سے تمہیں جیتنے دوں گی ہرگز نہیں مجھے ابھی طلاق چاہیے۔" اس کے سر پر کھڑی وہ چلا رہی تھی۔

"ایز یو وش!" ذیشان نے کندھے اچکائے۔ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ذیشان سکندر نے اپنا فیصلہ سنانے میں دیر نہیں کی۔ نینال وہاں سے جانے کے لیے مڑی لیکن ذیشان نے بازو پکڑ لیا۔

"جاہل انسان چھوڑو مجھے۔" اپنا بازو چھڑاتی وہ زور سے چلائی اور اگلے لمحے ذیشان کے زوردار تھپڑ نے سارے الفاظ بھلا دیے وہ بیڈ پر گر گئی۔

"تم کیا سوچ رہی ہو میں تمہیں یہاں سے جانے دوں گا کبھی نہیں' تم یہیں مرو گی اس وقت تک یہیں رہو گی جب تک اپنے گھر اور پراپرٹی کے پیپرز میرے نام نہیں کر دیتیں۔" بات ختم کر کے وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے نینال کے موبائل کی طرف مڑا جو بج رہا تھا۔ دوسری طرف حسن تھا۔

"مجھے بات کرنے دو۔" نینال نے اٹھنا چاہا لیکن اسے دھکا دیتا ہوا موبائل لے کر وہ باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

اس کی جدائی کھا گئی گھن کی طرح ہمیں
ہم سخت جان پہلے تو یوں کھوکھلے نہ تھے
جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا وہ بجا نہ تھا
اتنے برے بھی کب تھے اگر ہم بھلے نہ تھے

اسے اس فلیٹ میں بند ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ وہ سارے پیپرز ذیشان کے حوالے کر چکی تھی۔ وہ وہاں سے نکلنا چاہتی تھی پھر حسن سے رابطہ کر کے یا کسی وکیل سے مل کر ذیشان کو سبق سکھانا چاہتی تھی مگر یہ اس کی سوچ تھی ذیشان نے اسے وہاں سے نکلنے نہیں دیا۔

پورے ہفتے بعد باہر کا دروازہ کھلا تو نینال کی جان میں جان آئی۔ آنے والا ذیشان ہی تھا۔

"گھر تو سیل ہو چکا ہے مس نینال توقیر۔" وہ تھکا تھکا سا اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ نینال آلتی پالتی مارے فلور کشن پر بیٹھی تھی۔

"اور یہ رہے تمہارے ڈائیورس پیپرز۔" اس نے خاکی لفافہ نینال کی گود میں پھینک دیا۔

"ذیشان مجھے یہاں سے جانے دو تم سب کچھ لے چکے ہو اب اور کیا چاہیے؟" وہ اس شخص کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی لیکن رو پڑی۔

"تو وہ اور یہاں تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

"میرا دل گھبراتا ہے یہاں۔" اس کی آواز کپکپانے لگی۔

"تم دل کو سنبھالو جس میں ابھی سو طرح کے نشتر ٹوٹیں گے۔" فیض احمد فیض کی نظم کا فقرہ بول کر وہ زور سے ہنسا۔

"ارے ہاں یاد آیا حسن کا فون پھر آیا تھا بھئی ہمیں تو علم ہی نہیں تھا کہ محبت کی پینگیں ادھر بھی بڑھا رکھی ہیں۔"

"کیا کہہ رہا تھا وہ؟" نیناں بے تابی سے بولی۔

"کہہ رہا تھا نیناں کا فون بند کیوں ہے میں نے اس سے بات کرنی ہے اور بتا رہا تھا کہ اس نے خواب میں تمہیں پریشان دیکھا ہے اس لیے پریشان تھا۔"

"تم نے کیا کہا؟" اسے ایک بار پھر حسن کی بے لوث محبت پر جی بھر کر رونا آ رہا تھا۔

"ہم نے کہہ دیا میڈم عمرہ کرنے گئی ہیں۔" وہ ایسے مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو "بتاؤ کیسا لگا؟" پھر بولا۔

"میں نے کہا میں تو چاہ رہا تھا ساتھ چلوں اور وہ کچھ دن ٹھہر جائے لیکن نہیں مانی اور یہ کہ حسن تمہاری کزن تو میری سنتی ہی نہیں نہ مجھے کچھ سمجھتی ہے۔ بے چارہ آگے سے شرمندہ لگ رہا تھا مجھے سمجھانے لگا کہ تم ماموں کی وجہ سے ڈسٹرب ہو اور بس۔"

"ذیشان سکندر! تم انتہائی گھٹیا انسان ہو بلکہ انسانیت کی توہین ہو، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"اگر آئندہ ایسی بکواس کی تو زبان کاٹ دوں گا۔" اسے بالوں سے پکڑ کر ذیشان نے اٹھایا۔ "مت بھولو کہ تم میرے رحم و کرم پر ہو۔" اسے زمین پر دھکا دے کر وہ ایک بار پھر چلا گیا۔

تین ماہ بعد ذیشان دوبارہ وہاں آیا تھا۔ پچھلی دفعہ کچن میں ضرورت کی چیزیں رکھ کر وہ ایسا گیا کہ پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اسے تیز بخار تھا وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ ذیشان جلدی میں تھا اور اسی جلدی میں وہ لاؤنج کا دروازہ کھلا چھوڑ کر بیڈ روم میں چلا گیا۔ کھلے دروازے کو دیکھ کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے وہیں سے کمرے میں جھانکا۔ اس کی جانب پشت کیے وہ ٹی وی ٹرالی میں سے کوئی کاغذ ڈھونڈ رہا تھا۔ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر وہ دبے پاؤں لاؤنج سے باہر نکل آئی اور پھر گیٹ کھول کر اس نے تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ باہر رات کافی سرد تھی۔ ساری سڑک سنسان تھی۔ بھاگتے بھاگتے وہ گر گئی اور کوشش کے باوجود دوبارہ اٹھ نہیں سکی۔ تیز بخار کی وجہ سے اس کا سارا وجود نڈھال سا تھا۔ پچھلے تین دنوں سے بھوکے ہونے کی وجہ سے بھی برا حال تھا۔ رو رو کر دماغ چکرا رہا تھا۔

دوبارہ پکڑے جانے کا خوف بھی ذہن میں تھا لیکن اس میں مزید چلنے کی ہمت نہیں تھی۔ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اندھیرے میں سامنے سے گاڑی کی لائٹس دیکھیں۔ وہ ہاتھ دے کر گاڑی کو روکنا چاہتی تھی لیکن آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

"آپ خوب صورت لڑکیاں دیکھیں مجھے نہ بلائیں۔" ہاسپٹل کے کوریڈور میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ ناراضی سے بولی۔

"بھئی ہماری مسز بذات خود مس ورلڈ ہیں ہم کسی کو کیوں دیکھیں گے۔" وہ مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ہانیہ اسے گھور کر سامنے دیکھ کر چلنے لگی۔ اس کی نظریں سامنے سے آتی لڑکی پر ٹھہر گئیں۔ بلیک سوٹ میں زرد سا بے رونق چہرہ کندھے پر پڑا دوپٹا زمین صاف کر رہا تھا۔ خالی خالی نظریں سامنے جمائے وہ نرس کے ساتھ ان کی طرف آ رہی تھی۔ نرس نے اس کا بازو زور سے پکڑ رکھا تھا۔

ہانیہ کو وہ چہرہ دیکھا دیکھا لگا۔ دانیال اسے چلنے کو کہہ رہا تھا لیکن وہ اسے کب سن رہی تھی۔ وہ لڑکی ذرا قریب آئی تو ہانیہ نے غور سے دیکھا اور پھر ذہن میں جو ہنستا مسکراتا خوب صورت چہرہ آیا تھا وہ نیناں توقیر کا تھا۔ "نیناں" اس کے ہونٹ ہلے۔ وہ ان کے پاس سے گزر رہی تھی۔ ہانیہ نے تیزی سے انہیں روک لیا۔

"تم نیناں ہو نا نیناں توقیر؟" اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے وہ بمشکل بولی۔ وہ اسے دیکھ نہیں رہی تھی اس کی خالی خالی نظریں اب بھی سامنے کوریڈور کے آخری سرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ لمبے کھردرے بکھرے بال اس کی پشت پر تھے۔ اس کے خشک ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچا بنی ہوئی تھی۔ ننگے پاؤں کافی گندے لگ رہے تھے۔

"بولو تم نیناں ہو؟" ہانیہ نے اسے جھنجوڑ دیا اسے یقین نہیں آ رہا تھا ان کی وہ دوست جس کی خوبصورتی اور قسمت پر زمانہ رشک کرتا تھا وہ اس حال تک کیسے پہنچ گئی۔

"یہ کون ہے؟" وہ نرس کی طرف پلٹی۔

"پتا نہیں ابھی ایک ہفتہ پہلے انہیں ڈاکٹر رحمان ہاسپٹل میں لے کر آئے ہیں یہ ان کی گاڑی سے ٹکرا گئی تھیں ہم نے تو بہت کوشش کی ان سے پوچھنے کی مگر یہ بولتی نہیں ہیں۔" نرس نے بتایا۔

"اب آپ انہیں کہاں لے جا رہے ہیں؟" دانیال نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہم انہیں دارالامان بھیج رہے ہیں۔"

"نیناں میری بہن۔" ہانیہ اس کے وجود کو خود سے لگا کر رونے لگی اس کی آنکھوں میں نہ شناسائی تھی نہ چہرے پر کوئی تاثر۔

"آپ ہمیں ڈاکٹر رحمان سے ملوا سکتی ہیں؟" دانیال نے کہا تو نرس انہیں ڈاکٹر رحمان کے روم میں لے آئی۔ وہ درمیانی عمر کے خوش شکل آدمی تھے انہیں بہت اچھے طریقے سے ملے۔

"ڈاکٹر صاحب ہم نیناں کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں۔" دانیال نے سر جھکا کر بیٹھی نیناں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ہانیہ کی آنکھیں اب بھی برس رہی تھیں۔

"پچھلے ہفتے میں یہاں سے فارغ ہو کر رات کو گھر جا رہا تھا یہ مجھے راستے میں بے ہوش ملی تھیں اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"یہ بولتی کیوں نہیں ہے؟"

"پہلے تو ہم سمجھے کہ یہ بول نہیں سکتیں نہ سن سکتی ہیں ہم نے اشارے کنایوں سے بات کرنا چاہی لیکن یہ ایسے ہی چپ رہتی ہیں میرا خیال ہے یہ خود ہی بولنا نہیں چاہتیں۔" ڈاکٹر رحمان نے اپنا نظریہ بتایا۔

"لیکن کیوں؟"

"یہ تو یہی بتا سکتی ہیں شاید ان کے ساتھ کچھ اتنا برا ہوا ہے کہ زندگی سے دور بھاگ رہی ہیں آپ خود نوٹ کریں یہ جینا ہی نہیں چاہتیں۔" تینوں نے نیناں کو دیکھا وہ سر جھکائے اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ بہت ویک ہیں میرا خیال ہے پچھلے کچھ عرصے سے انہیں پراپر خوراک نہیں مل سکی آپ انہیں لے جائیں اور ان کا علاج کسی ماہر نفسیات سے کروائیں۔" انہوں نے مشورہ دیا۔

"آپ ان کے کیا لگتے ہیں؟" انہیں خیال آیا۔

"میں ان کا دوست ہوں آپ بھائی کہہ لیں اڑھائی سال پہلے میں سعودیہ شفٹ ہو گیا تھا ہم لوگ وہاں سے فون کرتے رہے لیکن نیناں نے ہر بار بات کرنے سے انکار کر دیا پھر فون کا سلسلہ [illegible] رک گیا اور اب میرے ابا جی یہاں ایڈمٹ ہیں [illegible] ان سے ملنے آئے تھے۔" دانیال نے بتایا۔

"شاید آپ توقیر صاحب کو جا[illegible] ہوں؟"

"وہ جو بہت بڑے مل اونر تھے۔"

"جی، جی۔"
"نمگران کی تو ڈیتھ ہو چکی ہے۔"
"جی ہمیں بھی پاکستان آ کر معلوم ہوا ہے ہم تو نیناں سے ملنے گئے تھے مگر اب وہ گھر کسی اور کے پاس ہے دراصل نیناں توقیر صاحب کی بیٹی ہے۔"
"اوہ!" ڈاکٹر رحمان کو کچھ یاد آیا۔
"میں ان کے جنازے میں شریک ہوا تھا اور ان کے داماد سے بھی ملا تھا آج کل وہ ہی توقیر صاحب کا کاروبار چلا رہے ہیں۔"
"ان کے داماد کا نام سید مظہر علی شاہ ہے؟" ہانیہ نے جلدی سے پوچھا۔
"نہیں یہ نام تو نہیں ہے آپ خود ان سے مل لیں وہ اسی شہر میں ہوتے ہیں۔ توقیر صاحب کے آفس میں آپ ان سے مل سکتے ہیں۔" وہ دونوں نیناں کو لے کر کمرے سے باہر نکل آئے۔

☼ ☼ ☼

ابھی کیا کہیں ' ابھی کیا سنیں
کہ سر فصیل سکوت جاں
کف روز شب یہ شرر نما
وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اسے کس ہوا نے بجھا دیا
کبھی لب ہلیں تو یہ پوچھنا
ابھی کیا کہیں ' ابھی کیا سنیں
یونہی خواہشوں کے فشار میں
کبھی بے سبب کبھی بے خلل
کہاں کون کس سے بچھڑ گیا
کسے ' کس نے گنوا دیا
کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا

"نیناں پلیز بتاؤ تو سہی کیا ہوا ہے؟" وہ دونوں ہلکان ہو چکے تھے۔ بات کرنا تو دور کی بات وہ انہیں دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔
"تم تو زارا سے ملتی ہو گی نا ہمیں بھی بتاؤ اس کی ڈیتھ کیسے ہوئی؟" ہانیہ کو زارا یاد آ گئی ابھی کل ہی وہ دونوں اس کے گھر جا کر یزدانی صاحب سے ملے تھے پھر زارا کی قبر پر ہو کر واپس آئے۔
"مظہر تو نیناں سے بہت محبت کرتا تھا پھر ان کی شادی کیوں نہیں ہوئی؟" ہانیہ دانیال سے پوچھنے لگی

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آیا ہی نہیں ہو کیونکہ آخری بار جب زارا سے بات ہوئی اس نے بتایا تھا کہ نہ مظہر خود واپس آیا نہ فون کیا نہ اس کا ایڈریس کسی کے پاس تھا۔"
"آپ کے پاس بھی نہیں؟" ہانیہ مظہر سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔
"اتنا پتا ہے کہ وہ سندھ کے کسی گاؤں میں رہتا ہے اور بس۔" مظہر نے کبھی اپنی فیملی یا گاؤں کا ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ وہ وہاں بہت کم جاتا تھا۔
"آپ صبح توقیر انکل کے آفس جائیے گا وہاں نیناں کے ہزبینڈ سے ملیے گا یقیناً" وہ ہمیں سب بتائے گا۔" دوسرے کمرے سے بچے کے رونے کی آواز آنے لگی تو ہانیہ باہر بھاگ گئی۔ دانیال دکھ بھری نظروں سے نیناں کو دیکھنے لگا۔
"نیناں یہ عبداللہ ہے تمہارا بھتیجا اور بھانجا۔" ہانیہ ڈیڑھ سال کے بچے کو اٹھائے اندر آئی اور نیناں کی گود میں بٹھا دیا۔ نیناں کارپٹ کو دیکھ رہی تھی اسے ہی دیکھتی رہی۔ عبداللہ رونے لگا تو ہانیہ نے اسے اٹھا لیا۔

☼ ☼ ☼

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر وہ آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ ایک مانوس سی خوشبو ناک سے ٹکرائی تو دل زور سے دھڑکا۔ یہ خوشبو اسے بہت پسند تھی اور مظہر یہی استعمال کرتا تھا۔
"نیناں دیکھو کون آیا ہے تم سے ملنے۔" دانیال نے کہا۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے بالوں پر وہ ہاتھ ٹھہر گیا۔
"نینی!" اس نام سے پکارنے والا صرف ایک ہی شخص تھا نیناں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے پاس وہی شخص بیٹھا تھا۔ نیناں بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔ گزرے وقت میں وہ ذرا نہیں بدلا تھا بلکہ اور زیادہ گریس فل ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر واحد تبدیلی اس کی ہلکی براؤن آنکھوں کے گرد پڑنے والے حلقے تھے۔
"مجھے معاف کر دو۔" مظہر نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ نیناں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ جب وہ اس شخص کو خوابوں میں حقیقت میں پاگلوں کی طرح ڈھونڈتی پھر رہی تھی وہ نہیں ملا اور اب جب اس نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ اسے کبھی وہ نظر نہ آئے تو وہ اس کے سامنے تھا۔
"پلیز مجھے معاف کر دو۔" وہ رو رہا تھا۔ نیناں کی بند آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔
"میں نے جو کیا وہ جان بوجھ کر نہیں کیا ان اڑھائی سالوں میں وہ کون سا لمحہ تھا جو عذاب نہیں بنا، مجھے نیناں توقیر کی محبت نے بہت رلایا۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔ وہ جو سمجھ رہی تھی اسے مظہر علی شاہ سے نفرت ہے اسے مظہر کا بھیگا لہجہ دکھ دے رہا تھا۔
"نینی! صرف ایک بار معاف کر دو۔" مظہر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کتنا روئی تھی وہ اس لمس کو پھر سے محسوس کرنے کے لیے۔ مگر اب دل میں ایسی چاہت نہیں تھی نیناں نے اپنا ہاتھ نرمی سے چھڑا لیا۔ مظہر نے مڑ کر دانیال اور ہانیہ کو دیکھا دونوں نے اسے وہاں سے اٹھنے کا اشارہ کر دیا وہ خاموشی سے اٹھ گیا۔
"آؤ باہر چل کر بیٹھتے ہیں۔" دانیال نے کہا۔
"ہاں نیناں کو دل کا بوجھ ہلکا کرنے دو۔" ہانیہ کی بات پر اس نے مڑ کر دیکھا بند آنکھیں برس رہی تھیں۔ ہونٹ بھینچے وہ خود پر ضبط کر رہی تھی۔ مظہر کا دل ڈوب سا گیا۔ اس کی اجڑی حالت دیکھ کر احساسِ جرم اور شدت اختیار کر گیا۔

☼ ☼ ☼

ہانیہ پیچھے سے اسے سوپ پلاتی ہوئی ماضی کو یاد کر رہی تھی۔ وہ کبھی ہنس دیتی اور کبھی رو دیتی۔
"ہم دونوں اب یہیں رہیں گے وہاں میرا دل نہیں لگتا پھر ابا جان دانیال کے بغیر بہت اداس رہتے ہیں۔" وہ بتا رہی تھی جب دانیال گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔
"ہنی! مظہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"
"کیا!" ہانیہ سے پہلے وہ کھڑی ہوئی۔ وہ جو ہر کوشش کر کے مایوس ہو گئے تھے خوش ہو گئے وہ بول پڑی تھی۔
"کہاں ہے وہ؟" وہ تیزی سے دانیال کی طرف بڑھی۔
"ابھی ہسپتال سے لایا ہوں بیٹھک میں ہے۔" اس نے کہا اور نیناں صحن کے آخری سرے پر بنے کمرے کی طرف بھاگی۔ مظہر سنگل بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔
"مظہر!" اس نے اسے بازو سے جھنجھوڑا۔
"دانی کوئی مسئلہ تو نہیں ہے نا؟" وہ دروازے میں کھڑے دانیال کی طرف پلٹی۔
"نہیں نہیں بس ٹھیک ہو جائے۔" وہ جلدی سے بولا۔ وہ کارپٹ پر بیٹھ کر بیڈ پر سر رکھے خاموش آنسو بہانے لگی۔ پیچھے سے دانیال کے ہنسنے کی آواز آئی۔ نیناں نے چونک کر سر اٹھایا۔ ہانیہ بھی ہنستی جا رہی تھی۔
"اوئے مجنوں اب بس کر۔" دانیال نے مظہر سے کہا تو آنکھیں کھول کر وہ بھی ہنسنے لگا۔ نیناں کھڑی ہو گئی۔
"ویسے نیناں ہمیں افسوس رہے گا یار کتنے جتن کیے تمہیں بلوانے کے۔" دانیال نے گلہ کیا۔ اسے ان کی اداکاری پر افسوس ہو رہا تھا۔
"تم نے مجھے معاف کر دیا نا؟" مظہر اٹھ گیا۔
"شٹ اپ!" وہ چلائی۔
"نینی!" مظہر نے کچھ کہنا چاہا۔
"مت کہو مجھے نینی وہ تو مر گئی تم نے مار دیا اسے

تمہارے سامنے مسز ذیشان سکندر کھڑی ہے۔"

"لیکن پہلے میری بات سنو پھر بتانا۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا تم لوگوں کا شیوہ ہے مذاق ہی مذاق میں زندگیوں سے کھیلنا ہاں یہ ہے تم لوگوں کی۔" وہ زور زور سے بولی۔ وہ تینوں گھبرا گئے۔

"مجھے تم سے نفرت ہے شدید نفرت۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔

"یہ ہو چکا ہے۔"

"تم اس کی بات تو سن لو پلیز۔" دانیال نے اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ ہانیہ عبداللہ کو لینے چلی گئی۔

"مظہر نے مجھے بتایا ہے کہ جس رات یہ یہاں سے گیا تھا اسی رات اس کے بابا سائیں کی طبیعت بہت خراب تھی انہوں نے مظہر سے وعدہ لے لیا کہ یہ آئندہ لاہور نہیں آئے گا اور زرتاج کے ساتھ رہے گا وہ کمزور لمحہ تھا مظہر نے وعدہ کر لیا ورنہ اس کی بہن کو طلاق ہو جاتی اور پھر مظہر کی ماں نے اس کے پیروں میں اپنا دوپٹا رکھ کر اپنی بیٹی کی خوشیاں مانگی تھیں۔" مظہر خاموش تھا۔ دانیال بتا رہا تھا۔

"تم خود سوچو نہناں ایسے لمحات میں انسان ہار جاتا ہے اور مظہر نے تو بہت دکھ اٹھایا ہے اس دوران اس کے بابا سائیں کا انتقال ہو گیا' زرتاج نے چھ ماہ بعد خودکشی کر لی کیونکہ مظہر اسے اس کا حق نہیں دے سکا اور مظہر کی آپا کو طلاق مل گئی۔"

"اس نے کسی اور کی زندگی برباد کی تھی اللہ نے اس کی بہن کو برباد کر دیا۔" نہناں نے مسکرا کر کہا۔

"مت بھولو کہ وہ تمہاری محبت میں زرتاج کو نظر انداز کرتا رہا اور اسی وجہ سے اس کی آپا اجڑ گئیں۔" دانیال کو اس کی مسکراہٹ پر غصہ آیا۔

"میری محبت میں۔" وہ حیران ہوئی۔ "یہ شخص انسانیت کی توہین ہے اسے کیا معلوم محبت کیا ہوتی ہے اگر یہ جذبہ اسے چھو کر بھی گزرتا تو یہ صرف ایک بار مجھے بتاتا تو سہی کہ میں نہیں آؤں گا' میں اس انتظار میں اپنے بابا جان کو ناشاد کبھی نہ کرتی۔" وہ رو پڑی۔

"مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔" مظہر بولا۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے' تمہارے باپ نے میری پھوپھو کو برباد کر دیا اور تم نے مجھے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اب تمہیں خوش ہونا چاہیے' ہنسو تالیاں بجاؤ۔" وہ غصے میں بول رہی تھی مظہر اور دانیال حیران نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"باپ سے کیے وعدے کا اتنا ہی خیال تھا تو اب کیوں آئے ہو یہاں؟"

"میرا ان سے وعدہ زرتاج کی حد تک تھا وہ چاہتے تھے ان کی بیٹی خوش رہے لیکن جب زرتاج ہی نہ رہی اور آپا بھی اجڑ گئیں تو مجھے وہاں کیا کرنا تھا اور میں تو اس وقت ہی اس شہر میں آنا چاہتا تھا جب زرتاج کی ڈیتھ ہوئی لیکن نجانے کیوں اتنا حوصلہ نہیں کر سکا اور میرا خیال تھا تم شادی کر چکی ہو گی۔" سر جھکائے وہ کہہ رہا تھا۔

"تم نے مجھے بھی اپنے جیسا سمجھ لیا۔" وہ طنزیہ مسکرائی۔

"پلیز بند کرو اس بحث کو۔" دانیال نے زور سے کہتے ہوئے اپنا سر پکڑ لیا۔

"آخر تم دونوں مان کیوں نہیں لیتے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"دانیال احمد اس شخص کے ساتھ رہنا تو دور کی بات ہے میں اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔" اس کی آنکھوں اور چہرے پر ذرا نرمی نہیں تھی۔

"جھوٹ بولتی ہو تم۔" مظہر کو اس کی محبت پر اب بھی یقین تھا۔

"سچ یہی ہے کہ مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔" وہ چلائی۔ دانیال بے بسی سے باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دانیال کے ابا جی ڈسچارج ہونے کے بعد گاؤں جا چکے تھے۔ دانیال اور ہانیہ کے جانے کے بعد وہ لوگ گاؤں شفٹ ہو گئے تھے۔ دانیال بھی کچھ دن گاؤں میں گزارنا چاہتا تھا لیکن نہناں اور مظہر کا مسئلہ حل ہونے

میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی نہناں کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے لیکن وہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

آج بھی وہ دونوں نہناں کو زبردستی باہر کھانا کھلانے کے لیے لائے تھے۔ مظہر ان کے ساتھ تھا اور دونوں میں اجنبیت کی دیوار ابھی تک قائم تھی۔

"نہناں ہم دونوں تو صبح گاؤں جا رہے ہیں تم بھی ساتھ چلو بھابھی اور بھیا تم دونوں سے مل کر خوش ہوں گے۔" ویٹر کو آرڈر دے کر دانیال نے کہا۔

"نہیں تم لوگ جاؤ مجھے صبح اپنے وکیل سے اور بابا جی سے ملنا ہے۔" اس کا رویہ ہر کسی کے ساتھ کھنچا ہوا تھا۔

"بابا جی کون ہیں اور وکیل سے کیوں ملنا ہے؟" ہانیہ نے پوچھا۔

"کچھ کام ہے۔" نہناں جواب دے کر گلاس ونڈو سے باہر سڑک پر دوڑنے والی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

"تمہیں یاد ہے ہم لوگ اسی ہوٹل میں آیا کرتے تھے۔" کھانا شروع کرتے ہوئے مظہر نے شاید دانیال سے کہا تھا وہ باہر دیکھتی رہی۔

"ہاں اور آج ہم میں زارا نہیں ہے۔" ہانیہ نے انہیں اداس کر دیا۔ نہناں کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ "کاش اس روز میں زارا کی اتنی انسلٹ نہ کرتی۔" اس نے سوچا۔

"نہناں تم بھی لو نا۔" ہانیہ نے اسے کہنی ماری۔ وہ چونکی اور نظریں نہ چاہتے ہوئے بھی سامنے بیٹھے مظہر پر پڑ گئیں۔ پلیٹ میں چمچہ گھماتا وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ وہی ہوٹل تھا' وہی دوست تھے اور وہی شخص اس کے سامنے تھا لیکن وقت نے دونوں کے درمیان ان دیکھی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

"تم دونوں کیا سوچ رہے ہو؟" دانیال نے کہا تو دونوں کی نظریں ایک لمحے کے لیے ٹکرائیں اگلے ہی لمحے نہناں نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

وہ بے دھیانی میں ان کے پیچھے سیڑھیاں اتر رہی تھی جب کسی نے سختی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف موڑا۔ وہ پلٹی اور سامنے ذیشان کو دیکھ کر اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔

"تم!" اس کی آواز پر ہانیہ' دانیال اور مظہر نے ایک ساتھ مڑ کر اسے دیکھا۔

"واہ نہناں واہ! بہت خوب' میں وہاں سارے شہر میں خوار ہو رہا ہوں اور تم یہاں اپنے سابقہ عاشق کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہو۔" ذیشان نے ایک تیز نظر مظہر پر ڈالتے ہوئے اسے کہا۔

"بند کرو اپنی بکواس۔" نہناں دو قدم پیچھے ہٹی۔

"میرے ساتھ گھر چلو۔" ذیشان نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا تو سب سے پہلے مظہر آگے بڑھا۔

"تم کون ہوتے ہو اس سے یوں بات کرنے والے۔" مظہر نے نہناں کا بازو چھڑایا تو وہ مظہر کے پیچھے چھپ گئی۔

"تم سے تو بعد میں نبٹوں گا۔" اسے دھمکی دے کر ذیشان نے نہناں کی طرف بڑھنا چاہا لیکن مظہر نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"خبردار جو تم نے نینی کو ہاتھ لگایا۔"

"وہ تمہاری محبوبہ ہی نہیں میری بیوی بھی ہے۔" گریبان چھڑاتے ہوئے ذیشان نے جو بات کہی وہ ان تینوں کے لیے حیران کن تھی۔ وہ اسے زارا کے حوالے سے جانتے تھے اور نہناں کے ساتھ اس کے اس رویے پر حیران تھے مگر ذیشان نے انہیں مزید حیران کر دیا۔ نہناں تو فیر ذیشان سکندر سے کیسے شادی کر سکتی تھی؟ ذیشان کی بات پر مظہر کے چہرے پر تاریک سا سایہ آ کر گزر گیا۔ ذیشان نے ایک بار پھر نہناں کا بازو پکڑنا چاہا۔

"یہ بکواس کرتا ہے مظہر یہ مجھے طلاق دے چکا ہے۔" نہناں نے مضبوطی سے مظہر کا بازو پکڑ لیا۔

"جھوٹ بولتی ہے یہ۔" ذیشان دھاڑا۔ دانیال اور ہانیہ منہ کھولے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"یہ میری بیوی ہے اور گھر سے بھاگ کر آئی ہے۔" ذیشان نے نہناں کو بازو سے پکڑ کر کھینچا لیکن نہناں نے مضبوطی سے مظہر کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

"وہ تمہاری بیوی ہے تو تمیز سے بات کرو۔" دانیال

نے آگے بڑھ کر نہناں کا بازو چھڑایا وہ روتی ہوئی دانیال کے کندھے سے لگ گئی۔

"ایسی لڑکیوں سے کیسے بات کی جاتی ہے یہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔" ذیشان نے کہا۔

"دانی اس نے مجھے طلاق دے دی ہے' یہ مجھے قید کرنا چاہتا ہے اس نے پاپا جان کا گھر میری اجازت کے بغیر سیل کر دیا ہے۔" برستی آنکھوں کے ساتھ نہناں نے بتایا۔ وہاں سے گزرتے بہت سے لوگ مڑ مڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔

"بکواس کرتی ہے یہ اور میں جانتا ہوں یہ سارے جھوٹ مظہر نے سکھائے ہیں' شرم آنی چاہیے تم دونوں کو اب ایسے تعلقات رکھتے ہوئے۔" ذیشان کی بات مکمل ہوئی اور مظہر نے زوردار مکا اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ زمین پر گر گیا۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے اپنی بیوی پر الزام لگاتے ہوئے۔" وہ غرایا۔

"میں اس کی بیوی نہیں ہوں۔" نہناں زور سے چلائی۔

"مظہر پلیز اسے تھانے لے چلو اس نے مجھے بہت مارا ہے' مجھے طلاق دینے کے بعد تین ماہ بند رکھا اور پاپا جان کی۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی مظہر اور دانیال نے ذیشان کو پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے گاڑی کی طرف لے گئے۔ وہ انہیں گالیاں اور دھمکیاں دے رہا تھا۔

"تم دونوں ٹیکسی لے کر گھر چلو۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مظہر نے کہا تو نہناں آنسو صاف کرتے پریشان عبداللہ کو کندھے سے لگا کر کھڑی ہانیہ کی طرف آ گئی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں اب مظہر سے شادی کر لینی چاہیے۔" ساری بات سن کر ہانیہ نے مشورہ دیا۔

"وہ شخص محبت کے نام پر مجھے بہت برا دھوکہ دے چکا ہے اب میں دوبارہ اس پر یا کسی اور پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"

ہانیہ نے عبداللہ کو بیڈ پر لٹا دیا اور خود اس کے پاس آ گئی۔

"وہ غلط نہیں ہے وہ تمہیں سچے دل سے اپنانا چاہتا ہے۔"

"سوری ہنی ایسا نہیں ہو سکتا۔" نہناں نے سر گھٹنے پر رکھ لیا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا؟"

کل اس کی ماں بیمار ہو گئی وہ اسے کہے گی کہ مجھے چھوڑ دو وہ پھر کمزور ہو جائے گا مجھے چھوڑ دے گا تو میں کیا کروں گی؟" گھٹنوں سے سر اٹھا کر نہناں نے سرخ ہوتی آنکھیں ہانیہ پر جما دیں۔

"یہ ساری پابندیاں زرتاج کی وجہ سے تھیں اور دوسری وجہ اس کی آپا تھیں تم خود سوچو اب وہ ایسا کیوں کرے گا جب وہ مجبوریاں ہی نہیں رہیں اور نہناں میری بہن یہ ٹھیک ہے کہ محبت بہت خوب صورت طاقتور رشتہ ہے مگر کچھ ایسے رشتے بھی ہوتے ہیں جس کی خاطر جن کی خوشی اور سکھ کے لیے ہمیں اپنی محبت کی قربانی دینی پڑتی ہے اسی کا نام زندگی ہے۔" اس کے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے ہانیہ بہت پیار سے سمجھا رہی تھی۔

"مظہر نے اپنے والدین کی التجا مان لی' اپنی بہن کی خوشی کے لیے اپنی خوشی قربان کر دی اور اب قدرت اگر دوبارہ تم دونوں پر مہربان ہو رہی ہے تو تم کیوں ضد کر رہی ہو۔"

"وہ دوبارہ بھی کسی رشتے کے لیے مجھے قربان کر سکتا ہے بس تم اس بات کو رہنے دو۔" نہناں نے منہ پھیر لیا۔ ہانیہ سرد آہ بھر کر رہ گئی۔ باہر گاڑی کا ہارن بج رہا تھا۔

"شاید وہ دونوں آ گئے ہیں۔" ہانیہ نے اندازہ لگایا۔ آنے والے وہ دونوں ہی تھے۔

"تم نے ذیشان جیسے درندے کے ساتھ شادی کیسے کر لی؟" دانیال کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا ہانیہ ان کے لیے پانی لینے چلی گئی۔

"یہ پاپا جان کا فیصلہ تھا۔" اس نے مختصراً انہیں

ساری بات بتا دی۔ مظہر کا دل چاہ رہا تھا اسے کہہ دے انسان ایسے ہی بے بس ہو جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے بیمار باپ' سسکتی بہن اور پاؤں پر اپنی چادر رکھ کر التجائیں کرتی ماں کے آگے ہار گیا تھا لیکن وہ کہہ نہیں سکا۔ نہناں کی سرخ ہوتی ناک اور سرخ آنکھیں بتا رہی تھیں وہ روتی رہی ہے۔

"ہم نے ڈاکٹر رحمان کو بھی بلا لیا انہوں نے بھی بتایا کہ تم کس حال میں انہیں ملی تھیں۔ فی الحال وہ اریسٹ ہو چکا ہے۔ باقی سب تم خود جا کر بتاؤ گی۔" ہانیہ ان کے لیے سادہ پانی لے آئی۔

"میری بیوی اس چکر میں کتنی کمزور ہو گئی ہے یار نہناں تم بھی ذرا ہاتھ ہلا لیا کرو۔" ہانیہ سے پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے دانیال نے اسے پر شوق نظروں سے دیکھتے ہوئے ماحول کو خوش گوار بنانا چاہا۔

"ہنی پہلے سے صحت مند ہو گئی ہے۔" مظہر نے ہانیہ کو دیکھا۔ سنجیدہ رہنے والی ہانیہ اب بات بے بات ہنستی تھی۔ دانیال کی قربت اور محبت نے اسے نکھار دیا تھا اور اب تو وہ ایک بیٹے کی ماں بن چکی تھی۔ وہ پہلے جیسی اسمارٹ نہیں تھی لیکن اس کا نکھرا نکھرا فریش روپ اچھا لگتا تھا۔ اس سے ہوتی ہوئی نظر نہناں پر ٹھہر گئی۔

اڑھائی سال پہلے وہ ایئرپورٹ پر جس نہناں تو قیر کو چھوڑ کر گیا تھا وہ اس سے بہت مختلف تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اب اندر کو دھنسی ہوئی تھیں گلابی رنگت میں زردیاں گھل گئیں' رویا رویا اور اترا ہوا چہرہ ہر وقت بے زار رہتا وہ جیسے ہنسنا بھول چکی تھی۔ ہر وقت ہنستی مسکراتی نہناں کو اس نے کسی بات پر مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ جو ہر وقت شوخ رنگوں میں نظر آتی تھی اب سفید رنگ پہنے رکھتی۔ سیدھی مانگ نکال کر بالوں کی سادی چٹیا بنائے وہ ہر وقت دوپٹا سر پر اوڑھے رکھتی۔ وہ نرم ہاتھ جو ہر وقت قیمتی انگوٹھیوں' ناخن کیوٹکس سے سجے رہتے تھے اب ہڈیاں باہر کو نکلی ہوتی تھیں۔ ناخن کٹے ہوئے اور سادہ رہتے۔ مظہر کا دل شدت سے چاہ رہا تھا وہ دوبارہ

سے اسے زندگی کے سارے رنگ لوٹا دے لیکن نہنا نے اس سے سارے اختیار چھین لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

بابا جی نل سے کٹورے میں پانی بھر رہے تھے۔ پانی کا کٹورا اپنی جگہ پر رکھ کر وہ نہناں کی طرف پلٹے۔ وہ دھوپ میں بچھی صف پر بیٹھی ان کی منتظر تھی۔ بابا جی اس کے سامنے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئے وہ آنکھیں بند کیے کچھ پڑھ رہے تھے نہناں خاموشی سے ان کے پرنور چہرے کو دیکھتی رہی۔ ان کے نورانی چہرے پر سرخ داڑھی اور سرخ بال بہت اچھے لگتے تھے۔ نہناں نے ہمیشہ انہیں صاف ستھرے لباس میں دیکھا تھا۔ سفید شلوار قمیص کے ساتھ سردیوں میں کندھوں پر کالی گرم چادر ڈالے رکھتے۔

"تم نے مظہر کی بات ماننے سے انکار کیوں کر دیا؟" اچانک بابا جی نے آنکھیں کھولیں اور تسبیح ایک طرف رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں اب اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہتی۔"

"کسی انسان پر بھروسہ کیا بھی نہیں جا سکتا۔" وہ مسکرائے "انسان تو خود اس کے حکم کے آگے بے بس ہوتا ہے' وہ اس تقدیر کے تابع ہے جو اس نے لکھ دی ہے جس کے افعال اور جس کی سانسیں اس کے بس میں ہی نہیں اس پر کیا بھروسہ کرنا۔" بابا جی نے اس سے نظریں ہٹا کر نیلے آسمان کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"بھروسہ صرف اس کی ذات پر کرنا چاہیے۔" انہوں نے انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔

"اس کی ذات پر بھروسہ کرو اور آگے بڑھنے میں دیر نہ کرو ورنہ تم پھر پچھتاؤ گی۔" وہ پھر نہناں کو دیکھنے لگے۔

"آپ جانتے ہیں اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔"

"اپنوں پر ان کی غلطیاں جتائی نہیں جاتیں انہیں

معاف کردیا جاتا ہے ویسے بھی اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" ان کی بات پر نہناں نے سر جھکا دیا۔

"تم اپنے رب سے غافل تھیں اپنے دین سے دور تھیں اللہ نے تم پر رحم کیا تمہیں تمہارے حال پر چھوڑنے کی بجائے سیدھا راستہ دکھایا اور اس ہدایت کا سبب مظہر علی شاہ ہی بنا ہے اس کی دوری نے تمہیں بے چین کیا اور تم سکون پانے کے لیے اپنے رب کی طرف آئیں' اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں سنبھال لیا اور اب تمہارے من کی مراد بھی دے رہا ہے۔" وہ دھیرے دھیرے بول رہے تھے نہناں کو دل سے سارا بوجھ سرکتا محسوس ہو رہا تھا۔

"بابا جی مظہر کی وجہ سے میں نے پاپا جان کو بہت دکھی کیا تھا۔" اس نے آخری کانٹا بھی باہر نکال دیا۔

"کوئی کسی کو دکھی نہیں کرتا جب بندے کے گناہ بہت بڑھ جاتے ہیں اور وہ گمراہی میں بہت آگے نکل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارا ادا کرنے کے لیے اسے دکھ میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہ بھی اس کا کرم ہے کہ وہ دنیا میں ہی اپنے بندے کے گناہوں کا کفارا ادا کر دیتا ہے۔"

"نہناں اٹھو نماز پڑھ لو۔" ہانیہ نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" اتنے خوب صورت خواب کا سلسلہ ٹوٹنے پر وہ چڑ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب خواب میں دیکھ رہی تھی۔

"اذان ہو گئی ہے نماز پڑھ لو۔" ہانیہ باہر نکلی تو وہ بھی پیچھے ہی صحن میں آ گئی آسمان پر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں ستارے چمک رہے تھے۔ بہت دیر بعد اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔

"آج ہم دونوں کے ساتھ مظہر بھی گاؤں جا رہا ہے۔" ناشتے کے دوران دانیال نے بتایا۔ "میں بھی چلوں گی۔" اس نے عبداللہ کو اوپر اچھالتے ہوئے کہا۔ عبداللہ بے تحاشا ہنس رہا تھا وہ بھی مسکرانے لگی۔ ہانیہ اور دانیال کو حیرت ہوئی۔

"میں مظہر کی طرف جا رہی ہوں دوپہر تک ہم دونوں آجائیں گے۔"

"تم مذاق کر رہی ہو؟" ہانیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں مظہر سے شادی کر رہی ہوں۔" عبداللہ کو کندھے سے لگا کر وہ آرام سے بولی۔

"کیا واقعی!" وہ دونوں خوش ہو گئے۔

"پہلے ہی مان جاتیں دیکھو میری بیگم تمہاری فکر میں کیسے ہلکان ہو گئی ہے۔" دانیال نے کہا وہ ہنسنے لگی۔

ناشتے کے بعد اس نے سفید لباس کی بجائے اسکائی بلیو اور ڈارک بلیو کومبی نیشن کا سوٹ پہن لیا۔ ہلکے آسمانی رنگ کی شرٹ کے گلے اور بازوؤں پر بلیو دھاگے اور موتیوں کا کام ہوا تھا۔ ہونٹوں پر نیچرل کلر کی لپ اسٹک کے علاوہ آئی میک اپ کے بعد وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

مظہر اپنے اسی فلیٹ پر رہ رہا تھا۔ بار بار بیل دینے پر اس نے دروازہ کھولا وہ ابھی اٹھا تھا۔ نیند سے بوجھل آنکھیں' پرشکن لباس اور بکھرے بال لیے وہ دروازہ کھولے حیران پریشان اسے دیکھ رہا تھا۔

"اندر نہیں آنے دو گے؟" وہ مسکرائی تو مظہر نے جلدی سے راستہ چھوڑ دیا۔

"تم جلدی سے نہالو پھر ہمیں کسی سے ملنے جانا ہے۔" سوٹ سے ہم رنگ دوپٹے کو درست کرتی وہ بولی۔ مظہر ساکت کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"پہلی بار کسی لڑکی کو دیکھا ہے۔" اس نے چھیڑا تو مظہر جھینپ سا گیا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا؟" وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"ہاں لیکن اس شرط پر کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرو گے۔"

"بائے گاڈ نینی! کبھی نہیں۔" اس نے پاس آ کر نہناں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے جنہیں نہناں نے نرمی سے چھڑا لیا۔

"اصل بات تو یہ ہے کہ مسٹر مظہر ذیشان کو مزا چکھانے' پاپا جان کا بزنس سنبھالنے اور ان کا گھر دوبارہ

خریدنے کے لیے مجھے کسی کی ضرورت تھی تم کافی منتیں کر رہے تھے میں نے سوچا کیوں نہ ایک موقع اور دے دیا جائے۔" نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے وہ شرارتی انداز میں بولی۔ مظہر اسے گھورتا ہوا وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ہنسنے لگی۔

اس فلیٹ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ مظہر کے بیڈ روم کی سامنے والی دیوار ابھی تک نہناں کی تصویروں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا لیکن کہیں کچھ کمی تھی۔ اسے پاپا جان اور زارا یاد آنے لگے۔

"کاش زارا اپنے والدین کی بات مان لیتی' نہ وہ ذیشان کی محبت میں اتنا آگے بڑھتی نہ اتنی ذلیل ہوتی' ذیشان نے اس کی بہت بے عزتی کی تھی میں اس سے بدلہ ضرور لوں گی۔"

وہ سوچ رہی تھی جب مظہر نے پاس آ کر چٹکی بجائی۔

"کن سوچوں میں گم ہیں؟" وہ نہا چکا تھا اور اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے پرفیومز چیک کرنے لگی۔ ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر وہ پاس کھڑی نہناں کو دیکھنے لگا۔

"نینی!"

"ہوں۔" وہ اپنے دھیان میں پرفیومز چیک کرتی مصروف سے انداز میں بولی۔ مظہر نے اس کے ہاتھ سے پرفیوم لے کر رکھ دیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ نہناں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے تمہیں بہت دکھ دیا ہے نا۔" اس کی پرشوق نگاہیں نہناں کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ نہناں عرصے بعد اسے اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے اس انداز پر نہناں کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا وہ نظریں جھکا گئی۔

"میں تمہارے ہر دکھ کا ازالہ کر دوں گا۔" اس کے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے مظہر نے کہا۔ نہناں مسکرانے لگی۔ محبوب کی ایک نظر' ذرا

طنز و مزاح سے
بھرپور کالم
آپ سے
کیا پردہ
ابنِ انشاء
قیمت: 250/ روپے
ڈاک خرچ: 30/ روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
280/ روپے روانہ کریں۔
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی

سی محبت اور توجہ سارے گلے شکوے مٹادیتی ہے۔ آپ نے دل کو لاکھ پابند کیا ہو اس لمحے دل سب پابندیاں بھلا کر اسی انداز میں دھڑکنے لگتا ہے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔

ڈور بیل کی آواز پر دونوں چونکے۔ "یہ بے وقت انٹری دانی کی ہوگی۔" مظہر نے بے زاری سے کہا۔

"تمہیں یاد ہے دانی ہر ایسے موقعے پر آٹپکتا تھا۔" ماضی کی خوب صورت یاد پر دونوں کے ہونٹ مسکرانے لگے۔

"بھئی ہم دونوں کو تو فکر پڑ گئی۔" مظہر نے دروازہ کھولا دانیال وہیں سے شروع ہوگیا۔

"کیسی فکر؟"

"یہی کہ تم دونوں شادی کر کے ہی گھر آؤ گے ہم نے تو بہت پلاننگ کی ہے یہ شادی بہت دھوم دھام سے ہوگی۔" وہ دونوں ٹی وی لاؤنج کے گداز صوفے پر گر گئے۔

"تم دونوں پاگل ہو۔" نیناں کو ان کی فکر پر بے تحاشا ہنسی آرہی تھی۔ "میرا خیال ہے اب یہ شادی ہو جانی چاہیے۔"

"اگلے ماہ کی کوئی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں۔" دونوں میاں بیوی خود ہی پروگرام ترتیب دے رہے تھے۔ مظہر عبداللہ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

"مظہر تم پاپا جان کے آفس جانا شروع کردو اور پتا کرو ہمارا گھر کس نے خریدا ہے مجھے ہر حال میں "توقیر پیلس" واپس لینا ہے۔" اسے وہ گھر بہت عزیز تھا۔

"چلو میری ملازمت ڈھونڈنے سے تو جان چھوٹی۔" دانیال نے کہا۔

"نیناں انکل کا بزنس اگر یہ دونوں سنبھالیں گے تو وہ تو گیا کام سے۔" ہانیہ کی بات پر وہ دل کھول کر ہنسے۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے۔" نیناں نے وال کلاک کو دیکھا اور اٹھ گئی۔

"کہاں؟"

"کسی سے ملوانا ہے تم لوگوں کو۔" تھوڑی دیر میں مظہر کی پراڈو میں خوش گپیاں کرتے وہ بابا جی سے ملنے کے لیے جارہے تھے۔

"یہاں کس سے ملواؤ گی۔" سنسان سی سڑک پر گاڑی کھڑی ہوئی تو مظہر نے حیرت سے پوچھا۔ "بابا جی سے۔"

"یار یہ فضول چیزوں پر یقین کب سے ہوگیا۔"

"پہلے ان سے مل لو پھر کوئی بات کرنا۔" اسے سخت برا لگا۔ کھیتوں کے درمیان بنے کچے راستے پر چلتے ہوئے وہ وہاں پہنچے۔ بابا جی حسب معمول جائے نماز پر بیٹھے تسبیح کر رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ان کے پیچھے پچھلی صف پر بیٹھ گئے۔ نیناں بہت دنوں بعد ان سے ملنے آئی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا بابا جی جلدی سے ان کے پاس بیٹھ جائیں۔ عبداللہ کی ہنسی، شرارتوں اور ان کی سرگوشیوں نے بھی بابا جی کو ان کی طرف متوجہ نہیں کیا۔

وہاں کا ماحول ہمیشہ کی طرح بہت پر سکون تھا۔ پرندوں کے شور کے علاوہ ہر طرف خاموشی تھی۔ موسم بدل رہا تھا اب دھوپ میں بیٹھنے سے گرمی لگتی تھی وہ لوگ چھاؤں میں بیٹھے تھے۔ ٹھنڈی ہوا نے موسم کو مزید خوش گوار بنادیا۔

کچھ دیر بعد بابا جی اٹھ کر ان کے پاس آگئے۔

"السلام علیکم!" وہ سب ایک ساتھ کھڑے ہوگئے۔ ان کی شخصیت کا رعب ہی تھا جو وہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔

"بابا جی یہ مظہر علی شاہ ہیں۔" نیناں نے تعارف کروایا "اور یہ میرے دوست ہانیہ اور دانیال۔"

"بچہ کس کا ہے؟" بابا جی کا سارا دھیان گول مٹول عبداللہ کی طرف تھا۔ ہانیہ نے ذرا آگے ہو کر عبداللہ کو ان کی گود میں بٹھا دیا وہ بابا جی کی تسبیح سے کھیلنے لگا۔

"یہ ہمارا بیٹا ہے عبداللہ۔"

"بہت پیارا نام ہے ماشاء اللہ۔"

"ذیشان کیسا ہے نیناں بیٹا؟" بابا جی کے سوال پر نیناں نے ایک بار ان تینوں کو دیکھا پھر سر جھکا کر بولی۔

"بابا جی اس نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے مجھے قید کیے رکھا پھر پاپا جان کی کافی پراپرٹی بھی سیل کردی ہے۔"

"نیناں بیٹا اللہ تمہیں بیٹا دے تو اس کا نام عبدالرحمٰن رکھنا۔"

"جی، جی انشاء اللہ۔" مظہر خوش دلی سے بولا۔ نیناں اسے گھور کر رہ گئی۔ ہانیہ اور دانیال ہنسنے لگے۔

"تم دونوں کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اب شادی کے بعد حج بھی کرلینا۔"

"جی۔" نیناں کا بھی یہی ارادہ تھا۔

"تم سب نماز تو پڑھتے ہو نا؟" بابا جی اپنے پاس آنے والے ہر بندے سے پہلے یہی سوال کیا کرتے تھے۔ مظہر کے علاوہ سب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مظہر تم بھی نماز پڑھا کرو، جتنا ہو سکے قرآن پاک پڑھا کرو۔" عبداللہ کو واپس ہانیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"اس کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھا کرو، اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کچھ اس کے غریب بندوں کو بھی دیا کرو مال میں برکت پڑتی ہے۔"

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مظہر اور نیناں دونوں کو جی بھر کر شرمندگی ہوئی۔ مظہر بہت بڑا جاگیردار تھا اور نیناں بہت بڑے مل اونر کی بیٹی لیکن انہیں کبھی کسی کی مدد کا خیال نہیں آیا۔

"اب تم لوگ جاؤ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" وہ زیادہ دیر لوگوں میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے نیناں کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا۔

"بابا جی آپ زارا اور پاپا جان کے لیے بھی دعا کیجیے گا" نیناں نے کہا۔

"تم ان کے نام پر صدقہ خیرات کیا کرو انہیں ثواب ملے گا اور دکھی ہونے کی بجائے انہیں کچھ پڑھ کر بخشا کرو۔"

"میں آپ سے ملنے کے لیے آسکتی ہوں بابا جی؟" ہانیہ کا وہاں سے جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ان کی ذات میں نجانے کیسا سحر تھا۔

"آجایا کرو۔" وہ کھل کر مسکرائے۔

"آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں؟"

"مالک کا ساتھ اکیلا کب ہونے دیتا ہے۔" اپنی بات پوری کر کے بابا جی نے آنکھیں بند کر کے پڑھنا شروع کردیا وہ خاموشی سے اٹھ آئے۔

"کیا کمال پرسنالٹی ہے بابا جی کی۔" دانیال بھی ان سے متاثر تھا۔

"بابا جی کس کے ہیں۔" کچے راستے پر چلتی ہوئی وہ گردن اکڑا کر بولی۔

"عبدالرحمٰن کی ماما کے۔" مظہر نے شرارت سے کہا اور دوڑ گیا۔

"مظہر!" وہ اس کے پیچھے بھاگی۔ دانیال اور ہانیہ ہنسنے لگے۔

☼ ☼

خاتون کا دسترخوان
شگفتہ محمود کی مرتب کی ہوئی
کھانا پکانے کی مزیدار
ترکیبوں کی
رنگارنگ کتاب
۳۷۔ اردو بازار، کراچی
شائع ہوگئی

"بس جی اسے بچوں کا بڑا شوق تھا جی اس لیے اس نے گامے کو کچرا کنڈی سے اٹھالیا میں نے کہا بھی پتا نہیں کس کا پتر ہے کیا پتا' پر اس نے کہا نہیں رحیمے یہ آج سے ہمارا پتر ہے۔"

رحیمے نے سگریٹ پیتے بڑے صاحب کے سامنے سوال کے جواب میں کہانی گھڑی اور وہ ساری چار چوٹ کی مار اور گالیاں حذف کر گیا جو اس نے اس فیصلے پر نوری کو دی تھیں۔

بھلے وہ غریب تھا پر پیچھے سے گھر گرہستی نسل 'راج پر یقین رکھتا تھا اس لیے گامے کو اپنا بیٹا بنانے پر اس نے خوب شور مچایا تھا نسل بڑھانے کے لیے دوسری شادی پر بھی غور ہو رہا تھا اس لیے نوری نے بڑے دل سے اجازت دے دی تھی کہ بھلے نئی جورو لے آ مگر میری یہ ضد مان لے پھر عمر بھر کبھی کوئی فرمائش نہیں کرنی تجھ سے اور رحیمے جو ماں کے لکھے خط میں نئی جورو کی تلاش کی کہانیاں اپنے مڈل پاس دوست رفیقے سے سنتا رہتا اور اچھے اچھے خواب دیکھنے لگا تھا کھری چارپائی پر لیٹ کر مخملیں گدے کی نرمی محسوس کرتا تھا اتنے آرام سے بات مان لینے پر اور بھی سر جھکا دیا تھا مگر ہاتھوں کی کھجلی اور زبان کے تڑکے سے پھر بھی کوئی سمجھوتا نہیں کر سکا تھا لیکن اس وقت صاحب کے سامنے ۔ وہ دنیا کا سب سے بیبا مرد بنا بیٹھا تھا صاحب نے اس کی سوچ کو سگریٹ کے مرغولے میں گول گول گھمایا تھا چکر دیے تھے پھر لمبے لمبے جھونٹے دے کر اپنا نوٹوں کا پرس نکالا تھا۔

"تیری نوں بہت کرما والی ہے ایسی نیک عورت تو مرد کی دنیا میں ہی جنت ہوتی ہے۔"

وہ پوری بتیسی نکال کر ہنسا مگر دوسری جنت کی تلاش اس کے اندر کلبلاتی رہی صاحب نے کچھ نوٹ نکال کر رحیمے کی جھولی میں ڈالے تھے۔

"بچے کے لیے کچھ گرم کپڑے خرید لینا جاڑا آنے ہی والا ہے۔"

"جی صاحب' شکریہ صاحب ۔" رحیمے نے نوٹ جیب میں ڈالے اور ایک سستی سی بیڑی کی ڈبی خرید کر گاڑی کو صاف کرنے دوڑ گیا۔

بیگم صاحبہ نے کسی خاص فنکشن میں جانا تھا اس لیے اس نے دل لگا کر گاڑی کو پونچھا تھا در حقیقت اس وقت بیڑی کے خمار سے وہ گاڑی سے زیادہ نئی جورو کی آرسی مصحف کی تیاری کر رہا تھا اسے لگتا تھا ابھی کے ابھی دیدار ہونے ہی والا ہے مگر برا ہو بیگم صاحبہ کی کرخت آواز کا جو انہوں نے اسے خوابوں سے ٹانگ پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔

"رحیمے جلدی چلو میں پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکی ہوں۔"

رحیمے نے تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیگم صاحبہ کو بیٹھنے کا موقع دیا اور پھر گاڑی سبک رفتاری سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

رات دس بجے کا وقت تھا جب بیگم صاحبہ نے ایک جگہ گاڑی رکوائی۔

"روکو رحیمے گاڑی روکو۔"

رحیمے نے ایمر جنسی بریک لگائے اور بیگم صاحبہ نیٹ کی شال کندھوں پر سنبھالتے ہوئے باہر نکلیں وہ اب اکڑوں بیٹھی کچھ اٹھا رہی تھیں۔

اس نے ایک لمحہ لگایا پھر باہر نکلا بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں ایک کتے کا بچہ تھا جو بہت شدید زخمی حالت میں تھا۔

"بیگم صاحبہ کتا ہے۔"

"نو نو یہ کتا نہیں میرا ٹومی ہے۔"

"بیگم صاحبہ کوئی نسل نہیں ہے اس کی گلی کا کتا ہے۔"

بیگم صاحبہ نے گھور کے دیکھا اور رحیمے کی زبان کو تالا لگ گیا دو ہفتے پہلے اس کی بیوی نے بھی اسے ایسے ہی گھور کے دیکھا تھا اور اس نے یہی بات کی تھی مگر جواب میں اس کی بیوی نے کان کو ہاتھ لگائے تھے۔

"اللہ کا خوف کر رحیمے انسان کا بچہ ہے اللہ کی نعمت ہے لوگ کہاں کہاں نہیں ماتھے رگڑتے تب کہیں یہ خوشی منتوں مرادوں کے بعد ملتی ہے تجھے تو گھر بیٹھے مل گئی ہے اور تو نسل عقل کے چکر میں پڑ گیا ہے۔"

"رحیمے تم اس کتے کے بچے کو گود میں لے کر پیچھے بیٹھو گاڑی میں ڈرائیو کر لوں گی۔"

"رحیمے تو پندرہ منٹ کے لیے گامے کو سنبھال لے میں یہ ہنڈیا بھون لوں۔"

نوری کی آواز اسے دور سے آتی محسوس ہوئی اس نے بچے کو کتنی نفرت سے کھری چارپائی پر پھینک دیا تھا۔

"نسل کا پتا نہیں اسے میں سنبھالوں گا چل ہٹ پرے۔"

اور اس وقت وہ کہہ چکا تھا۔

"اس کی کوئی نسل نہیں ہے گلی کا کتا ہے۔" مگر بہت ممتا سے اس نے کتے کے پلے کو گود میں لے لیا تھا مانو اس کا اپنا لخت جگر ہو گھر آ کر بیگم صاحبہ نے ارجنٹلی ڈاکٹر کو بلوایا تھا پلے کی مرہم پٹی کی گئی تھی پھر گاما اور کتے کا پلا ایک ساتھ پلنے لگے تھے بیگم صاحبہ کی زبانی ایک دوست کو ان کی یہ رحم بھری کہانی سن کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"ہائے عالیہ تم جیسی عورتیں ہی تو دنیا کا حسن ہیں۔ دنیا تم جیسے محبت سے پر دلوں پر قائم ہے میری مانو تو اپنی اس کاوش کو پرنٹ میڈیا میں ضرور دو تاکہ لوگوں کے اندر تمہاری جیسی جانوروں سے محبت پروان چڑھے۔"

"پاگل ہو گئی ہو یہ بھی کوئی پرنٹ ہونے والی خبر ہے۔"

مگر بیگم صاحبہ کی دوست مان کر نہیں دی این جی او کے تحت ان کی جان پہچان اچھے صحافیوں سے تھی سو دو تین صحافیوں کو بلوا ہی لیا گیا گھر میں جشن کا سماں تھا۔

مگر نوری کی جان گامے میں اٹکی ہوئی تھی بکری کا پتلا دودھ مزید پتلا کر کے دینے کے باوجود بچے کا معدہ خراب ہو گیا تھا وہ بچے کے پوتڑے دھو دھو کر دوائیں دے دے کر تھک چکی تھی کل رات کو ڈاکٹر کی دوائی سے تھوڑا سا آرام آیا تھا مگر اس کی جان ابھی بھی گامے میں اٹکی ہوئی تھی۔

اس نے بچے کو کپڑے کے جھولے میں ڈالا ہوا تھا۔ اسے جھلا رہی تھی کبھی کوارٹرز سے بھاگ کر کچن کی وضع داری نبھانے بھاگ جاتی تھی کہ تقریب کا آغاز ہو گیا وہ ستون سے ٹیک لگائے کھڑی تھی صاحب اسٹائل سے سگریٹ پی کر بیگم کو محبت پاش نظروں سے دیکھ کر مائیک پر بولے تھے۔

"میری بیوی عالیہ بہت محبت کرنے والی ہے' انسان ہی نہیں جانوروں سے بھی اس کی محبت مثالی ہے ورنہ وہ ایک گلی کے کتے کو اتنے پیار سے گھر نہ اٹھا لاتی اس کی دیکھ بھال میں اس نے اپنے دن رات تک کا خیال نہیں کیا۔"

صاحب نے رحیمے کی بات کی طرح بیگم صاحبہ کی نیکی کو بھی سگریٹ کے مرغولے میں گول گول گھمایا تھا

چکر دیے تھے پھر لمبے لمبے جھونٹے دے کر نیکی کو کھلاکھلانے پر مجبور کیا تھا۔

رحیمے نے اپنی گود میں نجس گلی کے کتے کی گرمی کو بے دلی سے جھاڑا تھا مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر بیگم صاحبہ کو خراج تحسین پیش کیا تھا اور نوری جلتے پیر کی بلی بن کر تیزی سے کوارٹرز کی طرف بھاگی تھی دل نے کہا تھا اس کا کاما جاگ گیا ہے۔

ایک صحافی نے اس کے چہرے پر ہراس دیکھا تو اس کے پیچھے چل پڑا تھا کاما واقعی جاگ گیا تھا وہ اسے بہلا رہی تھی صحافی نے گلے میں جھولتے کیمرے سے محبت کا یہ لمحہ قید کرلیا تھا نوری نے فلش چمکنے پر حیرت سے دیکھا تھا۔

"تمہارا بچہ بہت پیارا ہے۔"

صحافی نے بہت دل سے کہا اور نوری کی دوست بتانے لگی۔

"اس کی تو کوئی اولاد نہیں تھی صاحب جی اس نے کچرے کے ڈھیر سے اٹھایا ہے اور ماں بن بیٹھی ہے شودی اس کی صاحب جی کیا یہ خبر اخبار میں نہیں لگ سکتی۔"

"تم پڑھی لکھی ہو گیا۔" صحافی نے ایک اور تصویر کھینچی تھی اور وہ دوپٹا منہ پر رکھ کر ہنسنے لگی تھی۔

"سات جماعتیں پاس ہوں صاحب جی اپنے گاؤں کی سب سے پڑھی لکھی لڑکی ہوں میں۔"

"اچھا۔" صحافی نے اس کی سادگی کا مزا لیا اور وہ پھر سے بولی۔

"صاحب جی کیا یہ خبر اخبار میں نہیں لگ سکتی جی؟"

"لگ سکتی ہے مگر ہر خبر کی ایک قیمت ہوتی ہے پڑھی لکھی لڑکی صاحبہ اخبار میں ایک کالمی خبر کی قیمت ___" صحافی خبر کی قیمت تصویر کی الگ سے قیمتیں گنوانے لگا جس میں بلیک اینڈ وائٹ اور رنگین تصویر کے چارجز الگ تھے۔

"ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں جی چلیں جی آپ بیگم صاحبہ کی خبر لگائیں جی انہوں نے زیادہ بڑا کام کیا ہے۔"

صحافی نے چونک کر نوری کے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھا نوری بچے کو لڑکی کے حوالے کر کے صحافی کے پیچھے چلنے لگی وہاں کتے کے ساتھ بیگم صاحبہ کا فوٹو سیشن چل رہا تھا۔

"عباس تم کہاں چلے گئے تھے تم نے اتنی گریٹ پارٹی کو مس کر دیا۔"

صحافی نے طنز سے بیگم صاحبہ اور ان کے کتے کو دیکھا اور قریب سے گزرتے ویٹر کی ٹرے میں رکھے چکن رول کی طرف ہاتھ بڑھایا نوری گندے برتن اٹھانے لگی اور صحافی کی نظر اس کی خالی گود کی طرف جا کر اٹک گئی اسے لگا ابھی بھی کاما اس کی گود میں ہولے ہولے لوری کے جھولے لے رہا ہو۔

بیگم صاحبہ کا کم نسل کتا سب کی نظروں کا تارہ بنا ہوا تھا رحیمے نے اس کم نسل کتے کی گرمی سے اپنی گود ایک بار پھر تنفر سے جھاڑی تھی صاحب نے نیا سگریٹ سلگایا تھا اور بیگم صاحبہ کی نیکی کو نئے سرے سے کسی کے پوچھے جانے والے سوال پر گول گول گھمایا تھا سگریٹ کے مرغولے میں لمبے لمبے جھونٹے دیے تھے اور صحافی نے ایک ہارٹ ڈرنک کے گھونٹ کی تلخی میں سات جماعت پاس لڑکی کا سوال ڈبو دیا تھا۔

یہاں ہر چیز کی قیمت ہے نیکی کی قیمت تو اور زیادہ ہے آج کے میڈیا کے دور میں اور وہ جانتا تھا نوری یہ جنگ ہمیشہ ہار جانے والی تھی کم نسل کتا اور کاما دونوں میں فرق صرف حیثیت کا تھا اور بس فی زمانہ پرکھنے کا یہی دستور تھا۔

صحافی نے ایک اور ڈرنک سے اس سچائی کی تلخی کو بھی پی لیا تھا اب وہ بہت اونچے اونچے قہقہے لگا رہا تھا اونچے مگر بے جان قہقہے۔

شاید ہم سب اسی منظر کا حصہ تھے مگر کتنے لوگ اس سچ کو جانتے تھے کتنے لوگ؟

لائبریری
ہسپتال روڈ صادق آباد
نوٹ کتاب کے اوپر لکھنا منع ہے
704367

رابعہ افتخار شیخ

بارش کے شور میں دروازے پر ہونے والی دستک بالکل سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کھڑکیوں کے شیشے بھی پانی کی دھاروں سے دھندلے ہو چکے تھے کمرے کے وسط میں جلتا لیمپ عجیب پراسراری روشنی پھیلا رہا تھا۔ وہ سگریٹ کے دھوئیں میں سامنے لگی تصویر کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا جب دستک کی آواز سنائی دی۔

"آکا بھائی دروازہ کھولیں آکا بھائی۔" یمین آفریدی کی آواز پر سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں پھینک کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔

"کیا ہوا؟" دروازہ کھول کر اس نے یمین کے چہرے پر نظر دوڑائی۔

"آکا بھائی' ہسپتال سے بی بی جان کا فون آیا ہے۔ سالک بھائی کا بیٹا ہوا ہے' بھابھی جان ٹھیک ہیں اور بی بی جان کہہ رہی تھیں کہ آپ نام بتا دیں۔" یمین کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھرے تھے۔ یعسوب آفریدی کے چہرے پر لکیریں نمودار ہو گئیں۔

"سالک کا بیٹا ہے' نام بھی سالک کو ہی رکھنا چاہیے۔ وہ ابھی زندہ ہے' بچے کا نام رکھنا اس کا حق ہے تم بی بی جان کو کہہ دو' میری طرف سے ماروی کو بھی مبارک بھجوا دیں۔" اس نے بے حد روکھے پن سے کہا۔ یمین آفریدی نے بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھا بڑھی ہوئی شیو اور ماتھے پر بکھرے بال اسے صحیح معنوں میں پریشان حال ظاہر کر رہے تھے۔

"آکا بھائی' سالک بھائی سے کیا گیا وعدہ بھول گئے آپ۔" یمین جا چکا تھا۔ وہ دروازے کا پٹ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ بارش کا شور قدرے مدھم پڑ گیا تھا۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر پانی کی لمبی لمبی دھاریں اب تیزی سے نیچے کی طرف بہہ رہی تھیں۔ وہ یمین کے کمرے تک آئے۔

"بی بی جان کو کہہ دو' بابا جان کے نام پر بیٹے کا نام عبدالمالک رکھ دیں۔" اس نے یہ نام پہلے سے سوچ رکھا تھا۔

"ٹھیک ہے میں کہہ دیتا ہوں" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ماروی تو یہ ہی چاہے گی نا کہ سالک سے پوچھا جائے۔" وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔

"سالک بھائی کی خوشی اسی میں ہے یعسوب بھائی" یمین جب بہت پیار سے بات کرتا تھا تو اس کا اصل نام ہی لیتا تھا۔

یعسوب آفریدی کی آنکھوں میں چبھن سی ہونے لگی۔

☼ ☼ ☼

بارش کے بعد کی وہ صبح بہت روشن اور بہت چمکیلی تھی۔ کھڑکیوں پر پانی کے نشان خشک ہو چکے تھے۔ کسلمندی سے کروٹ بدلتے ہوئے دائیں طرف نظر دوڑائی تو سامنے ہی وہ زندگی سے بھرپور منظر دکھائی دیا۔ لارج سائز کی فریم تصویر جس میں وہ تینوں بھائی ہنستے ہوئے' ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ٹریکٹر پر چڑھے

بیٹھے تھے سالک کے چہرے پر مسکراتے ہوئے گڑھا سا دکھائی دیتا تھا اور اس کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

"آکا بھائی' میری ماروی کو اپنا لینا۔" کوئی سرگوشی سی ابھری تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ ماتھے پر پسینے کے موٹے موٹے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

"آکا بھائی' بی بی جان' ماروی بھابھی اور عبدل کو لے آئی ہیں' آپ عبدل سے مل لیں بہت پیارا ہے' گول مٹول سا۔" یمین نے اچانک ہی دروازے سے جھانک کر دیکھا تھا' وہ اثبات میں سر ہلاتا اٹھ کر واش روم میں گھس گیا۔ کچھ دیر بعد تازہ دم ہو کر جب وہ باہر نکلا تو ڈائننگ ٹیبل پر یمین بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔

"ماروی بھابھی اور عبدل اندر ہیں' آپ جائیں۔" اس نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پہلے تو کچھ جھجکا مگر اگلے ہی لمحے دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہو گیا۔ ماروی بیڈ کے کراؤن سے سر ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھی' قریب ہی عبدل بھی سو رہا تھا۔ اس نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ سالک کی پیشانی چوم رہا ہو۔ ماروی نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر اس کی سمت دیکھا۔

"سالک کو بتا دیا ہے نا؟" اس نے بے حد آہستگی سے پوچھا یعسوب کو اپنا آپ بہت فالتو سا لگا۔

"یمین جا رہا ہے۔" اس نے بھی اسی آہستگی سے جواب دیا۔

"سالک کی تاریخ کب ہے؟" اس نے اب ذرا بلند آواز سے پوچھا۔

"ابھی تاریخ نہیں ملی' شاید کچھ دن تک ...." وہ بچے کو ایک دفعہ پھر ہولے سے چھو کر باہر نکل گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ماروی اب سالک کے لیے آنسو بہا رہی ہو گی۔ اس کے دل میں ایک بار پھر ویرانی سی چھا گئی۔

"کیا ہوا؟" یمین نے اسے اتنی جلدی باہر آتا دیکھ کر فکر مندی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں' وہ سالک کی تاریخ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"اور کیا بات ہوئی؟" یمین نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"تم کیا سننا چاہتے ہو؟" اس نے کچھ سختی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں آکا بھائی' آپ ناشتا کریں۔" وہ خاموشی سے اٹھ گیا۔

"کیسے ہو یعسوب بیٹے' سالک کے بیٹے کو دیکھ لیا۔" بی بی جان بھی کچن سے نکل کر وہیں آ بیٹھیں۔

"جی ٹھیک ہوں اور بچے سے بھی مل لیا۔ بالکل سالک کی تصویر ہے' بی بی جان عقیقہ کی تاریخ بتا دیں' میں انتظامات کروا دوں گا۔" وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے یہ تم نے ناشتا کیوں نہیں کیا' بس جوس پی کر اٹھ گئے۔" بی بی جان نے اسے خفگی سے گھورا۔

"بس میں ذرا زمینوں پر جا رہا ہوں' کٹائی کا کام شروع ہو گیا ہے' میری موجودگی ضروری ہے۔ ایک دو دن میں سڑک کے پار والی زمینوں میں تھریشر بھی چل پڑے گا۔ بہت مصروفیت ہے۔" وہ بات مکمل کر کے نکل گیا۔

"پتا نہیں تم ایسے کیوں ہو یعسوب' تم پہلے ایسے تو نہیں تھے۔ یہ چہرہ میرے یعسوب کا تو نہیں۔" وہ اس کی پشت کو گھورتے ہوئے کڑھ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

مسجد سے مغرب کی اذان بلند ہوئی تو وہ کام چھوڑ کر گھر کی سمت چل پڑا۔ ابھی راستے میں ہی تھا کہ یمین کی پجارو آتی دکھائی دی۔ اس نے بھی یعسوب کو دیکھ لیا تھا' اس نے گاڑی روک کر دروازہ کھول دیا۔ چہرے پر تفکر کے آثار بے حد واضح تھے۔

"کیا بنا؟ کیا پھر تاریخ پڑ گئی ہے؟" وہ یمین کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔" اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بے حد آہستگی سے کہا۔

"پھر؟" اس کی دھڑکنیں تھم سی گئیں۔

"اگلے مہینے کی دس تاریخ کو پھانسی ہے۔" اس نے اسی پست لہجے میں بتایا یعسوب کا سر یکدم پیچھے جا لگا۔

"یا اللہ!" دل سے آہ سی نکلی۔

"یاد ہے آکا بھائی' سالک بھائی کہتے تھے' جینا ہو تو سو سال جیو' زندگی کا مزا تو آئے اور اب دیکھو' کتنی جلدی جا رہا ہے دس تاریخ کو اس کا سفر آخرت ہے اور بارہ تاریخ کو اس کی تیسویں سالگرہ.... دیکھو وہ دو دن پہلے ہی جا رہا ہے .... آکا بھائی۔" یمین کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر لڑکھڑا سے گئے۔

"میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ کہیں بھاگ جائے مگر اس کا موقع ہی کہاں ملا.... ہم یہ خبر بی بی جان اور ماروی کو کیسے سنائیں گے.... یمین اس نے اقرار جرم کیوں کیا؟" وہ بڑبڑانے کے انداز میں بول رہا تھا۔

"دس تاریخ میں پندرہ دن باقی ہیں.... پندرہ دن کی زندگی' وہ بھی ہم سب سے دور۔" یمین نے گاڑی کو یکدم بریک لگا دیے۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ گھر آ چکا تھا۔

"ماروی کو میں لے آیا ہوں آکا بھائی' ماروی کو دلہن بنا کر لے آیا ہوں۔" خوشی سے کھنکتی آواز اس کی سماعت میں گونجنے لگی۔

"ماروی بھابھی کو یہ خبر آپ سنائیں گے آکا بھائی۔" یمین نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"نہیں اسے ابھی سے بتا کر پل پل مرنے کے لیے نہیں چھوڑا جا سکتا' اسے دس تاریخ کی صبح خود ہی پتا چل جائے گا جب ہم سالک کو گھر لے کر آئیں گے' بی بی جان کو میں بتا دوں گا' سالک اگر اقبال جرم نہ کرتا تو شاید ہم کچھ کر سکتے۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں کہہ کر اندر بڑھ گیا۔

شام کے سرمئی اندھیرے پھیل رہے تھے۔ گھر کے وسیع لاؤنج میں مکمل سناٹا تھا۔ یمین کے ساتھ ساتھ وہ اندر داخل ہوا تو سامنے ہی وہ صوفے پر بیٹھی نظر آئی گود میں عبدل سو رہا تھا۔

"سالک کے پاس گئے تھے؟" اس نے بڑی بے قراری سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔" وہ کچھ فاصلے پر صوفے پر بیٹھ گیا۔ یمین نظریں بچا کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"کیسا ہے وہ' یعسوب میں سالک سے ملنا چاہتی ہوں۔" وہ بولی تو اس کا لہجہ رندھ گیا۔ یعسوب نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ آنسو بہا رہی تھی۔

"وہ ٹھیک ہے اور تم خود کو آنے والے برے دنوں کے لیے تیار رکھو ماروی' میں نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ خاموش رہے مگر اس نے اقبال جرم کر لیا.... تم بہادری سے کام لو۔" وہ اسے سمجھانا چاہ رہا تھا مگر جانتا تھا یہ الفاظ اسے اذیت ہی دیں گے۔

"میں اس کا انجام جانتی ہوں مگر.... اس کا چہرہ۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتی تھی۔

"میں لے چلوں گا۔" اس نے وعدہ کر لیا۔

☼ ☼ ☼

وہ کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ ننھے عبدل کو اسی نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ اپنی صاف شفاف چمکتی آنکھوں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"مت جاؤ سالک' میرا کیا بنے گا' عبدل کا کیا بنے گا

"تنہا مسافر" کے بعد
ذوالقرنین کا دوسرا ناول
جب وہ چومے پتھر کو
شائع ہو گیا ہے
قیمت 45/ روپے
ڈاک خرچ 16/ روپے
منگوانے کا پتا:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی

سالک تم نے ایسا کیوں کیا؟ ایک لمحے کو بھی میرے بارے میں نہیں سوچا؟ سالک یہ کیسی محبت ہے؟ یہ کیسی محبت ہے' میں اتنی لمبی زندگی تمہارے بغیر کیسے گزاروں گی۔۔۔ کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو سالک۔" وہ سلاخوں سے سر ٹکا کر رو دی۔

"میں تم سے اتنی محبت نہیں کر سکا ماروی جتنی تم مجھ سے کرتی ہو' اب تو تمہاری محبت کا امتحان ہے' میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں' تم اگر مجھ سے محبت کرتی ہو تو مانو گی۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں بات کر رہا تھا۔ ماروی نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"کیسا امتحان؟" اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

"ماروی تم نے ابھی مجھ سے پوچھا تھا کہ میں تمہیں کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہا ہوں' تو میں تمہیں یعسوب کے سہارے چھوڑ کر جا رہا ہوں' وہ میرے ایک بار کہنے پر رضامند ہو گیا ہے اب تمہاری باری ہے' بھائی کی محبت تو میں نے دیکھ لی' اب تمہاری باری ہے ماروی' آکا بھائی تمہیں اپنانے کے لیے تیار ہیں۔" سالک کی بات پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ وہم اسے پہلے بھی تھا مگر اب سالک کے منہ سے سن کر وہ حیران رہ گئی۔

"میری موت کے بعد جس روز تمہاری عدت پوری ہو گی اسی روز تم یعسوب سے نکاح کر لو۔ عبدل جب بولنا سیکھے تو یعسوب کو ہی باپ سمجھے' اسی کو ابا بلائے' ماروی اسے میری آخری خواہش سمجھو یا فرمائش۔۔۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو یہ بات مانو گی۔۔۔ بولو ماروی۔" وہ سناٹوں کی زد میں تھی۔ ایسے کب سوچا تھا۔ یعسوب کو اس نظر سے کب دیکھا تھا اس نے۔۔۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے ماروی اور تمہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو یا نہیں' یہ زندگی ہے ماروی اور زندگی ایسے امتحان لیتی ہے۔" سالک کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔

"اگر یہ امتحان ہے تو میں اس پر پوری اتروں گی میں تمہاری بات کو قبول کرتی ہوں' تم سے محبت جو کرتی ہوں۔" وہ سالک کے ہاتھ تھامے بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔ یعسوب کا دل تھم سا گیا۔

"تم سے محبت جو کرتی ہوں۔" ان الفاظ کی بازگشت ہونے لگی۔ سالک کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی' ماروی کے آنسو بہہ رہے تھے اور یعسوب کا دل بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

"تو یہ قسمت میں لکھا ہے یعسوب آفریدی کہ تم خالی ہاتھ ہی رہو۔" وہ عبدل کو ماروی کے بازوؤں میں تھما کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

رات کی سیاہ چادر پر جھلمل کرتے ستارے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ان ستاروں کو دیکھ کر مسکراتا رہتا' اسے ہمیشہ سے ہی چاند سے زیادہ یہ ڈھیروں چمکتے ہوئے ستارے اٹریکٹ کرتے تھے سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے وہ مسلسل سالک کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"کبھی ماروی کو حاصل کرنے کے لیے میں نے خود کو بھلا دیا تھا۔ میں نے اسے اتنا سوچا تھا کہ خود اپنی ذات کو اگنور کر دیا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ ماروی نہ ملی تو زندگی کیسے کٹے گی' میں سانس کیسے لے پاؤں گا' اگر یہ جسم زندہ رہا تو اندر سے یعسوب آفریدی مر جائے گا اور میں واقعی مر گیا' میرا دل مر گیا اب یہ لوگ مسیحا بن کر اسے زندہ کرنا چاہتے ہیں مگر یہ اسے دوسری موت دے رہے ہیں' ماروی کا مجھ سے نکاح پر رضامند ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سالک سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔۔۔ وہ اسی سے محبت کرتی رہے گی۔۔۔ میں تو فالتو اور بے کار شے ہوں جسے بوقت ضرورت کام میں لایا جا رہا ہے' ورنہ کچھ نہیں' کسی نے بھی نہیں سوچا کہ یعسوب آفریدی بھی کچھ سوچ سکتا ہے۔" وہ الٹی سیدھی باتیں سوچتا رہا۔

"آکا بھائی۔" عقب سے یمین نے اسے آواز دی تھی۔

"آکا بھائی' بہت دیر ہو گئی ہے' اب سو جائیے۔" وہ دو قدم چل کر آگے آگیا۔

"ہاں بہت دیر ہو گئی ہے۔" وہ بڑبڑانے کے انداز میں کہتا اٹھ گیا۔

"آکا بھائی ایک بات پوچھوں۔" یمین نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پوچھو۔" وہ اندر جاتے جاتے رک گیا۔

"آکا بھائی' یہ قربانی میں بھی دے سکتا تھا مگر سالک بھائی نے خود کہا تھا کہ ان کے بعد آپ یہ ذمے داری اٹھائیں۔ آکا بھائی آپ ہم سب بھائیوں میں بڑے ہیں' ایک وقت تھا جب آپ نے انگلینڈ سے فون کر کے بی بی جان سے کہا تھا کہ میں شادی کے لیے راضی ہوں اور مجھے لڑکی بھی پسند ہے' بس تھوڑا سا انتظار پھر آپ کی غیر موجودگی میں ہی جلدی جلدی سالک بھائی کی شادی کرنی پڑی۔ آپ گھر واپس آئے اور جب بی بی جان نے آپ سے آپ کی شادی کی بات کی تو آپ نے انکار کر دیا۔ ہم سب وجہ پوچھ پوچھ کر تھک گئے مگر آپ خاموش رہے۔ میں آپ کا بھائی ہوں آکا بھائی' میں سمجھ سکتا ہوں کہ وہ وجہ کیا تھی۔ آکا بھائی اب جب وقت آپ کی "طلب" آپ کی "محبت" آپ کے دامن میں ڈال رہا ہے تو یہ اداسی' یہ خاموشی کیوں؟ کیوں آکا بھائی؟"

یمین نے اسے پڑھ لیا تھا اور اب وہ اس سے وجہ پوچھ رہا تھا وہ اسے بتاتا کہ ماروی کبھی بھی اس کی نہیں ہو سکتی۔ وہ اسے یہ بات سمجھا نہیں سکتا تھا۔

"غلط فہمی ہے تمہاری میں سالک کی وجہ سے ہی فکر مند ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ماروی سے زیادہ مجھے سالک کی بات کا پاس رکھنا ہے اور اس سارے چکر میں یعسوب آفریدی ہر جگہ ہوتے ہوئے بھی کہیں نہیں ہے' تم نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ کبھی ماروی میرے انکار کی وجہ تھی۔ ماروی میرے دل میں کبھی نہیں تھی' تمہاری غلط فہمی ہے۔" وہ بڑی سختی سے کہہ کر اندر بڑھ گیا۔

"آکا بھائی' آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا نا' اسی لیے جھوٹ بولتے ہوئے آپ کا چہرہ چغلی کھا رہا تھا' آپ کی آنکھیں تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔۔۔ ایسے مت کریں آکا بھائی۔" وہ کڑھ کر رہ گیا۔

۲ نئے ناول

دل دیا دہلیز

رفعت سراج کا ناول جو چار سال اور دو مہینوں تک خواتین ڈائجسٹ میں چھپتا رہا۔ کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے۔ بہنیں منی آرڈر بھیج کر منگوا سکتی ہیں۔

قیمت :- =/600 روپے

شعاع میں چھپنے والا ماہا ملک کا ناول

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

جو بے حد پسند کیا گیا۔ اب بہنوں کی فرمائش پر کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے۔

قیمت :- =/150 روپے

اس پتے پر خط لکھیں۔
مکتبہ خواتین ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی

یا

بتہ ذیل سے دستی خریدیں۔
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی

فون :- 216361

✡ ✡ ✡

نو تاریخ کی رات تھی۔ وہ سب سالک سے آخری بار مل کر آئے تھے۔ اس نے ملتے وقت اس سے پھر اپنا وعدہ دہرایا تھا۔

"اپنا وعدہ یاد ہے نا آکا بھائی ـــــ میرے عبدل کو کبھی پتا نہ چلے کہ اس کا باپ ایک قاتل ہے' عبدل ہمیشہ آپ کو ہی اپنا باپ سمجھے یاد ہے نا آکا بھائی' آپ نے وعدہ کیا تھا' آپ ماروی سے نکاح کرلیں گے۔" سالک ہاتھ باندھے رو رہا تھا۔ وہ خود بھی آنسو بہا رہا تھا۔

"مجھے یاد ہے' جیسے تم نے کہا ویسے ہی ہوگا۔" اس نے اپنا وعدہ دہرایا تھا۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ بی بی جان جائے نماز بچھائے سالک کے لیے دعا گو تھیں۔ ماروی کسی بت کی طرح بیٹھی تھی۔ ننھا عبدل خود پر بیتنے والی قیامت سے بے خبر ماں کی گود میں سو رہا تھا۔ یمین ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے کے فرش پر بیٹھا سسک رہا تھا۔ جوں جوں گھڑیاں بیت رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ پھانسی کا پھندا خود اس کے گلے میں پڑنے والا ہے۔

"یہ تم نے کیا کر دیا سالک۔" باہر سے بی بی جان کی بلند آواز سنائی دی۔ وہ رو رہی تھیں۔

"یہ تم نے کیا کر دیا سالک ؟" وہ اس کی ہنستی مسکراتی تصویر کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا۔ گزرے ہوئے واقعات کسی فلم کی طرح ذہن میں چلنے لگے۔

✡ ✡ ✡

"ون' ٹو' تھری ـــــ گو۔" ایک بلند آواز سنائی دی اور ساتھ ہی تین گھوڑے ایک ساتھ دوڑنے لگے۔

"بادشاہ ـــــ آل ویز بادشاہ۔" یمین بہت زور سے چلایا تھا۔ اس کا گھوڑا سب سے آگے نکل گیا تھا۔

"سکندر ـــــ پر لگا لے یار۔" سالک نے اپنے گھوڑے کو اسی بلند آواز میں تاکید کی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی جھلک رہی تھی۔

"مغل اعظم ـــــ ہوشیار۔" یعسوب نے ان دونوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ وہ ہمیشہ دوڑ میں آگے نکل جاتا تھا۔

"یہ آکا بھائی ہمیشہ ہمیں پیچھے کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟" یمین نے جھنجلاتے ہوئے گھوڑے سے چھلانگ لگادی۔ سالک بھی ہنس دیا۔

"ارے لالے ادھر دیکھ آکا بھائی سے آگے۔" سالک نے اسے ٹھوکا دیا۔

"مغل اعظم سے آگے' انار کلی۔" وہ آنکھ مار کر ہنسنے لگا۔ یمین نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر دیکھا۔ آکا بھائی کے مغل اعظم سے آگے ایک گھوڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ اس پر بیٹھی لڑکی گھوڑی پر جھکی ہوئی تھی' وہ ہر صورت میں آکا بھائی کے گھوڑے سے آگے نکلنا چاہتی تھی۔

"یہ ہے کون ؟" یمین نے ابرو چڑھائی۔ آکا بھائی نے اسے ہرا دیا تھا' وہ ایسی ہی چال چلتے تھے۔ ایک لمحے کی دیر میں اسے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔

"گریٹ آکا بھائی ـــــ یو آر گریٹ ـــــ شکر ہے آکا بھائی نے عزت رکھ لی' ورنہ ایک لڑکی سے ہارنا ـــــ اوہ!" سالک گھوڑے کی لگام تھامے اسی طرف بڑھنے لگا۔

"مجھے ماروی کہتے ہیں' ماروی ثمر۔" وہ گھوڑی سے اتر کر آکا بھائی کے سامنے کھڑی تھی۔

"نئی لگتی ہیں اس علاقے میں ؟" اس نے واقعی اس لڑکی کو پہلی بار دیکھا تھا۔

"جی ہاں' میرے فادر آرمی کے ریٹائرڈ ہیں۔ میں یہاں اپنے فادر اور دادی کے ساتھ ہی رہتی ہوں۔ ابھی کچھ دن قبل ہی ہم لوگ یہاں شفٹ ہوئے ہیں' میں بی ایس سی کی اسٹوڈنٹ ہوں ہاسٹل میں رہتی ہوں' رائیڈنگ کا مجھے بہت شوق ہے۔" وہ بڑی تفصیل سے اپنے بارے میں بتا رہی تھی۔ سالک اور یمین کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"مجھے یعسوب آفریدی کہتے ہیں اور یہ ساری زمینیں ہماری ہیں۔ وہ جو سفید دیواروں والا گھر ہے نا' وہ ہمارا ہے۔" وہ بھی اسے اپنے بارے میں بتانے لگا۔ نہ جانے کیوں اس سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"یہ آکا بھائی اتنی تفصیل کیوں بتا رہے ہیں ؟" سالک نے یمین سے سرگوشی کی۔

"یہ کون ہیں ؟" وہ لڑکی اب ان دونوں کی طرف متوجہ تھی۔ بلیو جینز کی پینٹ پر سفید شرٹ میں ملبوس دراز قد سالک آفریدی کو وہ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میرے چھوٹے بھائی۔" وہ بڑے فخر سے ان دونوں کی سمت دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوکے ـــــ سی یو اگین۔" وہ اپنی گھوڑی کی لگام تھام کر آگے بڑھ گئی۔

"آکا بھائی یہ کیا چیز تھی ؟" یمین آگے بڑھ آیا۔

"آکا بھائی۔" سالک نے اسے گم صم کھڑا دیکھ کر کندھا ہلایا تو وہ چونک گیا۔

"کچھ ہو گیا ہے ؟" وہ شرارت سے بولا۔

"نہیں یار ـــــ تم بھی نا۔" وہ واپس ہو گیا۔

"ادھر کچھ ہو گیا ہے آکا بھائی۔" سالک نے زیر لب کہا' یمین اور یعسوب اس سے چند قدم آگے تھے۔ وہ سالک کے ہلتے لبوں کو نہ دیکھ سکے۔ سالک نے گردن گھما کر دیکھا۔ دور کچے راستوں پر گھوڑی کے ساتھ چلتی وہ بہت چھوٹی سی لگ رہی تھی۔

"ماروی ـــــ ماروی ثمر۔" وہ اس کا نام دہرانے لگا۔

"سالک' کیا ہوا ؟" یعسوب نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ وہیں کھڑا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

✡ ✡ ✡

اس کی انگلینڈ کے لیے سیٹ کنفرم ہو گئی تھی۔ سالک کو یہ خبر سنانے کے لیے وہ باہر نکلا تو وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔

"کہاں ہے سالک ؟" وہ اسے ڈھونڈتا ہوا باہر نکل گیا۔ موسم بہت بدل رہا تھا۔ وہ گھر سے باہر نکلا تو بے اختیار ہی نظریں آسمان کی سمت اٹھ گئیں۔

آسمان پر کالے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے' ان سیاہ بادلوں کے سائے میں دور دور تک پھیلے سرسبز کھیتوں اور درختوں کے پتوں کا رنگ سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ ہوا میں نمی اس بات کا ثبوت تھی کہ کہیں قریب ہی بارش ہو رہی ہے۔ سالک نے بشیر کے ساتھ مل کر کھیتوں کو پانی لگایا ہوا تھا۔

"میری سیٹ کنفرم ہو گئی ہے۔" اس نے بلند آواز سے سالک کو بتایا' وہ جو ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھا تھا' ایک دم اٹھ گیا۔ جینز کو فولڈ کیے وہ پاؤں میں جوتی اڑس کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"آکا بھائی' میں تو سمجھا تھا کہ آپ انگلینڈ جانے کی بات مذاق میں کرتے ہیں' بابا کے بعد یہ ساری زمینیں' یہ ساری فصلیں ہماری ذمے داری ہیں' اسی لیے تو اتنا پڑھ لکھ کر بھی ہم اپنے بابا کی زمینیں سنبھال رہے ہیں' یہ ہمیں مٹھی بھر دانوں سے مالا مال کر دیتی ہیں' آکا بھائی آپ کیوں جا رہے ہیں ؟" وہ الجھ سا گیا۔ مٹی پر پانی کا پہلا قطرہ گرا تو اس نے سر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا' سیاہ بادلوں کے نیچے سفید سفید بگلوں کا ایک بہت بڑا غول اڑا جا رہا تھا۔

"میں دو سال کے لیے ہی تو جا رہا ہوں' پڑھائی مکمل کر کے آجاؤں گا' میں ان ذمے داریوں سے فرار تو نہیں ہو رہا۔ یہ مٹی مجھے بھی بہت پسند ہے۔ ویسے بھی تایا ابا کے بیٹے شاہد کی طرف سے بھی خطرہ ہے۔ مجھے' وہ کسی بھی وقت ہماری زمینوں کا پانی بند کر سکتا ہے۔" وہ پگڈنڈی کی سبز گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی تک تو وہ خاموش ہے لیکن اگر اس نے ایسا کچھ کیا تو ہم اپنی طرف کنواں بنوالیں گے' وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" سالک بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پانی کے موٹے موٹے قطرے کچے راستے پر گرنے لگے۔ چاروں طرف مٹی کی خوشبو بکھر گئی۔ آسمان مہربان ہو رہا تھا' وہ بھی کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"وہ کچھ بھی کر سکتا ہے سالک' تم اسے نہیں جانتے' وہ یہ بات نہیں سمجھتا کہ ہمارے بابا کو بھی وراثت میں اتنی ہی زمین ملی تھی جتنی تایا ابا کو باقی زمین

بابا نے خود خریدی' وہ اپنی محنت سے اپنی زمین بڑھاتے رہے' شاہد کو یہ بات ہضم نہیں ہوتی' وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ ہماری زمینیں اس کی زمینوں سے زیادہ ہیں' ہماری فصل زیادہ ہے ___ سالک دشمن کو کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ شاہد ہمارا دشمن ہے تم اس کی خاموشی کو اس کی کوئی چال ہی سمجھو ___ اور ہاں مجھے سب کچھ بتاتے رہنا' بی بی جان کا بہت خیال رکھنا' یمین کو بھی اب کام میں لگالو' بہت کرلی عیاشی۔" وہ بارش کی تیزی دیکھ کر اٹھ گیا۔

"جب یہ ہی کام کرنا ہے تو پڑھائی کی کیا ضرورت ہے آکا بھائی۔" سالک جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔

"میں جو کچھ پڑھنے جارہا ہوں' وہ مجھے اسی کام میں مدد دے گا' تم سوچو مت' دو سال تو پر لگا کر اڑ جائیں گے۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ گھر کی طرف چلتے ہوئے بولا۔

"آکا بھائی۔" وہ اور کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ بارش کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ وہ دونوں بھاگتے ہوئے گھر میں داخل ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

اسے انگلینڈ آئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ان دو مہینوں میں اسے جہاں سالک' یمین اور بی بی جان یاد آتے تھے وہیں وہ لڑکی ماروی بھی بہت یاد آتی تھی۔ وہ اس سے صرف ایک بار ملا تھا۔ مگر اسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس سے کئی بار مل چکا ہے' اسے صدیوں سے جانتا ہے۔ دل ہی دل میں وہ اس کا نام اپنے نام سے پہلے جوڑتا تھا اور پھر اپنی سوچ پر خود ہی مسکرا دیتا تھا۔

"بھلا ایک دفعہ کسی سے ملاقات کرنے سے محبت تو نہیں ہو جاتی۔" وہ خود پر ہنس دیتا۔ وہ یعسوب آفریدی تھا جس کو اپنی انا بہت عزیز تھی۔ وہ کسی لڑکی کے چکر میں پڑ کر خود کو خوار نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اب' وہ جس وقت بھی کچھ لکھنے کے لیے قلم اٹھاتا تو بے اختیار اسی کا نام صفحے پر لکھ دیتا۔ کئی دفعہ تو کسی دھیان میں وہ اپنی کتابوں پر بھی اس کا نام لکھ بیٹھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایک دفعہ اس سے ملنے کے بعد اسے اتنا سوچنے لگا ہوں۔ آخر وہ کیا لگتی ہے میری؟ اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ مجھے ابھی تک ازبر کیوں ہے؟ وہ مجھے گاؤں میں اتنا یاد نہیں آئی تو اب یہاں پردیس میں اتنا تنگ کیوں کر رہی ہے۔ یعسوب آفریدی یہ تم نہیں ہو۔" وہ جھنجلا کر کتابیں بند کر دیتا۔ وہ لمحہ لمحہ یاد آتی تھی۔

"اس روز گھڑ دوڑ میں' میں تم سے جیت گیا تھا ماروی مگر حقیقت تو یہ ہے کہ تم جیت گئی ہو' انا کے تخت پر بیٹھا یعسوب آفریدی ہار گیا ہے۔" اس نے ہار مان لی۔ بی بی جان جو اس سے شادی کی بات کرتی تھیں تو وہ ٹال دیتا تھا۔ اب اپنی واپسی کا شدت سے منتظر تھا۔

"ابھی تو وہ بھی پڑھ رہی ہے' میں واپس جاتے ہی بی بی جان کو اس کے گھر بھیج دوں گا۔" وہ ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا۔

محبت روگ ہے جاناں
برا سنجوگ ہے جاناں
بڑے بوڑھے بتاتے ہیں
کئی قصے سناتے ہیں
مگر ہم جانتے کب تھے
انہیں کچھ مانتے کب تھے
یہ سب باتیں ذکر کے قابل
بھلا گردانتے کب تھے
انا کے تخت پر بیٹھے ہمیں معلوم ہی کب تھا
ہمیں معلوم ہی کب تھا
تمہاری یاد کا گہرا سمندر جاگ اٹھتا ہے
قلم جب بھی اٹھاؤں میں
غزل جب گنگناؤں میں
میرے اندر سے بس
تیری آواز آتی ہے
قلم جب تجھ کو لکھتا ہے
تو بس لکھتا ہی جاتا ہے
یہی لکھتا ہے تیرے بن

کوئی لمحہ نہیں گزرا
گزرنا بھی نہیں شاید
ہماری موت تک جاناں
وہ ڈائری کھولے لکھتا ہی چلا گیا

☆ ☆ ☆

وہ یونیورسٹی سے لوٹا تو سالک کا فون آگیا۔

"آکا بھائی' بہت مسئلہ ہو گیا ہے۔ شاہد نے پانی بند کر دیا تھا۔ میں نے بڑے آرام سے بات کی تھی کہ جب تک ہم اپنا کنواں نہیں بنوا لیتے ہمیں پانی دینا ہو گا مگر وہ نہیں مانا' اس نے تو سڑک کے پار والی زمین پر ٹریکٹر بھی چلوا دیا تھا رات کے اندھیرے میں' وہ دو انچ کا بوٹا (پودا) نکل آیا تھا' نقصان ہو گیا' اصل بات تو اب کھل کر سامنے آئی ہے۔" سالک اسے جو کچھ بتا رہا تھا اس کا اندازہ اسے پہلے سے تھا۔

"کیا؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"ہم سمجھتے تھے کہ اس کے دل میں صرف زمینوں کی کمی زیادتی والی بات ہے مگر ایسا نہیں ہے' وہ تو ___ وہ ماروی سے شادی کرنا چاہتا ہے رشتہ بھی بھجوایا تھا' ان ہی دنوں بی بی جان بھی ماروی کے گھر رشتے کے لیے گئی تھیں' سوری آکا بھائی آپ سے پوچھے بغیر وہ رشتے کے لیے چلی گئیں۔" سالک کی بات پر جہاں وہ پریشان ہوا تھا' وہاں اب بے اندازہ خوشی بھی مل گئی تھی۔

"ماروی نے ہمارے گھر کا پرپوزل ایکسپٹ کر لیا ہے' بس شاہد کو یہی غصہ ہے جو وہ نکال رہا ہے ___ آکا بھائی اب اس میں ہمارا کیا قصور ہے کہ ماروی نے اس کی بجائے ہمارے گھر کا پرپوزل منظور کیا ___ خیر آپ یہ بتائیے آپ کو اس بات سے اختلاف تو نہیں آپ خوش ہیں نا۔" سالک اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک بے یقین تھا۔ اس کی دعائیں اتنی جلدی قبول ہو گئی تھیں۔

"ہاں بہت خوش ہوں۔"

"تسی گریٹ او لالے ___ بس اب بی بی جان آپ کو فون کر کے سب کچھ بتا دیں گی' ماروی کی دادی بہت بیمار ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ وہ جلد از جلد اسے رخصت کر دیں' اب آپ کو آنا ہو گا۔" وہ بات مکمل کر کے فون بند کر چکا تھا۔ وہ بھی اپنی واپسی کے لیے کچھ سوچنے لگا۔ دل میں خوشی کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ وہ مسکراتا ہی چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

بی بی جان کا فون آیا تھا۔

"اب تو آؤ گے نا' شادی کے لیے راضی ہو؟" بی بی جان پوچھ رہی تھیں۔

"جی۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"لڑکی پسند ہے نا۔" بی بی جان کے لہجے میں کچھ خاص تھا' وہ چونک گیا مگر ان سے کہہ نہ سکا کہ اگر اس کے لیے پوچھا ہے تو لہجے میں اتنی سنجیدگی کیوں ہے جیسے وہ اس سے رائے لے رہی ہوں۔

"جی!" وہ ایک بار پھر اسی طرح بولا۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے' اب تم بھی آجاؤ تاکہ تمہارا بھی کچھ سوچوں۔" بی بی جان نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ جو اتنا خوش تھا الجھ سا گیا۔ بی بی جان کی بات نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا ہر روز گھر سے فون آتے تھے کہ جلدی کرو' ماروی کے گھر والے جلدی کر رہے ہیں' وہ پھر خوش ہو جاتا مگر جب بی بی جان کی بات یاد آتی تو وہ سوچ میں پڑ جاتا۔ اس نے کسی نہ کسی طرح واپسی کی سیٹ کروالی۔ سامان پیک کر رہا تھا جب موبائل پر سالک کا نام جگمگانے لگا۔ اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔

"آکا بھائی' اب آپ لیٹ ہو گئے ہیں' کب سے شور مچا رہے تھے ہم سب مگر آپ نے پھر بھی اتنی دیر کر دی ___ ماروی کی دادی بہت بیمار تھیں' انہیں جلدی تھی' اسی لیے ہم آپ کا مزید انتظار نہیں کر سکے۔" سالک کا انداز شکوہ کناں تھا۔ اس کا دل تھم سا گیا۔

"کیا مطلب؟" بے جان سی آواز لبوں سے نکلی۔

"مطلب یہ کہ ماروی کو میں لے آیا ہوں آکا بھائی' ماروی کو دلہن بنا کر لے آیا ہوں' بی بی جان بتا رہی

تھیں کہ اب آپ بھی شادی پر راضی ہیں' آپ بڑے ہیں' حق تو پہلے آپ کا تھا مگر میں نے ہی ضد کرکے بی بی جان کو ماروی کے گھر بھیج دیا۔ بس آپ جلدی سے آجائیں۔"

وہ بے حد خوش تھا۔ یعسوب کو محسوس ہوا جیسے وہ کسی کھائی میں گرتا چلا جارہا ہے۔ اتنی بڑی خوش فہمی کیسے ہوگئی اسے' وہ کیا سمجھ رہا تھا اور کیا ہوگیا' ماروی' جسے اس نے ہزاروں لاکھوں بار ماروی یعسوب لکھا تھا۔ ماروی سالک بن چکی تھی۔ وہ رونا چاہتا تھا۔ مگر رویا نہیں۔

"اتنی بڑی غلط فہمی۔ حالانکہ سالک اور بی بی جان نے مجھے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ میرا رشتہ لے کر گئے ہیں۔ میں نے یہ سب خود بخود کیسے سوچ لیا۔" وہ پاؤں کی ٹھوکر سے بیگ کو پرے دھکیلتا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

سب کے ہنستے مسکراتے چہروں میں ایک چہرہ اس کا تھا جس پر سجی دو ذہین آنکھوں میں اداسیوں کا موسم ٹھہر سا گیا تھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ کسی کو اتنی شدت سے مانگا تھا' اس نے تو سن رکھا تھا کہ دعا تقدیر بدل دیتی ہے مگر اب ماروی سالک کے ہمراہ بیٹھی ہستی کھلکھلاتی اسے اس کی دعاؤں کے ناخالص ہونے کا ثبوت پیش کررہی تھی۔ یہ لڑکی صرف ایک نظر دیکھنے کے بعد زندگی سی لگنے لگی تھی اور اب اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس کے ہاتھ کی لکیروں میں تھی ہی نہیں' واپسی کے سفر میں بھی ایک آس تھی' ایک امید تھی کہ شاید سالک نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہو مگر گھر میں گھستے ہی ان دونوں کو ایک ساتھ کھڑے ہنستے مسکراتے دیکھ کر اس کا دل پوری شدت سے چلایا تھا۔

توڑدے ہر اک آس کی ڈوری
آسوں میں کیا رکھا ہے
عشق محبت باتیں ہیں
سو باتوں میں کیا رکھا ہے
قسمت میں جو لکھا ہو
وہ آخر ہو کر رہتا ہے
چند لکیریں الجھی سی
اور ہاتھوں میں کیا رکھا ہے؟

"کون ہے وہ لڑکی جس سے شادی کے لیے میرا "اسٹون مین" راضی ہوگیا ہے' کوئی خود پسند کی ہے یا میں کروں؟" بی بی جان نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ یہ وہ لہجہ تھا جو ماروی کے لیے اس سے رائے لیتے ہوئے غائب تھا۔

"کوئی نہیں' میں نے یونہی کہا تھا۔" اس نے بات ختم کردی۔

"ایسے کیسے ہوسکتا ہے یعسوب؟" بی بی جان نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہوسکتا ہے' میں نے آپ سے یونہی کہا تھا۔ میں شادی کرنے نہیں آیا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بی بی جان نے گھور کر اس کی پشت کو دیکھا۔ یمین جیسے ایک لمحے میں سب کچھ سمجھ گیا مگر اب خاموشی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا' سو وہ خاموش ہی رہا۔

☼ ☼ ☼

سالک اور ماروی شمالی علاقہ جات کی سیر کے بعد واپس لوٹے تو وہ خود کو مکمل طور پر کام میں معروف کرچکا تھا۔ جس روز سالک اور ماروی واپس آئے اسی رات گھر کے اطراف میں فائرنگ بھی ہوئی یعسوب نے منشی جی سے معلوم کرنے کو کہا تو پتا چلا کہ کوئی رات کے اندھیرے میں ہوائی فائر کررہا تھا۔

"یہ شاہد کی کارستانی ہوگی' وہ پہلے بھی اسی طرح فائر کرواچکا ہے۔" سالک نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مگر اس سب سے حاصل کیا ہوگا اسے؟" وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ سالک کیا سوچ رہا ہے۔

"آکا بھائی' دراصل وہ اپنی شکست کا بدلہ لے رہا ہے ہم سے' وہ ماروی کی وجہ سے یہ سب کررہا ہے۔" سالک بے حد آہستگی سے بولا۔

"اوہ۔۔۔ اب سمجھا۔۔۔ شاہد کے لیے اب زمین سے زیادہ یہ بات ضد اور انا کا مسئلہ بن گئی ہے اور یہ

بہت خطرناک بات ہے ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔" اس نے سالک کو سمجھانا چاہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میں یہ سب برداشت نہیں کرسکتا' ماروی میری بیوی ہے اور علاقے کے لوگوں میں شاہد کے حوالے سے کوئی الٹی سیدھی بات پھیلے' میں یہ برداشت نہیں کروں گا۔" وہ مٹھیاں بھینچنے لگا۔

"شاہد تم نے اسی لیے جلدی شادی کروالی۔" وہ اسے کھوج رہا تھا۔

"ہاں یہ بات بھی تھی مگر آکا بھائی' سچ تو ہے کہ میں ماروی کو پہلی دفعہ دیکھنے کے بعد ہی پسند کرنے لگا تھا۔ آپ کے جانے کے بعد دو تین دفعہ ملاقات ہوئی تھی ہماری' مجھے محسوس ہوگیا تھا کہ وہ بھی انٹرسٹڈ ہے۔ میں نے ماروی سے پوچھ کر ہی بی بی جان کو بھیجا تھا۔" وہ کیا کچھ بتا رہا تھا۔ یعسوب نے کرسی کی بیک سے سر ٹکادیا۔ وہ جس کی خاطر عمر تیاگنے کو تیار ہوگیا تھا وہ اس کے جذبوں سے لاعلم تھی۔

"آکا بھائی' شاہد کی بدتمیزیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اس سے دوٹوک بات کرنی پڑے گی۔" کچھ دیر بعد سالک کی آواز سنائی دی تو وہ چونک گیا۔

"ہاں' میں خود بات کرلوں گا۔" اس نے اسے تسلی دی۔ سالک خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔ وہ اندھیروں میں کسی تارے کو کھوجنے لگا۔ کھڑکی سے آسمان پر تارے دکھائی دے رہے تھے۔

"اور میری قسمت کا ستارہ تو ڈوب گیا نا۔" دل کرلایا تھا' اس نے بے قراری سے سر ادھر ادھر پٹکا۔

"ایسے کیوں ہو رہے ہو یعسوب آفریدی' ایک لڑکی کے نہ ملنے پر اتنی بے بسی۔۔۔ یہ تم تو نہیں تھے یعسوب آفریدی جو اتنے کمزور پڑجاؤ وہ بھی ایک جذبے کے ہاتھوں۔"

وہ خود کو ڈانٹنے لگا۔ مگر اندر کہیں شکستگی کا ماتم تو ہورہا تھا۔ انسان مختار کل کبھی بھی نہیں رہا اور نہ کبھی ہوسکتا ہے۔ دل کی بے بسی ہی وہ مقام ہے جہاں خود کو مجبور تسلیم کرکے کسی سپر پاور کا یقین ہوتا ہے' جو کبھی بھی' کہیں بھی' کچھ بھی کرسکتا ہے۔ یعسوب آفریدی بھی دل کی بے بسی کے اسی مقام پر کھڑا تھا جہاں اس کی نگاہیں دور آسمان پر کسی کو کھوج رہی تھیں تاکہ وہ اس سے پوچھ سکے کہ ایسا کیوں ہوا؟

اس نے ماروی کو ایک ایک لمحے میں' ایک ایک سانس کے ساتھ مانگا تھا اور جب یہ دعائیں بے ٹھکانہ ہوگئیں تو وہ اتنا مضبوط شخص اندر سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔

اس نے آنکھیں میچ لیں۔ وہ اب مزید کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ یونہی کتنے بہت سے دن گزرتے چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھیں کھلیں۔ باہر سے کسی کے چلانے کی آواز آرہی تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ آواز بشیر کی تھی۔ وہ تیزی سے باہر بالکونی میں نکلا بشیر گیٹ کے باہر کھڑا چلا رہا تھا۔

"آکا بھائی۔۔۔ آکا بھائی میں لٹ گیا۔۔۔ آکا بھائی میرا سونا (گندم کی پکی ہوئی فصل) جل کر راکھ ہوگیا۔" وہ سر پیٹ رہا تھا۔ وہ اسی تیزی سے اپنا ریوالور لے کر نیچے اترا تھا۔ سالک اور یمین بھی بشیر کی آواز سن کر باہر نکل آئے تھے۔

"سب کچھ جل گیا۔۔۔ سب کچھ راکھ کا ڈھیر بن گیا۔" وہ ستون سے سر ٹکرانے لگا۔

"بشیر ہوا کیا ہے' کچھ بتاؤ تو سہی۔" سالک نے اسے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"وہ میری فصل۔۔۔ وہ جسے دیکھ کر میرا خون بڑھتا تھا۔۔۔ وہ جو میری مرتی ہوئی ماں کی زندگی کی آس دلاتی تھی۔۔۔ وہ جو میرا قرض اتارنے کی امید تھی۔۔۔ آکا بھائی میری وہ فصل جل گئی۔۔۔ میں نے خود شاہد کی گاڑی دیکھی ہے۔۔۔ اسی نے آگ لگوائی ہے۔" بشیر' سالک کے کندھے سے لگ کر روتا چلا گیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہ سب شاہد نے کیا ہے؟" اس نے ایک دفعہ پھر سننا چاہا۔

"ہاں۔۔۔ میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں' وہ شاہد کی ہی گاڑی تھی۔" بشیر نے ایک بار پھر اپنے الفاظ دہرائے۔

"شاہد کی تو۔۔۔ آج کچھ ہو جائے گا آکا بھائی۔" سالک بشیر کو الگ کر کے تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب کی طرف گیا تھا۔ بلب کی روشنی میں یعسوب کو سیاہ رنگ کا ریوالور دکھائی دیا۔

"سالک۔۔۔ رکو۔" وہ اس کے پیچھے ہی لپکا تھا۔ پرانے کنویں سے ذرا آگے۔ بشیر کی جلتی ہوئی فصل دکھائی دے رہی تھی۔

"ہمارے دوست کی زندگی تباہ ہو گئی اور ہم خاموش بیٹھے رہیں۔۔۔ آکا بھائی اس بار تو اس کی فصل اتنی اچھی ہوئی تھی۔ اسی دفعہ تو تمام مشکلات کے ختم ہونے کی آس بندھی تھی اسے' نہیں میں خاموش نہیں رہوں گا۔" وہ غصے سے بولتا آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ اس کے پیچھے ہی بھاگا تھا۔ بشیر بھی سالک کو روکتا ہوا ان کے پیچھے ہی آرہا تھا۔

"ہم پولیس میں رپورٹ لکھوائیں گے' بشیر نے خود شاہد کی گاڑی جاتی دیکھی ہے' یہ گاڑی کا نمبر لکھوا دے گا۔" یعسوب نے اسے سمجھانا چاہا۔

"ہاں سالک۔۔۔ یہ ٹھیک ہے' میں نے دھواں اٹھتا دیکھا تو گھر سے باہر آگیا' نیند تو آ ہی نہیں رہی تھی' بے چینی سی بے چینی تھی' باہر نکلا تو میں نے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے اور کچے راستے پر شاہد کی گاڑی دیکھی' اس سے پہلے۔۔۔ کہ میں آگے بڑھتا' وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔" بشیر نے تفصیلاً بتایا۔ وہ کئی صدیوں کا تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔

"مگر اس سے بات تو کرنی ہی ہو گی' ہم نے کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں' ہماری خاموشی ہماری بزدلی کو ظاہر کرے گی۔" سالک ایک بار پھر تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"سالک۔" وہ ایک بار پھر اس کے پیچھے لپکا' اسی لمحے عقب سے عجیب سی آواز سنائی دی' وہ دونوں تیزی سے پیچھے کی طرف مڑے تو کنویں کے پاس کی جھاڑیاں ہلتی ہوئی دکھائی دیں اور بشیر کی بلند چیخ مدھم پڑتی گئی۔

"بشیر!" وہ دونوں ہی کنویں کی طرف بھاگے چند لمحے تو وہ دونوں کچھ سمجھ ہی نہ سکے کہ کیا ہو گیا ہے۔

"بشیر۔۔۔ بشیر۔" سالک کنویں کی سمت بھاگا۔

"سالک۔۔۔ وہاں کوئی ہے سالک۔" وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔

"کون ہے؟" وہ جھاڑیوں کی سمت بڑھا۔ دو ہیولے تیزی سے بھاگتے ہوئے نظر آئے۔

"بشیر کو کنویں میں دھکا دے دیا ہے آکا بھائی' ان کا پیچھا کریں۔" سالک ان کے پیچھے بھاگا تھا۔ وہ بھی سالک کے ساتھ ان ہیولوں کے پیچھے بھاگنے لگا۔ ان میں سے ایک نے پلٹ کر فائر کیا تھا۔ یعسوب کے بازو کو چھو کر گولی آگے گزر گئی۔ خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

"سالک۔۔۔ رک جاؤ۔" وہ پوری شدت سے چلایا تھا۔ دل کسی انہونی کے ڈر سے عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ شاید یہ سب کچھ ماروی کی وجہ سے کر رہا تھا۔ اس کا اصل نشانہ سالک تھا اور سالک اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد گولی چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر آگے بڑھا۔ کافی فاصلے پر ایک شخص زمین پر گرا ہوا تھا اور جھاڑیوں سے آگے کوئی بھاگ رہا تھا۔ وہ ذرا آگے بڑھا تو سالک ہاتھ میں ریوالور تھامے بت بنا کھڑا تھا۔

"سالک۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا؟" وہ بے حد آہستگی سے بولا۔

"قتل۔۔۔ مجھ سے قتل ہو گیا ہے آکا بھائی۔" وہ بھی اسی آہستگی سے بولا تھا۔

"ک۔۔۔ کون ہے یہ؟" اس نے آگے بڑھ کر اس شخص کا چہرہ دیکھنا چاہا' چاند کی روشنی اگرچہ مدھم تھی مگر وہ اس شخص کے نقوش پہچان گیا۔

"یہ تو شاہد ہے سالک۔" وہ تیزی سے اس کی طرف مڑا۔

"تو کہیں بھاگ جا سالک۔۔۔ بھاگ جا۔" وہ اسے ایک نیا راستہ دکھانے لگا۔

"کہاں بھاگ جاؤں؟" وہ اسی لہجے میں بولا۔

"کہیں بھی بھاگ جا سالک' سوچ ماروی کا کیا ہو گا؟ تیری اولاد کا کیا ہو گا جو ابھی اس دنیا میں بھی نہیں آئی؟ سالک تو بھاگ جا۔" وہ اسے جھنجھوڑنے لگا۔

"ابھی ابھی اس نے میرے دوست کو موت کے گھاٹ اتار دیا یہ قتل مجھ پر واجب تھا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"سالک۔۔۔" وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا' پولیس کی گاڑی کے سائرن بجنے لگے۔ دوسرا شخص جو بھاگ نکلا تھا وہ پولیس کو مطلع کر چکا تھا۔

"سالک۔۔۔ بھاگ جا اور یہ پستول مجھے دے دے میرا کیا ہے؟ میری ذات سے کون سا ذمے داری کا رشتہ جڑا ہے' مجھے دے دے۔" وہ سالک کی مٹھی کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

"قتل میں نے کیا ہے آکا بھائی' سزا بھی مجھے ہی ملنی چاہیے' ورنہ میں ہر روز پھانسی کے تختے پر چڑھنے کی اذیت سے گزروں گا۔" وہ سسک اٹھا۔

"سالک' ایسے مت کر یار۔" وہ بھی بے بس سا ہو گیا۔ پولیس ان کے سر پر آچکی تھی۔

"بھاگنے کی کوشش کی تو فائر کھول دوں گا۔" پولیس آفیسر نے وارننگ دی تھی۔ سالک آگے بڑھ گیا۔

"اس شخص نے میرے دوست کو کنویں میں دھکا دیا تھا' میں نے اسے گولی مار دی۔" وہ اقرارِ جرم کر رہا تھا۔ یعسوب کچھ بھی نہ کر سکا۔

☼ ☼ ☼

چند ہی دنوں میں یہ ثابت ہو گیا تھا کہ بشیر کی فصل سگریٹ کے سلگتے ٹکڑے سے جل کر راکھ ہوئی تھی اور خود بشیر پاؤں پھسلنے سے کنویں میں جا گرا تھا۔ سالک پر قتل ثابت ہو چکا تھا۔ وہ سب اس کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے تھے۔ خود سالک نے اقرارِ جرم کر لیا تھا۔

دس تاریخ کا سورج اپنے وقت پر طلوع ہوا تھا۔ وہ اور یمین اپنے اتنے خوب صورت اور مضبوط بھائی کو بے جان کاٹھی کی شکل میں گھر لائے تھے۔ ماروی جو دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی' لہرا کر فرش پر گر گئی۔

"سالک۔۔۔ میرے بچے۔" بی بی جان سینے پر زور دار ہاتھ مار کر اس کی میت کی طرف بڑھی تھیں۔

"ماروی۔۔۔ سنبھالو خود کو۔" اس نے سہارا دے کر ماروی کو اٹھایا مگر وہ ایک بار پھر اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔ گھر میں سالک کی جواں موت کے ماتم بلند ہوئے اور پھر رفتہ رفتہ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ افسوس کرنے والے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ انہی دنوں ماروی کی دادی بھی وفات پا گئیں۔ ماروی کسی بے جان پتھر کی طرح سارا سارا دن بستر پر لیٹی چھت کو گھورتی رہتی' عبدل یا تو بی بی جان کے کندھے سے لگا رہتا یا پھر وہ دونوں اسے اٹھا کر ادھر ادھر گھومتے رہتے۔

زندگی میں بعض حادثات اتنے عجیب طریقے سے رونما ہوتے ہیں کہ انسان کئی سال بے یقینی میں ہی رہتا ہے۔ وہ بھی سالک کے چلے جانے پر ابھی تک یونہی بے یقین سی تھی۔ اسے لگتا وہ ابھی دروازہ کھول کر ہنستا مسکراتا اندر داخل ہو گا' وہ اپنے گھوڑے پر اسے بٹھا کر دیر تک چلتا رہے گا' وہ پاگلوں کی طرح بستر پر تصویریں پھیلا کر انہیں دیکھتی رہتی۔

"سالک۔۔۔ سالک یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" وہ اندر ہی اندر سسکتی رہتی' دل ہر وقت کرلاتا رہتا۔ وہ اب کبھی سالک کو دیکھ نہیں سکے گی۔ بے بسی سی بے بسی تھی' وہ ساری تصویریں اٹھا کر ادھر ادھر پھینک دیتی۔

"تمہیں میری پروا نہیں تو مجھے بھی تمہاری پروا نہیں۔" وہ بہت غصے سے بولی اور پھر فرش پر بیٹھ کر روتی چلی گئی۔ یعسوب اس کے کمرے سے اٹھتی رونے سسکنے کی آوازیں سنتا رہتا۔

"وہ اسے کبھی بھلا ہی نہیں سکے گی۔" وہ خود کو بار بار یاد کرواتا' مگر دل اب بھی اسی کے نام پر دھڑکتا تھا اسی لیے تو وہ کہیں اور خود کو پابند نہیں کر سکا تھا۔

"کس امتحان میں ڈال گئے ہو سالک۔" وہ بالوں کو مٹھیوں میں بھینچ کر بیٹھ گیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔

"آکا بھائی' میری ماروی کو اپنا لینا۔" سالک کی منت بھری آواز کہیں قریب سے ہی ابھری۔ وہ یکدم سیدھا ہو بیٹھا۔

"کتنے خود غرض ہو رہے ہو تم یعقوب آفریدی' ہمیشہ اپنے بارے میں ہی سوچا تم نے' تمہاری نظر کھا گئی تمہارے بھائی کی خوشیوں کو' اب جب وہ تمہیں ایک ذمے داری سونپ کر گیا ہے تو تم اس سے بھی فرار چاہتے ہو' اس میں بھی اپنی خوشی دیکھ رہے ہو؟ لعنت ہے تم پر یعقوب آفریدی' کتنے حریص اور کتنے خود غرض ہو تم۔" وہ خود کو لعن طعن کرنے لگا۔ دماغ نے پہلی بار اس طرح سوچا تھا۔ محبت اس کا امتحان لینے والی تھی۔

"میں' ماروی کی تمام تر بے اعتنائیوں کے باوجود' اس کی اور سالک کی محبت کے باوجود' اسے اپنانے کے لیے تیار ہوں اور میرا وعدہ ہے کہ میں اپنا صبر ٹوٹنے نہیں دوں گا اور نہ ہی ماروی سے کوئی شکوہ کروں گا۔" اس نے خود سے ایک وعدہ کیا اور سکون سے آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

بڑی سادگی اور خاموشی سے ان دونوں کا نکاح ہو گیا تھا۔ ماروی کے والد اس کے شکر گزار تھے کہ اس نے ان کی بیوہ بیٹی کو سہارا دے دیا تھا' ورنہ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی۔

وہ مہمانوں کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں آیا تو ماروی وہیں موجود تھی' اس کا وجود اس کمرے میں بہت عجیب سا لگ رہا تھا' یوں جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو' گلابی رنگ کے سادہ سے سوٹ میں ملبوس نہ ہاتھوں میں چوڑیاں' نہ مہندی' نہ کوئی زیور' وہ کہیں سے بھی اس کی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔ وہ سجتی سنورتی بھی کیوں؟ کس کے لیے؟ جس کے لیے سنورا کرتی تھی وہ اب نہیں تھا' اور جواب تھا' اس کے لیے سنورنا وہ پسند نہیں کرتی' وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا' سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگایا' وہ اسی طرح بیٹھی رہی' جیسے کچھ سننا چاہ رہی ہو۔

"اس کمرے میں سالک کی خوشبو نہیں ہے' کیونکہ یہ کمرہ اس کا نہیں ہے' یہ میرا کمرہ ہے' تم اگر چاہو تو پچھلے دروازے سے سالک کے یعنی اپنے کمرے میں جا سکتی ہو اور اگر چاہو تو یہاں بھی رہ سکتی ہو میرے وجود کو کوئی اہمیت نہ دینا' میرا ہونا نہ ہونا ایک برابر سمجھو کیونکہ میں اپنے بھائی کی دی ہوئی ذمے داری نبھا رہا ہوں' زبردستی کا قائل نہیں۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا اٹھ گئی۔

"ابھی عبدل بہت چھوٹا ہے' ابھی اس کمرے میں رکھی سالک کی نشانیوں کو وہ سمجھ نہیں سکتا' میرا وعدہ ہے آپ سے میں اس کے بولنے اور سمجھنے سے پہلے خود کو اس کمرے میں رہنے پر تیار کر لوں گی۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے پیچھے کا دروازہ کھول کر نکل گئی۔ اس نے جیب سے نکاح نامہ کھول کر سامنے کیا' اس کا نام ویسے ہی جگمگا رہا تھا جیسے وہ دیکھنا چاہتا تھا مگر یہ چیز اسے خوش نہیں کر سکی تھی' اس نے نکاح نامہ دراز میں رکھ کر لاک لگا دیا۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہر روز کی طرح غسل کر کے مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ نماز پڑھ کر جب وہ واپس آیا تو ماروی کمرے میں موجود تھی' عبدل بھی پلنگ پر سو رہا تھا۔ کھڑکی سے پردے ہٹا دیے گئے تھے۔ صبح کی نیلاہٹ لیے روشنی اندر چھن چھن کر آ رہی تھی۔

"عبدل سو رہا ہے؟" اس نے جھک کر سوئے ہوئے عبدل کی پیشانی چومی' ہمیشہ کی طرح اسے محسوس ہوا جیسے وہ سالک کی پیشانی چوم رہا ہو۔

"رات کو بہت تنگ کرتا ہے' روتا بھی بہت ہے'

جوں ہی فجر کی اذان شروع ہوتی ہے' یہ سو جاتا ہے۔" وہ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوئے بولی۔ وہ عبدل کے پاس بیٹھ گیا۔ ماروی بھی کچھ فاصلے پر خاموشی سے بھینچی انگلیاں چٹخاتی رہی۔

"میں نے سوچا بی بی جان کچھ اثر نہ لے لیں' اسی لیے میں عبدل کے سوتے ہی اسے یہاں لے آئی' کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔" وہ شاید اس سے درخواست کر رہی تھی۔

"ایسے ہی ہو گا۔" وہ ننھے عبدل کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے کھیلنے لگا۔ اسے محسوس ہوا جیسے سالک اس دنیا سے گیا ہی نہ ہو' وہ عبدل کی شکل میں وہیں موجود تھا۔

"میں ناشتا تیار کرتی ہوں' آپ عبدل کو سونے دیں' ایسے تو وہ جاگ جائے گا۔" وہ باہر نکلتے نکلتے رک کر بولی۔ وہ جو عبدل کے ننھے ننھے ہاتھوں کو چوم رہا تھا' اس کی بات سمجھ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں ناشتا نہیں کروں گا' مجھے آج کچھ ضروری کاغذات بنوانے ہیں' شہر جانا ہے۔ میں نے بشیر کی زمین بیچ دی ہے جو رقم ملی ہے اس سے اس کی والدہ کا آپریشن اور قرض کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور کچھ بچ بھی جائے گی' آگے کے لیے میں نے ان کا ماہوار خرچ اپنے ذمے لے لیا ہے..... تم ایسا کرو ناشتا مت بناؤ' بس ایک کپ چائے بنا دو۔" اسے تفصیل بتا کر وہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بھی اثبات میں سر ہلاتی باہر نکل گئی۔

"امتحان بہت کڑا ہے یعقوب آفریدی۔" وہ پلٹ کر ہلتے ہوئے پردے کو دیکھ کر خود سے مخاطب ہوا اور پھر کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے اسے محسوس ہوا جیسے بی بی جان کچھ سوچ رہی ہیں' ان کا دھیان کھانے کی طرف بالکل نہیں تھا۔ یمین نے اس کی نظروں کا زاویہ سمجھ کر بی بی جان کا شانہ ہلایا' مگر وہ گم صم بیٹھی رہیں' ماروی نے بھی بے چینی سے گود میں بیٹھے عبدل کو یعقوب کی گود میں بٹھا دیا اور خود بی بی جان کی طرف بڑھ گئی۔

"کیا ہوا بی بی جان؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ ان کے ہاتھ دبانے لگی۔

"ہاں طبیعت تو ٹھیک ہے مگر آج رات میں نے بڑا عجیب خواب دیکھا تھا۔" وہ بہت افسردگی سے بولیں۔

"کیسا خواب؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"میں نے دیکھا' سالک بہت خوش ہے' مگر میں نے یعقوب کو بھی دیکھا..... یعقوب خوش نہیں تھا بلکہ اسے میں نے بہت افسردہ دیکھا....." بی بی جان نے بہت آہستگی سے کہا' ماروی چور سی بن گئی اس نے ڈرتے ڈرتے یعقوب کی سمت دیکھا۔

"خواب تو خواب ہوتے ہیں بی بی جان' آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں خوش ہوں۔" وہ عبدل کے پھولے پھولے رخسار چھوتے ہوئے بولا۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے!" وہ بلند آواز میں بولیں۔

"آمین۔" یمین نے بلند آواز سے کہا' اس نے بے اختیار ہی نگاہیں اٹھا کر ماروی کی سمت دیکھا' اس کے لبوں نے کوئی جنبش نہیں کی تھی۔

"عبدل کو نیند آ رہی ہے۔" وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھ گیا۔ ماروی نے آگے بڑھ کر عبدل کو تھام لیا۔ ایک لمحے کو یعقوب نے گردن گھما کر عبدل کی سمت دیکھا اور پھر اگلے ہی پل وہ باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

رات بہت گہری اور سیاہ تھی' وہ سگریٹ سلگائے لان میں بیٹھا تھا۔ دور آسمان پر تارے ٹمٹما رہے تھے' وہ آئرن کی کرسی سے سر ٹکائے ان تاروں کو کھوجتا رہا۔ ماروی' سالک کے کمرے میں ہی تھی۔ وہ ہر صبح فجر کی نماز ادا کر کے اس کے کمرے میں آ جاتی تھی۔ وہ پیچھے کے دروازے کو فجر کی اذان ہوتے ہی کھول دیتا تھا۔

"ایسا کب تک چلے گا یعقوب آفریدی؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ کتنی عجیب سی بات تھی کہ وہ

جس سے محبت کرتا تھا اب وہ اس کی دسترس میں تھی مگر وہ جانتا تھا کہ ماروی کے لیے اس سے نکاح کرنا یا تو مجبوری کا سودا تھا یا پھر سالک سے محبت کا ثبوت۔

"تم نے جیسے کہا سالک' ویسے ہی ہوگا' میں تمہاری اس بات کو بخوشی قبول کرتی ہوں' تم سے محبت جو کرتی ہوں۔"

ماروی کے الفاظ اسے یاد آنے لگے۔ وہ اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدم اٹھا کر کمرے میں آگیا بیڈ پر ماروی کا سبز دوپٹا پڑا دکھائی دیا تو وہ کچھ جھجک کر وہیں دروازے پر کھڑا ہو گیا' واش روم کا دروازہ کھلا تھا۔ ماروی وہاں نہیں تھی وہ آگے بڑھ آیا' بیڈ سے دوپٹا اٹھا کر اس نے ہاتھوں میں تھام لیا۔ سبز ریشمی دوپٹا اس کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ اس نے اپنی کوئی چیز تو وہاں چھوڑی تھی۔ کوئی نشانی تو دی تھی کہ جس سے اسے یقین ہو تا کہ وہ اس کی زندگی میں شامل ہو چکی ہے۔ وہ ابھی ان خوش فہمیوں میں تھا کہ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"سوری..... دراصل میں جلدی جلدی عبدل کو لے کر وہاں گئی تو یہ دوپٹا یہیں رہ گیا۔" اس نے تیزی سے اس کے ہاتھوں سے دوپٹا کھینچ کر شانوں پر پھیلا لیا۔ وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

تہجد کا وقت تھا وہ وضو کر کے نوافل پڑھنے لگا۔ ماروی نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھا۔ وہ جائے نماز بچھائے نوافل ادا کر رہا تھا۔ پہلی بار اس نے غور سے یعسوب کو دیکھا' یہ وہ شخص تھا جسے اس گھر میں بہت اہمیت حاصل تھی۔ بابا کی وفات کے بعد سالک اور یمین کے سر پر آکا بھائی بن کر اسی نے ہاتھ رکھا تھا۔ اتنا پڑھ لکھ کر بھی اپنے باپ کی زمینوں پر ہل چلائے تھے۔ بیج بوئے تھے تاکہ ان کی روح خوش رہے۔ وہ پہلی بار اسی سے ملی تھی۔ وہ گھڑ دوڑ میں ان تین نوجوانوں سے آگے نکلنا چاہتی تھی' دو کو اس نے مات دے بھی دی تھی مگر یعسوب اس سے آگے نکل گیا تھا' تبھی وہ اس سے پہلی بار ملی تھی۔ وہ بات تو اس سے کر رہی تھی مگر متوجہ سالک کی طرف تھی۔ یہ شخص جسے سالک اور یمین آکا بھائی کہتے تھے' خود اپنی ذات کے لیے' کچھ بھی نہیں تھا مگر دوسروں کے لیے سب کچھ تھا' ہر کسی کی امیدوں کا سہارا یعسوب آفریدی تھا' سالک کو یقین تھا کہ وہ اس کے بعد اسے تحفظ دے گا اسی لیے وہ اسے اپنے آکا بھائی کے حوالے کر گیا تھا' مگر وہ اس شخص کی اتنی قربانیوں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتی تھی کیونکہ اس کا دل اب بھی سالک کے نام پر دھڑکتا تھا' وہ اب بھی اس کی آہٹیں محسوس کرتی تھی۔ وہ سلام پھیر رہا تھا۔ ماروی نے فوراً پردہ گرا دیا۔

☼ ☼ ☼

کئی دنوں سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ وہ کھیتوں میں پانی لگا رہا تھا جب اس نے یمین کو آتے دیکھا۔ وہ بڑی خاموشی سے ٹیوب ویل کی منڈیر پر ٹک گیا۔

"ماروی بھابھی ابھی تک سالک بھائی والے کمرے میں ہوتی ہیں نا..... میں نے رات کو ان کی آواز سنی تھی' وہ شاید عبدل کو سلا رہی تھیں' میں پانی پینے اٹھا تھا' یہ مت سمجھیے گا کہ میں نے کوئی جاسوسی کی ہے۔" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے کام میں مصروف رہا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے آکا بھائی' یہ خاموشی پہلے بھی آپ کا نقصان کر رہی تھی اور اب بھی' زندگی صرف یہ ہی نہیں ہے کہ آپ صبح منہ اندھیرے کھیتوں کا رخ کریں اور شام جب تھکے ہارے گھر لوٹیں تو کوئی آپ کے وجود کی' آپ کی ذات کی پروا کیے بغیر کسی اور کے لیے بے قرار رہے۔" وہ جو کچھ کہنا چاہ رہا تھا وہ با آسانی سمجھ گیا۔

"وہ "کسی اور" ہمارا بھائی تھا یمین۔" وہ بے حد آہستگی سے بولا۔

"وہ تھا آکا بھائی' اب نہیں ہے' اس کی قسمت میں ماروی بھابھی کا بس اتنا ہی ساتھ لکھا تھا' اس کی زندگی میں بس اتنی ہی سانسیں آنی جانی تھیں' وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے مگر آپ تو زندہ ہیں' گوشت پوست کے

سانس لیتے' چلتے پھرتے انسان ہیں' آپ اتنے بے حس کیوں ہو رہے ہیں' کبھی سوچا ہے آپ نے کہ دوسروں کی خاطر جیتے جیتے خود اپنی زندگی گزر جائے گی' پہلے آپ نے میری اور سالک کی خاطر اپنی خواہشوں کا گلا گھونٹا' وقت سے پہلے بڑے ہو گئے' پھر بابا کی روح کو خوش کرنے کی خاطر اپنے سارے خواب چکنا چور کر دیے۔ پھر زندگی میں محبت کی اور اس کے سامنے بھی ہار مان لی' کیوں آکا بھائی کیوں' محبت دینے والا بھی ایک مقام پر یہ چاہتا ہے کہ اب اس کی محبت رنگ لے آئے' مقابل اس کی محبت پر ایمان لے آئے' مگر آپ نے یہ خاموشی کی چادر اوڑھ لی' آکا بھائی وہ آپ کی منکوحہ ہیں آپ یہ بات انہیں بھی سمجھائیں کہ سالک اب مر چکا ہے' اس کی بیوگی کی چادر اتار کر انہوں نے آپ سے نکاح کیا ہے تو پھر اب یہ بے اعتنائی کیوں؟ وہ کیا سمجھتی ہیں کہ اس انسان کے سینے میں پتھر کا دل ہے۔"

وہ اٹھ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے یمین' اس کے ساتھ جو حادثہ ہوا ہے' وہ سنبھلنے میں وقت لے گی اور اگر وہ مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتی یا اس نے جو خاموشی سے مجھ سے نکاح کر لیا ہے تو وہ بھی سالک کی محبت کی وجہ سے تم میری طرف سے پریشان مت ہو' میں خوش ہوں۔" اس نے یمین کو خاموش کروا دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ کتنے خوش ہیں؟" وہ اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

رات وہ بہت دیر سے واپس لوٹا تھا۔ بی بی جان اس کی منتظر بیٹھی تھیں۔

"اتنی دیر کہاں کر دی یعسوب' بیٹے جانتے ہو نا کہ میرا دل کتنا کمزور ہو چکا ہے' ایک بیٹے کی جدائی کے بعد اب تم یا یمین ذرا سی بھی دیر کرتے ہو تو طرح طرح کے واہم ستانے لگتے ہیں۔" وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ گئیں۔

"واہم نہ کیا کریں بی بی جان۔" وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں ماروی سے پوچھنے کمرے میں گئی تو وہ وہاں نہیں تھی' وہ سالک کے کمرے میں تھی' میں نے تمہارے بارے میں پوچھا تو کہنے لگی مجھے نہیں معلوم' موسم بھی اتنا خراب تھا..... یعسوب بچے کیا بات ہے؟ تم اتنے افسردہ کیوں ہو؟ اور ماروی' وہ سالک کے کمرے میں کیوں رہتی ہے؟ تم اسے سمجھا سکتے ہو' اگر مجھے پتا ہوتا کہ یوں تمہاری زندگی کا تماشا بن جائے گا تو میں کبھی ایسا نہ ہونے دیتی۔" بی بی جان کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

"ایسا مت سوچیں بی بی جان' سب کچھ ٹھیک ہے اور آپ اتنی پریشان مت ہوں' آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" وہ انہیں تسلی دینے لگا۔

"کھانا کھاؤ گے؟" وہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔ اسے بہت بھوک لگ رہی تھی' اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہاتھ دھو کر وہ کچن میں ہی آبیٹھا۔

"ماروی کو تمہارے کھانے پینے کی کوئی پروا ہی نہیں ہے' میں بچی نہیں ہوں' یہ بال بھی میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے' میں دیکھ رہی ہوں کہ اس کا رویہ تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں ہے' ورنہ سالک کے لیے تو اپنے ہاتھوں سے کھانا بنایا کرتی تھی۔" بی بی جان کڑھتی رہیں۔

"میں کبھی بھی سالک کی جگہ نہیں لے سکتا بی بی جان' ایسا مت سوچا کریں۔" اس نے انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

کھانا کھانے کے بعد بی بی جان نے اسے چائے بنا کر دی۔ اس دوران وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہیں' جہاں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"اپنی ذات کو یوں نظر انداز مت کرو بچے' تمہارا خود پر بھی کوئی حق ہے۔" اس کے اٹھتے ہوئے بی بی جان نے بڑی سنجیدگی سے سمجھایا تھا' وہ بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ ماروی وہاں نہیں تھی۔ بی بی جان کو بھی چند ہی دنوں میں شک ہو گیا تھا' اس نکاح کا کیا فائدہ؟ عبدل کے لیے کیا گیا تھا نا یہ فیصلہ تو

جب عبدل کے لیے وہ اس سمجھوتے پر تیار نہیں تو ــــ" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اندر کہیں دل میں وہ ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا۔

ماروی کے کمرے کا دروازہ زور زور سے بجایا گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو باہر وہ کھڑا تھا۔ آنکھوں میں صدیوں کی تھکن اور چہرے پر غصّے کی سرخی لیے۔

"کیا بات ہے؟" وہ حیران تھی کیونکہ جب سے وہ سالک سے بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی اور یعسوب گھر آیا تھا۔ وہ دن میں بھی بہت کم وہاں آیا کرتا تھا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی' میں عبدل کو لینے آیا ہوں۔" وہ آگے بڑھ کر عبدل کو اٹھاتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" ماروی کے لہجے میں خفگی کا عنصر نمایاں تھا۔

"سالک سے اتنی ہی محبت کرتی ہو تم' تو اس کی کہی ہوئی ایک ایک بات یاد ہو گی' وہ عبدل کو میرے نام اور میری ذات کا سہارا دے کر گیا ہے اور تم ابھی سے بچے کو مجھ سے دور رکھ رہی ہو' میں عبدل کو لے جا رہا ہوں' تمہیں آنا ہے تو آجاؤ ورنہ تمہاری مرضی۔" وہ عبدل کو اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ بھی پیچھے ہی لپکی تھی۔

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں خود کو اس کمرے میں رہنے کے لیے جلد ہی تیار کر لوں گی۔" وہ اس کے سامنے آرکی۔

"تو میں نے تم سے کب کہا کہ تم یہاں رکو ــــ جاؤ چلی جاؤ' آنسو بہاؤ اس کے لیے جو چلا گیا ہے' کہا تھا میں نے اسے کہ بھاگ جائے' تمہارا واسطہ بھی دیا تھا مگر وہ نہیں مانا' اب جب وہ نہیں ہے تو تم زندہ لوگوں کو پل پل مارتی ہو' اس کے لیے آنسو بہا کر ــــ یہ زندگی ہے ماروی' کبھی جسم کو مار دیتی ہے اور کبھی انسان کے اندر دل کو ــــ مگر تمہیں اس سے کیا' تم نے تو سالک سے محبت کی ہے نا' تمہیں اس کے سوا کوئی اور کیسے نظر آسکتا ہے' یہ مت سوچنا کہ میں اپنا مطلب چاہتا ہوں۔ میں تو پہلے بھی جی رہا تھا' اب بھی جی لوں گا۔" وہ پہلی بار اتنے غصّے سے بول رہا تھا۔ ماروی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھتی رہی۔ وہ اتنا مہذب شخص پہلی بار یوں بلند آواز میں بات کر رہا تھا۔

"یہ بہت چھوٹا ہے' میں اس سے دور کیسے رہ سکتی ہوں۔" وہ خاموشی سے وہیں بیٹھ گئی۔

"دیکھو ماروی تم میرے ساتھ جو کھیل کھیلنا چاہو مجھے منظور ہے مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ عبدل تمہیں سالک کے لیے روتا تڑپتا دیکھے ــــــــ میں

تمہیں عبدل کی زندگی سے کھیلنے نہیں دوں گا۔"

وہ بہت مضبوط لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر سنتی رہی۔

"میں تمہارے اور سالک کے درمیان اب بھی کہیں نہیں ہوں ماروی' ایسا خیال کبھی بھی دل میں نہ لانا کہ میں تم پر کوئی حق جتاؤں گا' مجھے معلوم ہے کہ تم سالک سے ہی محبت کرتی ہو اور میں سمجھ سکتا ہوں کہ جس سے محبت کی جائے اس کے سوا کسی دوسرے کا خیال بھی سوہانِ روح ہوتا ہے' بس تم عبدل کے لیے اس رشتے کو نبھالو۔" وہ تکیے اٹھا کر کارپٹ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

وہ اس کی بات سمجھ گئی اسی لیے عبدل کے ساتھ لیٹ گئی۔ وہ ننھا وجود ہر بات سے بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے عبدل کا ننھا منا ہاتھ تھام لیا۔

"تو آپ نے بھی کسی سے محبت کی ہے یعسوب' میں زبردستی داخل کرا دی گئی آپ کی زندگی میں۔" وہ کڑھ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

موسم کا اثر تھا یا کام کی تھکان کہ وہ شدید بخار میں مبتلا ہو گیا۔ بی بی جان تو بوکھلا کر رہ گئیں۔ ان کو یاد تھا وہ تو کبھی بچپن میں بھی بیمار نہیں ہوا تھا۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اندر ہی اندر ہر دکھ ہر خواہش کی محرومی اور ہر پریشانی سہہ جاتا تھا۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھی رہیں' وہ اتنا لمبا چوڑا وجود بخار سے پھنک رہا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو اور ماتھے پر بکھرے ہوئے بال اسے صدیوں کا بیمار دکھا رہے تھے۔

"یعسوب میرے بچے!" بی بی جان دیوانہ وار اس کا چہرہ چومنے لگیں۔ ماروی چور سی بنی کچھ فاصلے پر بیٹھی رہی۔

"تمہارا شوہر بیمار ہے ماروی اور تم آرام سے بیٹھی ہو' اگر یہاں سالک ہوتا تو کیا تب بھی تم یوں ہی دور دور بیٹھی رہتیں؟" بی بی جان غصّے سے بولیں۔

"یہ ہی تو بات ہے بی بی جان کہ سالک نہیں ہے۔" وہ کڑھنے لگی۔

"اگر تم نے میرے بچے کے ساتھ ایسا ہی رویّہ رکھنا تھا تو پہلے بتا دیتیں' سالک کی محبت میں' اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے تم نے میرے یعسوب کی زندگی کیوں تباہ کر دی۔" وہ سسک اٹھیں۔ ماروی ہونٹ کاٹتی رہی۔

"بی بی جان ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی' آپ کو پہلے ہی سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے تھا۔" یمین بھی بول اٹھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ بے سدھ لیٹا ہوا تھا' ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور اس کا کرتا بھیگا ہوا تھا۔

"یعسوب' اٹھو بیٹے دوائی لے لو۔" بی بی جان نے اس کے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔ اس نے لمحہ بھر کو آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"بی بی جان ــــ" اس نے مضبوطی سے بی بی جان کے ہاتھ تھام لیے' وہ سمجھ گئیں کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ماروی اور یمین ان کا اشارہ سمجھ کر باہر نکل گئے۔

"کہو میرے بچے' کہو تمہارے دل میں کیا ہے؟" وہ اس کا ہاتھ تھپتھپانے لگیں۔

"بی بی جان' میں نے اس سے بہت پہلے محبت کی تھی' اب بھی ہے اور کرتا رہوں گا مگر ــــ مگر وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی وہ ــــ بی بی جان میں پتھر سے سر پھوڑتا رہا ــــ میں گھاٹے میں ہی رہا ــــ بی بی جان وہ ــــ وہ پتھر ہے وہ سمجھ نہیں سکتی یا میں سمجھا نہیں سکتا بس آپ اسے کچھ مت کہیں' وہ جیسے جی رہی ہے اسے جینے دیں۔" وہ بخار کی شدت سے سب کچھ کہتا چلا گیا۔ وہ جس شک میں گزشتہ کچھ عرصے سے تھیں وہ سچ نکلا۔

"میں اسے کچھ نہیں کہوں گی' تمہاری محبت خود اس کے پتھر دل کو موم کر دے گی ــــ تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ یعسوب۔" وہ اس کی پیشانی چوم کر رو دیں' اتنے لمبے چوڑے بیٹے کو یوں محبت کے ہاتھوں کمزور پڑتا دیکھ کر انہیں بہت دکھ پہنچا تھا۔ وہ کتنا کم نصیب تھا کہ جسے ایک مدت سے چاہ رہا تھا وہ دسترس میں ہوتے ہوئے بھی بہت دور تھی۔

☼ ☼ ☼

بی بی جان نے یمین کے لیے گاؤں کی ہی کوئی لڑکی پسند کی تھی۔ وہ اگرچہ بخار کے بعد بہت کمزوری محسوس کر رہا تھا لیکن پھر بھی گھر میں اٹھنے والے اچانک شادی کے ہنگاموں میں بھرپور حصہ لے رہا تھا۔ سالک کی شادی تو اس کی غیر موجودگی میں ہی ہو گئی تھی۔ اب یمین کی شادی کو وہ بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتا تھا۔

مہندی کا دن تھا۔ وہ ٹیلر سے اپنے اور عبدل کے لیے شلوار قمیص لے آیا۔ ماروی کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ وہ عبدل کے کپڑے دینے اندر گیا تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی چوڑیوں کو ہاتھ میں لیے عجیب کشمکش میں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے؟

"تم ابھی تیار نہیں ہوئیں؟ یہ عبدل کے کپڑے ہیں اسے تیار کر دینا ــــ اور ہاں" وہ جاتے جاتے اس کی سمت پلٹا۔

"تم مانو یا نہ مانو' مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ تم سہاگن ہو' اس کا سب سے بڑا ثبوت میرا وجود ہے' یہ چوڑیاں پہن لینا اس میں برائی ہی کیا ہے۔" وہ بہت نرمی سے بولا اور اپنی بات مکمل کر کے باہر نکل گیا۔ وہ چوڑیاں پہننا چاہتی تھی مگر دل ایسا کرنے سے روک بھی رہا تھا ایک لمحے کو یعسوب کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آتا تو اگلے ہی پل سالک کی نگاہیں ــــــ ہر طرف دکھائی دینے لگتیں۔ اس نے چوڑیاں دراز میں

واپس رکھ دیں۔ عبدل کو تیار کر کے جب وہ باہر نکلی تو یعسوب کہیں نہیں تھا۔ وہ پرسکون سی ہو کر بی بی جان کے ساتھ مہندی لے جانے کی تیاری میں مصروف ہو گئی۔

وہ جو یمین کو تیار ہونے کی تاکید کرنے اس کے کمرے میں گیا تھا۔ باہر نکلا تو وہ موم بتیاں لگانے میں مصروف تھی۔ موم بتیوں کی روشنی میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ میرون رنگ کے خوب صورت کامدانی سوٹ میں وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ سالک کے بعد یعسوب نے اسے پہلی بار یوں سجے سنورے دیکھا تھا ورنہ وہ تو نکاح کے دن بھی عام سے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ یعسوب کی نگاہیں بے اختیار ہی اس کی کلائیوں کی طرف جھکی تھیں 'دل کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ کلائیاں خالی ہی تھیں۔ اسے اپنی تذلیل کا احساس ہونے لگا اسی لیے بڑی خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

دلہن والوں کے ہاں مووی اور فوٹو گرافی کا دور چلا تو وہ بڑی رکھائی سے یعسوب کے ساتھ عبدل کو اٹھائے دلہن کے ساتھ جا کر بیٹھی۔ اس کے چہرے سے بیزاری صاف ٹپک رہی تھی۔

واپسی پر وہ خاموش ہی رہا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بھی بڑی مشکل سے خود کو غصے سے باز رکھ رہا تھا۔

"تمہیں میرا ساتھ اتنا ہی برا لگتا ہے تو مت چلا کرو میرے ساتھ۔" وہ کمرے میں آتے ہی پھٹ پڑا۔ آج وہاں اس کی بے زار شکل سے اس نے لوگوں کو جس طرح چہ میگوئیاں کرتے دیکھا تھا۔ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"میں نے آپ سے کیا کہا ہے یعسوب؟" وہ اس کی دھاڑ سن کر روہانسی ہو گئی۔ اسے لگتا تھا کہ وہ خود اب اس سے فرار چاہتا ہے اسی لیے اسے یوں تنگ کرنے لگا ہے۔

"تم کچھ کہہ دو تو وہ اتنی اذیت نہ دے مجھے 'تمہاری یہ خاموشی ہی سب سے بڑی تکلیف ہے میرے لیے' ماروی تم تو سمجھوتا کرنا بھی نہیں جانتیں 'کم از کم لوگوں کے سامنے تو یہ ظاہر مت کرو کہ تم خود کو ابھی تک سالک کی محبت سے آزاد نہیں کر سکیں 'کم از کم اس بچے کا تو خیال کرو ماروی 'تم اگر میرا ساتھ دو گی تو کسی کو جرأت نہیں ہو گی کہ کوئی عبدل کو کوئی الٹی سیدھی بات کہہ سکے مگر تم تو۔۔۔" وہ غصے سے کرسی کو ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔

"آپ چاہتے کیا ہیں یعسوب؟" وہ بھی اسی بلند آواز سے بولی تھی۔ وہ چونک گیا۔

"بھائی کے کہنے پر 'اس کی آخری خواہش کا احترام کرتے ہوئے آپ نے مجھے اپنی زندگی میں شامل تو کر لیا مگر اب فرار چاہتے ہیں 'کیسے بہانے بہانے سے مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں 'میں بھی انسان ہوں 'میرے سینے میں بھی دل ہے مگر ایک لمحے کو یہ بھی تو سوچیں کہ مجھ پر کیا قیامت ٹوٹ گئی 'ابھی میں نے سالک کو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا 'ابھی میں نے اس کے ساتھ چند ماہ ہی خوشی کے دیکھے تھے کہ وہ مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔ یعسوب مجھے سنبھلنے کے لیے وقت چاہیے تھا آپ کی مہربانی کہ آپ نے مجھے وقت دیا مگر اب جب میں سنبھلنے کی کوشش کر رہی ہوں تو آپ کو اپنی محبت کے چھن جانے کا افسوس ستانے لگا ہے 'بتائیے مجھے کون ہے وہ؟ نہیں آؤں گی میں آپ کے اور اس کے بیچ۔"

وہ فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا چلا گیا۔ ماروی اس کی محبت کو کیوں نہیں جان سکی تھی 'وہ کیا سمجھ رہی تھی۔۔۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

"میری زندگی میں آپ کو زبردستی شامل کیا گیا تھا مگر میں خود بھی یہ ہی چاہتی تھی اپنے بچے کے لیے 'اپنے مستقبل کے لیے 'مجھے بھی ایک مضبوط سہارے کی ضرورت تھی مگر آپ کی زندگی میں میرا آنا آپ کے دل کو مار گیا ہے۔" وہ اسی طرح روتی رہی۔

"تمہارا میری زندگی میں آنا 'میری بہت پرانی دعا تھی ماروی 'سالک سے بھی پہلے میں نے تم سے محبت کی تھی مگر میں سمجھ سکتا ہوں کہ تمہارا مجھ سے نکاح پر رضامند ہو جانا سالک کی محبت کے سوا کچھ نہیں 'اپنے دل کا چور پکڑو ماروی 'مجھے الزام مت دو 'میں نے صرف تم سے محبت کی ہے 'یقین کرنا چاہو تو کر لو۔" وہ بے حد آہستگی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ یہ کیا کہہ گیا تھا وہ 'پر وہ جل رہا تھا 'وہ ایک بار پھر سسکنے لگی۔

"سالک سے پہلے بھی میں نے تم سے محبت کی تھی۔"

اس کا کہا ہوا جملہ کمرے میں گونجنے لگا۔ وہ یعسوب کی الماری میں گھسی اس کے کپڑے ترتیب سے رکھ رہی تھی کہ ایک سبز جلد کی ڈائری اس کے ہاتھ لگ گئی۔

"اگر تم سچے ہو یعسوب آفریدی تو ابھی پتا چل جائے گا 'میری نگاہوں پر تو سالک کے نام کی پٹی بندھی ہوئی تھی 'میں تو اس کے سوا کچھ دیکھ ہی نہیں سکی مگر تمہاری سچائی یہاں کہیں ضرور رقم ہو گی۔" اس نے سوچتے ہوئے ڈائری کھول دی۔ وہ کاغذ کے ٹکڑے نہیں تھے 'یعسوب آفریدی کا دل تھا۔ ہر سطر پر اس کا نام درج تھا۔ ہر سطر پر اس کی طلب تھی۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ سالک سے بھی پہلے کسی نے اتنی شدت سے اسے اپنے رب سے مانگا تھا کہ وہ ماروی سالک بننے سے پہلے ان کاغذ کے ٹکڑوں میں ماروی یعسوب بن چکی تھی۔

"یا اللہ! مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہو گئی 'میں نے لمحہ لمحہ اس شخص کو اذیت دی جو مجھ سے محبت کرنے کے باوجود 'تمام حق رکھنے کے باوجود 'میری مرضی 'میری پسند کو اہمیت دیتا رہا۔۔۔ یا اللہ! میں نے اپنے شوہر کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے 'مجھے معاف کر دینا!" وہ روتی چلی گئی۔ پہلی دفعہ وہ سالک کے لیے آنسو نہیں بہا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

یمین کی بارات کا دن تھا۔ وہ صبح سے کاموں میں لگا ہوا تھا۔ یمین دیکھ رہا تھا کہ وہ کئی دنوں سے سارا سارا دن اپنے کمرے کا رخ بھی نہیں کرتا۔ اس سے دیکھا نہیں گیا 'وہ ماروی سے بات کرنے کی غرض سے اٹھا تو وہ خود ہی باہر آ گئی۔ روئی روئی آنکھیں لیے وہ یمین کے سامنے آ رکی۔

"تمہارے آکا بھائی سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ میرا ساتھ دو گے نا یمین؟" وہ درخواست کر رہی تھی۔ یمین نے بے یقینی سے اس کی سمت دیکھا۔

"تم نے بھی مجھے نہیں بتایا کہ وہ مجھ سے ہی۔۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"آپ نے کبھی ان کی ذات میں اتنی دلچسپی لی ہی نہیں۔" وہ بھی شکوہ کر بیٹھا۔

"غلطی ہو گئی ہے نا 'اسی لیے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔" وہ بے حد شرمندہ تھی۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ آکا بھائی سے بات کریں اگر انہوں نے کچھ کہا تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔" یمین نے ہامی بھر لی۔ وہ مسکرا کر تیار ہونے چل دی۔

سبز رنگ کے کامدانی دوپٹے کو سنبھالتی وہ باہر نکلی تو وہ عبدل کو اٹھائے اندر ہی آ رہا تھا۔ پہلی بار یعسوب کو دیکھ کر اس کا دل عجیب انداز سے دھڑکا تھا۔ اپنی تیاری دیکھ کر شرم و حیا سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ یعسوب نے ایک لمحے کو اس منظر کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

"اسے بھی تیار کر دو 'بس بارات چلنے ہی والی ہے۔" عبدل کو اسے تھماتے ہوئے تاکید کی۔ ماروی کے عبدل کو تھامنے کے لیے بڑھے ہاتھوں میں سجی چوڑیاں شور مچانے لگیں 'یعسوب نے بے حد حیرت سے اس کی سمت دیکھا 'وہ پلکیں جھکائے عبدل کو اٹھا کر دوبارہ کمرے میں گھس گئی۔

"یہ کوئی خواب تو نہیں۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

"آکا بھائی 'جلدی چلیں 'مجھے تیار کریں۔" وہ اپنے ہی دھیان میں کھڑا تھا جب یمین اسے بازو سے تھامے لے گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے دل کو سمجھ نہیں پا رہی تھی 'اب جب اس

نے حقیقت کو قبول کرلیا تھا کہ سالک نہیں رہا' وہ کبھی نہیں آئے گا تو دل میں خود بخود' اس شخص کے لیے احترام اور عزت پیدا ہو گئی تھی جس نے اسے تحفظ دیا تھا اور اب جب اس حقیقت سے پردہ اٹھا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کا دل بھی یعسوب کے نام پر دھڑکنے لگا تھا۔ وہ سالک کی جگہ تو نہیں لے سکتا تھا مگر یہ بھی ایک سچ تھا کہ وہ اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا' سالک کی تصویر دل کے نہاں خانوں میں دھندلا گئی تھی اور یعسوب آفریدی کا عکس اس کے دل کے شفاف آئینے میں بہت واضح نظر آنے لگا تھا۔ وہ جو اس کا شوہر تھا' وہ جس کا عکس اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا تھا۔ وہ جس کے حوالے خود اسے سالک کر کے گیا تھا۔

اب جب وہ ماضی کی یادوں کے حصار سے نکلی تھی تو احساس ہوا تھا کہ وہ یعسوب کے ساتھ بہت غلط کر رہی ہے۔

عبدل بھی اب بڑا ہو گیا تھا۔ وہ منہ سے اپنی ہی زبان میں عجیب و غریب لفظ نکالنے لگا تھا۔

"عبدل جب بولنا سیکھے تو یعسوب کو ہی باپ سمجھے' اسی کو ابا بلائے۔" سالک کا منت بھرا لہجہ سماعت میں گونجنے لگا۔

"ایسا ہی ہو گا سالک۔" وہ ایک فیصلہ کر کے اٹھ گئی۔ یمین کے ولیمہ سے اگلے دن وہ بیگ باندھ کر اپنے میکے چلی گئی۔

"میں کئی دنوں سے نہیں گئی۔ ابو بھی بلا رہے تھے۔ وہ عبدل سے ملنا چاہتے ہیں میں جاؤں؟" جاتے وقت اس نے یعسوب سے پوچھا' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ماروی اس سے دور رہ کر دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لیے کتنا اہم ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ آئرن کی کرسی پر بیٹھا آسمان پر ٹکے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔ ہوا میں نمی اور ٹھنڈک سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سگریٹ سلگا کر کش لینے لگا۔

"آکا بھائی' کیا بات ہے؟" یمین اسے بیٹھا دیکھ کر وہیں آ گیا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں کہ کیا بات ہے' ماروی بھابھی کی بے اعتنائی آپ کی برداشت سے باہر ہو رہی ہے' ہے نا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"اسے عبدل کی خاطر ہی سہی' سمجھوتا کرنا چاہیے مگر وہ میری ہر بات سے اختلاف کو اپنا فرض سمجھتی ہے۔" وہ یمین سے دل کی بات کہہ گیا۔

"آکا بھائی' آپ کو یقین تو نہیں آئے گا مگر یہ سچ ہے کہ وہ آپ سے اپنی اس بے اعتنائی کی معافی مانگنا چاہتی ہیں' وہ جان گئی ہیں کہ آپ ان سے محبت کرتے ہیں اور یہ محبت سالک بھائی کی محبت سے بھی پرانی ہے۔" یمین اسے جو کچھ بتا رہا تھا وہ واقعی بے یقینی سے سن رہا تھا۔

"آپ حیران ہوں گے نا کہ وہ کیسے جان گئیں' مجھے بھی حیرت ہے مگر ایسا ہو چکا ہے' وہ شاید اسی لیے اپنے میکے گئی ہیں کہ خود کو آپ سے بات کرنے کے لیے تیار کر سکیں' وہ آپ سے معافی مانگیں تو معاف کر دیجیے گا آکا بھائی کہ محبت کا ظرف تو کئی سمندروں سے بھی بڑا ہے اور آکا بھائی ایک بات اور ہے آپ نے اپنی محبت مانگی جو آپ کو مل گئی' اپنے ہر شے پر قادر رب سے ماروی بھابھی کے دل میں خود اپنی محبت کا بے دار ہونا بھی مانگ لیں' وہ رب سب کچھ کر سکتا ہے آکا بھائی' وہ آپ کو خالی دامن نہیں رکھے گا' آپ نے صبر کیا ہے اور ہمارا پروردگار صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" یمین جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ سمجھ گیا۔

"میں مانگ لوں گا۔" اس نے بہت مضبوط لہجے میں کہا۔

یمین مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔ اس کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر جائز حاجات کو پورا ضرور کرتا ہے۔

"یارب' یارب۔۔۔ ہر شے پر قادر رب۔۔۔ ماروی کے دل میں اس کے شوہر کی محبت بے دار کر دے پروردگار۔۔۔ زندگی آسان ہو جائے گی۔۔۔ یارب تو

ہر شے پر قادر ہے۔ تو کر سکتا ہے پروردگار کن کہنے سے یہ کائنات بن گئی تو کیا یہ کام نہیں ہو سکتا' ہو سکتا ہے' بے شک ہو سکتا ہے۔" وہ دعا مانگنے لگا اور آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر بہنے لگے۔

☼ ☼ ☼

رات بھیگ رہی تھی۔ عبدل اپنے نانا کے ساتھ سو رہا تھا۔ وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ اس نے اپنے دل کو بدلتے محسوس کیا تھا۔ اور اب یعسوب سے دوری کے بعد یہ احساس یقین میں بدل گیا تھا۔ اس کا وجود ماروی کے لیے مضبوط چھت کی طرح تھا۔ وہ بہت مضبوط کردار کا شخص تھا۔ اس سے محبت کرنے کے باوجود کوئی زبردستی نہیں کی تھی اس نے' وہ تہہ دل سے اس کی مشکور تھی۔ دل میں اب یعسوب آفریدی کے سوا کوئی نہیں تھا اور ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔ اس نے موبائل اٹھا کر ایس ایم ایس لکھنا شروع کیا۔ لب خود بخود مسکرانے لگے تھے۔ آسمان کے ستارے بھی یعسوب آفریدی کی دعا قبول ہونے پر مسکراتے چلے گئے۔

وہ جو کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔ موبائل کی میسج ٹون سن کر پلنگ پر آ بیٹھا۔ یہ نمبر سالک کا تھا جو ماروی کے پاس ہوتا تھا۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔

"آئی ایم سوری۔۔۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔"

ماروی نے اس سے معافی مانگی تھی یعنی یمین سچ کہہ رہا تھا۔ ماروی اس کی محبت کو جان چکی تھی۔ وہ مسکرانا چاہتا تھا مگر ابھی خوش فہمیوں کے خوف نے اسے مسکرانے سے باز رکھا تھا۔

صبح کی نماز پڑھ کر جب وہ واپس آیا تو پہلی بار اپنا کمرہ بہت خالی خالی لگا۔ وہ کسی اجنبی کی طرح اس کمرے میں رہتی تھی مگر پھر بھی اس کی وجہ سے اس تنہا کمرے میں بہت رونق ہو گئی تھی۔ عبدل کی قلقاریوں اور ننھے ننھے خراٹوں سے وہ کمرہ پورا گھر لگتا تھا۔ کسی خیال کے تحت گاڑی کی چابی اٹھا کر وہ باہر نکل گیا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔

☼ ☼ ☼

یمین کا فون آیا تھا۔ یعسوب کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس کا وجود پتے کی طرح لرزنے لگا۔ اسے محسوس ہوا جیسے جسم سے جان نکل رہی ہو۔ وہ ابو کے ساتھ اسی وقت ہسپتال کے لیے نکل گئی۔ یعسوب کو کافی چوٹیں آئی تھیں۔ وہ جس طرح تڑپ کر آگے بڑھی تھی' بی بی جان اور یمین کو یقین ہو گیا کہ اس کے دل میں یعسوب کی محبت بے دار ہو گئی ہے۔

"کیا ہوا یعسوب کو' کیسے ہو گیا یہ؟" وہ اس کے ہاتھ تھام کر رونے لگی۔ ایک بار پہلے وہ بے آسرا ہوئی تھی تب اسی شخص نے اسے سہارا دیا تھا' اب وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"آکا بھائی آپ کو لینے آ رہے تھے۔" یمین نے آہستگی سے بتایا۔

"میں تو خود واپس آنے والی تھی' میں نہیں رہ سکتی ان کے بغیر بہت بڑا احسان کیا ہے انہوں نے مجھ پر' محبت کی ہے' میں کیسے منہ موڑ لیتی۔۔۔ نہیں کر سکتی' یہ بے انصافی۔۔۔ میں نے مان لیا ہے' میں یعسوب کے ساتھ ہی جینا چاہتی ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر رہی تھی۔ وہ جس طرح رو رہی تھی' اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یعسوب کا انتظار ختم ہوا۔

"آکا بھائی ٹھیک ہو جائیں گے' آپ ساتھ رہیں گی تو ابھی دوڑنے لگیں گے۔" یمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی نئی نویلی دلہن بھی مسکرا دی۔ یمین اسے لے کر باہر نکل گیا۔

"اٹھیں نا یعسوب' معافی مانگ تو لی ہے' اب مجھے یوں اذیت مت دیں۔" وہ اس کا چہرہ تھپتھپانے لگی۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ پہلی بار ماروی کو اپنے لیے روتا دیکھ رہا تھا۔

"معاف کر دیں نا۔" وہ مسلسل معافی مانگ رہی تھی۔

"کردیا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ وہ مسکرا دی۔ دو دن بعد وہ گھر آگیا۔ ماروی نے ان دو دنوں میں اس کا اتنا خیال رکھا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔ اس حادثے نے اس پر ماروی کی محبت اور اپنے رب کے ہر شے پر قادر ہونے کا ایمان اور بھی واضح کر دیا تھا۔

"یمین کہہ رہا تھا کہ وہ آپ کی دوسری شادی کے بارے میں سوچنے لگا تھا' میری بے اعتنائی کی وجہ سے' مگر میں کبھی ایسا نہ ہونے دیتی۔" وہ اس کی پٹیاں کھول کر بازو کو پانی سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا یمین نے ہی سوچا ہو گا' میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا' تمہارے سوا کچھ اور کیسے سوچ سکتا ہوں۔" وہ پوری سنجیدگی سے بولا۔

"جانتی ہوں۔" وہ سر جھکا گئی۔ یعسوب کی نظروں سے اس کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھرے تھے۔

"کیسے جانتی ہو؟" وہ تجسس سے بولا۔

"آپ کی ڈائری پڑھی تھی' ورنہ معلوم ہی کب تھا کہ آپ مجھ سے ___" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کتنی بری بات ہے ماروی' کسی کی ڈائری پڑھنا بہت غلط بات ہے۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

"نہ پڑھتی تو معلوم کیسے ہوتا' میں تو سمجھنے لگی تھی کہ شاید کوئی اور ہے۔ زندگی یوں ہی گزر جاتی۔" وہ پانی سے اس کے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ یعسوب بڑی بے یقینی سے اس کی جھکی نظروں کو دیکھتا رہا۔

"آپ بہت اچھے ہیں یعسوب اور میں بہت بری آپ کو اذیت دیتی رہی' سوری یعسوب۔" وہ ایک بار پھر اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

"سوری کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کریں گے ہم؟" اس نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔ وہ اس کی شرارت سمجھ کر اٹھ گئی۔

"کریں گے' عبدل کو ابا کہنا سکھائیں گے اور فی الحال اس کی نیپی چینج کریں گے اور ___" وہ بھی ہنستی چلی گئی۔ اس نے پہلی دفعہ ماروی کو اتنا ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

"ہنستی رہو ماروی' مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔" وہ بیڈ کراؤن سے سر ٹکاتے ہوئے بولا۔

"اچھا جیسے مجھے اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ یہ سنبھالیں عبدل کو' میں آپ کے لیے سوپ لے کر آتی ہوں۔" وہ عبدل کو اس کے سینے پر لٹا کر باہر نکل گئی۔

شام کے سرمئی اندھیرے گہرے ہو رہے تھے۔ وہ سالک کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر واپس لوٹ آیا تھا۔ عبدل ماروی کی گود میں بیٹھا اس کی چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔ گاڑی میں چھن چھن کا شور عجیب سی نغمگی بکھیر رہا تھا۔

"اب ___ آ" عبدل اچانک ہی بول پڑا تھا۔ یعسوب نے ایک جھٹکے سے گاڑی روک دی۔ ماروی عبدل کو چوم رہی تھی۔ اس کے چہرے سے خوشی چھلک رہی تھی۔

"آج سالک کتنا خوش ہو گا نا۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"ہاں ___ اور میں بھی بہت خوش ہوں یعسوب' عبدل نے آپ کو ابا کہا ہے' میں بہت خوش ہوں اور آپ؟" وہ اپنی خوشی سے بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

"بہت ___ ماروی کیا تم بھی عبدل کے ابا سے ___؟" اس کی ادھوری بات سمجھ کر وہ مسکرا دی۔

"بہت۔" اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے وہ حیا بار لہجے میں بولی' یعسوب کے لب مسکراتے چلے گئے۔

"کیسے یقین کر لوں؟" وہ شوخی سے بولا۔ ماروی سمجھ گئی کہ وہ کیا سننا چاہتا ہے۔

"عبدل کی بہنا کو میں پہلے اماں بولنا سکھاؤں گی۔" اس نے کہتے ہی اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا۔ یعسوب نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"مجھے منظور ہے۔" وہ تابعداری سے سر کو جھکاتے ہوئے بولا۔ ماروی اس کے ساتھ مسکراتی ہوئی چلی گئی اور ان دونوں کو مسکراتا دیکھ کر عبدل ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس دیا۔

||||

نزہت جبیں ضیا

تو انجانے رستا میں

سالن بھونتے بھونتے اس نے گھڑی پر نظر ڈالی بچوں کے اسکول سے آنے کا ٹائم ہو رہا تھا آج صبح بچوں اور نقاش کے آفس جانے کے بعد وہ کچھ دیر کے لیے لیٹی تو آنکھ لگ گئی اسی لیے آج سارے کام ہی دیر سے ہو رہے تھے۔ گوشت بھون کر اس میں مٹر ڈال دیے اور تھوڑا سا پانی ڈال کر پتیلی ڈھک دی ساتھ ہی دوسرے چولہے پر توا رکھ کر جلدی جلدی روٹیاں بنانے لگی تب ہی کال بیل بجی۔

"یا اللہ! اس وقت کون آگیا۔" اس نے سوچتے ہوئے دروازہ کھولا۔

"میرے ساتھ ذرا مارکیٹ تک چلو گی گرمیوں کے دو چار سوٹ لینے ہیں۔" دروازے پر ہنستی مسکراتی اور بشاش سارہ کھڑی تھی۔

"سوری سارہ، اس وقت تو مشکل ہے بچے آنے والے ہیں اور میں کھانا بنا رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر معذرت کرلی۔

"ایسا کرو شام کو چلو۔" اس نے کہا۔

"نہیں یار! شام کو جلیس کے دوست آنے والے ہیں جلیس نے کچھ سامان بجھوایا ہے نا۔"

"اندر تو آؤ۔"

"اندر آنے کا ٹائم نہیں ہے۔ میں اکیلی ہی چلی جاتی ہوں جلیس نے کچھ سامان منگوایا ہے وہ بھی لینا ہے!" سارہ نے مڑتے ہوئے کہا۔ وہ دروازہ بند کرکے دوبارہ کچن میں آگئی..... روٹیاں بناتے بناتے اس کا ذہن سارہ کی طرف ہی تھا۔

"سارہ نے آج بھی نیا ریڈی میڈ سوٹ پہنا ہوا تھا یقیناً" ہزار بارہ سو کا تو ہوگا۔" ازلہ نے دل ہی دل میں کہا پھر نئے کپڑے خریدنے جا رہی تھی" مٹر گل چکے تھے روٹیاں تیار کرکے ہاٹ پاٹ میں رکھیں سالن اور روٹی لا کر ٹیبل پہ رکھے ہی تھے کہ بچے آگئے۔

"آہا ماما زبردست!" آتے ہی طٰہٰ کی نظر مٹر گوشت پر پڑی تو اس نے نعرہ لگایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر بچے اپنے کمرے میں چلے گئے ایک گھنٹا آرام کر کے وہ ہوم ورک کرتے پھر شام کو ٹیوشن پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ کھانے کے دوران ہی ازلہ بچوں سے اسکول میں ہونے والی سرگرمیوں اور پڑھائی کے متعلق باتیں کرتی پھر بچے کھانا کھا کر آرام کرتے اور ازلہ بھی برتن وغیرہ سمیٹ کر آرام کی غرض سے لیٹ جاتی کبھی کوئی کتاب لے کر لیٹ جاتی۔

ازلہ اور نقاش کی شادی کو دس برس کا عرصہ ہو رہا تھا نقاش ایک دفتر میں اکاؤنٹنٹ کے عہدے پر فائز تھا۔ شادی کے وقت نقاش معمولی ملازمت کرتا تھا گھر بھی عام سے علاقے میں تھا۔ نقاش ایک محنتی شخص تھا اپنی محبت، لگن اور انتھک کوششوں سے اس نے ترقی کی منازل طے کیں۔ ماں باپ تھے نہیں تایا نے پالا پوسا تعلیم دلوائی قسمت سے ملازمت بھی جلد مل گئی اپنے دفتر میں احسن کی ملاقات صداقت صاحب سے ہوئی۔ صداقت صاحب کو یہ سوبر اور شریف سا لڑکا بہت اچھا لگا جس کو انہوں نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی یوں نقاش کبھی کبھار صداقت صاحب کے ہاں چلا جاتا تب صداقت صاحب کو معلوم ہوا کہ تائی کے خراب رویے کی وجہ سے ملازمت ملتے ہی نقاش نے اپنے گھر کا بندوبست کرلیا ہے ساتھ ساتھ محنت اور مستقل کام کر کر کے اس نے ایک پلاٹ بھی شہر کے اچھے علاقے میں بک کرلیا۔

صداقت صاحب کو نقاش کے اندر چھپے انسان نے اپنا گرویدہ بنالیا ان کی بیٹی ازلہ بی اے کر چکی تھی جس کے لیے مناسب رشتے کی تلاش تھی صداقت صاحب کی دلی خواہش تھی کہ نقاش ان کا داماد بن جائے نقاش نے بھی ازلہ کو دیکھا تھا پیاری معصوم سی نازک اور شرمیلی سی ازلہ جو نیچی نگاہیں کیے کام میں مصروف رہتی نقاش سے سلام دعا سے زیادہ بات نہ کرتی کھانا بہترین بناتی گھر ہمیشہ صاف ستھرا چمکتا رہتا۔ نقاش کو بھی ازلہ میں اچھی بیوی کی تمام خوبیاں نظر آئیں یوں ازلہ اور نقاش کی شادی ہوگئی۔ ازلہ، نقاش کے چھوٹے سے گھر میں آگئی۔

ازلہ کے آنے سے جیسے نقاش کے خاموش اور ویران گھر میں بہاریں آگئی تھیں دونوں ایک دوسرے کو پا کر بے حد خوش اور مطمئن تھے نقاش جیسے چاہنے والے شوہر کو پا کر ازلہ خود کو آسمانوں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی اور ازلہ کو پا کر نقاش اللہ کا شکر ادا کرتا۔ ازلہ صورت کے ساتھ ساتھ سیرت میں بھی یکتا تھی۔ چھوٹا سا گھر جنت کا نمونہ تھا چھوٹے سے گھر میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی کچھ دن چھٹی کرنے کے بعد نقاش نے دوبارہ دفتر جانا شروع کردیا اور ازلہ دن بھر گھر کو سجاتی سنوارتی، نقاش کے پسند کے کھانے بناتی پھر شام کو تیار ہو کر نقاش کی آمد کی منتظر رہتی، دن میں فون کرکے میکے میں ماں سے بات بھی کرتی نقاش جب شام کو تھکا ہارا لوٹتا تو ازلہ کی ایک خوب صورت مسکان اس کی ساری تھکن پل بھر میں ہوا کردیتی۔

خوب صورت اور مستی بھرے شب و روز گزرتے رہے ڈھیر سارا وقت گزر گیا ایسے میں طٰہٰ کی آمد نے گویا ان کی زندگی میں مزید خوب صورتیاں بکھیر دیں۔ طٰہٰ کو پا کر دونوں بے حد خوش تھے دونوں کی محبت کو نیا اور مضبوط رشتہ مل گیا تھا ازلہ کی مصروفیت میں ننھے طٰہٰ کی آمد سے مزید اضافہ ہوگیا تھا مگر ازلہ کو یہ سب کچھ بہت اچھا لگتا نقاش کو مزید ترقی مل گئی تھی اس نے پلاٹ پر مکان بنانا شروع کردیا ساتھ ساتھ ایک پلاٹ مزید بک کرلیا جو کہ آسان اقساط پر مل رہا تھا۔ گھر بہت خوب صورت بن رہا تھا اپنے گھر کی ازلہ کی خواہش بہت جلد پوری ہونے والی تھی۔

گھر میں شفٹ ہوئے تو ازلہ نے قرآن خوانی کا پروگرام رکھا یوں آس پاس کے گھروں کے مکینوں سے تعارف بھی ہو جاتا۔ آبادی کے زیادہ تر لوگ اچھی ملازمت پر مامور تھے یا پھر کچھ بزنس مین تھے کچھ لوگ ملک سے باہر تھے بہرحال سارے ہی کھاتے پیتے گھرانے تھے۔

قرآن خوانی کا اہتمام اتوار کو کیا گیا تھا تاکہ مرد حضرات بھی شرکت کرسکیں۔ نماز عصر کے بعد سپارے پڑھے گئے اور مغرب کے بعد کھانے کا انتظام تھا۔ ننھا طٰہٰ، نقاش کی طرح سفید کرتا شلوار میں سر پر ٹوپی لگائے بہت پیارا لگ رہا تھا آس پاس کی تقریباً تمام خواتین ہی شریک تھیں۔ مسز شیراز جن کے شوہر شیراز صاحب کسی فرم میں سی اے تھے ان کے بچے جوان تھے مسز فاروقی کے شوہر جمال فاروقی نامور وکیل تھے ان کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے مسز وکیل جن کے شوہر کسی کالج کے ڈین تھے جو بے اولاد تھیں شادی کو دس سال کا عرصہ ہو چکا تھا ہنس مکھ سی مسز وکیل کو دیکھ کر ازلہ کو دکھ سا ہوا وہ طٰہٰ کو گود میں لیے کتنی خوش لگ رہی تھیں طٰہٰ بھی بہت خوش لگ رہا تھا سارہ جلیس کے شوہر صاحب پچھلے آٹھ سال سے ملک سے باہر تھے اس عرصے میں صرف دو دفعہ پاکستان آئے تھے ان کے دو بچے نایاب اور شکیل تھے سب لوگ ہی ملنسار اور ہمدرد تھے کھانے کے بعد گپ شپ ہوتی رہی۔ ازلہ نے محسوس کیا ان تمام فیملیز میں شاید وہ لوگ ہی سب سے کم حیثیت ہیں سب خواتین ہنسی مذاق کرتی رہیں مرد حضرات باہر نقاش کے ساتھ بیٹھے تھے کچھ دیر بعد نقاش نے چائے کی فرمائش کردی۔ ازلہ اٹھنے لگی تو مسز شیراز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا۔

"ارے بیٹی تم بیٹھو یہ کام بچیوں کے ہوتے ہیں جاؤ افیشن اور فرح تم دونوں کچن میں۔" انہوں نے اپنی بیٹیوں سے کہا۔

"ارے نہیں آنٹی پہلی بار آئی ہیں آئندہ چائے ان دونوں سے ہی بنواؤں گی" ازلہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ اٹھ گئی۔

"ویسے مجھے آپ کا اس طرح کہنا بہت اچھا لگا۔" ازلہ کو ان کی اپنائیت بہت اچھی لگی۔

"اللہ کا شکر ہے آس پاس کے تمام لوگ بہت ملنسار اور اچھے ہیں۔" رات کو ازلہ نے نقاش سے کہا۔

"تقریباً" سب کے پاس گاڑیاں ہیں۔" طٰہٰ کو فیڈر دیتے دیتے ازلہ نے کہا۔

"ویسے تمام حضرات بھی سمجھ دار اور زندہ دل ہیں۔" نقاش نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

کچھ دن اور بعد کے طٰہٰ تقریباً" زیادہ تر مسز شیراز

کے ساتھ رہتا تمام لوگ اسے بہت پیار کرتے تھے۔
روزانہ رات کو تمام خواتین گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں سے نکل کر واک کرتیں پھر کسی کے بھی گھر کے سامنے بنے چھوٹے سے لان میں بیٹھ کر مختلف موضوعات پر باتیں ہوتیں۔ انڈین ڈراموں کے تذکرے ہوتے اچھائیاں اور برائیاں بیان کی جاتیں نئے فیشن اور حالات حاضرہ پہ باتیں ہوتیں کسی کے گھر اگر کوئی تقریب ہونے والی ہوتی تو اس کے پروگرامز بنتے' یوں ہنستے مسکراتے سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے تقریباً" تمام گھروں میں ماسیاں آتی تھیں۔ ازلہ کے پاس بھی صبح آکر جھاڑو پونچھا کرتی برتن دھوتی کپڑے ہفتے میں ایک بار دھوتی' ازلہ کو سودا سلف لانا ہوتا کوئی نہ کوئی ساتھ چلتا یوں اچھی گیدرنگ بنی رہتی۔ عمارہ کی آمد کے بعد گویا ان کی فیملی مکمل ہو چکی تھی۔ ازلہ اور نقاش عمارہ کے آجانے سے بہت خوش تھے۔ ایسے میں تمام محلے والے اور خاص طور پر مسز شیراز نے بالکل ایک ماں کی طرح ازلہ کو سنبھالا اس کے کھانے پینے کا نقاش' طٰہٰ کا بے حد خیال رکھا۔ ازلہ شکریہ ادا کرتی تو مسز شیراز سچ مچ ناراض ہو جاتیں کہ تم شکریہ کہہ کر میرے خلوص کو ختم کر رہی ہو جس پر ازلہ شرمندہ ہو جاتی۔
دن مطمئن گزر رہے تھے۔ عمارہ بھی ماں باپ کی محبتوں میں پروان چڑھنے لگی۔ طٰہٰ اسکول جانے لگا تھا شہر کے بہترین اسکول میں تھا عمارہ بھی سال بھر کی ہو گئی تھی ازلہ اس وقت ہراساں ہو گئی جب ایک بار پھر وہ امید سے ہوئی۔
"نقاش پلیز۔" وہ نقاش کے سامنے رو دینے کو تھی۔
"لیکن ازلہ اب کیا ہو سکتا ہے۔"
"ازلہ تم جانتی ہو نا یہ گناہ ہے اور میں تمہیں کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہونے دوں گا دیکھو اگر ایسا ہو رہا ہے تو ہونے دو اللہ تعالیٰ خود آسانیاں پیدا کرے گا۔"
نقاش نے پیار سے اسے انتہائی قدم اٹھانے سے منع کر دیا اور ازلہ کچھ سوچ کر خاموش ہو گئی۔
لیکن جب عروبہ اور عشا کی صورت میں جڑواں بچیوں نے جنم لیا تو ازلہ کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔
گھر کے اخراجات طٰہٰ کے اسکول کے بھاری بھر کم خرچے پلاٹ کی قسط کے ساتھ ساتھ چار بچوں کے اخراجات ازلہ سوچ سوچ کر پریشان ہونے لگی۔
"ازلہ! تم فکر کیوں کرتی ہو اللہ بہتر کرے گا میں اوور ٹائم وغیرہ لگالوں گا انشاء اللہ سب سیٹ ہو جائے گا۔"
مگر ازلہ کو نقاش کی تسلیاں بھی مطمئن نہ کر سکیں۔ نقاش نے پالیسی بھی لے رکھی تھی سال کے اختتام پر اچھی خاصی رقم جمع کروانی ہوتی تھی مہنگائی دن بہ دن آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ازلہ کو اس مکان میں آئے چار سال کا عرصہ ہو گیا تھا اور ازلہ نے دیکھا تھا کہ ان چار سالوں میں سارہ کے شوہر جلیس صاحب نہیں آئے تھے۔ سارہ کے دونوں بچے شہر کے سب سے مہنگے اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ سارہ ہر سال اپنی کار بدلتی خود ڈرائیو کرتی گھر میں ضرورت کی چیزوں کے علاوہ غیر ضروری چیزوں کی بھرمار تھی جلیس ہر آنے جانے والے کے ہاتھ ڈھیروں سامان بھجواتے۔ بیوی بچوں کے عیش تھے سارہ کے پاس سونے کے اتنے زیورات تھے کہ جتنے ازلہ کے پاس آرٹیفشل بھی نہ تھے۔ مہنگے ترین کپڑے سارہ کے روزمرہ کے استعمال میں ہوتے اعلا اور امپورٹڈ پرفیوم میں سدا نہائی رہتی ہر مہینے کئی کئی جوڑے سلوائی میچنگ جیولری اور سینڈلز ہوتیں' رات کو واک کرنے بھی آتی تو مہنگے کپڑے زیب تن کیے ہوتی۔ ازلہ کو نہ جانے کیوں خود سے شرمندگی سی ہوتی اپنے اوپر نظر ڈالتی تو تین چار سو کا معمولی سا تھری پیس سوٹ ہوتا جو کبھی کبھار دو دو دن پہنے رہتی ازلہ کو اپنا آپ سارہ کے سامنے بہت کمتر لگتا۔
ساری خواتین ادھر ادھر کی باتیں کرتیں۔ سارہ اپنے میاں کی تعریفیں کرتی وہاں سے آئی ہوئی اچھی اچھی اور قیمتی چیزیں دکھاتی۔ بعض اوقات ازلہ کو عجیب سا لگتا یہ۔

"سارہ شوہر کی غیر موجودگی میں اتنا بننا ٹھننا آخر کس کے لیے' روپ سنگھار اچھے اچھے کپڑے میک اپ صرف اور صرف شوہر کو دکھانے کے لیے ہوتا ہے پھر جب دیکھنے والا تعریف کرنے والا' حسن کو سراہنے والا موجود نہ ہو تو..... تو پھر یہ بناؤ سنگھار کس لیے....."
آخر ایک روز ازلہ نے پوچھ لیا۔
"سارہ! جلیس بھائی کے بغیر تمہیں سب کچھ کرنا اچھا لگتا ہے میرا مطلب ہے اتنے عرصے سے وہ نہیں آئے تمہیں برا تو لگتا ہو گا کوئی کمی..... کوئی تشنگی محسوس تو ہوتی ہو گی....." جواباً" سارہ نے بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔
"ارے یار ازلہ..... کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے..... ارے میری جان لمبی سیاہ راتیں ہمیں بھی کاٹتی ہیں....." سارہ نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔
"لیکن جلیس بھی کہتے ہیں کہ چند سال برداشت کر لو پھر ساری عمر عیش کریں گے..... اب تو عادت پڑ گئی ہے اسی طرح زندگی گزارنے کی..... اور پھر جب ڈالر آتے ہیں مٹھی گرم کرنے کے لیے تو یہ دوریاں..... مجبوریاں..... سب ختم ہو جاتی ہیں صرف آرام اور آسائش یاد رہ جاتی ہیں بس..... چند سال....." سارہ کا لہجہ کھنکتا ہوا تھا کوئی کمی' کوئی دوری کا احساس نہ تھا ازلہ سوچنے لگی "سارہ چند سال..... چند سال..... کہیں صدیوں پر محیط نہ ہو جائیں..... یہی وقت تو ہے ایسا نہ ہو کہ وقت گزر جائے اور تم..... اللہ نہ کرے۔" ازلہ اپنی سوچ پر خود کو ملامت کرنے لگی۔
نقاش اوور ٹائم پر رکتا تو دو گھنٹے گزارنا ازلہ کو کتنا مشکل لگتا تھا..... لیکن اس رات ازلہ دیر تک سوچتی رہی' اپنی زندگی کا موازنہ سارہ کی زندگی سے کرنے لگی۔ سوچتے سوچتے وہ نہ جانے کہاں جا پہنچی۔ اس نے سوچا اگر چند سال کے لیے نقاش بھی امریکہ چلا جائے ہمارے حالات بھی بدل سکتے ہیں ہمارے پاس بھی معقول رقم آ سکتی ہے۔ مگر وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ نقاش کسی صورت نہیں مانے گا۔

☼ ☼ ☼

آخر کار ایک دن ازلہ نے ہمت کر کے نقاش سے ذکر کر دیا۔
"پاگل ہو گئی ہو تم؟" حسب توقع نقاش چیخا۔
"اچھا اگر امریکہ نہیں تو مڈل ایسٹ ہی چلے جاؤ اور کیا جن کے شوہر باہر ہوتے ہیں وہ عورتیں پاگل ہوتی ہیں۔" ازلہ نے بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہا۔
"کیوں؟ ابھی کیا کمی ہے ہمیں....." نقاش کا لہجہ تیکھا تھا۔
"نقاش باہر رہنے والوں کا لائف اسٹائل ہی الگ ہو جاتا ہے اب سارہ کو دیکھو۔"
"پلیز ازلہ خاموش ہو جاؤ۔" نقاش نے ازلہ کی بات کاٹ کر گمبھیر لہجے میں کہا۔ نقاش کا بدلتا اور تلخ رویہ دیکھ کر ازلہ نے فی الحال خاموش ہو جانا بہتر سمجھا..... عروبہ رو رہی تھی ازلہ اٹھ کر اس کے پاس چلی گئی اور نقاش عشا کو گود میں لے کر کھیلنے لگا۔
اس روز کے بعد نقاش نے محسوس کیا ازلہ چپ سی ہو گئی ہے نہ جانے کیوں ازلہ کو ملک سے باہر کی دنیا کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔ اس کی خاموشی نقاش کو بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔
کالونی میں خوب ہنگامہ بپا تھا کیونکہ مسز شیرازی کی بڑی بیٹی فرح کی شادی کی تقریبات ہو رہی تھیں خوب دل کھول کر پیسہ خرچ کیا جا رہا تھا کہ غریبوں کی چار شادیاں ہو جائیں۔
آج شادی تھی ازلہ اپنے اور بچوں کے کپڑے پریس کر چکی تو نقاش کے کپڑے دیکھنے لگی۔ گنتی کے چار پانچ سوٹ تھے وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اب کل مہندی کی تقریب میں شیراز انکل نے کتنا نفیس اور قیمتی سوٹ پہنا تھا آج تو نہ جانے کیسا سوٹ ہو گا وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"کیا سوچ رہی ہو؟" نقاش نے اسے خیالات سے چونکا دیا۔
"سوچ رہی تھی یہ سوٹ تو آپ کئی بار پہن چکے ہیں۔" اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔
"تو کیا ہوا اب میں نئے سوٹ تو نہیں لاؤں گا۔ ان

ہی میں سے پہننا ہو گا۔" نقاش ہنستے ہوئے بولا۔

"کیوں نہیں لا سکتے چاہیں تو ہماری الماریاں بھی بیش قیمت سوٹوں سے بھر سکتی ہیں۔" ازلہ کے جملے پر نقاش بری طرح چونک گیا' لیکن ازلہ پر اس کے چونکنے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ خاموشی سے کپڑے نکال کر آئرن اسٹینڈ پر رکھنے لگی اور نقاش اپنی محبوب بیوی کو تاسف سے دیکھنے لگا وہ کیسی سوچیں پال رہی تھی۔

رات کو شادی سے لوٹتے کافی ٹائم ہو گیا بچے تو چینج کرتے ہی سو گئے نقاش بھی چینج کر کے آگیا' مگر ازلہ بدستور بیڈ پر بیٹھی جانے کن سوچوں میں گھری تھی گرین اور پرپل بنارسی ساڑھی میں لائیٹ میک اپ اور میچنگ پرل کی جیولری میں ازلہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ نقاش محبت سے اسے دیکھنے لگا اتنے سال بعد بھی ازلہ ویسی ہی معصوم اور خوب صورت تھی اتنی پیاری جتنی کہ شادی کے وقت تھی۔

"کیا بات ہے جانو کیا سونے کا ارادہ نہیں کن سوچوں میں گھری ہو؟" نقاش نے اسے تھام کر بڑی محبت سے سوال کیا تو وہ چونک گئی۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" نقاش کے لہجے میں محبت کے ساتھ فکر بھی نمایاں تھی۔

"میں سوچ رہی تھی نقاش شیراز انکل نے کتنے پیسے لگائے ہوں گے فرح کی شادی پر کتنا خرچ کیا ہے نا ___"

"ہاں بھئی ظاہر ہے ہر ماں باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کے لیے دل کھول کر خرچ کریں انشاءاللہ تعالیٰ ہم بھی اپنے بچوں کی ___"

"نہیں نقاش ___" ازلہ نے بات اچکالی ___

"ہم اپنے بچوں کی شادی میں دل کھول کر ارمان نہیں نکال سکتے کیونکہ شیراز انکل ماہانہ کتنا کماتے ہیں تم جانتے ہو؟ ___ ان کا بیٹا ایم بی اے ہے جس کی ماہانہ آمدنی پچاس ہزار ہے کیا ہم ___" ازلہ کہتے کہتے رک گئی اس کی آواز کانپنے لگی تھی۔ لہجے کی یاسیت نقاش کو تڑپا گئی ___ "ازلہ ایسا کیوں سوچتی ہو تم ابھی ہمارے بچے بہت چھوٹے ہیں ہماری بچیاں جب شادی کے قابل ہوں گی تب تک ہمارا طٰہٰ بھی انشاءاللہ کسی قابل ہو جائے گا' کون سا کل ہماری بچیوں کی شادی ہو رہی ہے اور پھر انسان کو بجائے دوسروں کی حرص کے اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں ___" نقاش کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا تھا۔

نقاش طٰہٰ کی اعلا تعلیم کے لیے بھاری رقم کی ضرورت ہے۔ تین تین بیٹیاں جن کو ہمیں بیاہنا ہے ___ ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں یہ بات حرص کی نہیں ہماری خواہشات کی' ہمارے ارمانوں کی ہے۔ نقاش اگر ہم اچھا اور بہتر مستقبل چاہتے ہیں تو یہ ناجائز ہے کیا ___؟ اور پھر اس کے لیے ہمیں غلط راستہ تو نہیں اپنانا پڑے گا ___ میں تمہیں غلط یا ناجائز کام کرنے کا تو نہیں کہہ رہی" نقاش پل میں سمجھ گیا کہ ازلہ کیا چاہتی ہے نقاش نے بھرپور نظروں سے اسے دیکھا کتنی حسرت اور بے بسی تھی اس کی آنکھوں میں۔

"نقاش! تم خود سوچو ہمارے چار بچے ہیں اتنی مہنگائی بے حساب اخراجات اس پر محدود آمدنی میں کس طرح سے ایڈجسٹ کرتی ہوں میرا دل ہی جانتا ہے بعض اوقات کسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے مجھے ایک ایک ماہ انتظار کرنا پڑتا ہے مجھے چھوڑو لیکن بچے تو ادھر ادھر آتے جاتے ہیں دوسروں کو دیکھ کر ان کے کپڑے کھلونے' ان کے ٹھاٹ دیکھ کر بچوں کی آنکھوں میں' میں نے حسرت دیکھی ہے۔ نقاش ہم بھی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو پورا کر سکتے ہیں اس کے لیے صرف انتظار ہی کیوں ___؟ ازلہ کی باتوں میں محرومی نمایاں تھی نقاش کا دل ڈولنے لگا۔

وہ بغیر کچھ کہے ایک جھٹکے سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا ___ ازلہ بھی خاموشی سے اٹھ کر کپڑے بدلنے باتھ روم میں گھس گئی۔

☼ ☼ ☼

ازلہ گو کہ چاہتی تھی۔ نقاش سعودی عرب چلا جائے لیکن اس سے دوری کا تصور بھی جان لیوا تھا۔ سوچتی ہمیں کچھ نہ کچھ تو برداشت کرنا ہی ہو گا اور دوسری جانب نقاش سوچتا "ازلہ کو کیا ہو گیا ہے وہ کتنی آسانی سے یہ کہہ رہی ہے کیا ہم ایک دوسرے کے بغیر رہ پائیں گے؟ کیا ___ میں بچوں کے بغیر۔" بالوں میں انگلیاں پھنسائے وہ تذبذب کے عالم میں تھا۔

دونوں جانب سرد جنگ سی جاری تھی دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش تھے' کافی دن اسی طرح بیت گئے۔

دودھ والے کی گھنٹی کی تیز آواز پر ازلہ بری طرح چونکی ہاتھ میں پکڑی کتاب جو کب سے بند ہو کر سینے پر پڑی تھی اٹھا کر بیڈ پر رکھی اور اٹھ کر دروازے پر چلی آئی' بچوں کے ٹیوشن جانے کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے جلدی جلدی بچوں کے کپڑے نکال کر پریس کیے' بچے چلے گئے دونوں چھوٹی بچیاں سو رہی تھیں نقاش کے آنے کا وقت ہو رہا تھا چولہے پر چائے کا پانی رکھ کر وہ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو گئی' تب ہی نقاش آگیا۔

"ازلہ ادھر آؤ ___" آتے ہی لاؤنج میں پڑے صوفے پر بیٹھ کر ازلہ کو آواز دی ازلہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے لے کر آگئی۔

"ادھر بیٹھو ___" نقاش نے ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر میں بٹھا لیا اور بریف کیس کھول کر ایک بھاری سا لفافہ نکال کر اسے تھمایا۔

"یہ ___ یہ کیا ہے؟" وہ حیرت سے لفافہ تھام کر بولی۔

"اس میں تمہارے خوابوں کی تعبیر ہے ازلہ!" نقاش نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"کیا مطلب ___؟" ازلہ ابھی تک حیرت زدہ تھی۔

"دراصل میں کافی دنوں سے اسٹیٹ جانے کی کارروائی مکمل کر رہا تھا سارے انتظامات ہو چکے ہیں تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا ساری کارروائی میرے کولیگ کے بھائی نے کی۔ وہ وہاں پر ایک عرصے سے مقیم ہیں میرا ٹکٹ بھی آچکا ہے اور میں سیٹرڈے کو فلائی کر رہا ہوں۔"

"اتنی جلدی ___؟" ازلہ کے ہاتھ سے لفافہ گر پڑا ___ الفاظ اس کے گلے میں پھنسنے' سانسیں اٹکنے لگیں۔

"تو جلدی کہاں اتنے دنوں سے تو تم کہہ رہی تھیں۔" نقاش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے آپ نے خاموشی سے ہی ساری کارروائی کر لی کم از کم مجھے پہلے بتا دیتے' میں ذہنی طور پر تیار رہتی۔" اس کی کٹورہ سی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"عجیب ہو تم بھی' اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ تمہاری وجہ سے تو میں نے یہ سب کیا ہے۔" نقاش کو ازلہ پر پیار آرہا تھا۔

"اگر پہلے سے پتا ہوتا تو میں مینٹلی تیار رہتی نا۔"

"بھئی میں تو تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔" نقاش نے اس کے ہاتھ تھام کر ملائمت سے کہا تو ازلہ پلکیں جھپکا کر آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ہائے اللہ آج اتوار ہے صرف پانچ دن بعد۔" اتنی جلدی' سوچ سوچ کر ازلہ پریشان ہو رہی تھی' حالانکہ یہ اس کی اپنی خواہش بھی تھی لیکن اب جب وہ سب کچھ ہونے جا رہا تھا' نہ جانے کیوں اس کا دل پریشان ہونے لگا تھا ___ اور نقاش بظاہر ہنستا مسکراتا اس کی ہمت بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بچوں کو معلوم ہوا تو وہ بھی اپ سیٹ ہو گئے۔ اڑوس پڑوس والے آکر مبارک باد دینے لگے۔ وہ کسی حد تک خود پر قابو پا چکی تھی۔ نقاش کی تیاریوں میں لگ گئی۔

سب لوگ آئے لیکن سارہ نہیں آئی تھی کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ جیلس ہو' وہ یونہی سوچ کر رہ گئی۔ دو دن بعد نقاش نے جانا تھا تقریباً ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں' سامان وغیرہ تقریباً پیک ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن دوپہر میں بچے ابھی اسکول سے نہیں لوٹے تھے۔ ازلہ' نقاش کے کپڑے پریس کر رہی تھی نقاش کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا ___ سارہ کا فون آگیا۔

"اوہ! سارہ میں تو سمجھی تم بھی جلیس بھائی کے پاس چلی گئی ہو۔" آواز سن کر ازلہ نے طنزاً کہا۔

"ازلہ پلیز پندرہ منٹ کے لیے آجاؤ۔" اس کے طنز کو نظرانداز کر کے سارہ نے دھیرے سے کہا۔ آواز میں

نہ جانے کیسی لرزش تھی کہ ازلہ پریشان ہوگئی۔
"خیریت تو ہے نا۔۔۔؟"
"بس پلیز آجاؤ۔۔۔" سارہ نے اتنا کہہ کر فون رکھ دیا۔
ازلہ پریشان ہو گئی۔ گھڑی پر نظر ڈالی بچوں کے آنے میں خاصا وقت تھا نقاش بھی ابھی گیا تھا' دونوں بچیاں مسز شیراز کے پاس تھیں۔ وہ استری آف کر کے چادر اوڑھ کر سارہ کے گھر چل دی۔
سارہ نے دروازہ کھولا اس کے بچے بھی نہیں تھے ملگجے کپڑے' بکھرے بال سوجی سوجی آنکھیں متورم چہرہ سارہ کا یہ نیا روپ اس کے لیے حیران کن تھا۔
"کیا بات ہے سارہ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری ۔۔۔؟" وہ گھبرا گئی سارہ کے ہاتھ تھام کر پریشان لہجے میں پوچھا۔
"کیا۔۔۔؟ کیا تم رو رہی تھیں؟" کسی کو کوئی دکھ ہو اور اگر کوئی اس سے ہمدردی کا ایک لفظ بھی کہے تو دکھی انسان بکھر جاتا ہے۔ سارہ بھی اس وقت ایسی ہی کیفیت سے دوچار تھی اسے بھی کسی ہمدرد کاندھے کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ ازلہ کے کاندھے پر سر رکھ کر وہ ضبط کی تمام حدیں پار کر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
"ارے۔۔۔ ارے سارہ پلیز کچھ بتاؤ کیا ہوا؟ بچے تو ٹھیک ہیں نا۔۔۔" ازلہ کے لیے یہ سب کچھ غیر متوقع تھا۔ سارہ کو بیڈ پر بٹھایا پانی پلایا۔ سارہ کچھ سنبھلی۔
"اب بتاؤ کیا ہوا؟"
"پلیز۔۔۔ پلیز ازلہ۔۔۔ تم نقاش بھائی کو باہر جانے سے روک لو۔" ازلہ کے ہاتھ تھام کر سارہ التجائیہ لہجے میں بولی۔
"تم نہیں خود سے دور نہ کرو۔"
"لیکن سارہ تم تو کہتی تھیں باہر جا کر لائف بن جاتی ہے پھر۔۔۔"
"جھوٹ بولا تھا میں نے۔۔۔ ڈھونگ تھا سب جتنے قہقہے میرے لبوں پر ہوتے اس سے کہیں زیادہ گہرے زخم میری روح میں ہیں۔ سارا زمانہ ہنستی کھلکھلاتی سارہ کو جانتا ہے اس کے اندر بسی محروم اور بے بس عورت کو تو اس کے بچے بھی نہیں جانتے کہ ان کی مما نے اپنے اندر کتنے شگاف چھپا رکھے ہیں۔۔۔ کتنے طوفان ہیں میرے اندر۔۔۔ سارہ کوئی بھی اس حقیقت سے واقف نہیں کہ۔۔۔ آج سے کئی سال قبل نیشنیلٹی کی خاطر جلیس نے وہاں شادی کر رکھی ہے۔ میں نے بچوں سے چھپایا کہ بچوں کے چھوٹے چھوٹے ذہنوں پر غلط اثر پڑے گا چلو میں برداشت کر لوں گی جلیس نے یہ کیا تو ہمارے لیے کیا ہے۔۔۔ ہمارے عیش و آرام میں کوئی کمی نہ کی میں اس بات سے بھی مطمئن ہونے کی کوشش کرتی کہ چلو جلیس کا نام تو میرے ساتھ جڑا ہوا ہے لیکن ابھی تین دن پہلے انہوں نے اپنے دوست کے ذریعے مجھے طلاق کے کاغذات بھجوا دیے کہ اب انہیں میں اور بچے پاؤں کی زنجیر لگتے ہیں۔ وہ اپنی فیملی میں مگن خوش اور مطمئن ہیں اور انہیں اب پاکستان میں کوئی کشش نظر نہیں آتی۔ ازلہ میں نے ہی اپنے رشتہ داروں سے کہہ کہہ کر جلیس کو امریکہ بھجوایا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ جلیس ایسا کریں گے۔۔۔ اب تم بتاؤ میں کیا کروں میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا دل کا بوجھ کسی کے سامنے ہلکا کرتا تھا اور جب مجھے پتا چلا کہ نقاش بھائی بھی باہر جا رہے ہیں تو ۔۔۔ تو میں خاموش نہ رہ سکی۔۔۔ میں اپنا دکھ کس سے کہوں ازلہ؟۔۔۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔ اگر بچے نہ ہوتے تو شاید میں خودکشی کر چکی ہوتی۔۔۔ کتنی مجبور ہو گئی ہوں میں۔" وہ بلک رہی تھی۔ ازلہ کی گود میں سر رکھے بے تحاشا رو رہی تھی۔ ازلہ تو زلزلوں کی زد میں آ گئی تھی۔
"سارہ پلیز۔۔۔ صبر کرو۔۔۔ دیکھنا جلیس بھائی ضرور پچھتائیں گے۔۔۔ پلیز تم خود کو سنبھالو بچے آئیں گے تو پریشان ہوں گے۔" ازلہ نے خود پر قابو پا کر اسے ملائمت سے سمجھایا حالانکہ وہ خود بے حد شاکڈ ہو رہی تھی۔
"اور تم نے یقیناً کچھ کھایا بھی نہ ہوگا۔" ازلہ نے کچھ دیر رک کر پوچھا۔ تو سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسا کر کے تم خود پر ظلم کرو گی۔ اب تو تمہیں حوصلے اور ہمت سے جی کر دکھانا ہے چلو جلدی سے اٹھو منہ ہاتھ دھو لو اور ہاں میں نے کڑی چاول بنائے ہیں ابھی بھجواتی ہوں خود بھی کھانا اور بچوں کو بھی دینا میں چلتی ہوں بچے آنے والے ہیں۔۔۔ خبردار اگر ایک آنسو بھی نکلا۔۔۔ نہیں رو گی نا۔۔۔ اس نے کہا سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"شام کو چکر لگاؤں گی۔۔۔ شام کو آؤں تو ہنستی مسکراتی سارہ میری منتظر ہو سمجھیں۔" جاتے جاتے پیار بھری چپت سر پر لگا کر ازلہ نے کہا۔
ازلہ' سارہ کے گھر سے نکلی تو سوچ کا نیا در کھل چکا تھا۔۔۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ اگر خدانخواستہ نقاش ۔۔۔ نہیں نہیں اپنی سوچ پر اسے جھرجھری آ گئی اگر ۔۔۔ ایسا ہوا تو میں۔۔۔ میں تو جی نہ سکوں گی۔۔۔ اللہ نہ کرے۔۔۔ خود ہی بڑبڑائی۔۔۔ سارا دن وہ بے چین سی رہی ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔ یا ایسا ضروری تو نہیں کے بیچ اس کا ذہن بھٹکتا رہا۔ اس نے اس بات کا ذکر نقاش سے بھی نہ کیا۔
رات کو بستر پر لیٹی تو کئی قسم کے سوالات اسے پریشان کرنے لگے۔۔۔
کیا نقاش کی آمدنی ناکافی ہے۔۔۔؟ کیا ہماری زندگی مطمئن اور آسودہ نہیں؟ کیا ہمارے اندر ہمت کی کمی ہے۔۔۔؟ کیا کم آمدنی والے لوگ زندہ نہیں رہتے پھر ہمارے پاس تو معقول رقم آتی ہے۔۔۔ کیا میں بجٹ بنا کر گھر کا خرچ نہیں چلا سکتی ایسا نہ ہو کہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں' میں خوب سے بھی چلی جاؤں اچھے مستقبل کے چکر میں میرا حال ہی نہ بگڑ جائے برابر میں ۔۔۔ سوتے ہوئے نقاش کو دیکھ کر نہ جانے کیوں آنکھوں میں ڈھیر سارا نمکین پانی اتر آیا۔۔۔ کل کا دن ہے بس کل رات کو نقاش کی فلائیٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

رات بھر وہ بے چین رہی صبح ہوئی تو عجیب سی الجھن کا شکار تھی کل نقاش نئے کپڑے لایا تھا صبح

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے
4 نئے ناول
شائع ہوگئے ہیں
آج گگن پر چاند نہیں
مصنفہ: رضیہ جمیل
قیمت 180/- روپے
تم آخری جزیرہ ہو
مصنفہ: آمنہ ریاض
قیمت: 150/- روپے
دل سے نکلے ہیں جو لفظ
مصنفہ: فرحت اشتیاق
قیمت: 150/- روپے
پھلاں دے رنگ کالے
مصنفہ: فائزہ افتخار
قیمت: 180/- روپے
خوبصورت سرورق، دیدہ زیب طباعت
آفسٹ پیپر، مضبوط جلد
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار کراچی

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد نقاش نے کہا۔ "ازلہ وہ شاپر میں جو کپڑے ہیں وہ سوٹ کیس میں رکھ دو مجھے لے کر جانے ہیں۔" کپڑے سوٹ کیس کی بجائے ازلہ نے الماری میں رکھ دیے۔

"ازلہ یہ کپڑے وہاں کیوں رکھے ہیں؟..." نقاش نے حیرانگی سے پوچھا۔

"اس لیے کہ اب ان کی جگہ یہیں پر ہے..." ازلہ نے پریقین لہجے میں کہا... اور آکر صوفے پر بیٹھتے ہوئے نقاش کے پیروں کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"نقاش... اب آپ کہیں نہیں جارہے۔" ازلہ کی بات پر نقاش اسے ایسے دیکھنے لگا جیسے ازلہ کی دماغی حالت پر شک ہو...

"پاگل ہو گئی ہو تم...؟"

"پاگل تو میں تھی اب تک نقاش... اب... اب تو سمجھ گئی ہوں... ہوش میں آ گئی ہوں۔" ازلہ کے لہجے سے سچائیاں اور آنکھوں میں معصومیت تھی۔ دونوں ہاتھوں سے نقاش کے گھٹنے تھامے وہ کسی معصوم بچی کی طرح لگ رہی تھی۔

"لیکن... لیکن... یہ سب تمہارے کہنے پر ہو رہا ہے ورنہ میں کون سا چاہتا تھا تم ہی تو کہتی ہو آمدنی کم اور اخراجات بہت زیادہ ہیں ہمیں طٰہٰ کو پڑھانا ہے عمارہ، عروبہ اور عشا کی شادی کرنی ہے... میں ڈھیر سارے روپے کماؤں گا تب ہی تو ہم بھی شیراز انکل کی طرح اپنی بیٹیوں کی شادیاں کریں گے نا..." نہ چاہتے ہوئے بھی نقاش کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ازلہ نے شرمندگی سے نگاہیں جھکا دیں۔

"پلیز... پلیز نقاش میری نادانی کو معاف کر دو... میری سوچ غلط تھی خواہ مخواہ اونچی اڑان کے چکر میں آ گئی تھی... الحمدللہ ہمارے پاس اتنا کچھ ہے کہ ہم مینج کر لیں گے تمہاری پالیسی ہو گی تو ہم اپنی بیٹیوں کی شادیاں اپنی حیثیت کے مطابق کر سکیں گے... گلستان جوہر والا پلاٹ فروخت کر کے طٰہٰ کی تعلیم مکمل کروائیں گے اور اب میں گھر کے لیے بجٹ بنا کر اخراجات کروں گی... اپنی چادر اور حیثیت کے مطابق ہی پیر پھیلاؤں گی۔ گھر کو چلانے اور سنوارنے میں مجھے ہر ہر قدم پر تمہارے ساتھ کی ضرورت ہو گی... کیونکہ ہم دونوں مل کر ہی گھر کو گھر بنائیں گے... میں یہ بات سمجھ چکی ہوں کہ مجھے اور بچوں کو زیادہ پیسے کی بجائے تمہارے ساتھ کی زیادہ ضرورت ہے تمہارا ساتھ ہو تو تھوڑا بھی بہت ہو جائے گا۔" آنکھوں میں بے پناہ سچائیاں لیے وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولے جا رہی تھی اور نقاش بڑے پیار اور حیرت سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھ رہا تھا اس کی بدلتی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے ازلہ کی معصومیت پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا لیکن... وہ کچھ سوچ کر سنجیدگی سے بولا۔

"نہیں ازلہ اب یہ ممکن نہیں اب تو مجھے جانا ہی ہو گا۔"

"پلیز... پلیز نقاش میں، میں مر جاؤں گی۔" بے ساختہ روتے ہوئے وہ بلکنے سے چیخی۔

"ارے، ارے۔" نقاش نے گھبرا کر اسے کاندھوں سے تھام کر سینے سے لگایا ازلہ کی حالت اسے تڑپا گئی۔

"جانِ نقاش! یہاں کون کمبخت جانا چاہ رہا تھا وہ تو تمہاری وجہ سے..."

"اب تو نہیں جائیں گے نا..." ڈبڈبائی آنکھوں سے سوال کیا۔

"اب تو سوچوں گا بھی نہیں کیونکہ اب میری بیگم کافی سمجھ دار ہو گئی ہیں ویسے یہ تبدیلی کا کیا راز ہے؟" نقاش نے قریب آکر وارفتگی سے سوال کیا۔

"بس سمجھ لیں بھیانک سپنا تھا جو ختم ہو گیا سیاہ کالی رات کی اجلی صبح ہماری منتظر ہے۔" جذب سے کہتے ہوئے نقاش کے سینے سے لگ کر اس نے آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆

نیو سٹوڈنٹ لائبریری
ہسپتال روڈ صادق آباد
نوٹ کتاب کے اوپر لکھنا منع ہے۔ کتاب
Ph 068-5704367

داورِ محشر

فوزیہ یاسمین

ابھی تھوڑی دیر پہلے میری بیٹی نے مجھ سے جو کچھ کہا وہ سب اس کے منہ سے سننے کا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی وہ تو سب کچھ کہہ کر جا چکی تھی مگر اس کے جملوں کی بازگشت میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔

"ساری غلطی آپ کی ہے مما!
ان سب باتوں کی ذمہ دار آپ ہیں۔
آج جو کچھ بھی ہوا وہ ایک دن 'ہونا ہی تھا۔
مما آپ کو کیا لگتا ہے کہ پاپا ڈاکٹر ہیں اس لیے ان کے پاس فیملی کے لیے وقت نہیں' حالانکہ ڈاکٹرز کے

مکمل ناول

پاس بھی اپنے بیوی بچوں کے لیے ٹائم ہوتا ہے کیونکہ وہ وقت نکالنا چاہتے ہیں۔ لیکن پاپا ایسی کوئی کوشش ہی نہیں کرتے کیونکہ انہیں ایسی کوئی خواہش ہی نہیں' انہیں اگر فرصت کے لمحات میسر بھی آتے ہوں گے تب بھی وہ گھر آنے کی بجائے ہسپتال میں ہی آرام کرنے کو ترجیح دیتے ہوں گے۔"

اور اس کی آخری بات تو مجھے اندر تک توڑ گئی تھی۔

"آپ زندگی میں بیلنس نہیں رکھ سکیں مما۔"

☼ ☼ ☼

مما کو پانچویں بار فون کی طرف بڑھتا دیکھ کر ہانیہ کی بے زاری نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ابھی پندرہ منٹ بھی نہیں گزرے تھے جب انہوں نے پاپا کو فون کیا تھا اور ان سے بات کرنے میں ناکام ہو گئی تھیں اسے یقین تھا اب بھی ریسپشن پر موجود نرس ایسا ہی کوئی جواب دے گی کہ "ڈاکٹر احتشام آپریشن تھیٹر میں بزی ہیں انہوں نے آپ کے لیے میسج چھوڑ دیا ہے آپ شادی میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیں وہ لیٹ ہو جائیں گے۔"

اور مما اس کا کئی دفعہ کا دہرایا جواب سن کر اپنا سارا اخلاق اور تعلیمی قابلیت بالائے طاق رکھ کر اسی پر چیخنا چلانا شروع کر دیں گی اور یہی ہوا لائن مل جانے کے دس سیکنڈ بعد ہی وہ پاپا کا سارا غصہ اس نرس پر نکالنے لگیں۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں نا مجھے ان سے بات کرنی ہے تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا کیا۔ کون سی زبان سمجھتی ہو تم ایمرجنسی' ایمرجنسی کیا ہسپتال میں وہی ایک ڈاکٹر ہیں میں نے ان سے صبح ہی کہہ دیا تھا میں شادی میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔ پھر وہ ابھی تک گھر کیوں نہیں لوٹے پارٹی ختم ہو جائے گی کیا تب جائیں گے۔

دو گھنٹے سے ہم تیار ہوئے بیٹھے ہیں اتنی بار میں موبائل پر ٹرائی کر چکی ہوں مگر انہوں نے موبائل سوئچ آف کر دیا ہے اگر تم نے میری بات نہیں کروائی تو میں خود وہاں آجاؤں گی۔" مما کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اور ہانیہ کا شرمندگی سے زمین میں گڑ جانے کا دل چاہ رہا تھا' کیا سوچ رہی ہوگی وہ ریسپشنسٹ؟ اتنے بڑے ڈاکٹر کی بیوی۔ اور ایسی گفتگو' ایسی لینگوئج۔

اب اگر پاپا وقت پر گھر نہیں پہنچے تو بھلا اس میں اس

کا کیا قصور ہے۔ جو مما اس پر اس طرح چلا رہی ہیں دوسری طرف اس نے بھی مما کی باتوں کو دھیان میں نہ لاتے ہوئے فون بند کردیا یا شاید وہ بہت بزی تھی جو بھی تھا اس کے لائن کاٹ دینے پر مما پہلے تو حیران رہ گئیں پھر غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور ادھر سے ادھر ٹہلنے لگیں۔

"میری بات سنے بغیر اس لڑکی نے فون کاٹ دیا۔ ارے ڈاکٹر احتشام کی بیوی ہوں میں' کوئی نوکرانی نہیں۔ یہ عزت ہے میری ان کے اسٹاف کی نظر میں' اس میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ میرا فون بند کردے ضرور احتشام نے ہی کہا ہوگا میری بیوی کی بکواس سننے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو بھونکتی ہی رہتی ہے۔ خود کبھی میری عزت کی نہ دوسروں سے کروائی۔ اللہ ایسا شوہر کسی کو نہ دے۔ زندگی برباد ہو گئی ہے میری۔ ایک شادی میں جانے کے لیے دو گھنٹے سے تیار ہوئی بیٹھی ہوں۔"

ہانیہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھی مما کو چیختا چلاتا دیکھتی رہی یہ سب وہ بچپن سے دیکھ رہی تھی اس کے پاپا ڈاکٹر احتشام شہر کے بہت نامور ڈاکٹر تھے ان کے ہسپتال کا شمار بھی شہر کے چند بڑے اور بہترین ہسپتالوں میں ہوتا تھا وہ معاشی اور سماجی لحاظ سے جتنے کامیاب تھے ان کی ازدواجی زندگی اتنی ہی ناکام تھی۔ ہانیہ ان کی ایک ہی بیٹی تھی بچپن سے ان دونوں کے بیچ لڑائی جھگڑے دیکھتے رہنے کے باوجود وہ کبھی یہ نہیں سمجھ پائی تھی کہ ان دونوں میں غلط کون تھا۔

مما کو پاپا سے بس ایک ہی شکایت تھی کہ وہ گھر کو وقت نہیں دیتے۔ اور ان کی یہ شکایت بالکل جائز تھی ہانیہ کی بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر پاپا اتنے مصروف کیوں رہتے ہیں کہ ان کے پاس خاندان کی کسی تقریب میں شرکت کرنے کا وقت ہی نہیں ہوتا آخر ساری دنیا کے مرد کام کرتے ہیں بڑی بڑی کمپنیاں اور بزنس چلاتے ہیں وہ بھی اپنی فیملی کے لیے وقت نکال لیتے ہیں پھر پاپا ایسا کیوں نہیں کرپاتے ایک طرف سے اگر پاپا غلط لگتے تو دوسری طرف اسے مما کا رویہ بھی ٹھیک نہیں لگتا تھا۔ دیر سے گھر آنا پاپا کا معمول تھا بلکہ ایک طرح سے ڈاکٹر احتشام کے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر ہی نہیں تھا۔ چنانچہ جب انہیں کسی تقریب وغیرہ میں جانا ہوتا تو مما ایک ہفتے پہلے سے ڈاکٹر احتشام کی جان کھانا شروع کردیتیں۔

"آپ کو بھی چلنا ہوگا اگر آپ نہیں جائیں گے تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔" مما کے حتمی انداز پر ڈاکٹر احتشام جھنجھلا جاتے۔

"میرے ساتھ جانے کو تم نے اپنی ضد بنالیا ہے میں اگر لیٹ ہوجاتا ہوں تو تم اور ہانیہ ڈرائیور کے ساتھ کیوں نہیں چلی جاتیں۔ میرے انتظار میں تم دونوں لیٹ ہوجاتی ہو اور میرے آنے کے بعد تم جانا ہی کینسل کردیتی ہو' تنگ آگیا ہوں میں لوگوں کی شکایتیں سن سن کر کہ آپ لوگ تو کہیں جاتے ہی نہیں۔"

"ہاں میں اکیلی چلی جاؤں اور پھر لوگوں کو صفائیاں دیتی رہوں کہ آپ ایمرجنسی میں پھنس گئے۔" مما تنک کر بولتیں۔

"صفائیاں کیسی؟ یہ تو سچ ہے تمہارے اس رویے سے مجھے بھی لوگوں کو صفائیاں دینی پڑتی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں میں نے تم دونوں پر پابندی لگا رکھی ہے کہ جہاں جاؤ میرے ساتھ جاؤ' سارے ڈاکٹرز کی بیگمات میرا مذاق اڑاتی ہیں۔ کہ میں بظاہر ماڈرن نظر آنے والا اندر سے ایک دقیانوسی انسان ہوں۔" ڈاکٹر احتشام کا لہجہ تلخ ہوجاتا۔

"آپ کو صرف اس بات کی فکر ہے کہ میرے کہیں نہ آنے جانے سے آپ کے نام پر حرف آتا ہے اس بات کا کوئی احساس نہیں کہ بیوی اور بیٹی گھر تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔"

مما کے آنسو بہنا شروع ہوجاتے اور پاپا چڑ کر بکتے جھکتے وہاں سے اٹھ جاتے ایک تو پہلے ہی انہیں ساتھ بیٹھنے کا وقت کبھی کبھی ملتا تھا اس میں بھی وہ ایسے ہی کسی جھگڑے کی شکل میں برخاست ہوتا دونوں میں ہی ضبط کا فقدان تھا ایک دوسرے کی بات سنتا اور سمجھتا تو

بعد کی بات تھی ان دونوں کو اپنی بات کہنے کا ڈھنگ بھی نہیں تھا۔ پاپا کے پاس وقت نہیں تھا اور کچھ وہ مما کے رویے سے عاجز آکر وقت نکالنے کی کوشش بھی نہیں کرتے تھے تو دوسری طرف مما ان کی مصروفیت سمجھنے کی کوشش نہیں کرتی تھیں بلکہ جیسے ہی وہ گھر میں قدم رکھتے مما کسی نہ کسی بات کو بنیاد بنا کر جھگڑا شروع کردیتیں انہوں نے صرف ضد میں آکر کہیں آنا جانا چھوڑ دیا تھا انہیں لگتا ایسا کر کے وہ ڈاکٹر احتشام کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کردیں گی جب کہ ڈاکٹر احتشام ان کے رویے پر ان سے خائف ہونے لگتے تھے کیونکہ لوگوں پر ایسا تاثر پڑنے لگا تھا جیسے ان دونوں کو ڈاکٹر احتشام کی طرف سے اجازت نہیں ہے حالانکہ ان کی طرف سے ایسی کوئی پابندی نہیں تھی البتہ ان دونوں کی اس ضد اور ہٹ دھرمی کے درمیان ہانیہ دونوں طرف سے پس رہی تھی۔

مما کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے کی شادی تھی وہ اپنے امتحانوں کی وجہ سے کسی فنکشن میں نہیں جاسکی تھی کیونکہ امتحان کے زمانے میں مما کو اس کا کمرے سے نکلنا تک پسند نہیں تھا کجا کہ کسی پارٹی میں جانا' آج ہی وہ تھرڈ ایئر کا آخری پیپر دے کر آئی تھی اور اس خیال سے وہ شادی میں جانے کے لیے خوشی خوشی تیار ہوگئی تھی کہ مسلسل پڑھائی کے ایک طویل اور تھکا دینے والے پیریڈ کے بعد تھوڑا سا ماحول بدل جائے گا ویسے بھی وہ بنیادی طور پر کافی ملنسار اور خوش مزاج تھی اسے مما کی طرح گھر میں بند رہنا پسند نہیں تھا بلکہ جیسے جیسے وہ بڑی ہو رہی تھی اسے گھر میں پھیلی خاموشی کھٹکنے لگی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ گھر میں کوئی تھا نہیں گھر میں نوکروں کی ایک پوری فوج موجود تھی۔ مگر ظاہر ہے نوکروں کی فوج گھر میں رونق کا سبب نہیں بن سکتی۔ الٹا خانساماں اور صفائی والی ماسی سے تو اسے چڑ ہوگئی تھی اس نے اکثر ان دونوں کو مما پاپا پر تمسخرانہ تبصرے کرتے دیکھا تھا پہلی بار انجانے میں ان کی گفتگو سن کر اس کا دل چاہا انہیں کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دے مگر وہ اس وقت ضبط کر گئی بعد میں غصہ ٹھنڈا ہونے پر اسے احساس ہوا کہ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے جہاں کوئی بات ہوتی وہ دونوں ایک دوسرے سے چیخ چیخ کر لڑنا شروع کردیتے جس کے اختتام پر مما رونے لگتیں اور پاپا اسٹڈی روم میں بند ہوجاتے۔ چنانچہ مسئلہ وہیں کا وہیں رہتا جس پر کچھ دن بعد پھر جھگڑا ہوتا ان کے تبصرے سن کر اسے تکلیف بھی ہوتی مگر وہ ان کی باتوں سے اتفاق کرنے پر بھی مجبور ہوجاتی ایک بار اس نے ماسی کو کہتے سنا۔

"صاب اور میم صاب اتنا لڑتے ہیں کہ ان کے بیچ سے ایک دوسرے کا لحاظ اٹھ گیا ہے ارے جبان (زبان) کو جتنا کھلا چھوڑ دو گے وہ اتنا ہی پھسلتی جائے گی ہر بات سب کے سامنے کہنے کی نہیں ہوتی ایسا کرنے سے دوسروں کے دلوں میں سے بھی عزت ختم ہوجاتی ہے۔"

ہانیہ کچن کے باہر کھڑی کی کھڑی رہ گئی اس کے ڈگری ہولڈر والدین جو بات سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ بات اس جاہل عورت کے منہ سے سن کر ہانیہ نے ان

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
خواب دریچے
سعدیہ امل کاشف
قیمت ---- /150 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ،
37۔ اردو بازار، کراچی۔

کی شکایت مما سے کرنے یا انہیں نوکری سے نکلوانے کا ارادہ ملتوی کر دیا جو کام ان دونوں کے ذمہ تھے وہ اسے پوری ذمہ داری اور ایمان داری سے کرتے تھے ایسے میں اگر کبھی کبھی وہ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے اس کے ماں باپ کو موضوع گفتگو بنا لیتے تو اس میں ان کی کوئی غلطی نہیں تھی وہ ان کا مذاق اس لیے اڑاتے تھے کیونکہ اس کے والدین اپنا مذاق خود بنا رہے تھے۔

آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر وہ ماں باپ سے دور ہوتی جا رہی تھی ڈاکٹر احتشام کے پاس تو اس کے لیے ٹائم بھی نہیں تھا مگر وہ مما سے بھی فاصلے پر تھی حالانکہ ایسے ماحول میں بیٹیاں عموماً ماؤں کی دوست بن جاتی ہیں۔ اور اس نے ہوش سنبھالنے کے بعد تھوڑی بہت کوشش بھی کی تھی مما کو سمجھانے کی۔ ان کا نکتہ نظر بدلنے کی۔

"آپ یہ کیوں سوچتی ہیں کہ پاپا آپ کو نظرانداز کرتے ہیں انہوں نے تو پورے خاندان سے لڑ کر آپ سے شادی کی تھی۔" ایک بار ان کا تناؤ کم کرنے کے لیے اس نے تھوڑا شوخ ہو کر کہا تھا۔

"تم سے کس نے کہی یہ بات۔" وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگیں تو وہ شرارت سے مسکرا دی۔

"جس نے بھی کہی، ہے تو سچ نا" دادا دادی مان نہیں رہے تھے مگر پاپا اڑ گئے کہ شادی کروں گا تو صرف اور صرف آپ سے۔" ہانیہ کی بات پر ان کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"یہ کون سا طریقہ ہے ماں سے بات کرنے کا" اور کس نے کی یہ ساری بکواس تم سے۔" ان کے سختی سے پوچھنے پر ہانیہ گڑبڑا گئی اس نے ایک بار پھوپھی نجمہ کے منہ سے سنا تھا وہ بڑے طنزیہ انداز میں کسی سے کہہ رہی تھیں۔

"آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ بھائی جان نے ان میں کیا دیکھا تھا ماں باپ کے لاکھ سمجھانے پر بھی ان محترمہ سے شادی کی اور دنیا و آخرت دونوں تباہ کر لیں۔"

ہانیہ، مما کے سامنے یہ سب دہرانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی ان کے تعلقات پھوپھیوں کے ساتھ ویسے بھی کچھ اچھے نہیں تھے، سالوں ہو گئے تھے ان کے گھر گئے ہوئے۔ ادھر ادھر تقریبات میں ہی ملاقات ہو جاتی پاپا کے ساتھ وہی وقت کی کمی والا مسئلہ تھا اور مما کے ساتھ نند بھاوج والا روایتی مسئلہ تھا اور پھر دادا دادی بھی حیات نہیں تھے۔ دونوں پھوپھیاں ایک ہی گھر میں بیاہ کر گئی تھیں بھرے پورے سسرال میں رہتے ہوئے انہیں بھی بھائی بھاوج کے رسمی سے میل جول کی ضرورت نہیں تھی۔

"مما۔۔۔ وہ۔۔۔ پتا نہیں کس نے کہی تھی۔"

مما کی آنکھوں میں تیرتے شبہات اور چہرے پر پھیلی ناگواری دیکھ کر اس کے لیے بات بنانا مشکل ہو گیا تھا، وہ تو جیسے کہہ کر پھنس گئی تھی۔

"اوٹ پٹانگ فلمیں دیکھنے اور بے ہودہ میوزک سننے کی بجائے اگر تم پڑھائی کر لیا کرو۔ تو شاید تمہارے رزلٹ پر کچھ اچھا اثر پڑ جائے۔"

ہانیہ بے یقینی سے انہیں دیکھتی چلی گئی وہ کون سی فلموں اور موسیقی کی شوقین تھی وہ تو محض پہاڑ جیسا دن کاٹنے کے لیے ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر چینلز چینج کرنے لگتی اس کے والدین کبھی یہ نہیں سوچتے تھے کہ اس کے پاس صرف ایک ہی مصروفیت ہے اور وہ ہے پڑھائی۔ ایسے میں جب کالج کی چھٹیاں ہو جاتیں تو اس کے لیے وقت گزارنا مشکل ہو جاتا۔ مما کی کوئی سماجی مصروفیت نہیں تھی گھر میں بھی تمام کام کے لیے نوکر موجود تھے مما کو خود خالی بیٹھ کر بھی بوریت کا احساس نہیں ہوتا تھا اسی لیے انہیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ہانیہ کو کسی قسم کی تفریح یا ماحول میں تبدیلی کی ضرورت بھی ہو سکتی ہے اور انسانی فطرت یہی ہے کہ جو چیز اس کی دسترس سے باہر ہو وہی چیز اس کے لیے بے پناہ کشش کی حامل ہوتی ہے۔

اسے سہیلیوں کے گھر جانے یا انہیں اپنے گھر بلانے اور ان سے فون وغیرہ پر بات کرنے کی اجازت نہیں تھی بلکہ مما کو بلاوجہ گھر سے باہر نکلنا بھی پسند نہیں تھا چنانچہ ان کی طرف سے عائد ان تمام پابندیوں

کے رد عمل کے طور پر اس کے اندر یہی سب کرنے کی خواہش سر اٹھانے لگتی تھی۔

وہ اپنی اس محدود اور سمٹی ہوئی زندگی سے تنگ آنے لگی تھی اسی لیے مما کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے کی شادی میں بھی جانے کے لیے وہ فوراً" راضی ہو گئی تھی۔ حالانکہ تقریبات میں وہ زیادہ تر خاموشی سے بیٹھی رہتی کیونکہ وہ سب سے اتنے اتنے وقفے کے بعد ملتی تھی کہ کسی سے بے تکلفی تھی ہی نہیں، اس کے باوجود آٹھ بجے جانے کے لیے وہ ساڑھے سات بجے سے تیار ہو کر بیٹھ گئی۔

مما کا موڈ بھی بہت خوش گوار تھا پاپا نے فون کر کے تاکید کی تھی بالکل تیار رہنا میرے آتے ہی نکل جائیں گے۔ ساڑھے آٹھ بجے تک مما نے خلاف معمول خلافِ عادت بڑے سکون سے پاپا کا انتظار کیا تھا مگر پھر ایک نرس نے فون کر کے انہیں پاپا کا میسج دیا کہ وہ ایک ایمرجنسی کیس میں پھنس گئے ہیں آپ ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیں یہ سن کر کوفت تو ہانیہ کو بھی ہوئی مگر مما کا تو خون کھول اٹھا انہوں نے اسی وقت پاپا کا موبائل نمبر ملایا مگر موبائل آف تھا۔ جس پر ان کا غصہ مزید بڑھنے لگا۔

"میں اس قابل بھی نہیں کہ خود فون کر دیتے ایک نرس سے کہلوا دیا۔" مما کو ہاسپٹل کا نمبر ملاتا دیکھ کر ہانیہ کی برداشت ختم ہونے لگی۔

"مما" پاپا بزی ہیں تب ہی نرس کو فون کرنا پڑا اور موبائل بھی اسی لیے آف ہے تاکہ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔"

"ارے چھوڑو۔ میں خوب سمجھتی ہوں یہ سب تمہارے پاپا کے ڈرامے ہیں۔ ان کا پہلے سے ہی جانے کا موڈ نہیں تھا۔۔۔ بالکل آخری وقت میں اس لیے منع کیا ہے کہ اگر میں تیار ہوں گی تو ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ حالانکہ جب میں نے کہہ دیا کہ آپ کے ساتھ جاؤں گی تو کیا وہ ایک گھنٹا نہیں نکال سکتے میرے لیے۔"

"مما ڈرائیور کے ساتھ جانے میں آخر کیا برائی ہے

ماضی، حال، مستقبل، محبت، شادی اور قسمت

آپ کا برج کیا کہتا ہے؟

آپ کے ستارے

○ آپ اپنی شخصیت کا جائزہ لیں اور اپنے دوستوں کو پہچانیں۔ اپنے منفی پہلو پر غور کریں اور خوبیوں کو ابھاریں یہ کتاب آپ کی بہترین دوست اور تنہائی کی ساتھی ثابت ہو گی۔

○ پہلی بار 12 برجوں پر ایک مستند کتاب آج ہی قریبی بک اسٹال و بکڈپو سے طلب فرمائیں۔

○ 400 صفحات آفسٹ پرنٹنگ، مجلد خوبصورت سرورق

قیمت صرف 150
(ڈاک خرچ پیکنگ فری)

○ آج ہی 150 روپے کا ڈرافٹ پے آرڈر منی آرڈر ارسال فرمائیں۔

ڈاک سے منگوانے اور دستی خریداری کے لیے تشریف لائیں۔

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37۔ اردو بازار کراچی

فون:۔ 216361

سب جانتے ہیں پاپا بہت بزی رہتے ہیں لیکن اگر وہ نہیں جاسکتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی کہیں نہ جائیں۔" ہانیہ زچ ہوگئی۔

"ہاں بھئی پورا پاکستان تمہارے پاپا کے ہی کندھوں پر تو کھڑا ہے۔ آخر ساری دنیا کے مرد کام کرتے ہیں۔ تو کیا وہ بیوی بچوں کے ساتھ کہیں آتے جاتے نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ان کی نظر میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں کچھ بھی کہتی رہوں وہ اپنی ہی کریں گے۔ ویسے بھی گھر میں مسافروں کی طرح آتے ہیں اگر ایک بار میں نے ان کے بغیر جانا شروع کردیا تو وہ اس ذمہ داری سے بھی آزاد ہوجائیں گے۔" ہانیہ کو ان کی باتوں سے کچھ کچھ اتفاق تھا مگر ان کا اتنا بدگمان ہونا بھی اسے ٹھیک نہیں لگ رہا تھا بار بار ریسپشنسٹ کو فون کرکے وہ اپنا ہی تماشا بنا رہی تھیں۔

اسے ان کے چیخنے سے زیادہ یہ سوچ کر وحشت ہو رہی تھی کہ جب پاپا گھر آئیں گے تو نئے سرے سے ایک ہنگامہ ہوگا اور یہی ہوا گیارہ بجے جب وہ گھر آئے تو مما پر بری طرح بگڑنے لگے ظاہری بات ہے ریسپشنسٹ نے انہیں مما کی بے شمار کالز کا حساب دیا ہوگا۔ مما پہلے ہی بھری ہوئی تھیں۔ لہٰذا گھر میں ایک طوفان آیا ہوا تھا آخر پونے بارہ بجے پاپا اس لاحاصل بحث پر اپنا کوٹ صوفے پر پٹختے ہوئے بولے۔

"چلو اٹھو ابھی چلتے ہیں۔" ہانیہ نے حیران ہو کر پاپا کو دیکھا جو صبح سات بجے کے گھر سے نکلے ہوئے تھے ان کے چہرے پر تھکن کی دبیز تہیں صاف دیکھی جاسکتی تھیں مگر مما پر ان کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ حسب عادت تنک کر بولیں۔

"ہاں اب جاؤں جب بارات جاچکی۔ نکاح ہوچکا۔"

"رخصتی تو نہیں ہوئی ہوگی نا' چلو ہانیہ بیٹے فوراً کھڑی ہوجاؤ۔" پاپا نے اس کی طرف دیکھا جس کی اپنی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ اتنے دنوں سے وہ امتحانوں کی وجہ سے ڈھنگ سے سو نہیں سکی تھی آج پانچ بجے آخری پرچہ دے کر جب وہ آئی تو کافی دیر تک بیٹھی اپنے نمبرز کا اندازہ لگاتی رہی تھی پھر مما کے کہنے پر وہ اپنے کپڑوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس احسان کی' جاؤ جاکر سوجاؤ ہانیہ۔" انہیں یہ دھیان نہیں تھا کہ ہانیہ نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

"احسان کون کر رہا ہے۔" پاپا پھر بھڑک اٹھے۔ تھوڑی دیر کی بحث کے بعد وہ غصے سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے اور مما وہیں بیٹھی آنسو بہاتی رہیں کتنا کچھ تھا جو ہانیہ ان سے کہنا چاہتی تھی مگر وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ فریج میں بہت کچھ پڑا تھا وہ تینوں آرام سے کھاسکتے تھے۔ مگر وہ جانتی تھی اس وقت کوئی کچھ نہیں کھائے گا۔ پاپا تو دوپہر کے کھانے کے لیے بھی گھر نہیں آئے تھے پتا نہیں انہوں نے دوپہر میں بھی ڈھنگ سے کچھ کھایا تھا یا نہیں۔ اتنی ذہنی اور جسمانی تھکن کے باوجود جس طرح انہوں نے چلنے کے لیے کہا تھا اسے دیکھ کر ہانیہ کو مما کا رویہ بہت نامناسب لگا وہ سمجھ نہیں پارہی تھی مما ہر بات کو منفی زاویہ نظر سے ہی کیوں دیکھتی تھیں۔ پاپا کے پیشے کو دیکھتے ہوئے ان کی مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ پاپا نے خود فون کرکے چلنے کے لیے کہا تھا اگر وہ نہیں آسکے تو وہ اسے اپنی بے عزتی کیوں سمجھنے لگتی ہیں انہیں اس بات کا احساس نہیں کہ پاپا کتنے تھکے ہوئے آئے ہیں انہیں ایک کپ چائے کے لیے ہی پوچھ لیں۔

وہ ان کے پاس بیٹھی ان ہی کے خلاف سوچتی رہی ایسا نہیں تھا کہ وہ پاپا کو صحیح سمجھتی تھی اسے خود بھی لگتا کہ پاپا کو گھر سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی انہیں ہانیہ اور مما کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اسے ایسا لگنے لگا تھا جیسے پاپا کی اس بے زاری کی وجہ مما کا اپنا ہی رویّہ ہے۔

☼ ☼ ☼

اگلے دو دن تک مما کا موڈ سب سے اکھڑا اکھڑا رہا۔

ان کی عادت تھی جھگڑا پاپا سے ہوتا اور ناراض وہ ہانیہ اور نوکروں سے ہوجاتیں۔ شاید اس لیے کہ پاپا کے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ وہ ان پر اپنی ناراضی دکھا سکیں بلکہ ہانیہ کو لگتا تھا اچھا ہی ہے جو پاپا گھر پر نہیں رہتے۔ کیونکہ وہ دونوں اس قابل ہی نہیں تھے کہ ایک ساتھ ایک چھت کے نیچے رہ سکیں تھوڑی دیر اگر وہ دونوں شائستہ انداز میں بات کر بھی لیتے تو بہت جلد وہ خوش گوار گفتگو تلخ کلامی کا روپ اختیار کرلیتی۔

دو دن سے مما کا جو تلخ رویہ تھا وہ پاپا کی لائی ساڑھی سے دو پل میں غائب ہوگیا۔ پاپا نے ہسپتال سے گھر آتے ہی ایک شاپر مما کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" مما ٹھٹک کر بولیں۔

"کچھ خاص نہیں۔ ایک عورت آئی تھی ہسپتال۔ کچھ کپڑے بیچنے ساری نرسز اور لیڈی ڈاکٹرز بڑے شوق سے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے سوچا وہ بے چاری اتنے کپڑے کمر پر لاد کر لائی ہے تو ایک ساڑھی میں بھی خرید لوں' ویسے اب زیب تو نہیں دیتا اس عمر میں یہ حرکتیں۔" ہانیہ کھانے کی میز کی کرسی گھسیٹنا بھول کر حیرانی سے ان دونوں کے رویوں کا مشاہدہ کرنے لگی جہاں پاپا اپنے انداز سے بے پناہ لاپروائی کا مظاہرہ کرنا چاہ رہے تھے تو دوسری طرف مما شاپر تھامے کشمکش و پیچ کے عالم میں کھڑی تھیں کہ آیا کھولیں یا نہیں کھولیں' پھر پاپا کو ڈائیننگ ٹیبل پر بیٹھتا دیکھ کر انہوں نے جیسے خود پر جبر کرتے ہوئے شاپر اپنے پاس ہی میز پر رکھ دیا اور سرسری انداز میں کہنے کی کوشش کی۔

"ایک غریب عورت آئی تھی تو آپ دو تین جوڑے ہانیہ کے لیے بھی لے لیتے اس بے چاری کا بھلا ہوجاتا۔" بظاہر وہ کھانا نکال رہی تھیں مگر ان کی نظریں بار بار شاپر کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

"ہاں ۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا لوں اس کے پاس سب ہاتھ کی کڑھائی کی ساڑھیاں تھیں۔ میں نے سوچا پتا نہیں تمہیں پسند بھی آئیں گی یا نہیں۔" پاپا نے بدستور بے نیازی دکھانے کی کوشش کی۔

"اچھا!" مما ۔۔ اپنا شوق و تجسس چھپا نہیں پارہی تھیں اس وقت بھی ساڑھی پر ہاتھ کی کڑھائی کا ذکر سن کر ان کی نظریں شاپر میں ہی سے ساڑھی کو دیکھ لینے کے لیے بے قرار ہوگئیں۔

ہانیہ مسکراہٹ ضبط کرتی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی نہ پاپا یہ کہہ رہے تھے کہ یہ ساڑھی مجھے تمہارے لیے اچھی لگی۔ اور میں نے لے لی دیکھ کر بتاؤ کیسی ہے۔ اور نہ ہی مما یہ کہہ سکتی تھیں کہ آپ میرے لیے کچھ لے کر آئے یہی کافی ہے محبت سے خریدی چیز کبھی بری نہیں ہوتی۔ مگر دونوں طرف سے بے نیازی دکھانے کی پوری پوری کوشش کی جارہی تھی یہ خواہ مخواہ کی انا بھی کتنی عجیب ہوتی ہے اچانک ہی اسے کچھ خیال آیا تو وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاتھ کی کڑھائی۔ وہ بھی ساڑھی پر' پھر تو ضرور خوبصورت ہوگی۔" ہانیہ نے شاپنگ بیگ اپنی طرف کھینچا۔ اور ساڑھی نکال لی۔ لائیٹ پرپل کلر کی شیفون کی ساڑھی پر ہاتھ کی کڑھائی کے ساتھ موتیوں اور ستاروں کا بھی نفیس کام بنا ہوا تھا۔ مما کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا اتنی خوبصورت ساڑھی دیکھ کر ان کا اضطراب صاف ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اسے چھو کر اور اس کا پلو کندھے پر ڈالنے کے لیے بے چین ہوگئی ہیں مگر مشکل یہ تھی کہ پاپا کھانے سے ہاتھ روک کر ان کی شکل دیکھنے لگے تھے۔ لیکن جب پاپا وہ نہیں کہہ رہے تھے جو مما سننا چاہ رہی تھیں تو پھر وہ بھلا وہ کیسے کہہ سکتی تھیں۔ جو پاپا کو خوشی دے آخر ہانیہ ہی برملا بولی۔

"بیوٹی فل اٹ از رئیلی نائس۔" لیکن پاپا کو ہانیہ کے منہ سے کی گئی تعریف سننے میں شاید کوئی دلچسپی نہیں تھی مما کو بھی کچھ تو کہنا تھا اس لیے بول پڑیں۔

"آپ تو کہہ رہے تھے اس عمر میں ایسی حرکتیں زیب نہیں دیتیں میں تو سمجھی آپ سرخ کامدانی ساڑھی لے آئے ہوں گے۔ جب کہ یہ تو بہت نفیس اور سوبر سی ہے۔" بہت احتیاط کے باوجود ان کے منہ سے تعریفی کلمات نکل ہی گئے جس کا احساس خود انہیں بھی ہوگیا اس لیے فوراً بول پڑیں۔

"ویسے آج کل ایسی ساڑھیاں چل نہیں رہیں'

لیکن کوئی بات نہیں ایک غریب عورت کا بھلا ہو گیا۔ اور کیا چاہیے۔" ڈاکٹر احتشام کچھ دیر مما کی شکل دیکھتے رہے پھر واپس پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ٹھیک ہے تمہیں پسند نہیں تو کوئی بات نہیں اب تو ماشاء اللہ ہانیہ بھی بڑی ہو گئی ہے وہ پہن لے گی۔"

"ہانیہ کیوں پہنے گی۔ میں باندھوں گی۔" مما کا تڑپ کر بولنا ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گیا تھا جسے ان دونوں نے ہی چھپالیا مگر مما دھیان دیے بغیر بولیں۔

"ہمارے ہاں لڑکیاں شادی سے پہلے ساڑھی نہیں باندھتیں۔" انہوں نے گویا صفائی دی۔

"تم تو باندھتی تھیں۔" پاپا ایک دم بولے۔

"کوئی نہیں۔ میں نے کبھی شادی سے پہلے ساڑھی نہیں باندھی۔" مما باقاعدہ جرح پر اتر آئیں۔

"بیگم آپ کی یادداشت کچھ کمزور ہو گئی ہے میں نے آپ کو پہلی بار ساڑھی میں ہی دیکھا تھا ڈارک بلو کلر کی ساڑھی باندھ رکھی تھی آپ نے جس کا وائٹ پھولوں کا پلو تھا۔" ہانیہ کو لگا مما کے ہونٹوں کے کناروں پر ایک مسکراہٹ ابھر کر غائب ہو گئی ہو وہ اپنے سابقہ انداز میں بولیں۔

"ہو ہی نہیں سکتا۔ میرے دادا جان کی طرف سے اجازت ہی نہیں تھی آپ نے پتا نہیں کیسے دیکھ لیا اور آج تک اس کے تصور میں کھوئے ہوئے ہیں۔" شادی کے اتنے سال بعد بھی ان کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی نئی نویلی دلہن جھینپ مٹانے کے لیے بولی ہو ہانیہ کو پہلی بار ان کی لڑائی دیکھنے میں مزا آرہا تھا۔

"تو پھر آپ نے وہ حرکت اپنے دادا جان سے چھپ کر کی ہوگی۔ مگر وہ آپ ہی تھیں۔" پاپا کی بات پر مما کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ وہ ہانیہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"ہانیہ بیٹا یہ ساڑھی آپ باندھ لیجیے گا آپ کی مما کو تو کچھ خاص پسند نہیں آئی اور بقول ان کے آوٹ آف فیشن بھی ہے۔"

"پاپا میں یہ ساڑھی باندھ کر کہاں جاؤں گی۔" ہانیہ ان کی شرارت سمجھتے ہوئے بظاہر مسکین سے انداز میں بولی۔

"آپ کی پھوپھی کے گھر میں اتنی بڑی پارٹی ہونے والی ہے وہاں اس ساڑھی میں آپ بہت حسین لگیں گی۔" ہانیہ جانتی تھی یہ بات پاپا نے اس سے نہیں کہی اور ناداں تو مما بھی نہیں تھیں جو یہ نہ جان پاتیں کہ یہ ہدایت ہانیہ کے لیے نہیں ہے مگر ان کا چہرہ تو ڈاکٹر احتشام کے جملے کے آغاز پر ہی سنجیدہ ہو گیا تھا بھلا آخری بات پر وہ کیسے دھیان دیتیں۔

"کیسی پارٹی۔" مما نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"تمہیں نہیں پتا نجمہ کا فون آیا تھا صائم کو بہت بڑی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی ہے۔ میں نے کہا ہم مبارک باد دینے آئیں گے تو وہ کہنے لگی۔ آپ کہاں بار بار وقت نکالیں گے فنکشن میں آجائیے گا اس ہفتے پارٹی ہونے والی ہے۔" مما لب بھینچے پوری سنجیدگی سے انہیں دیکھتی رہیں۔

"آپ کی بہن نے مجھے انوائیٹ نہیں کیا۔"

پاپا ان کے انداز پر کھانے سے ہاتھ روک کر ان کی شکل دیکھنے لگے۔

"اس نے ابھی انویٹیشن نہیں دیا صرف ذکر کیا ہے اور ویسے بھی وہ مجھ سے کہے یا تم سے ایک ہی بات ہے۔"

"اگر بات ایک ہی ہے تو آپ کی جگہ وہ مجھے بھی فون کر سکتی تھی لیکن وہ تو ہر وقت آپ کے موبائل پر اس وقت فون کرتی ہے جب آپ کے گھر پر ہونے کے کوئی امکان نہ ہوں۔ تاکہ مجھ سے بات نہ کرنی پڑ جائے۔" ہانیہ گہرا سانس کھینچ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی وہ جانتی تھی یہ بحث ابھی اور بڑھے گی جانے اتنی دیر انہوں نے لڑے بغیر کیسے بات کر لی تھی۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اتنے روڈ انداز میں بات کرتی ہو کہ لوگ تم سے مخاطب ہونے سے کتراتے ہیں۔" پاپا نے گلاس میں پانی نکال کر جگ میز پر پٹخنے کے انداز میں کہا۔

"ہاں ہاں ساری برائیاں تو مجھ میں ہیں اتنی دیر سے

مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر میرے لیے ساڑھی خریدنے کا خیال آپ کو کیسے آگیا اب سمجھ میں آیا ہے کہ یہ ساڑھی نہیں رشوت ہے۔ جو میری زبان بند کرنے کے لیے خریدی گئی تھی تاکہ میں یہ نہ کہوں کہ میری پھوپھی زاد بہن کے گھر میں پہلی اور آخری شادی تھی اور اس کے بیٹے کی شادی کے فنکشن میں آنے کے لیے آپ کے پاس وقت نہیں تھا مگر اپنے بھتیجے کی ملازمت کی خوشی میں دی جانے والی پارٹی میں آپ وقت پر پہنچ جائیں گے۔"

حسب معمول مما نے نان اسٹاپ بولنا شروع کر دیا تھا۔

"آپ کو میرے میکے میں آنا جانا بالکل پسند نہیں۔ انہیں تو آپ کبھی عزت نہیں دیتے۔ صرف اپنی بہنوں کی فکر ہے۔"

"کون سی فکر دکھا رہا ہوں میں اپنی بہنوں کی۔ ارے انہیں تو یہی گلہ رہتا ہے کہ میں ان کے گھر نہیں جاتا۔ خود بتاؤ کب گئے تھے ہم آخری بار ان کے گھر۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے مہینوں گزر جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی شکل دیکھے ہوئے ہانیہ کو تو یہ بھی یاد نہیں رہا ہو گا کہ اس کے کل کتنے کزنز ہیں۔" غیر ارادی طور پر ہانیہ اپنے کزنز کے نام اور ان کی تعداد ذہن میں دہرانے لگی۔ نجمہ پھوپھی کے تین بچے تھے ایک تو صائم ہی تھا اس سے چھوٹی دو بیٹیاں تھیں ثمرین اور فائزہ جب کہ نجمہ پھوپھی سے چھوٹی نفیسہ پھوپھی کے چار بچے تھے عالیہ حمید نبیلہ اور حامد لیکن ان سب کی شکلیں اسے ٹھیک طرح سے یاد نہیں تھیں اور نہ یہ پتا تھا کہ کون کس عمر کا ہے اور کس کلاس میں ہے جس کی ایک وجہ یہی تھی کہ وہ بہت کم ملتے تھے اور دوسری بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ دونوں پھوپھا کے اور دو بھائی بھی تھے اور ان کے بیوی بچے سب ساتھ ہی رہتے تھے سب کزنز ہم عمر تھے اور اتنے گھلے ملے رہتے تھے کہ پتا نہیں چلتا تھا کون کس کی اولاد ہے پھر شعوری زندگی میں قدم رکھنے کے بعد وہ ان کے گھر کافی عرصے سے نہیں گئی تھی اور تقریبات میں اتنی تفصیلی بات نہیں ہو پاتی تھی وجہ چاہے جو بھی ہو اتنے عرصے میں پہلی بار اسے یہ سب سوچ کر بہت عجیب لگا تھا۔ شاید پاپا کے کہنے کا انداز اتنا کھردرا تھا کہ وہ خواہ مخواہ اپنی جگہ شرمندہ ہو گئی جب کہ مما پر اثر بھی نہیں ہوا تھوڑی ہی دیر میں ان کی بحث شدید جھگڑے کی صورت اختیار کر چکی تھی جس کے نتیجے میں وہ دونوں ہی کھانا چھوڑ کر ڈائننگ روم سے نکل گئے پاپا عام طور پر کھانا کھانے کے بعد ایک آدھ گھنٹا آرام کر کے ہسپتال جاتے تھے مگر اس جھگڑے کے بعد وہ وقت سے پہلے ہی چلے گئے۔ ہانیہ میز پر پڑی اس ساڑھی کو دیکھنے لگی جس پر پاپا کے زور سے پلیٹ دھکیلنے پر سارا سالن الٹ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نجمہ پھوپھی نے اگلے ہی دن مما کو فون کر کے پارٹی میں آنے کی دعوت دے دی تھی گھر میں جس بات کو لے کر انہوں نے اتنا ہنگامہ کیا تھا اسی بات پر نجمہ پھوپھی سے فون پر بات کرتے ہوئے وہ بڑے خوش گوار انداز میں آنے کی ہامی بھر رہی تھیں۔ ہانیہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی کہ پاپا ہمیشہ کی طرح اس بار بھی لیٹ ہو جائیں تاکہ مما یہ نہ کہہ سکیں کہ اپنی بہن کے گھر جانے کے لیے انہیں فوراً وقت مل گیا مگر جانے یہ اتفاق تھا یا مما کے اندازے درست تھے کہ اس دن پاپا ٹھیک ٹائم پر گھر پہنچ گئے ہانیہ تو یہ سوچ کر تیار بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ کون سا وقت پر نکلیں گے مگر پورچ میں پاپا کی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر وہ تیزی سے ٹی وی آف کرتی صوفے سے اٹھ گئی۔

اپنے کمرے میں جلدی جلدی تیار ہوتے اسے یقین تھا کہ نیچے مما پاپا کے بیچ جھگڑا ہو رہا ہو گا اور اس وقت تو اسے مما ہی حق بجانب لگ رہی تھیں۔ آج تو اسے بھی یہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دونوں کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہیں۔ محض دس منٹ میں جب وہ تیار ہو کر نکلی تو گھر میں پھیلی خاموشی دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ کچھ دیر وہ وہیں کھڑی ان دونوں کا انتظار کرتی

رہی پھر ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ ناک کر کے جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو مما کو بستر پر لیٹا دیکھ کر مزید حیران ہو گئی' اسی لیے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پاپا کو دیکھنے لگی جو ان کے بیڈ کے پاس ہی دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے کھڑے تھے اس پر نظر پڑتے ہی وہ سپاٹ لہجے میں کہنے لگے۔

"آپ کی مما باتھ روم میں سلپ ہو گئیں اور آپ نے مجھے اطلاع تک نہیں دی۔"

"کیا...." ہانیہ اس خبر پر کبھی انہیں اور کبھی مما کو دیکھنے لگی جو آنکھیں موندے لیٹی تھیں۔ ہانیہ بے اختیار ان کی طرف بڑھی اور ان کے سرہانے بیٹھ گئی۔

"مما! آپ ٹھیک ہیں نا' کیا ہوا۔ آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

"میں ٹھیک ہوں ہانیہ! بس ذرا پیر میں موچ آ گئی ہے۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ تم پریشان ہو گی اور تمہارے پاپا کو اطلاع اس لیے نہیں کی کہ وہ تب ہی آئیں گے جب انہیں فرصت ہو گی۔ کام جلدی سمیٹ کر تو وہ آ نہیں سکتے' کم از کم میرے لیے۔" مما کا لہجہ بڑا نپا تلا تھا۔ ہانیہ پاپا کی طرف دیکھنے لگی جن کے چہرے پر کوفت کا تاثر جھلکنے لگا تھا۔

"مما! کون سے پیر میں موچ آئی ہے۔" ہانیہ ان کا کمبل ہٹا کر پیر کا معائنہ کرنے لگی۔ پاؤں پر کوئی نشان اور سوجن نہیں تھی مگر بقول مما کے ٹخنے میں بہت تکلیف ہو رہی تھی اور وہ بالکل کھڑی نہیں ہو سکتی تھیں۔ ہانیہ کو پاپا کے اس طرح لاتعلق بنے رہنے پر غصہ تو بہت آ رہا تھا مگر اسے مما کی طرح غصہ دکھانا نہیں آتا تھا۔ وہ ان کے پاؤں پر تیل گرم کر کے مساج کرنا چاہتی تھی مگر مما تیار ہی نہیں ہوئیں۔ ان کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ دونوں پارٹی میں چلے جائیں۔ حالانکہ اب ہانیہ کا دل نہیں چاہ رہا تھا مگر اس کے انکار کرتے ہی مما بستر پر اٹھ بیٹھیں۔

"کیوں' کیوں نہیں جاؤ گی تم۔ کتنے سالوں بعد باپ کے ساتھ کہیں جانے کا موقع ملا ہے۔ تمہارے پاپا اتنے ٹف شیڈول میں سے ٹائم نکال کر آئے ہیں' وہ اکیلے جاتے کیا اچھے لگیں گے۔ بقول ان کے تمہیں اپنے کزنز کی تعداد تک یاد نہیں رہتی ہو گی۔ تمہیں اپنی ددھیال میں ضرور جانا چاہیے۔"

مما کا لہجہ بڑا عجیب تھا' وہ بات ہانیہ سے کر رہی تھیں مگر ان کی نظریں پاپا پر جمی تھیں۔ ہانیہ بغور ان کی شکل دیکھنے لگی' جہاں کسی درد اور تکلیف کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"تو کیا مما جھوٹ بول رہی ہیں۔" اچانک اس خیال پر وہ پاپا کو دیکھنے لگی جن کی تیوری چڑھ گئی تھی مما کی بات سن کر۔

"آپ کی مما ٹھیک کہہ رہی ہیں ہانیہ! ہم دونوں چلتے ہیں مما کو آرام کرنے دیں۔" پاپا سے اس جملے کی توقع مما کو بھی نہیں تھی تب ہی وہ چونک گئی تھیں۔

"میں تو ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ اگر میں مصروف ہوتا ہوں تو تم دونوں اپنا پروگرام کیوں خراب کرتے ہو۔ لہٰذا اگر آج تمہاری مما نہیں جا سکتیں تو کیا ہوا' ہم دونوں چلتے ہیں۔ تم کھانا کھا لینا' میں دوا بھی دے دیتا ہوں' کھانے کے بعد لے لینا۔ اگر کوئی موچ آئی ہے تو اس دوا سے ضرور آرام آ جائے گا۔"

پاپا نے لفظ "اگر" کو جس طرح کھینچا تھا' اس پر مما نے لب بھینچ لیے تھے۔ ایک دم ہی انہوں نے اپنے پاؤں پر رکھا ہانیہ کا ہاتھ جھٹکا اور واپس لیٹ گئیں۔

"کمرے کی لائٹ آف کر دو' میں سونا چاہتی ہوں۔" ہانیہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ان کی بات پر کیا کہے پاپا اسے باہر آنے کا حکم صادر کرتے ہوئے لائٹ آف کر کے باہر نکل بھی گئے۔

"مما! کیا واقعی آپ کو چوٹ لگی ہے۔" ہانیہ نیم تاریکی میں انہیں دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھنے لگی۔

"کیوں' کیا مجھے چوٹ نہیں لگ سکتی جو تم اس طرح پوچھ رہی ہو۔" یہ احساس ہو جانے کے باوجود کہ ڈاکٹر احتشام اور ہانیہ ان کا جھوٹ بولنا سمجھ گئے ہیں۔ وہ بڑے مطمئن انداز میں بولیں۔ ہانیہ عجیب سے ملال میں گھری انہیں دیکھتی رہی۔ ہمیشہ پاپا کی وجہ سے ان کا پروگرام خراب ہوتا تھا۔ لہٰذا آج انہوں نے پاپا کا پروگرام خراب کر دیا۔ ایسا کر کے یقیناً انہوں نے اپنے منفی جذبوں کی تسکین کر لی ہو گی مگر اپنی اولاد کی نظر میں انہوں نے خود کو بہت چھوٹا بنا لیا تھا۔ ہانیہ بغیر کچھ کہے' ان کے کمرے سے نکل آئی۔

اسے پاپا کا مما کو اس طرح نظرانداز کر کے پارٹی میں جانا بالکل مناسب نہیں لگا تھا مگر خود اس پر بڑی شرمندگی طاری تھی۔ چنانچہ وہ پاپا کو منع نہ کر سکی۔ البتہ اس کا ذہن مما کی طرف ہی اٹکا ہوا تھا جو وہاں جا کر بھی منتشر ہی رہا۔

نجمہ پھوپھی نے تقریب گھر میں ہی منعقد کی تھی۔ ان کی بڑی سی کوٹھی سجی ہوئی تھی جیسے گھر میں کوئی شادی ہو رہی ہو۔ کوٹھی کے باہر گاڑیوں کی لمبی قطار بے تحاشا مہمانوں کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔ پاپا کے ساتھ گیٹ سے داخل ہوتے وقت وہ خواہ مخواہ جھجک رہی تھی۔ کھلے گیٹ سے لان میں بیٹھے لوگوں کا بے تحاشا ہجوم صاف دکھائی دے رہا تھا۔ گیٹ پر کھڑے پھوپھا اور دوسرے کچھ مردوں کی موجودگی میں ڈاکٹر احتشام نے جب مما کی طبیعت کی خرابی کا ذکر کیا تو ہانیہ میں ہمت ہی نہ ہوئی نظر اٹھا کر ان کے تاثرات دیکھنے کی۔ اتنے عرصے بعد وہ آئے تھے۔ اس میں بھی مما ساتھ نہیں تھیں۔ ہانیہ کو ایسے شرمندگی ہو رہی تھی جیسے وہ سب جانتے ہوں کہ ڈاکٹر احتشام جھوٹ بول رہے ہیں اور انہیں خبر ہے کہ ان کے گھر میں کیسے کیسے ڈرامے ہوتے ہیں۔

پھوپھا نے پاپا کی بات کو بڑے سرسری انداز میں لیا جیسے مما کے نہ آنے سے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو۔ ایک طرف اسے مما سے اختلاف تھا تو دوسری طرف ان کی ذات کا اس طرح نظرانداز ہونا بھی اسے کھل رہا تھا۔

پھوپھیوں کو رسمی سا سلام کر کے وہ ایک جانب بیٹھ گئی۔ ہنستے کھلکھلاتے چہروں کو ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف دیکھ کر اس پر اداسی سی طاری ہونے لگی۔ حالانکہ گھر کی ہر وقت کی تنہائی اور خاموشی سے ہٹ کر ایسے ماحول اسے ہمیشہ اچھے لگتے تھے' اس لیے ایک کونے میں بیٹھ کر محض لوگوں کو دیکھ کر بھی اسے بوریت نہیں ہوتی تھی مگر اس وقت اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے ایک ہی بات سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی یہ سب لوگ اتنے ہی خوش اور مطمئن ہیں' جتنا نظر آتے ہیں۔ کیا ان کی زندگی میں کوئی دکھ' کوئی پریشانی نہیں ہے۔

دیکھا جائے تو پریشانی تو اس کی زندگی میں بھی نہیں تھی۔ ہاں بس تنہائی بہت تھی اور افسوس اس بات کا تھا کہ یہ اکیلاپن اس کی اپنی ماں کا عطا کردہ تھا۔

"ارے ہانیہ! تم بھی آئی ہو۔ یہ آج سورج کہاں سے نکلا تھا۔" ایک چہکتی آواز پر اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اس کے سامنے اس کی پھوپھو کی سب سے بڑی نند کی بہو کھڑی تھیں۔ ہانیہ انہیں دیکھ کر فوراً" کھڑی ہو گئی۔ ان کی گود میں ان کا تقریباً" دو سال کا بیٹا تھا جسے دیکھ کر ہانیہ کی حیرانی عروج پر پہنچ گئی۔ وہ آخری بار ان کی شادی میں شرکت کرنے ہی آئی تھی۔ گویا اسے ان لوگوں سے ملے تین چار سال ہو گئے تھے۔ رسمی بات چیت کے بعد اس نے اپنی حیرانی کا اظہار بھی کر دیا۔

"آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا' میں جب آپ کی شادی میں آئی تھی تب صرف ولیمہ والے دن آئی تھی اور آپ اس وقت دلہن بنی بیٹھی تھیں۔"

"میں تمہیں کوئی اپنی سسرال کی وجہ سے تھوڑی جانتی ہوں۔ ہماری براہِ راست بھی کچھ رشتے داری ہے مگر تم تو شاید قریبی رشتے داروں کو بھی نہیں جانتی ہو گی۔ برادری سے باہر شادی کرنے کی جو رسم شروع ہوئی تھی' بس سمجھ لو اسی کے نتیجے میں' میں اس خاندان کی بہو بن گئی۔" وہ ہنس کر اس کی نانی اور اپنی دادی کے درمیان رشتے داری سمجھانے لگیں جب کہ ہانیہ ان کی بات پر الجھ گئی تھی جس پر دھیان دیے بغیر وہ بات کے اختتام پر کہنے لگیں۔

"تمہاری نانی جب تک زندہ تھیں' تمہاری امی کا دیدار بھی ہو جاتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد تمہاری ماں نے جیسے سارے تعلق توڑ لیے۔ چلو چھوڑو یہ باتیں۔ تم یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔"

"وہ دراصل ثمرین اور فائزہ کہیں نظر نہیں آرہی تھیں تو میں۔۔۔" ہانیہ نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ارے وہ لڑکیاں ہم بچوں والیوں سے بھی زیادہ مصروف ہیں۔ اپنی تیاری' دلہن کی تیاری اور پھر دولہا کی تیاری۔" بھابھی بے ساختہ ہنسیں۔ ہانیہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"دلہن۔۔۔"

"ہاں بھئی' بیک وقت وہ دلہن والی بھی ہیں اور دولہا والی بھی۔ جب تک دونوں کی تیاری کو ساری کزنز پاس نہیں کردیں گی' ان دونوں کی کیا مجال کہ اپنے کمرے سے باہر بھی نکل آئیں۔"

"کسی کی شادی ہے کیا۔" ہانیہ ابھی تک حیران تھی۔

"شادی نہیں' منگنی۔ بات تو بہت عرصے سے طے تھی۔ سوچا صائم کی اس پارٹی میں یہ اعلان بھی کردیں۔ تمہاری نجمہ پھوپھی کی بیٹی ثمرین کی تنویر کے ساتھ منگنی ہورہی ہے۔ تنویر کو جانتی ہو تم' نجمہ پھوپھی کے جیٹھ کا بیٹا ہے۔" ہانیہ کچھ بے یقینی سے انہیں دیکھے گئی۔ پتا نہیں بابا کو معلوم تھا یا نہیں مگر مما کو ایسی کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی ورنہ اسے ضرور خبر ہوتی۔ اسے بہت عجیب لگا تھا۔ اتنی قریبی رشتے داری اور اتنی لاعلمی۔ مگر وہ کسی قسم کا شکوہ نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اگر بھابھی نے جوابِ شکوہ شروع کردیا تو وہ یقیناً علامہ اقبال کے کلام سے بھی زیادہ طویل ہوگا۔

"تم بھی اندر چلی جاؤ' یہاں اکیلی بیٹھی ہو۔" کسی کے پکارنے پر بھابھی کوٹھی کی طرف اشارہ کرتی خود دوسری طرف مڑ گئیں۔ ہانیہ کشمکش کے عالم میں اس سجی بنی کوٹھی کو دیکھنے لگی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اندر جاکر ان سب کے بیچ جاکر بیٹھنے کا مگر وہ ان سے بالکل بے تکلف نہیں تھی۔ اس کی دونوں پھوپھیاں اور ان کے دونوں جیٹھ اور ایک نند کے بچے ملا کر تمام کزنز کی تعداد اٹھارہ انیس افراد پر مشتمل تھی جن میں سے بس یہ ایک ہی شادی شدہ تھے جن کی بیوی سے وہ ابھی ملی تھی اور اب اس ینگ پارٹی میں سے دو کی منگنی ہورہی تھی۔ پتا نہیں یہ تنویر کون تھا' اسے تو اپنے کزنز کی شکل یاد نہیں تھی۔ کجا کہ اپنے کزنز کے کزن کی شکل یاد رکھنا۔

اتنے کزنز کی موجودگی میں بھلا اس کی کیا گنجائش ہوگی' وہ ناچار اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

کافی دیر بعد لان میں بنے اسٹیج پر ثمرین کو لایا جانے لگا تو ہانیہ بھی اٹھ کر اسٹیج کی جانب بڑھ گئی۔ سب سے پہلے اس کا سامنا ثمرین کی چھوٹی بہن فائزہ سے ہوا۔ فائزہ اسے پہچانی ہی نہیں' تب اسے اپنا تعارف کرانا پڑا۔ اس نے بھی بھابھی کی طرح اس کی آمد پر بڑی حیرانی کا اظہار کیا تو ہانیہ محض موضوع بدلنے کے لیے کہنے لگی۔

"ثمرین باجی کی منگنی ہے' مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا۔" اس کی بات پر فائزہ ایک دم ہنس پڑی۔

"ارے کسی کو بھی معلوم نہیں تھا' آج صبح ہی احساس ہوا کہ پارٹی تھوڑا تھوڑا کرتے بھی کچھ زیادہ ہی بڑے پیمانے پر ارینج ہوگئی ہے۔ تب سوچا کیوں نا ایک منگنی بھی رکھ لیں۔ دراصل صائم بھائی غصہ کررہے تھے کہ میری جاب پر اتنی بڑی پارٹی رکھنے کی کیا ضرورت تھی' اس لیے امی نے فوراً کہہ دیا کہ ہم نے سوچا' کیوں نا ثمرین کی بھی رسم کرلیں' اس لیے اتنا انتظام کرلیا۔"

"تو یہ سب صائم کو مطمئن کرنے کے لیے کیا گیا ہے اور میں خواہ مخواہ خوش ہوگیا۔" ثمرین کا منگیتر تنویر نہ جانے کب وہاں آگیا تھا۔

"اچھا ہے نا تنویر بھئی! آپ سب کے بہانے ہمیں کچھ اچھا کھانا ہی کھانے کو مل جائے گا۔" نفیسہ پھوپھی کے بیٹے حامد نے اپنی ٹانگ اڑانا ضروری سمجھا۔

"کتنے ندیدے ہو تم سب' کھانا دیکھ کر ایسے اتاولے ہوجاتے ہو جیسے گھر میں فاقے ہورہے ہوں۔" فائزہ نے ٹوکا۔

"آپ لوگوں کے ہاتھ کا کھانا کھانا تو ایسا ہی ہے جیسے انسان فاقے کرلے۔ تنویر بھائی کم از کم خاندان سے

باہر کسی لڑکی سے شادی کرلیتے تو کچھ چانسز بھی تھے کہ شاید اسے کچھ اچھا پکانا آتا ہو۔ اب تو حسرت ہی ہے نہ جانے کب پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہو۔" تنویر کے چھوٹے بھائی کے لہجے میں بلا کی حسرت تھی جب کہ فائزہ کے بڑے تایا کی بیٹی فوراً بولی۔

"پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہے' تب تو موٹاپے کا یہ عالم ہے۔ اگر خدانخواستہ سیر ہوکر کھانے کو مل گیا تو تم تو غبارے کی طرح پھٹ جاؤ گے۔" ہانیہ کے لیے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہوگیا تھا جب کہ وہ سب آرام سے کھڑے تھے۔ شاید ان کے لیے ایسی بحث و تکرار عام بات ہوگی' تب ہی وہ لڑکا بے نیازی کے ساتھ بولا۔

"ایسی قابل رشک صحت بھی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ بغیر کسی کسرت کے ہی ہیوی ویٹ چیمپئن بن سکتے ہیں۔" اپنی بات پر خود ہی محظوظ ہوکر اس نے حامد کے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا۔ ہانیہ کے لیے یہ طنز و مزاح سے بھرپور بالکل نئی گفتگو تھی۔ وہ دلچسپی سے انہیں سن رہی تھی' تب ہی اس کی نظر ثمرین پر پڑی جو اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ ہانیہ اسے مبارک باد دینے کے ارادے سے اس کے پاس ہی جا بیٹھی۔ ثمرین اس سے کافی خوش اخلاقی سے ملی تھی۔ ہانیہ کے لیے یہی بہت تھا کہ اسے اپنا تعارف نہیں کرانا پڑا۔ وہ اس سے اس کے منگیتر کی تفصیلات پوچھنے لگی تب ہی صائم اسٹیج پر آگیا۔

"ثمرین! اتنی ساری لڑکیوں میں ہانیہ کون ہے۔ کیا تم پہچانتی ہو اسے۔" ثمرین نے کچھ چونک کر ہانیہ کو دیکھا' وہ شاید کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ہانیہ بول پڑی۔

"آپ کیوں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔" ہانیہ نے کوئی ذومعنی بات نہیں کہی تھی مگر جس طرح صائم نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا' وہ ہانیہ کو اپنے جملے کی ذومعنویت کا احساس دلا گیا تھا۔ وہ کچھ خجل ہوکر ثمرین کو دیکھنے لگی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہیں کیوں ڈھونڈتا پھروں گا۔" صائم نے ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے قدرے رکھائی سے کہا۔ ہانیہ حیران ہونے کے ساتھ مزید شرمندہ ہوگئی۔ وہ تو چونک کر بے ساختہ کہہ گئی تھی مگر شاید صائم نظرانداز کردینے والوں میں سے نہیں تھا۔

"مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ احتشام ماموں کے لیے ایک ایمرجنسی کال آگئی تھی' وہ ہاسپٹل چلے گئے ہیں۔"

"کیا؟" ہانیہ ایک دم پریشان ہوگئی۔

"انہوں نے کچھ بتایا کہ وہ کب تک آئیں گے۔" ثمرین نے پوچھا تو وہ ثمرین سے کہنے لگا۔

"وہ آگئے' یہی بہت ہے۔ ان کے پاس کہاں وقت ہوتا ہے انہیں واپسی میں بہت دیر ہوجائے گی۔ وہ سیدھا گھر جائیں گے۔" صائم یہ کہہ کر واپس پلٹ گیا جبکہ ثمرین اسے اطمینان دلانے لگی۔

"ڈونٹ وری۔ ہم تمہیں ڈراپ کردیں گے۔"

انہیں آئے ابھی صرف بیس منٹ ہی ہوئے تھے اور صرف بیس منٹ کے اندر اندر بابا کو واپس جانا پڑ گیا تھا اور مما کو لگتا تھا' وہ صرف انہیں نظرانداز کرنے کے لیے مصروفیت کا بہانہ کرتے ہیں۔ حالانکہ بابا کا جو بھی رویّہ تھا' سب کے ساتھ یکساں تھا۔ انہوں نے بہنوں کو بیوی پر ترجیح دی تھی نہ بیوی کی خاطر بہنوں سے قطع تعلق کیا تھا مگر یہ بات بھلا مما کو کون سمجھاتا۔

پارٹی ختم ہوتے ہوتے رات کا ایک بج گیا تھا۔

ہانیہ کا بے چینی کے مارے برا حال تھا۔ وہ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ بابا گھر پہنچ چکے ہوں گے اور مما نے گھر سر پر اٹھالیا ہوگا۔ پھوپھی وغیرہ مہمانوں کے جانے کے بعد اب کھانا کھانے بیٹھی تھیں۔ کل کیونکہ چھٹی کا دن تھا' اس لیے وہ سب مطمئن انداز میں بیٹھے تھے۔

ہانیہ کو اچھا تو نہیں لگ رہا تھا ان سے یہ کہنا کہ کوئی اسے گھر چھوڑ آئے مگر وہ ہمت کرکے ان کی میز کے قریب چلی آئی۔

"نجمہ پھوپھی! مما گھر پر میرا [illegible]ظار کررہی ہوں گی۔"

"ہاں' تمہاری مما کا فون آیا تھا' [illegible]ں نے انہیں بتا دیا کہ تمہارے گھر کے راستے میں [illegible]سی جگہ کوئی بم

بلاسٹ ہوا ہے' اس لیے اس علاقے میں کرفیو بھی لگ گیا ہے۔ تب ہی تمہارے پاپا کو بھی ایمرجنسی میں جانا پڑا۔ میں نے تمہاری مما سے کہہ دیا ہے' ہانیہ کو آج ہمارے پاس ہی رہنے دیں۔"

نجمہ پھوپھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس پڑی خالی کرسی پر بٹھالیا۔ ہانیہ منہ کھولے ان کی شکل دیکھتی رہی۔ اسے یقین تھا یہ سب سننے کے بعد مما نے پھوپھی سے بڑی بدتمیزی سے بات کی ہوگی مگر نجمہ پھوپھی نے ایسا کچھ ظاہر نہیں کیا۔ الٹا اپنے پاس بیٹھی نبیلہ کو اس کے متعلق ہدایتیں دینے لگیں۔ وہ نبیلہ کے کہنے پر اس کی تقلید میں چلتی کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ اس کا ذہن اتنا منتشر تھا کہ وہ سن ہی نہ سکی کہ نبیلہ نے کیا کہا اور اسے ایک جوڑا تھما کر خود کمرے سے نکل گئی۔ اسے یہاں ٹھہرنا بہت عجیب لگ رہا تھا۔ پاپا جب گھر پہنچے ہوں گے تو مما ان پر خوب برسی ہوں گی اور صبح جب وہ جائے گی' تب اس کی بھی اچھی خاصی کلاس لگے گی۔

کپڑے تبدیل کرکے وہ کچھ دیر ان لوگوں کے آنے کا انتظار کرتی رہی کیونکہ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ اسے کون سے کمرے میں کہاں سونا تھا۔ آخر وہ ثمرین وغیرہ کو تلاش کرنے نکلی تو کچن سے آتی آوازوں پر وہیں چلی گئی۔ وہاں فائزہ اور عالیہ کے علاوہ ایک ملازمہ بھی موجود تھی۔ اس کے باوجود کچن کی حالت کافی ابتر تھی کیونکہ بے تحاشا مہمان آئے تھے' لہٰذا برتنوں کا ایک انبار جمع تھا۔ عالیہ ملازمہ کے ساتھ مل کر بڑی بڑی دیگوں میں سے بچا ہوا کھانا چھوٹے برتنوں میں کرکے فریج میں رکھوا رہی تھی اور فائزہ مبارک باد کے طور پر لائی گئی مٹھائیاں سمیٹ رہی تھی' ساتھ ہی باقی ساری لڑکیوں کے ناکارہ ہونے پر بین بھی کر رہی تھی۔

"کسی سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ یہ مٹھائیاں اور چاکلٹس کسی ایئر کنڈیشنڈ روم میں رکھ دے۔ فریج میں بھی جگہ نہیں ہے اور یہاں کچن میں سب خراب ہو جائے گا۔"

"کچھ خراب نہیں ہوگا فائزہ! سب کچھ ایسے ہی چھوڑ دو۔ جس کمرے میں رکھیں گے' صبح وہاں سے واپس لانا پڑے گا۔ موسم اتنا گرم نہیں کہ ایک ہی رات میں خراب ہو جائے۔ ابو نے چائے کے لیے کہا ہے' تم بس جلدی سے چائے پہنچا دو۔" عالیہ نے کھولتے پانی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے مصروف سے انداز میں کہا۔

"لائیں' میں چائے دم کر دیتی ہوں۔" ہانیہ کی مداخلت پر ان تینوں نے ایک ساتھ پلٹ کر اسے دیکھا۔

"شکر ہے کسی کو تو کچن میں جھانکنے کا خیال آیا۔" فائزہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا پھر وہ جلدی جلدی بولی۔

"ہانیہ! پلیز یہ چائے بڑے ابو کے کمرے میں دے آؤ۔ تایا ابو اور چھوٹے چچا سب وہیں انتظار کر رہے ہوں گے۔ اصل میں ایسی دعوتوں کے بعد وہ چائے میں لیموں ڈال کر پیتے ہیں' تب ہی انہیں نیند آتی ہے۔"

"اس چائے میں تو پتی' دودھ سب پہلے سے پڑا ہے۔" ہانیہ قریب آنے پر دیگچی میں پکتی چائے کو دیکھ کر حیرانی سے بولی۔

"ہاں بس' اسے مگ میں نکال کر لیموں ڈالنا ہے۔ کیا تم لوگ اس طرح چائے نہیں پیتے۔" عالیہ نے اطلاع فراہم کرنے کے بعد پوچھا۔

"نہیں' ہم تو چائے تھرماس میں دم کر لیتے ہیں اور کچھ دیر بعد جب رنگ آجاتا ہے تو پیالیوں میں نکال کر دودھ اور چینی ڈال لیتے ہیں۔" ہانیہ اسٹینڈ میں سے مگ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"حیرت کی بات ہے ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے ہمیں یہ بھی نہیں پتا کہ ہمارے ماموں کے گھر میں دم کی چائے پی جاتی ہے۔" فائزہ نے کہنے کے ساتھ ہی چائے بنانے کے دو تین طریقے بھی بتا دیے کیونکہ ان کے گھر میں موسم کی مناسبت سے چائے میں الگ الگ ورائٹی دی جاتی ہے۔ کبھی الائچی ڈال کر' کبھی ادرک ڈال کر اور کبھی صرف بلیک ٹی۔

"میرے خیال سے بغیر دودھ اور بغیر چینی کے

چائے پینے سے اچھا ہے۔ انسان سادہ پانی پی لے۔" ہانیہ کے بے ساختہ کہنے پر فائزہ ہنس پڑی تھی۔

"اتنی بری بھی نہیں ہوتی' اگر رات زیادہ نہ ہوئی ہوتی تو میں تمہیں ابھی پلاتی۔" چائے سے ناشتے اور ناشتے سے کھانوں کے متعلق باتوں کے دوران کچن سمٹ بھی گیا اور پتا بھی نہیں چلا۔ حالانکہ عالیہ چائے لے کر گئی تو دوسرے کاموں میں الجھ کر واپس ہی نہ آسکی۔ ملازمہ بھی تھوڑی دیر بعد اس کی مدد کے لیے چلی گئی تو وہ اور فائزہ ہی کچن میں رہ گئیں اور اس کی موجودگی کی وجہ سے ہی فائزہ اتنی جلدی فارغ ہو گئی' تب ہی اسے سراہتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم تو کاموں میں بڑی طاق ہو بھئی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ ماموں ممانی کی اکلوتی ہونے کی وجہ سے وہ لوگ تمہیں کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے ہوں گے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کام کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ میرا موڈ ہوتا ہے تو کر لیتی ہوں بلکہ اگر مجھے گھر میں تمہاری جیسی کمپنی مل جائے تو میں کچن میں سارا دن آرام سے کام کر سکتی ہوں کیونکہ میرے گھر میں خاموشی بہت رہتی ہے۔ دل چاہتا ہے کسی سے باتیں کروں مگر کوئی ہے نہیں۔" ہانیہ نے پوری سچائی سے کہا۔

"ارے خوش قسمت ہو تم جو تمہیں گھر میں خاموشی میسر ہے۔ ابھی دیکھنا جیسے ہی ہم کمرے میں سونے جائیں گے' سب اپنی اپنی بولی بولنا شروع کر دیں گے اور اتنا بھی صبر نہیں کہ ایک کی بات ختم ہو جائے تو دوسرا بولے۔ سب ایک ساتھ اسٹارٹ ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر اگر ہم کسی پارٹی میں جائیں یا گھر میں کوئی تقریب ہو جب تک ایک ایک شخص پوری روداد سنا نہ دے' اسے چین نہیں آتا۔ چاہے کتنی بھی نیند آئے' سب کی بکواس سننا بہت ضروری ہے۔" فائزہ کے انداز میں غصے کی بجائے محبت بھری تھی۔ ہانیہ مسکرا کر رہ گئی۔

"میں یہ کچرا باہر کے ڈرم میں ڈال دیتی ہوں۔ کچن میں بدبو نہیں ہوگی اور صبح جمعدار لے جائے گا۔" فائزہ دو بڑے بڑے تھیلے اٹھا کر کچن کے دوسرے دروازے سے باہر نکل گئی جو لان کے پچھلے حصے میں کھلتا تھا۔ ہانیہ سلیب کو کپڑے سے صاف کرکے کپڑا سنک میں نچوڑ رہی تھی کہ اپنی جگہ پتھرا گئی جو جملہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا' وہ ناقابل یقین تھا مگر وہ جو کوئی بھی تھا' اسی سے مخاطب تھا۔

"آج تو تم پہچاننے میں ہی نہیں آرہی تھیں۔ بھئی ماننا پڑے گا' کچھ کپڑے واقعی اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ ان میں تمہارے جیسی لڑکی بھی اچھی لگنے لگتی ہے۔"

ہانیہ ایک دم غصے سے آواز کی طرف پلٹی تھی مگر دروازے میں کھڑے صائم کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ صائم بھی اس پر نظر پڑتے ہی حیران رہ گیا تھا۔ وہ جس طرح دروازے کے فریم سے کندھا ٹکائے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا' اس سے ظاہر تھا وہ کوئی لمبی گفتگو کرنے آیا تھا مگر ہانیہ کو دیکھ کر وہ جیسے کچھ بوکھلا گیا اور اس کے لیے بات بنانا مشکل ہو گئی۔

"ہا... ہانیہ... تم... میرا مطلب ہے' تم یہاں کیسے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔" وہ اسے کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر ایک دم پلٹ گیا اور وہ وہیں حیران سی کھڑی رہ گئی۔

"چلو سوتے ہیں یار! اب اگر کچھ کام رہ بھی گیا ہے تو کل کریں گے' ورنہ میں زرافہ کی طرح کھڑے کھڑے ہی سو جاؤں گی۔" فائزہ نے واپس آکر بڑی لمبی سی جماہی لیتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ صائم بھائی سے اسے ایسی گفتگو کی توقع نہیں تھی اور پھر جس طرح وہ اسے دیکھ کر گھبرا گئے تھے' اس سے ہانیہ مزید الجھ گئی تھی کہ اچانک ایک خیال آنے پر وہ فائزہ سے پوچھ بیٹھی۔

"فائزہ! یہ جو کپڑے نبیلہ نے مجھے پہننے کے لیے دیے ہیں' یہ کس کے ہیں؟" فائزہ رک کر طائرانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہیں تو عالیہ کے لیکن قسم سے ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے لیے ہی سلے ہیں۔" ہانیہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس

کی نظر سب سے پہلے عالیہ پر ہی پڑی جو دوسرے کزنز کے ساتھ مل کر ثمرین کو چھیڑنے میں مصروف تھی۔ حامد نے ثمرین کا ہی دوپٹا سر پر اوڑھ رکھا تھا اور لڑکیوں کے انداز میں شرمانے کی کوشش کر رہا تھا جس پر عالیہ کی کھنکتی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ہانیہ کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ اتنی خوبصورت لڑکی کی تعریف صائم بھائی نے ایسے کی تھی جیسے کوئی احسان کر رہے ہیں مگر ان کی جوڑی واقعی لاجواب تھی۔

کیا گھر میں اور کسی کو اس بات کا علم ہو گا۔ ہانیہ صرف سوچ کر رہ گئی تھی' تب ہی حمید نے اسے ٹوک دیا۔

"آپ کس کے تصور میں کھوئی ہوئی ہیں جو اتنا مسکرا رہی ہیں۔" وہاں بیٹھے گیارہ کے گیارہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔

"نہیں تو... میں تو کسی کے تصور میں نہیں کھوئی۔" اس کے اتنے بھولپن سے صفائی دینے پر ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا جس پر وہ مزید خجل ہو گئی۔

"بکواس بند کرو اور کمرہ خالی کرو۔ بہت سخت نیند آ رہی ہے۔" فائزہ نے پیشانی کو انگلیوں سے دباتے ہوئے کہا اور اپنے کاموں کی ابھی فہرست گنوانے لگی جسے سن کر ثمرین بول پڑی۔

"ہانیہ بھی تمہارے ساتھ کچن میں تھی۔" ثمرین نے ہانیہ کو بغور دیکھا۔

"جی ہاں' ایک اس بے چاری میں ہی تھوڑی شرم تھی' ورنہ نبیلہ وغیرہ کا خون لال بیگ کی طرح سفید ہو گیا ہے۔" فائزہ نے نبیلہ سمیت دوسرے تایا کی بیٹیوں کو بھی گھورا مگر مجال ہے جو وہ شرمندہ ہو جاتیں۔

"اب تو آپ کو ہمارا نخرہ اٹھانا ہی پڑے گا۔ آخر ہم لڑکے والے ہیں اور آپ سب لڑکی والے۔" ایک لڑکی جو غالباً" ان کے دوسرے تایا کی بیٹی تھی' لاپروائی سی بولی۔

"شام تک تو تم لڑکی والی تھیں' جب نیگ کی چوڑیاں لینی تھیں۔" حامد جرح کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو اس وقت نیگ کی چوڑیاں لینی تھیں نا۔" وہ بھی ڈھیٹ بلکہ مہا ڈھیٹ تھی۔

"لڑکی والے ہوں یا لڑکے والے۔ ٹریٹ تو ہم لے کر رہیں گے۔ صائم بھائی نے تو کہہ دیا' تنخواہ ملے گی تو دوں گا مگر ثمرین باجی اور تنویر بھائی کو ہم نہیں چھوڑنے والے۔" ایک لڑکے کے کہنے پر سب تائیدی انداز میں تالیاں پیٹنے لگے۔

"بلکہ تنویر بھائی سے ڈبل ٹریٹ لینی چاہیے۔ ثمرین باجی تو کماتی نہیں ہیں' اب ان کا خرچ بھی تنویر بھائی کی ذمہ داری ہے۔" ٹریٹ کی بات پر فائزہ کی نیند بھی اڑ گئی تھی۔ وہ ایک دم جوش میں آتے ہوئے بولی۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ زندگی میں پہلی بار عقل مندی کی بات کی ہے۔" "میری محبت کا اثر ہے یہ۔" عالیہ نے زمین پر ہی آڑے ترچھے لیٹتے ہوئے خالص بزرگوں والے انداز میں کہا۔ ان سب میں سے جس کو جہاں جگہ مل گئی تھی' وہ وہیں کھپ گیا تھا۔ ہانیہ ان کی ایک ایک حرکت کا بغور مشاہدہ کر رہی تھی' جہاں وہ سب پکنک کے پروگرام ایسے بنا رہے تھے جیسے رات کے نہیں' دوپہر کے تین بج رہے ہوں۔

"ہانیہ باجی جانتی ہوں گی فن لینڈ کیسی جگہ ہے۔ ہانیہ باجی کے گھر کے تو بہت قریب ہے۔" نبیلہ کے ایک دم مخاطب کرنے پر ہانیہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"فن لینڈ!" ہانیہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

"آپ کے گھر کے پاس ایک بہت زبردست پارک کھلا ہے' جہاں الیکٹرانک جھولے' مصنوعی جھیلیں اور جھرنے وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے اس کا ٹکٹ کتنے کا ہے اور ٹائمنگز کیا ہیں۔" ان کے لیے یہ اطلاع ہی نئی تھی کہ اس کے گھر کے پاس ایک پارک کھلا ہے تو بھلا حامد کی مطلوبہ معلومات کا کیا جواب دیتی' بس یہی کہہ سکی۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"میں نے سنا ہے بہت شاندار اور بہت بڑا پارک

ہے۔ ایک بار تو ضرور جانا چاہیے۔" فائزہ اشتیاق سے بولی۔

"ٹکٹ بھی یقیناً بہت مہنگا ہو گا صائم بھائی اور تنویر بھائی سے کہتے ہیں دونوں مل کر ایک ساتھ ٹریٹ دے دیں کیونکہ پارک کا کوئی بھروسہ نہیں۔ بند بھی ہو سکتا ہے' بڑے سیاسی جھگڑے چل رہے ہیں اس پارک کو لے کر۔" ایک لڑکے نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کیسے سیاسی جھگڑے؟"

"وہ تو پتا نہیں۔ دو پارٹیوں کی لڑائی میں اس پارک کی افتتاحی تقریب بھی التوا میں پڑ گئی تھی لیکن یہ سب اڑائی ہوئی باتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کسی چیز کو شہرت دینی ہو تو ایسی ہی افواہیں مشہور کی جاتی ہیں۔" وہ ہی لڑکا بولا۔

"جو بھی ہو' تنویر بھائی مانیں یا نہ مانیں۔ ہم فن لینڈ ہی جائیں گے' وہ بھی اسی سنڈے کو۔" حامد حتمی انداز میں بولا۔

"اور کیا۔ باقی ساری جگہیں تو دیکھ لیں بلکہ ہزار بار دیکھ لیں۔" نبیلہ کے منہ بنانے پر ہانیہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"وہ تو ہے۔ جب پچھلی بار ہم کیبر ریسٹورنٹ گئے تھے تو مجھے مینیو کارڈ دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ سب کچھ ازبر ہو گیا ہے۔" فرید بھی فوراً" بولا۔

ہانیہ غیر ارادی طور پر اپنا موازنہ ان کے ساتھ کرنے لگی۔ اسے یاد بھی نہیں تھا کہ اس نے کب آخری دفعہ باہر کھانا کھایا تھا بلکہ جن تفریحی مقامات کا وہ سب ذکر کر رہے تھے' وہ تو ان کے نام تک سے ناواقف تھی۔

"لگتا ہے ہانیہ کو نیند آ رہی ہے۔" فائزہ اس کی مسلسل خاموشی کے پیش نظر بولی تو ہانیہ فوراً" بولی۔

"نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔"

"چلیں' آپ بتائیں۔ کہاں جانا چاہیے۔" حامد نے یہ سوال محض اس لیے پوچھا تھا تاکہ اسے ایسا نہ لگے کہ وہ اسے نظرانداز کر کے اپنی باتوں میں مگن ہیں مگر ہانیہ اس کے سوال پر سٹپٹا گئی۔ عجیب سی بے بسی اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی' اس کے لیے تو دنیا میں بس دو ہی جگہیں تھیں۔ گھر اور کالج۔

کالج آج کل بند تھا' اس لیے وہ خود کو زیادہ ہی تنہا محسوس کر رہی تھی' ورنہ کالج میں اس کا وقت اچھا گزر جاتا تھا' وہ کافی خوش اخلاق تھی' اس لیے اس کی پوری کلاس سے دوستی تھی مگر اس کی یہ دوستی صرف کالج تک محدود تھی۔ وہ کسی کو فون کرتی تھی نہ کسی کے گھر جاتی تھی' اسی لیے پچھلے کئی دنوں سے اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی ساری لڑکیوں سے یکطرفہ دوستی ہے۔ جب ملاقات ہوتی ہے' تب وہ سب اس سے خوشی خوشی مل لیتی ہیں اور جب ملاقات کی کوئی سبیل نہیں ہوتی تو کسی کو اس کی کمی کا احساس بھی نہیں ہوتا ہو گا۔ حالانکہ اس نے خود ہی کبھی ان سے روابط بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ مما کو اس کا کہیں آنا جانا پسند نہیں تھا۔

"فن لینڈ ہی چلتے ہیں۔" سب کی نظریں خود پر جمی دیکھ کر اسے کہنا پڑا۔

"ہاں' میرا بھی یہی خیال ہے۔ تم بھی چلو گی نا ہانیہ!" فائزہ کے پوچھنے پر اسے بے پناہ مسرت کا احساس ہوا۔ اسے تو محض ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کی باتیں سننے میں اتنا مزا آ رہا تھا تو ان سب کے ساتھ پکنک پر جانے کا تجربہ کیسا ہو گا۔ ہانیہ نے فوراً" سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے جیسے ہی پروگرام فائنل ہو گا' میں تمہیں فون کر دوں گی۔ ویسے بھی تمہاری تو چھٹیاں ہیں نا۔" فائزہ نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں بھئی' ان کی کس خوشی میں چھٹیاں ہیں۔ ہمیں تو روز صبح صبح اٹھنے کی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے اور اس پر ستم یہ کہ سب سے پہلا پیریڈ بھی میڈم جویریہ کا ہوتا ہے۔ صبح انہیں برداشت کرنا ہے' اس ٹینشن میں رات بھر ڈراؤنے خواب نظر آتے ہیں۔" حامد کے انداز پر ہانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"میں نے ابھی بی ایس سی پارٹ ون کا ایگزام دیا ہے' اس لیے میری چھٹیاں ہیں۔"

"آپ کے فادر اتنے بڑے ڈاکٹر ہیں اور آپ صرف بی ایس سی کر رہی ہیں۔ آپ نے میڈیکل یا فارمیسی کیوں نہیں لی۔" نبیلہ کی ایک کزن حیرت سے بولی۔

"مجھے شوق نہیں تھا اور ڈاکٹرز تو مجھے بالکل پسند نہیں۔" ہانیہ بے اختیار کہہ گئی۔ اس کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا جس پر وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہو گئی۔

"ایسا مت کہو جو چیز پسند نہ ہو' وہی گلے پڑ جاتی ہے۔ تمہیں ڈاکٹر پسند نہیں' دیکھنا تمہاری شادی کسی ڈاکٹر کے ساتھ ہو جائے گی۔" فائزہ کھلکھلاتے ہوئے بولی۔

"ایسا کوئی ضروری بھی نہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کو بڑے قریب سے دیکھا ہے جن کی شادی اس کے ساتھ ہوتی ہے جس پر وہ دل و جان سے فدا ہوتے ہیں۔" حامد نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"میں کب فدا تھی تنویر پر۔" ثمرین بھڑک اٹھی جس پر ایک بار پھر ان سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"میں نے آپ کا نام کب لیا' کسی نے سنا مجھے ثمرین باجی اور تنویر بھائی کا نام لیتے ہوئے۔" حامد صاف مکر گیا مگر ابھی بھی اس کے چہرے پر شوخ مسکراہٹ ناچ رہی تھی جب کہ باقی سب اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے زور زور سے سر ہلانے لگے۔

"یہاں اور کون ہے جس کی شادی ہونے والی ہو یا ہو گئی ہو۔" ثمرین کہاں ماننے والی تھی۔

"یہ ہے نا' ہانیہ۔۔۔ میرا مطلب ہے ہانیہ کے والدین۔ ان کے ہوتے ہوئے اور کسی کی مثال دی جاسکتی ہے؟" حامد نے ایک دم بات بنائی جبکہ ہانیہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میرے مما پاپا!"

"خیر یہ تو حامد نے صحیح کہا۔ ہانیہ کے مما پاپا کو دیکھ کر یقین آتا ہے کہ دنیا میں واقعی ٹرو لو نام کی کوئی چیز ہے۔" عالیہ مسکرائی۔

"ممانی کتنی خوش قسمت ہیں نا' کتنا پراؤڈ فیل کرتی ہوں گی یہ سوچ کر کہ ایک شخص اتنے سالوں تک ان کے لیے اپنے والدین سے لڑتا رہا۔" فائزہ ہانیہ کو دیکھتے ہوئے رشک بھرے انداز میں بولی جو صرف حیرانی سے ان سب کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

"ارے احتشام ماموں سے زیادہ کریڈٹ تو ممانی کو جاتا ہے۔ ایک ایسے شخص کا اتنے سال تک انتظار کرنا جس کے انتظار کے حق میں ان کے والدین تک نہیں تھے۔ کوئی آسان کام تھوڑی ہے ماں باپ کے سامنے اسٹینڈ لینا۔ دراصل وہ بنے ہی ایک دوسرے کے لیے تھے۔"

حمید کہتا چلا گیا۔ ہانیہ سانس روکے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ کیا اسی رشتے کے لیے ان دونوں نے اتنی مخالفت برداشت کی تھی۔

"ممانی کے گھر والوں کو اس رشتے پر کوئی خاص اعتراض نہیں تھا' وہ تو ہمارے نانا ہی نہیں مانتے تھے جو یہ شادی ڈیلے ہوتی گئی۔" ثمرین جو اب تک چپ تھی' نپے تلے انداز میں بولی۔ اس کا انداز واقعی عجیب تھا یا محض ہانیہ کو ہی عجیب لگا تھا۔ وہ سمجھ نہ سکی' البتہ فائزہ جرح کرتے ہوئے بولی۔

"اعتراض چاہے کسی کو بھی ہو' وہ اتنے عرصے تنازعے کا شکار تو رہی تھی نا' ورنہ ممانی اتنی حسین تھیں' ان کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ آرام سے کہیں بھی شادی کر سکتی تھیں۔" ثمرین نے جواب میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ حامد بول پڑا۔

"ویسے بھی ہمارے نانا جی کا اعتراض بڑا بے جا قسم کا تھا۔ ممانی صرف ہماری برادری کی نہیں تھیں اور یہ کوئی جواز نہیں ہے کسی کو ٹھکرانے کا۔"

"جواز تو نہیں ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ برادری سے باہر کی آئی لڑکی کبھی خاندان کا حصہ نہیں بنتی۔ اسے برابر کی عزت نہیں ملتی۔" اب کی بار ثمرین کے لہجے پر سب ہی چپ ہو گئے تھے۔ ہانیہ تو پہلے ہی ہونق بنی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ثمرین کے اس جملے پر تو وہ صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔ ایک دم پھیلتی خاموشی نے شاید ثمرین کو بھی چونکا دیا تھا تب

ہی وہ مسکرا کر کہنے لگی۔

"ویسے تو ہماری پھوپھی کی نند بھی خاندان سے باہر کی ہیں۔ اگر لڑکی سمجھ دار ہو تو وہ اپنا مقام خاندان میں بنا ہی لیتی ہے۔ ویسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں ہمیں تمام انسانوں کو برابر ہی ماننا چاہیے اور ذات پات کے فساد کو ختم کر دینا چاہیے۔"

حدیث کو جاننا اور بات ہے اور اس پر چلنا اور بات۔ ویسے بھی ثمرین نے اپنے جملے کی ابتدا میں ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ یہ سب صرف لڑکی کی سمجھ داری پر منحصر ہے۔ اب کوئی ثمرین کے بات بنانے کو سمجھا یا نہیں' موضوع ضرور بدل گیا۔

"کچھ بھی ہو احتشام ماموں نے ہمارے لیے راستہ کھول دیا۔ اب ان کی تقلید میں ہم بھی برادری سے باہر کی لڑکی پسند کر لیں تو امی ابو کی مثال دے کر قائل ضرور کر سکتے ہیں۔" حامد کے مسکرا کر کہنے پر نبیلہ چلا اٹھی۔

"خالی تمہارے پسند کر لینے سے کیا ہو گا' اس لڑکی کو بھی تو تمہیں پسند کرنا ہو گا۔"

"بس دعا کرو کسی لڑکی کی آنکھیں خراب ہو جائیں' صرف اسی صورت میں تمہارا چانس بن سکتا ہے۔" ان کی تایا زاد کے مصنوعی حقارت سے کہنے پر ساری لڑکیاں تائیدی طور پر تالیاں بجانے لگی تھیں۔

"کیا مصیبت آگئی ہے' سونے کا ارادہ ہے یا نہیں۔" تنویر کے اچانک آکر دھاڑنے پر وہ سب اپنی اپنی جگہ اچھل پڑے۔ اس کا کمرہ برابر میں ہی تھا اور ان کے شور کی وجہ سے وہ سو نہیں پا رہا تھا۔

"اللہ کے لیے سو جاؤ۔" تنویر واپس پلٹتے ہوئے بولا۔

"اللہ کے لیے کچھ کرنا ہو گا تو ہم تہجد پڑھیں گے' سونے کی کیا تک ہے۔" عالیہ آہستہ آواز میں بولی۔ مبادا وہ سن نہ لے مگر بولنے سے باز نہ آئی جب کہ فائزہ چلا اٹھی۔

"ارے ساڑھے تین بج رہے ہیں۔ فجر ہونے والی ہے۔ چلو کمرہ خالی کرو میرا۔ کچھ دیر تو سو جاؤں۔" وہ سب اٹھ کر کمرے سے جانے لگے تو تنویر رک کر کہنے لگا۔

"اب پتا چلا ہے تمہیں کہ ساڑھے تین بج رہے ہیں۔ بولتے وقت ٹائم دیکھنے کا خیال نہیں آتا۔ دو گھنٹے سے سونے کی کوشش کر رہا ہوں' نیند اڑا کر رکھ دی ہے۔"

"اب آپ پلیز ثمرین باجی کے کیے کا الزام ہم پر مت ڈالیں۔" حمید کے برجستہ کہنے پر سب نے بمشکل اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا لیکن اس کی بات ایسی تھی کہ تنویر بھی اپنی مسکراہٹ روک نہ سکا۔ اسے نرم پڑتا دیکھ کر وہ سب ایک بار پھر پھیلنے لگے۔ آخر کار تنویر کے بری طرح ڈانٹنے پر وہ سب اپنے کمروں میں جانے پر مجبور ہوئے۔

"سوری ہانیہ! تم بھی کیا سوچ رہی ہو گی' اپنے گھر میں ہوتیں تو اب تک چار پانچ گھنٹے کی نیند بھی پوری ہو گئی ہوتی۔" فائزہ اس کے پاس بستر پر لیٹتے ہوئے معذرت بھرے انداز میں بولی۔

"میرا تو دل چاہ رہا تھا یہ رات کبھی نہ گزرے اور تم سب لوگ ایسے ہی بیٹھے باتیں کرتے رہو۔" ہانیہ نے رسماً نہیں کہا تھا۔ اسے واقعی نیند نہیں آ رہی تھی بلکہ ان سب کے ساتھ یہ چند گھنٹے گزار کر اسے لگا تھا جیسے اپنے گھر میں پچھلے انیس سالوں سے وہ سو ہی تو رہی تھی۔ صرف آنکھیں کھلی ہونے کا یہ مطلب نہیں' انسان جاگ رہا ہے۔ سوچنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت سے محروم زندگی بھی ایک غفلت کی نیند ہی ہوتی ہے۔ گھر کیا ہوتا ہے' زندگی کسے کہتے ہیں۔ یہ آگاہی تو اسے آج ہی ملی تھی۔ اور اک ہوتے ہی اس کے ذہن میں سوالوں کی بوچھاڑ ہونے لگی تھی۔ انیس سال بعد بے دار ہو کر اس نے سب سے پہلا سوال اپنے آپ سے پوچھا تھا۔

"اس کی زندگی دوسروں سے اتنی مختلف کیوں ہے' کیوں اس کے ماں باپ دوسرے والدین کی طرح اس کے احساسات کی پروا نہیں کرتے۔ خود تو اپنے والدین

کی ایک نہ سنی اور جہاں چاہا شادی کرلی اور خود والدین کے مرتبے پر پہنچنے کے بعد سرے سے اس کی مرضی جاننے کی ہی کوشش نہیں کی۔ وہ صرف زندگی میں وہی کرتی ہے جو مما کو صحیح لگتا ہے اور پاپا کے پاس تو اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ اس کے لیے صحیح اور غلط کا فیصلہ کرسکیں۔ اسے یقین تھا کہ پاپا کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ اس کے پاس کون کون سے سبجیکٹ ہیں۔ آخر تمام گھروں میں مرد کام کرتے ہیں تو کیا وہ سب اپنی اولاد سے اتنے ہی غافل ہوتے ہوں گے اور کیا ساری مائیں اپنی ساری توانائی صرف شوہر سے لڑنے اور اس کے رویّے پر کڑھنے میں خرچ کرتی ہیں۔

پاپا کے پاس وقت نہیں ہوتا یا وہ وقت نکالنا ہی نہیں چاہتے۔ دونوں صورتوں میں مما کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ انہیں ماں کے ساتھ ساتھ باپ کا کردار بھی نبھانا چاہیے لیکن انہوں نے کیا کیا۔ پاپا سے زیادہ اسے مما نے اکیلا کردیا تھا۔ اسے یقین تھا وہ اسے فائزہ وغیرہ کے ساتھ فن لینڈ بھی جانے نہیں دیں گی کیونکہ اپنی نندوں سے وہ روایتی بھاوجوں کی طرح ہمیشہ خائف رہی تھیں۔

اس رات ان دونوں کے رویّے کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ ایسے ہی ان سے متنفر ہوتی رہی۔ پہلی بار اس کے ذہن میں باغیانہ سوچیں سر اٹھانے لگیں۔

"اگر مما نے اجازت نہیں دی تو میں ان کی اجازت کے بغیر ہی چلی جاؤں گی۔ پاپا کم از کم مجھے جانے سے منع نہیں کریں گے۔ اس اختلاف پر مما پاپا کی لڑائی تو ہوگی مگر وہ تو لڑتے ہی رہتے ہیں۔ اگر میں ان کی لڑائی کا سبب نہیں بنوں گی تو کوئی اور بات وجۂ تنازعہ ہوگی۔" ہانیہ کو ان دونوں سے اختلاف تو پہلے بھی تھا مگر آج اسے ان سے چڑ ہونے لگی تھی۔

✲ ✲ ✲

اس کی یہ سوچ وقتی ابال بھی ہوسکتی تھی مگر صبح اپنے گھر پہنچنے پر اس کے فیصلے کو مزید تقویت مل گئی۔ مما کو غصے سے ادھر ادھر ٹہلتے دیکھ کر اس کی نظریں ان کے موچ والے پاؤں پر جم گئی تھیں مگر انہوں نے دھیان ہی نہیں دیا' وہ اپنی عادت کے مطابق بغیر رکے ایک سانس میں بولے جارہی تھیں۔ اسے بڑے پھوپھا کسی ضروری کام سے جاتے وقت راستے میں ڈراپ کرگئے تھے۔ ہانیہ نے انہیں اندر آنے کے لیے کہا تھا مگر وہ واقعی لیٹ ہورہے تھے' اس لیے باہر ہی چلے گئے۔ مما کو دوسری کئی باتوں کے ساتھ پھوپھا کی بداخلاقی پر بھی غصہ آرہا تھا۔

"انہیں اندر آکر مجھ سے معذرت کرنی چاہیے تھی۔ میری بیٹی کو انہوں نے کس کی اجازت سے اپنے گھر رکھ لیا۔ ساری رات میں کتنی پریشان رہی۔"

"آپ کو تو عادت ہوگئی ہے پریشان رہنے کی' ورنہ میں اپنی پھوپھیوں کے گھر پر تھی کسی غیر محفوظ جگہ پر نہیں۔"

مما ایک جھٹکے سے اس کی طرف پلٹی تھیں۔ ان کے چہرے پر اترتی شدید حیرت نے اسے احساس دلایا تھا کہ اس نے زندگی میں پہلی بار انہیں اس لہجے میں جواب دیا ہے۔

"ایک رات اپنی پھوپھیوں کے پاس رہ کر آئی ہو اور تمہارا بات کرنے کا انداز ہی بدل گیا۔"

وہ بے یقینی سے بولیں۔ ہانیہ کو کوفت ہونے لگی ان کا طعنہ سن کر۔ بہت مشکل سے اس نے خود کو کچھ بھی کہنے سے روکا' ورنہ دل تو چاہ رہا تھا ابھی انہیں یاد دلا دے کہ وہ کل رات بستر سے اٹھنے کے بھی قابل نہیں تھیں مگر اسے معلوم تھا اس کا کچھ بھی کہنا بے سود ہوگا۔ انہیں اپنی غلطیوں کا احساس کبھی نہیں ہوگا۔ الٹا وہ اس سے خائف ہوجائیں گی۔ وہ ان سے بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی تھی' اس لیے اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

"میں تم سے بات کررہی ہوں اور تم اپنے کمرے میں جارہی ہو' اتنی بھی تمیز نہیں تمہیں کہ میری بات سن لو۔" ان کی دھاڑ پر اس نے بمشکل اپنے لہجے پر قابو پاتے ہوئے رسانیت سے کہا۔

"مما! شہر میں بم بلاسٹ ہوا تھا' ہمارے گھر کی طرف کرفیو لگ گیا تھا' اس لیے مجھے وہاں رہنا پڑا۔ آپ سب جانتی ہیں پھر کیوں غصہ کررہی ہیں اور شک کررہی ہیں۔"

وہ اچھی طرح جانتی تھی' انہیں کیوں غصہ آرہا ہے۔ پاپا ان کے بغیر پارٹی میں چلے گئے وہیں سے پھر ہسپتال چلے گئے۔ رات بھر گھر نہیں آئے۔ یقیناً ہمیشہ کی طرح انہوں نے فون کرکے اطلاع بھی نہیں دی ہوگی۔ مما کو ساری تفصیل نجمہ پھوپھی سے پتا چلی ہوگی۔ اتنا سب کچھ بہت تھا انہیں ان کی بے عزتی کا احساس دلانے کے لیے۔ وہ برداشت نہیں کرسکتی تھیں کہ کوئی انہیں نظرانداز کرے۔ چنانچہ وہ ایسا طرزِ عمل اپناتیں جس سے وہ سب کی توجہ کا مرکز بن جاتیں مگر ایسا کرکے وہ اپنا مقام کھوتی جارہی تھیں۔ نتیجتاً" لوگ انہیں نظرانداز کرنے لگتے اور وہ پھر یہی ردعمل اپنا لیتیں۔ یہ سب کچھ ایک دائرے کی شکل میں رواں دواں تھا اور اتنے سالوں سے چل رہا تھا کہ شاید اب مما خود بھی اس دائرے کو توڑ کر باہر نہیں آسکتی تھیں۔

وہ مما کو ان کے حال پر چھوڑ کر فل والیم میں ٹی وی آن کرکے بیٹھ گئی۔ نیوز میں دھماکے کی تفصیلات دکھائی جارہی تھیں۔ دھماکا کسی اسٹیج پروگرام کے دوران ہوا تھا۔ مرنے والوں کی تعداد سن کر اور زخمیوں کی حالت دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے بے اختیار چینل چینج کردیا۔

بلاشبہ پاپا کی جاب بہت محنت طلب تھی۔ اپنے گھر کی تقریبات اور رونقوں کو چھوڑ کر زخمیوں کو فوری امداد مہیا کرنا اور ان کی تیمارداری کرنا ایک عظیم اور قابلِ توصیف عمل تھا مگر ہر وقت ایسے حالات کا سامنا کرتے کرتے اس تنظیم مقصد سے ملوث لوگ خود ذہنی اور جسمانی طور پر کس قدر تھک جاتے ہوں گے۔ ایسے میں اگر انہیں گھر والوں کا تعاون بھی میسر نہ ہو تو۔ کل رات سے جو تنفر اس کے دل میں پاپا کے خلاف بھرا تھا' وہ خود بخود کم ہونے لگا۔ بے اختیار وہ مما کی طرف دیکھنے لگی جو اب نوکروں پر چلا رہی تھیں۔

✲ ✲ ✲

وہ ایک ایک دن گن کر اگلے اتوار کا انتظار کررہی تھی۔ ایک طرف وہ ان کے ساتھ جانے کے خیال سے خوش ہوتی تو دوسری طرف خدشات اسے گھیر لیتے۔ پتا نہیں انہیں اسے ساتھ لے جانا یاد رہے گا بھی یا نہیں۔ کتنی بار اسے خیال آیا کہ ایک بار فائزہ سے فون پر بات کرلے۔ ویسے بھی صبح جب وہ ان کے گھر سے نکلی تھی تو سب سو رہے تھے۔ پھوپھا کو کہیں باہر جانا تھا' لہٰذا وہ نجمہ پھوپھی کے اٹھانے پر کسی کو بھی جگائے بغیر فوراً" گھر سے نکل گئی تھی تاکہ دوبارہ کرفیو بند ہونے سے پہلے وہ اپنے گھر پہنچ جائے مگر شام کو ہانیہ نے فون ضرور کرلیا تھا۔

فائزہ نماز پڑھ رہی تھی' اس کی بات ثمرین سے ہوئی تھی اور ثمرین کا شاید مزاج ہی ایسا تھا کہ اس نے دو چار جملے بول کر فون بند کردیا' اس لیے بظاہر اس کے پاس دوبارہ فون کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اور بغیر وجہ کے وہ فون کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اتنے سالوں سے ان کے گھرانے سے رسمی سا تعلق چلا آرہا تھا۔ وہ تکلف کی دیوار کو بھلا ایک دم کیسے گرا دیتی۔ دوسرے یہ کہ وہ مما پر ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ انہیں ہانیہ کا پھوپھی کے گھر فون کرنا ہرگز اچھا نہیں لگتا اور ان سے چھپ کر ایسا کوئی قدم اٹھانا آسان نہیں تھا۔

پورا ہفتہ خاموشی سے گزر گیا مگر فائزہ وغیرہ نے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ ہانیہ کی بوریت جب اپنی انتہا کو پہنچ گئی' تب اچانک اس کی کلاس فیلو درخشاں کا فون آگیا۔ ہانیہ اس کی آواز سن کر حیران رہ گئی۔ بھلا اسے ہانیہ کی یاد کیسے آگئی۔ وہ کلاس کی سب سے ماڈرن اور کسی حد تک بے باک لڑکی تھی۔ اس کی دوستی صرف اپنی جیسی چند مخصوص لڑکیوں تک محدود تھی مگر جلد ہی ہانیہ کی حیرت دور ہوگئی۔ اس کے خاندان کے ایک بزرگ کوما میں چلے گئے تھے۔ انہیں صرف مشینوں پر زندہ رکھا جارہا تھا جو کہ بہت مہنگا علاج تھا جس میں علاج کی مدت کا تعین کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی مریض کی

حالت سدھرنے کے امکانات کا کچھ پتا تھا۔ چنانچہ اگر یہ علاج ہانیہ کے پاپا کے اسپتال میں ہو تو وہ اپنی اور اس کی "دوستی" کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں کتنا "ڈسکاؤنٹ" دلا سکتی ہے۔ ہانیہ تلخی سے مسکرا دینے کے باوجود اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔

اس نے پاپا کو ساری صورت حال سے آگاہ کر کے براہ راست درخشاں کے والد سے ملوا دیا۔ اس کا ارادہ ان کی ملاقات کرا دینے کے بعد خود ایک طرف ہو جانے کا تھا مگر درخشاں اچانک اس سے بڑی خوش اخلاقی سے ملنے لگی۔ حالانکہ ہانیہ کو یہی امید تھی کہ درخشاں اپنا مطلب نکل جانے کے بعد دوبارہ رابطہ بھی نہیں کرے گی مگر وہ تو اس کے گھر تک چلی آئی۔ مما کو اس کا آنا برا تو لگا مگر جس دن اس نے مما کو دیکھتے ہی ان کی خوبصورتی کی تعریف کی اور پھر گھر کی سجاوٹ کو بھی سراہا' اس سے مما کی تیوری کے بل کم ہو گئے۔ وہ خلاف عادت انہیں اکیلا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ گویا ہانیہ کو مہمان کو اٹینڈ کرنے کی اجازت دے دی۔

"مجھے یہ تو معلوم تھا کہ تم شہر کے بہت بڑے ڈاکٹر کی بیٹی ہو مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ پورا دارالشفاء ہسپتال اور پورا دارالشفاء میڈیکل کالج بھی تمہارے پاپا کا ہے۔ میں تو سمجھی تھی تمہارے پاپا وہاں پریکٹس کر رہے ہیں۔ مجھے ڈیڈی نے بتایا کہ وہ تو مالک ہیں بلکہ انہوں نے مختلف شہروں میں میڈیکل ریسرچ سینٹر بھی کھول رکھے ہیں۔"

ہانیہ اس کی بات پر چپ چاپ مسکراتی رہی تو یہ تھی اس کی دوستی کی وجہ۔ وہ جو خود کو بہت بڑے مل اونر کی بیٹی سمجھتی تھی اور کلاس میں کسی کو اپنے برابر نہیں گردانتی تھی' یہ جاننے کے بعد ہانیہ کی طرف بڑھی تھی کہ وہ اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے ساتھ معاشی پوزیشن ضرور رکھتی ہے۔ اس قسم کی لڑکیوں کو دوست بنانے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر محض اپنی تنہائی سے گھبرا کر وہ اکثر اس سے فون پر بات کرنے لگی تھی۔ ہانیہ نے اسے فون کرنے سے منع کیا تھا۔

جب مما نہا رہی ہوتیں یا سو رہی ہوتیں' وہ خود ہی فون ملا لیتی۔ درخشاں روز کہیں نہ کہیں چلنے کا پروگرام بناتی اور اسے روز ایک ہی جواب دینا پڑتا۔

"مما پرمیشن نہیں دیں گی۔" جواب میں درخشاں اس کا مذاق بھی اڑاتی اور اسے مما کو ہینڈل کرنے کے "گن" بھی سکھانے لگی۔ ہانیہ پر بھلا ان باتوں کا کیا اثر ہوتا' اسے تو بس اتنا پتا تھا کہ کالج کھلنے میں ابھی ایک مہینہ باقی ہے اور درخشاں کے سہارے یہ ایک مہینہ گزارنا کچھ آسان ہو سکتا ہے لیکن اسے یہ احساس نہیں تھا کہ جو بات روز دہرائی جائے' وہ اپنا اثر دکھانا شروع کر دیتی ہے۔ درخشاں کی سمجھائی باتیں اس کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں محفوظ رہتی تھیں جو اس وقت اس کے لاشعور سے نکل کر شعور میں چلی آئیں۔ جب نجمہ پھوپھی نے پاپا سے بات کرنے کے لیے فون کیا' وہ یہ جاننے کے بعد فون بند کرنے لگیں کہ پاپا گھر پر نہیں ہیں مگر ہانیہ خود ہی ان سے سب کی خیر خیریت پوچھنے لگی اور ان سے باتوں کے دوران ہی اسے احساس ہوا تھا کہ صرف اس کی مما نے قطع تعلق نہیں کیا ہے بلکہ سرد مہری کا مظاہرہ دوسری طرف سے بھی بدستور ہوتا رہا پھر بھی اپنے طور پر وہ ان کے گھرانے سے اچھے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کی وجہ صرف اور صرف ان کی نئی نسل تھی۔ اگر اس کے اپنے بہن بھائی ہوتے تو شاید وہ ان کی طرف اتنا نہ کھنچتی مگر جو تنہائی اس نے اپنے گھر میں جھیلی تھی' اس کے بعد فطری طور پر اسے ان کے گھر کا ماحول بہت پرکشش لگا تھا۔

نجمہ پھوپھی نے اس کے کہنے پر فائزہ کو بلا دیا۔ اس کا ارادہ فائزہ سے لمبی چوڑی گفتگو کرنے کا تھا مگر سلام دعا کے بعد وہ تو جیسے بولنے کے قابل ہی نہیں رہی کیونکہ دوسری طرف فائزہ سانس لیے بغیر کہہ رہی تھی۔

"یار کمال کی نازک مزاج ہو تم' ایک ذرا سا بخار کیا آگیا' تم فون پر بھی بات کرنے کے قابل نہیں رہیں۔ میں نے تمہیں فون کیا تو ممانی نے کہا۔ تمہاری

طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اس لیے تم فن لینڈ نہیں جا سکتیں۔ چلو یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے مگر ایسا بھی کیا بخار کہ تم ایک بار میری بات بھی نہیں سن سکتیں۔ ہم نے تنویر بھائی اور صائم بھائی سے ایک ساتھ ٹریٹ لی تھی۔ دوسرے تایا کے بچوں نے اپنے ماموں زاد اور خالہ زاد بہن بھائیوں کو بھی بلا لیا تھا۔ اب اتنے سارے لوگوں کا پروگرام ایک تمہاری وجہ سے تو کینسل نہیں کر سکتے تھے۔ بخار ہی آیا تھا' کوئی مر تو نہیں رہی تھیں۔ سویٹر وغیرہ پہن کر آجاتیں' صرف ایک بنچ پر بیٹھی رہتیں' جھولے وغیرہ پر نہیں جھولتیں۔ ہم تمہیں جلدی گھر چھوڑ دیتے مگر تم اتنی ڈپو ہو کہ بستر سے نہیں نکل سکیں۔ سچ اتنا مزا آیا تھا۔ تم نہیں جانتیں' تم نے کیا مس کر دیا۔" فائزہ ایک تواتر سے بول رہی تھی۔ جس لمحے کا وہ اس قدر انتظار کر رہی تھی' وہ لمحہ آیا اور گزر بھی گیا اور اسے خبر تک نہیں ہوئی۔ وہ جانتی تھی مما نے ایسا کیوں کیا۔ مما کا وہ طعنہ وہ ابھی تک بھولی نہیں تھی۔

"ایک رات تم اپنی پھوپھیوں کے پاس رہ کر آئی ہو اور تمہارے بات کرنے کا انداز ہی بدل گیا۔" اس کے ذہن میں خود بخود درخشاں کی کہی باتیں گھومنے لگیں۔

"تمہاری مما کو کیا پرابلم ہے تمہارے کہیں آنے جانے سے۔ ایسا تو لوئر کلاس گھرانوں میں ہوتا ہے' اس لیے تم اپر کلاس فیملی کی لگتی ہی نہیں کیونکہ تمہاری پرورش تمہاری مما نے سو سال پرانے انداز میں کی ہے۔

تمہاری شاپنگ مما کیوں کرتی ہیں۔ تم اپنی پسند سے چیزیں خریدا کرو۔ تم بچی تھوڑی ہو۔ تمہیں کھل کر اپنی مما سے بات کرنی چاہیے۔ مجھے تو وہ ذہنی طور پر بیمار لگتی ہیں۔ انہیں خود دنیا سے کٹ کر رہنے کا شوق ہے تو ٹھیک ہے' بیٹھی رہیں گھر میں لیکن تمہیں کیوں قید کر رکھا ہے۔" ہانیہ کے لیے فائزہ سے بات کرنا مشکل ہو گیا تو اس نے بہانہ بنا کر جلدی سے فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

اسے بچپن سے ہی ضدیں کر کے اپنی بات منوانے کا فن نہیں آتا تھا' اسی لیے مما اس پر جو بھی پابندی لگاتیں' وہ اسے چپ چاپ ماننے پر مجبور ہو جاتی۔ فطرت اس کی اب بھی یہی تھی' اسی لیے اس نے مما سے فائزہ کے فون کے متعلق استفسار نہیں کیا لیکن اس کے سوچنے کے انداز میں تبدیلی ضرور آگئی تھی۔ پہلے ان کے منع کرنے پر وہ اس کام سے رک جاتی تھی لیکن اب بار بار یہ خیال اس کے اندر سر اٹھانے لگا تھا کہ اگر وہ اجازت نہیں دے رہیں تو یہ کام ان سے چھپ کر کر لینا چاہیے۔ اس کی مثال درخشاں تھی جسے پہلی بار فون پر یہ بتاتے ہوئے اسے بہت عجیب لگا تھا کہ اسے فون پر کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن یہ سب درخشاں کے علم میں لانا سخت ضروری تھا تاکہ وہ اس کی مجبوری سمجھے اور اسے خود فون نہ کرے۔ درخشاں نے اس کی مجبوری تو سمجھ لی لیکن ساتھ ہی اس کے ہاتھ ایک موضوع لگ گیا۔ وہ اس کے ماں باپ پر بڑے جارحانہ انداز میں نکتہ چینی کرتی۔ ہانیہ کو کچھ باتیں اگر ناگوار گزرتیں' تب بھی وہ اس بات سے سو فیصد متفق تھی کہ وہ اس کے وجود کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ تین سال کی بچی کی طرح پیش آتے ہیں۔ اس کے معمولی سے معمولی فیصلے بھی اس کی مما کرتی ہیں تاکہ وہ خود مختار نہ ہو جائے۔

ان سارے انکشافات کے بعد جہاں اس کے دل میں ان کے لیے احترام کم ہوا تھا' وہیں خود مختاری کے اس حق کو چرا لینے کی شدید خواہش بھی اس کے اندر مچلنے لگی تھی۔ درخشاں نے اسے اپنے گھر پارٹی میں انوائٹ کرنے کے ساتھ بڑے یقین سے کہا تھا۔

"اب تم کہو گی کہ مما اجازت نہیں دیں گی' اس لیے میں نہیں آسکتی۔"

"مما تو واقعی اجازت نہیں دیں گی لیکن میں ان سے کوئی بہانہ کر کے آجاؤں گی۔"

بڑی روانی سے یہ جملہ اس کے منہ سے پھسلا تھا جس پر درخشاں نے اسے خوب سراہا تھا۔ اس کے منہ سے توصیفی جملے سن کر ہانیہ کے اندر اچھا خاصا اعتماد آگیا تھا۔ ویسے بھی اس کے دل میں مما کی طرف سے اتنا تنفر بھرا ہوا تھا کہ وہ زندگی میں پہلی بار ان کے سامنے جھوٹ بولتے وقت ذرا بھی نہیں ہچکچائی تھی۔

حالانکہ درخشاں کی اس پارٹی میں بظاہر اس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اس نے زیادہ تر اپنی کزنز بلائی تھیں اور کلاس کی جو لڑکیاں مدعو تھیں' ان سے ہانیہ کی زیادہ دوستی نہیں تھی کیونکہ وہ ہانیہ کے مزاج کی نہیں تھیں لیکن درخشاں کون سا اس کے مزاج کی تھی۔ اسے تو صرف گھر کی تنہائیوں سے فرار چاہیے تھا جس کے لیے اس نے مما سے لائبریری جانے کا بہانہ بنایا تھا جس پر انہوں نے فوراً" یقین کرتے ہوئے اسے اجازت دے دی تھی۔ ان کے اتنی آسانی سے مان جانے پر اسے تھوڑا افسوس ضرور ہوا مگر وہ جلد ہی اس شرمندگی سے باہر آگئی۔ یہ سوچ کر کہ وہ کسی غلط جگہ پر نہیں جارہی' اپنی دوست کے گھر جارہی ہے' جہاں دوسری بھی کئی لڑکیاں مدعو ہیں پھر بھی اگر اسے جھوٹ بولنا پڑا تو اس کی ذمہ دار خود اس کی مما کی بے جا پابندیاں ہیں۔

درخشاں کے گھر پہنچ کر اس کی یہ سوچ مزید گہری ہوگئی' جہاں درخشاں کی ماما اس کی تمام سہیلیوں سے بالکل دوستوں کی طرح ملی تھیں۔ ہانیہ سے مل کر انہوں نے خاص طور پر اس کا شکریہ ادا کیا تھا کہ اس کے بابا کی وجہ سے ان کے سسر کے بھائی کے علاج پر کافی پیسہ بچ گیا۔ حالانکہ ان کے گھر کی سجاوٹ ان کے بے جا اصراف کا منہ بولتا ثبوت تھی مگر پر تعیش اشیا کی خریداری پر رقم خرچ کرنا تو ایک فخر تھا' وہی رقم اگر کسی بیمار پر خرچ کرنی پڑ جائے تو انسان مہنگائی کا رونا رونے لگتا ہے۔ تب یہ اخراجات کھلنے لگتے ہیں۔ خاص طور پر اگر وہ مریض کوئی بوڑھا رشتے دار ہو۔

"میں سوچ رہی تھی کہ تمہاری والدہ سے ملنے جاؤں گی مگر فرصت ہی نہیں مل رہی۔" درخشاں کی مام بولیں۔

"مام! اگر آپ کی ملاقات ہانیہ کی ممی سے ہو تو پلیز انہیں یہ مت بتائیے گا کہ ہانیہ ہمارے گھر آئی تھی۔" درخشاں کے ایک دم کہنے پر ہانیہ چونک اٹھی۔

"کیوں۔" اس کی مام بھی حیران ہوگئیں۔

"کیونکہ ہانیہ نے بتایا نہیں ہے کہ وہ میرے گھر پارٹی میں آئی ہے' ورنہ وہ اسے ہرگز اجازت نہیں دیتیں۔ ہانیہ نے ان سے کہا ہے کہ وہ امتحانوں کے زمانے میں لائبریری سے ایک کتاب لائی تھی جسے وہ واپس کرنا بھول گئی۔ اب لائبریرین کے فون کرنے پر وہ میرے ساتھ کالج جارہی ہے وہ کتاب واپس کرنے۔"

ہانیہ کو امید نہیں تھی درخشاں اس کے جھوٹ کے بارے میں اتنے اطمینان سے سب کے سامنے بتادے گی۔ وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔ کیا سوچ رہی ہوں گی درخشاں کی مام اس کے بارے میں اور واقعی ان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ وہ ہانیہ کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔ شاید وہ کچھ کہہ بھی دیتیں مگر درخشاں کی ایک کزن کی آمد پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"کیا ضرورت تھی تمہیں آنٹی کو یہ سب بتانے کی۔" ہانیہ نے موقع ملتے ہی درخشاں کو ٹوکا۔

"کمال کرتی ہو تم' وہ تمہاری مما کو بتادیتیں تو۔" درخشاں اسی پر بگڑ گئی۔

"لیکن اس طرح میری پوزیشن کتنی آکورڈ ہوگئی۔ وہ کیا سوچ رہی ہوں گی' میں کس قسم کی لڑکی ہوں۔ گھر میں لائبریری کا بہانہ کرکے باہر پارٹی منا رہی ہوں۔" ہانیہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھاتے ہوئے بے چینی سے بولی۔

"اس میں سوچنا کیا ہے' یہ تو سچ ہے اور میں اپنی مام سے کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔" درخشاں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد سے لہجے میں کہا۔ ہانیہ ٹھٹک گئی تھی اس کے انداز پر۔ درخشاں کو بھی شاید کچھ خیال آگیا تھا' تب ہی وہ ایک دم ہنس کر بولی۔

"فارگیٹ اٹ یار! میری مام ایسی نہیں ہیں۔ تم پریشان مت ہو' چیئر اپ۔" درخشاں نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ ہانیہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔ البتہ تھوڑی دیر بعد وہ سب کچھ بھول گئی۔ درخشاں کی کزنز کے ساتھ پتا ہی نہ چلا کہ ایک گھنٹا کہاں گزر گیا۔ اس کا ارادہ ایک گھنٹے میں ہی گھر چلے جانے کا تھا' اسی لیے جب وہ جانے کے لیے کھڑی ہونے لگی تو ان سب کا باہر جانے کا پروگرام بن گیا۔ پہلے تو ہانیہ نے انکار کردیا مگر فن لینڈ کا نام سن کر وہ تذبذب کا شکار ہوگئی۔ درخشاں اس کی پریشانی دیکھ کر کہنے لگی۔

"تم سوچ رہی ہوگی ہماری وجہ سے تمہیں دیر ہوجائے گی۔ حالانکہ فن لینڈ تمہارے گھر سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ ہمیں اگر ٹائم لگے تو تم اکیلی چلی جانا۔" ہانیہ اس سنہری موقع کو ویسے بھی مس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ درخشاں کی بات سن کر گویا اس کی ساری الجھنیں دور ہوگئیں۔ درخشاں کی کزن روزی کی اچھی خاصی رش ڈرائیونگ کے باوجود وہ لوگ پون گھنٹے بعد فن لینڈ پہنچے۔

شام ہوجانے کے باعث وہاں اچھی خاصی رونق تھی۔ موسم تو صبح سے ہی خوش گوار تھا۔ چنانچہ دھوپ کی شدت کم ہوجانے پر ہوا میں خنکی کا احساس بھی بڑھ گیا تھا۔ زیادہ تر لوگ کئی کئی خاندانوں کے ساتھ مل کر گروپس کی صورت میں آئے ہوئے تھے۔ گھانس پر چٹائی بچھائے کھانے پینے کا سامان درمیان میں رکھے لوگ ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک طرف الیکٹرانک رائیڈز کی دھواں دھار آوازیں تھیں تو دوسری طرف دوڑتے بھاگتے بچوں کی کھلکھلاہٹیں۔

ہانیہ جیسے کسی اور ہی دنیا میں آگئی تھی۔ اس کے لیے سب بالکل انوکھا تجربہ تھا۔ بلاشبہ وہ پہلی بار کسی تفریحی مقام پر آئی تھی۔ ایک طرف اگر اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا تو دوسری طرف وہ جھجک بھی بہت رہی تھی۔ درخشاں وغیرہ تقریباً" ہر اسٹال پر رک کر کوئی نہ کوئی گیم کھیلنا شروع کردیتیں جب کہ ہانیہ دور کھڑی انہیں دیکھتی رہتی' اس کے پاس پیسے نہیں تھے جو وہ بندوق سے غبارہ پھوڑ کر ٹیڈی بیئر جیتنے کی کوشش کرتی۔ اس کے گیٹ کا ٹکٹ بھی درخشاں نے لیا تھا اور اسے وہ بھی اچھا نہیں لگا تھا اور پھر ایسے اسٹالز کے آس پاس لڑکوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ ہانیہ کو اس بھیڑ میں گھس کر کوئی کھیل کھیلنا مناسب بھی نہیں لگ رہا تھا بلکہ گزرتے وقت کا احساس کرتے ہوئے وہ تو گھر جانے کا سوچنے لگی تھی۔

درخشاں نے کہا تھا اس کا گھر یہاں سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے مگر ہانیہ کو یہاں آکر پورا علاقہ غیر مانوس لگ رہا تھا' وہ درخشاں کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی تاکہ اس سے اپنے گھر کا پتا پوچھ سکے۔ تھوڑی دیر بعد درخشاں تمام لڑکیوں کے ساتھ ہاتھ میں ایک بڑا سا ٹیڈی بیئر جھلاتی چلی آئی۔ وہ ایسے کھیل کھیلتی رہتی تھی۔ اس کا نشانہ بہت اچھا تھا۔ درخشاں اٹھلا اٹھلا کر اسے اپنا کارنامہ سنانے لگی۔ وہ سب اتنا شوخ ہو رہی تھیں کہ آس پاس گزرتے لوگ انہیں رک کر دیکھنے لگے تھے' تب ہی ایک من چلے نے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک گھٹیا سا فقرہ ان کی طرف اچھالا۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ آس پاس گزرتے لوگوں نے باآسانی سن لی ہوگی۔ ہانیہ کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔ ابھی وہ اس خفت سے باہر بھی نہیں نکلی تھی کہ ایک دوسرے خیال نے اسے مزید ہراساں کردیا۔ درخشاں جیسی بولڈ لڑکی سے اس بات کی توقع ذرا کم ہی تھی کہ وہ اس جملے کو چپ چاپ پی جائے گی۔ وہ اس لڑکے کی پلٹ کر خبر ضرور لے گی۔

ہانیہ تماشا بننے کے خیال سے بے اختیار درخشاں کی طرف دیکھنے لگی مگر اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ہانیہ کو اچھا خاصا دھچکا لگا تھا جس نے ایک نظر اس لڑکے پر ڈال کر نہایت تفاخر سے اپنی دوستوں کو دیکھا تھا جن کے چہرے پر بھی ناگواری کا کوئی تاثر نہیں تھی۔ کسی نے مسکراتے ہوئے اپنے بال جھٹکے تھے تو کسی نے سرشاری کے اظہار کے طور پر اپنا کندھے پر لٹکا بیگ ٹھیک کیا تھا۔ غرض یہ کہ ہر ایک کے انداز

سے صاف ظاہر تھا کہ خود پر کی گئی محنت اور خرچ سب وصول ہو گیا۔

ہانیہ کی نظریں بے اختیار ان سب کے حلیے میں الجھ گئیں۔ سر سے پیر تک وہ ہتھیاروں سے لیس دعوت نظارہ کا مکمل اشتہار بنی ہوئی تھیں۔ زیادہ تر تو مغربی لباس میں ملبوس تھیں لیکن ٹائٹ جینز اور ٹی شرٹ میں وہ بلاشبہ مشرقی لباس میں ملبوس روزی وغیرہ سے زیادہ باوقار لگ رہی تھیں جن کی شلوار اتنی ٹائٹ تھی کہ نہ اسے شلوار کہا جا سکتا تھا نہ پائجامہ۔ قمیص تو جیسے جسم پر رکھ کر سی دی گئی تھی اور اتنی اونچی سی تھی کہ ٹی شرٹ اس کے سامنے لمبی لگ رہی تھی۔ وائل کا کپڑا جتنا باریک تھا، سو تھا۔ لائٹ پنک اور لیمن جیسے رنگوں نے ہر کسر کو پورا کر دیا تھا۔

عورت نے اپنا احترام تو خود گنوایا ہے، سڑکوں اور بازاروں میں ایسے حلیے میں پھرنا صنف مخالف کو اکسانا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ خود نمائی کا یہ شوق کسی ذہنی بے راہ روی سے کم نہیں اور اس پر کسی غیر آدمی کے اچھالے فقرے کو خراج تحسین کے طور پر قبول کرنا سطحی ذہنیت نہیں تو اور کیا ہے۔

اور ان کے ساتھ اپنی موجودگی نے اسے عجیب سے تاسف میں گھیر لیا تھا۔ بھلے ہی اس کا حلیہ ان سب سے یکسر مختلف تھا مگر وہ یہاں ان سب کی دوست کی حیثیت سے کھڑی تھی اور وہ خود کون سا پردے کے مکمل احکام کی پابند تھی۔ درخشاں کے گھر وہ پارٹی اٹینڈ کرنے کے ارادے سے آئی تھی، لہٰذا وہ اسی حساب سے تیار ہوئی تھی۔ قدرتی طور پر حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ہلکے سے میک اپ اور نازک سی جیولری میں وہ اتنی پرکشش تو لگ ہی رہی تھی کہ انسان ایک بار رک کر اسے دیکھنے پر مجبور ہو جائے۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" وہ اپنی سوچوں سے گھبرا کر ایک دم بول پڑی۔ خود احتسابی کا عمل واقعی آسان نہیں ہوتا۔

"ابھی سے جانا چاہتی ہو؟ ابھی تو تم نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔"

"میں گھر سے ایک گھنٹے کا کہہ کر نکلی تھی اور اب دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔" ہانیہ نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"لیکن تم گھر کیسے جاؤ گی، تمہیں راستہ پتا ہے کیا۔" درخشاں نے ٹیڈی بیئر کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو ہانیہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میں تمہیں گاڑی میں چھوڑ دوں گی۔ پیدل جانے میں تمہیں بہت ٹائم لگے گا۔ اپنی مما سے کہہ دینا اتنے دنوں بعد لائبریری گئی تھی۔ کچھ دوسری کتابیں ایشو کرانے میں دیر ہو گئی۔"

"اور کیا اب تم روز روز تو یہاں آؤ گی نہیں۔ اتنا مہنگا ٹکٹ لیا ہے۔ ایک بار پورا پارک دیکھ تو لو۔" ہانیہ سمجھ نہ سکی کہ درخشاں ایسے ہی کہہ رہی ہے یا اسے جتا رہی ہے۔

"اصل میں ہم لوگ گیمز کھیل رہے ہیں نا، اس لیے وہ بور ہو رہی ہے۔ ایسا کرتے ہیں کسی جھولے پر چلتے ہیں تاکہ وہ بھی تھوڑا انجوائے کر سکے۔"

اس کی کلاس فیلو ماریہ بولی تو سب ہانیہ کے انکار پر دھیان دیے بغیر فوراً تیار ہو گئے۔ سب کی متفقہ رائے پر وہ بھی ان کے ساتھ مجبوراً رولر کوسٹر پر بیٹھنے چل پڑی۔ حالانکہ اس کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کہ رولر کوسٹر کیا بلا ہے۔ البتہ اسے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ وہ اکیلی گھر نہیں جا سکتی اور ایک اس کی وجہ سے کوئی جلدی چلنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ ایک طرح سے وہ پھنس گئی تھی ان کے ساتھ آ کر۔ مما کے غصے کے بارے میں سوچ سوچ کر اس پر گھبراہٹ سوار ہونے لگی تھی وہیں رولر کوسٹر کو دیکھ کر جیسے اس کی جان ہی نکل گئی۔ وہ ایک ٹرین نما جھولا تھا مگر اس ٹرین کے ڈبے نہیں تھے، صرف دو دو سیٹوں کو جوڑ کر ایک قطار بنا دی گئی تھی اور سب سے بڑھ کر اس کی پٹری زمین پر نہیں تھی بلکہ دس فٹ کی بلندی سے شروع ہو کر چالیس فٹ کی بلندی تک چلی گئی تھی۔ ہانیہ کے تو اوسان خطا ہو گئے تھے مگر درخشاں اس کی حالت سے بے خبر اس کا ہاتھ پکڑے اسے گھسیٹتی ہوئی قطار میں جا کھڑی ہوئی جب کہ روزی ماریہ وغیرہ ٹکٹ خریدنے

چلی گئیں۔ اس طرف بھیڑ اتنی زیادہ تھی کہ اگر کسی کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے بھی چھوٹ جاتا تو اسے ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا اور اس لیے ہانیہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔

"درخشاں میری بات تو سنو، میں اس جھولے میں نہیں بیٹھ سکتی۔" ہانیہ آس پاس اٹھتے شور کی وجہ سے چیخ کر بولی تب بھی درخشاں کو بمشکل سنائی دیا۔

"ارے بڑا مزا آئے گا، میں ایسے جھولوں میں بہت بار بیٹھی ہوں مگر یہ ان سب سے بڑا ہے۔ اچھا ہوا ہم پہلے آ گئے، دیکھو کتنی لمبی لائن ہے۔ جب تک یہ جھولا رکے گا اور ہمارا نمبر آئے گا، روزی وغیرہ ٹکٹ لے کر آ بھی جائیں گی۔" درخشاں کی نظریں رولر کوسٹر پر جمی ہوئی تھیں جو آندھی طوفان کی رفتار سے پٹری پر دوڑ رہا تھا۔

"درخشاں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، میں نہیں بیٹھ سکتی۔" ہانیہ کو دحشت ہو رہی تھی۔ اس کے آگے پیچھے لوگ کھڑے تھے اور دونوں اطراف گرل لگی ہوئی تھی۔ گویا فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

"میں نے تمہارے ٹکٹ کے پیسے ماریہ کو دے دیے ہیں۔ اب پلیز زیادہ نخرے مت دکھاؤ۔" درخشاں اتنی تلخی سے بولی کہ ہانیہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ ایک تو وہ آنا نہیں چاہ رہی تھی، درخشاں زبردستی اسے گھسیٹ لائی اور اوپر سے پیسے خرچ کرنے کا احسان الگ۔

ہانیہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ کسی بھی طرح درخشاں کے پیسے اسے لوٹا دے گی، البتہ اس کے بعد وہ کچھ بولی نہیں۔ جھولا رکا اور لوگ اتر کے دوسرے دروازے سے باہر نکلنے لگے۔ جب تمام لوگ باہر نکل گئے۔ تب نئے آنے والوں کے لیے دوسرا گیٹ کھول دیا، وہ دونوں بھی بڑھتی قطار کے ساتھ مجبوراً اندر چلی آئیں۔

"ٹکٹ" گیٹ پر کھڑے آدمی نے مخصوص کاروباری انداز میں کہا۔

"وہ میری دوست لا رہی ہے۔" درخشاں بولی۔

"تو پھر تم بھی دوست کے ساتھ آنا۔ ایک طرف کھڑی ہو جاؤ۔" عجیب جاہلوں کا سا لہجہ تھا، وہ دونوں ایک طرف کو ہٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کے پیچھے کھڑے لوگ ٹکٹ دے کر سیٹوں پر جا کر بیٹھنے لگے۔

"وہ کب آئیں گی، اتنی دیر میں تو ساری جگہ بھر جائے گی۔" درخشاں غصے اور جھنجلاہٹ سے پاؤں پٹخ کر بولی۔

"کاش ایسا ہو جائے۔" ہانیہ دل ہی دل میں بڑبڑائی مگر ایسا ہوا نہیں۔ سامنے ہی ماریہ گرل کے پاس آتی دکھائی دی۔

"کتنا ٹائم لگا دیا، اب پتا نہیں وہ تم سب کو اندر آنے دے گا بھی یا نہیں۔ دیکھو کتنی لمبی لائن ہے۔" درخشاں اسے دیکھتے ہی برس پڑی مگر وہ اس کے غصے کی پروا کیے بغیر گرل میں سے ٹکٹ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"ہم بیٹھ بھی نہیں رہے۔ صرف تم دونوں کا ٹکٹ لیا ہے۔"

"کیوں، کیا ہوا؟" درخشاں ٹکٹ لیتے ہوئے بولی۔

"یار! وہ روزی کو ڈر لگ رہا تھا تو بس ایک ایک کر کے سب کی ہمت جواب دے گئی۔ ہم اب تک جتنے بھی رولر کوسٹر میں بیٹھے ہیں، ان میں سے کوئی بھی اتنا بڑا نہیں تھا اور وہ دیکھو۔ وہاں تو پٹری پوری الٹی گھوم گئی ہے نہ بابا مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔" ماریہ جلدی جلدی کہہ کر واپس پلٹ گئی۔

"آ گیا ٹکٹ، چلو جلدی کرو۔" اس آدمی نے درخشاں کے ہاتھ سے ٹکٹ تقریباً چھینتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں مشینی انداز میں سیڑھیاں چڑھ کر ٹرین کے پاس آ گئیں۔ ہانیہ کا بھاگ جانے کا دل چاہ رہا تھا مگر وہ محض درخشاں کے طعنے سے بچنے کے لیے دل کڑا کر کے اس سے بھی پہلے اندرونی سیٹ پر جا بیٹھی۔

"روزی کبھی کسی جھولے پر بیٹھنے سے نہیں ڈرتی، پہلی بار ایسا ہوا ہے۔" درخشاں نے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے کانپتی آواز میں کہا۔ ہانیہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر خوف پھیلا دیکھ کر ہانیہ دھک سے رہ گئی۔ درخشاں اتنی عادی ہونے کے باوجود

اتنی ہراساں تھی جبکہ اسے تو کسی جھولے میں بیٹھنے کا کوئی تجربہ ہی نہیں تھا۔

جھولا بس چلنے ہی والا تھا‘ وہ آدمی اوپر آکر سب کی سیٹ بیلٹ چیک کرنے لگا۔ اس کے ساتھ دو لڑکے بھی تھے۔ وہ شاید بیٹھنے کے لیے جگہ ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ وہ آدمی ان پر چلا رہا تھا۔

”بولا نا جگہ نہیں ہے۔ جاؤ اگلی باری کا انتظار کرو۔“

”میں.... میں نہیں بیٹھ سکتی۔“ درخشاں بڑبڑائی اور ہانیہ کے کچھ بھی کہنے سے پہلے کھڑی ہو کر جھولے سے اتر گئی۔ اسے اترتا دیکھ کر کچھ لمحوں کے لیے ہانیہ کے ذہن نے کام کرنا بند کردیا اور جب تک اسے یہ خیال آیا کہ اسے بھی اتر جانا چاہیے‘ ایک لڑکا اس کے برابر والی سیٹ پر آبیٹھا۔

”مجھ... مجھے باہر جانا ہے۔“ ہانیہ نے گھبرا کر کہا مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ وہ دوسری سیٹوں پر بیٹھے اپنے دوستوں کو چلا کر بتانے لگا کہ اسے بیٹھنے کی جگہ مل گئی ہے۔

”ایکسکیوز می! مجھے اترنا ہے۔ آپ پلیز راستہ چھوڑ دیں۔“ ہانیہ کہنے کے ساتھ ہی کھڑی ہونے لگی۔ ان کی سیٹ بیلٹ کسی ہوائی جہاز کی سیٹ بیلٹ جیسی نہیں تھی بلکہ سیٹ کی بیک پر ایک لوہے کی ہوی کی شکل میں راڈ سی لگی تھی جسے اس آدمی نے نیچے کرکے ان کے کندھوں پر ٹکا دیا تھا۔ ہانیہ نے اٹھنے کے لیے جب اس راڈ کو اٹھانا چاہا تو وہ اپنی جگہ سے ہل تک نہیں۔ حالانکہ درخشاں اسے اوپر اٹھا کر آرام سے کھڑی ہو گئی تھی۔ گویا اس کی سیٹ بیلٹ کنٹرول روم سے لاک ہو گئی تھی۔ یعنی جھولا بس کسی بھی لمحے چلنے والا تھا۔ ہانیہ کی جیسے جان ہی نکل گئی۔

”کیا آپ کو سنائی نہیں دے رہا‘ میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔ مجھے اترنا ہے۔ آپ پلیز یہ جھولا رکوا دیں۔“ ہانیہ تقریباً چلا کر بولی۔ تب اس لڑکے نے حیران ہو کر ایسے ہانیہ کی طرف دیکھا جیسے اس کی بات اب سنی ہو۔

”اگر اترنا تھا تو بیٹھی کیوں تھیں۔ اگر یہ خیال آپ کو مجھے دیکھنے کے بعد آیا ہے تو میں آپ کو بتا دوں کہ ساری سیٹیں بھری ہوئی تھیں‘ اس لیے مجھے یہاں بیٹھنا پڑا۔ آپ کو شاید یہ لگ رہا ہو گا کہ میں آپ کی وجہ سے یہاں بیٹھ گیا ہوں۔ حالانکہ میں نے تو آپ کو اب دیکھا ہے۔“ وہ شاید کوئی بہت باتونی تھا جو ہانیہ کو بولنے کا موقع دیے بغیر خود شروع ہو گیا تھا۔ ہانیہ ویسے بھی بولنے کے قابل نہیں رہی تھی کیونکہ جھولا رینگنا شروع ہو گیا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑتا دیکھ کر وہ خود ہی نتائج اخذ کرکے اسے سمجھانے والے انداز میں کہنے لگا۔

”دیکھیں مس‘ اس جھولے کو اب روکا نہیں جاسکتا‘ اس لیے بہتر ہو گا کہ آپ اپنے ٹکٹ کے پیسوں کو برباد نہ کریں اور اس رائیڈ کو پوری طرح انجوائے کریں۔ میری طرف سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ بے شک بہت حسین ہوں گی مگر آپ کا حسن کوئی ایسا بھی ہوش ربا نہیں کہ میں بھرے مجمع میں حواس کھو بیٹھوں۔“

”یہ آپ کیا بکواس کر رہے ہیں۔“ ہانیہ کو اچھا خاصا غصہ آگیا تھا۔ اس لڑکے کی بات پر۔

”میں بکواس نہیں کر رہا بلکہ آپ کو تسلی دے رہا ہوں۔ دیکھیں نا‘ اگر میں یہ کہوں کہ میں بہت شریف انسان ہوں تو یہ ایک بے کار سی بات ہو گی۔ جب آپ مجھے جانتی ہی نہیں تو بھلا میری کہی بات کی کیا گارنٹی ہو سکتی ہے‘ اس لیے میں ایک لاجک کے ساتھ بات کر رہا ہوں کہ کوئی شخص اگر شریف نہ بھی ہو تو بھی بھرے مجمع میں شرافت دکھانے پر مجبور ضرور ہوتا ہے اور ہماری سوسائٹی کی ذہنیت کچھ ایسی ہے کہ اگر کوئی لڑکی شور مچادے تو لوگ بغیر کچھ پوچھے‘ بغیر کچھ سوچے اس لڑکے کی پٹائی کرنا شروع کر دیتے ہیں جو اس لڑکی کے سب سے قریب کھڑا ہو اور میں اس بات کا چشم دید گواہ ہوں۔

ایک دن بس اسٹاپ پر ایک لڑکی نے بچاؤ بچاؤ چلانا شروع کیا اور لوگوں نے پاس کھڑے لڑکے کو بری طرح

مارنا شروع کردیا۔ کسی کو آفس میں باس نے ڈانٹا تھا تو کسی کا بیوی سے جھگڑا ہوا تھا‘ کسی کے سر پر گرمی کا اثر ہو گیا تھا اور کسی پر ویسے ہی ہیرو بننے کا بھوت سوار تھا۔ غرض یہ کہ سب نے مل کر اس لڑکے کی اچھی طرح درگت بنادی‘ تب پتا چلا کہ وہ لڑکا اس کا بھائی تھا اور اس لڑکی نے اپنے بھائی کے پاس ایک ربڑ کا سانپ پڑا دیکھ کر لوگوں کو بھائی کی مدد کرنے کے لیے پکارا تھا۔“

وہ لڑکا پتا نہیں کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ ہانیہ میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ اسے ڈانٹ کر چپ کرادیتی۔ وہ تو سختی سے آنکھیں بھینچے بیٹھی تھی۔ ہواؤں کے تھپیڑوں سے اسے نہ صرف جھولے کی تیز رفتاری کا علم ہو گیا تھا بلکہ زوردار جھٹکوں سے اسے پٹڑی کے ہر موڑ کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا۔ اس کا دل دھڑکنا بند ہو گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا‘ وہ ابھی سیٹ سے نکل کر زمین پر جا گرے گی۔ ڈر کے مارے اس کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی جب کہ لوگ بے تحاشا چیخ رہے تھے جن میں بس چند ہی خوف سے بھری بے ساختہ چیخیں تھیں۔ باقی ساری آوازیں خوشی کے اظہار کے طور پر لگائی جا رہی تھیں۔ ہانیہ کا دماغ جب اچھا خاصا ماؤف ہو گیا‘ تب جھولے کی رفتار کم ہوتے ہوتے بالکل تھم گئی۔

ہانیہ نے کب کا دبا سانس باہر چھوڑتے ہوئے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور تمام اعضا کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ خاص طور پر کندھوں پر رکھی راڈ کو چھوڑتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ راڈ پر اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ انگلیاں دکھنے لگی تھیں۔ تب انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے اس نے اپنے برابر میں بیٹھے لڑکے کو دیکھا جو اگلی نشستوں پر بیٹھے اپنے دوستوں سے چلا کر کچھ کہہ رہا تھا۔

”کیا ہوا‘ آپ اتر کیوں نہیں رہے۔“ ہانیہ نے ناگواری سے پوچھا تو وہ جو اپنے دوست سے کچھ کہہ رہا تھا‘ ایک بار پھر حیرانی سے ہانیہ کو دیکھنے لگا۔

”کیونکہ یہاں سے اترا نہیں جاسکتا‘ صرف کودا جاسکتا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ کنٹرول روم سے سیٹ بیلٹ کا لاک کھول دیا جائے۔“ اس کے چبا کر کہنے پر ہانیہ نے چونک کر اپنے اردگرد دیکھا۔ ان کا جھولا کوئی تیس بتیس فٹ کی اونچائی پر کہیں راستے میں ہی رک گیا تھا۔ وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ جھولے میں کوئی خرابی ہو گئی ہے مگر لوگوں کی پریشانی میں ڈوبی آوازیں اسے اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

”لگتا ہے لائٹ چلی گئی ہے۔“ کوئی اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔

”ہاں‘ دیکھو سارے جھولوں کی لائٹس آف ہو گئی ہے۔ لگتا ہے سب ہی جھولے بند ہو گئے ہیں۔“

”تو کیا یہاں کی انتظامیہ کے پاس جنریٹر نہیں ہیں کہ وہ جھولا آن کرکے ہمیں نیچے اتار لیں؟“

”ہوں گے تو ضرور مگر اتنے نہیں ہوں گے کہ سارے جھولے ایک ساتھ آن ہو سکیں۔ وہ ایک ایک کرکے ہی سب کو اتاریں گے۔“

”اس میں تو بہت ٹائم لگ جائے گا۔ مغرب کا وقت ہو گیا ہے۔“ کسی عورت کی گھبرائی ہوئی آواز پر ہانیہ کا بھی دل بند ہونے لگا‘ تب ہی ایک اور آواز آئی۔

”وہ دیکھو سب لوگ باہر جا رہے ہیں۔“ ہانیہ نے بھی ادھر ادھر دیکھا مگر اس کی جگہ سے گیٹ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے اپنے برابر میں بیٹھے لڑکے کی طرف دیکھا مگر وہ اپنے موبائل پر بات کر رہا تھا۔ ہانیہ بے چینی سے ہاتھ پر بندھی گھڑی دیکھنے لگی۔ پونے تین گھنٹے ہو گئے تھے اسے گھر سے نکلے ہوئے۔ مما کا تو غصے اور پریشانی سے برا حال ہو گیا ہو گا۔ مما کا خیال آتے ہی اس کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا کہ تب ہی وہ لڑکا موبائل بند کرکے اعلان کرنے والے انداز میں بولا۔

”میں نے ابھی نیچے کھڑے اپنے ایک دوست سے بات کی ہے‘ وہ کہہ رہا ہے۔ یہاں کے مین الیکٹرک روم میں ایک آدمی کی شاک لگنے سے موت ہو گئی ہے‘ اس لیے سارے فن لینڈ کی بجلی بند کردی ہے۔ اب شاید پولیس کے آنے کے بعد ہی کچھ ہو گا۔“ اس کی بات سن کر سب ہی پریشان ہو کر کچھ نہ کچھ کہنے

لگے تھے۔

"اویس! کیا طلحہ سے بات ہوئی ہے تمہاری۔" اس لڑکے کی آگے والی نشست پر بیٹھا اس کا دوست پکار کر پوچھنے لگا تو وہ لڑکا بے زاری سے بولا۔

"ہاں' میں نے طلحہ سے کہہ دیا۔ تم لوگ اپنی گاڑی میں چلے جاؤ' ہمیں تو شاید دو تین گھنٹے لگیں گے۔"

"دو تین گھنٹے۔" ہانیہ بے ساختہ چلانے والے انداز میں بولی۔

"مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے' ورنہ جب وہ آدمی مر ہی گیا ہے تو بجلی آن کرکے ہمیں اتار لیں۔ ہم نے تو قتل نہیں کیا نا اس شخص کو پھر ہمیں کیوں پولیس کے آنے تک الیکٹرک چیئر پر بٹھا رکھا ہے۔" وہ لڑکا جس کا نام غالباً "اویس" تھا گہرا سانس کھینچ کر بولا۔

"کیا مطلب۔" ہانیہ پریشانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب یہ کہ وہ ہمیں دو تین گھنٹوں تک ایسے ہی یہاں بٹھائے رکھیں گے تاکہ ہم لوگ اچھی طرح پریشان ہو جائیں اور جب پولیس اور پریس والے پہنچیں تو ہم ان کے سامنے خوب جلے بھنے بیان دیں۔ اخباروں میں بڑی بڑی سرخیاں لگیں۔ میڈیا اس واقعہ کو اتنا اچھالے کہ اگر حکومت اس جگہ کو بند نہ بھی کرے' تب بھی کم از کم لوگ ڈر کر خود ہی یہاں آنا چھوڑ دیں۔ یہ سب فن لینڈ کو بدنام کرنے کی سازش ہے اور بس۔ ورنہ میں ایسی کتنی جگہوں پر جاچکا ہوں۔ کتنی بار ایسی رائیڈز میں بیٹھ چکا ہوں' آج تک کوئی جھولا اس طرح بیچ میں بند نہیں ہوا۔ اس پارک کے بننے سے پہلے سے کئی جھگڑے چل رہے تھے اور ان کے جھگڑے میں ہم خواہ مخواہ گھن کی طرح پس گئے۔"

اویس لاپروائی سے بولتے ہوئے اپنی جیکٹ کی جیب سے چیونگم نکال کر کھانے لگا۔ اخلاقی مظاہرے کے لیے اس نے ایک چیونگم ہانیہ کی طرف بھی بڑھائی مگر اس کے حواس باختہ چہرے کو دیکھ کر واپس جیب میں رکھ لی۔ ہانیہ واقعی اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ وہ تو پہلی بار کسی جھولے پر بیٹھی تھی بلکہ پہلی بار وہ کسی تفریحی مقام پر آئی تھی' وہ بھی گھر میں جھوٹ بول کر اور وہ جھوٹ بھی اس نے گھر میں پہلی بار ہی بولا تھا اور جس کے اکسانے پر بولا تھا' وہ اسے یہاں بٹھا کر خود نیچے اتر گئی تھی۔ اگر وہ یہاں نہیں بیٹھی ہوتی تو کم از کم گھر تو جاسکتی تھی۔ ہانیہ سوچتے سوچتے ایک دم چونک اٹھی۔

"اگر درخشاں وغیرہ اس کا انتظار کیے بغیر یہاں سے چلی گئیں تو وہ گھر کیسے پہنچے گی اور وہ تو درخشاں کے ساتھ اپنے گھر سے نکلی تھی۔ اگر ممانے درخشاں کے گھر فون کرلیا تو؟" ایک کے بعد ایک سوال اس کی پریشانی میں اضافہ کررہا تھا' وہ سخت اضطرابی انداز میں اپنے ہاتھ ملنے لگی۔

"کیا آپ کو نیچے پارک میں چار لڑکیاں کھڑی نظر آرہی ہیں۔" اپنا سوال اسے خود بھی بہت احمقانہ لگا تھا مگر کیا کرتی کہ اس کی سیٹ ہی ایسے زاویے پر تھی کہ وہ پارک کے اندر کا حصہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ صرف باہر کا روڈ اور ٹریفک ہی دکھائی دے رہا تھا۔

"پارک تو تقریباً" خالی ہوگیا ہے۔" اویس آنکھوں کو ذرا چندھیا کر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا کیونکہ شام کے سائے کافی گہرے ہوگئے تھے اور پارک کی تمام لائٹس آف تھیں۔

"اگر آپ کی فیملی کے پاس موبائل ہے تو آپ ان سے بات کرلیں۔ کون کون آیا ہے آپ کے ساتھ۔" اویس نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو اپنی دوستوں کے ساتھ آئی ہوں۔ فیملی تو گھر پر۔" ہانیہ نے تذبذب کے عالم میں موبائل تھام لیا۔ اسے اس طرح فون کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر بات کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ درخشاں کا موبائل نمبر ملانے لگی۔ درخشاں اس کی آواز سن کر چھوٹتے ہی بولی۔

"ہانیہ! پتا نہیں کیا پرابلم ہوگئی ہے۔ کوئی آدمی مرگیا ہے۔ پولیس کو بلایا گیا ہے۔ ہم سب تو وہاں سے فوراً" باہر نکل گئیں۔ ہم گاڑی میں ہیں اور...."

"درخشاں! تم گھر جارہی ہو' مجھے چھوڑ کر۔" ہانیہ اس کی بات کاٹتے ہوئے چلائی۔

"تو کیا کریں' رات ہونے والی ہے۔ ہمارے گھر بھی دور ہیں۔ تمہارا گھر تو پندرہ منٹ کے راستے پر ہے۔ تم پیدل بھی جاسکتی ہو۔ پتا نہیں تمہیں کتنا ٹائم لگے گا۔ اب ایک تمہاری وجہ سے سب لیٹ ہوجائیں گے۔" درخشاں اتنی بے نیازی سے بول رہی تھی کہ ہانیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"دیکھو' میں تمہارا اتنا فیور کرسکتی ہوں کہ اگر تمہاری مما کا فون آئے تو ان سے کہہ دوں گی کہ تمہیں لائبریری میں ایک دوست مل گئی تھی جس نے تمہیں گھر چھوڑنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی بلکہ ایسا کرو تم جس کے موبائل سے فون کررہی ہو' اسی کے موبائل سے ایک فون اپنی مما کو کرلو اور کہہ دو کہ تم انیلا کے گھر چلی گئی ہو۔ ہم دونوں ایک ہی نام لیں گے تو انہیں شک نہیں ہوگا۔ تم کہنا انیلا کا گھر قریب تھا' تم وہاں چلی گئیں اور گھر جاکر تمہیں پتا چلا کہ اس کے فادر گھر پر نہیں ہیں۔ جب وہ آئیں گے تو تمہیں چھوڑ دیں گے۔ اوکے' ڈونٹ وری۔ بائے۔"

درخشاں نے جلدی جلدی کہہ کر فون بند کردیا۔ ہانیہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر ہزار ضبط کے باوجود اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ درخشاں کی بے حسی پر اسے دکھ تو ہوا تھا مگر یہ وقت سوگ منانے کا نہیں تھا۔ اسے واقعی مما کو فون کرکے بتادینا چاہیے تھا مگر اس کی ہمت نہیں ہورہی تھی مما سے بات کرنے کی۔ وہ تو کچھ سننے سے پہلے ہی ڈانٹنا شروع کردیں گی اور انیلا کا نام لینے پر تو وہ انیلا کا ایڈریس جاننے پر بضد ہوجائیں گی تاکہ ڈرائیور کو بھیج کر اسے بلوالیں مگر اب وہ کوئی اور جھوٹ بھی نہیں بول سکتی تھی کیونکہ اگر ممانے درخشاں کے گھر فون کیا تو وہ تو یہی کہنے والی تھی' ان دونوں کا جھوٹ ایک ہی ہونا چاہیے تھا۔ اس نے ایک بار پھر درخشاں سے بات کرنی چاہی مگر درخشاں نے فون کاٹ دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ تب ہی ایک رومال اس کے سامنے نمودار ہوا۔ ہانیہ نے چونک کر اویس کو دیکھا جس کی موجودگی کو فراموش کیے وہ بے آواز آنسو بہارہی تھی۔ حالانکہ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ گردن دوسری جانب موڑے اس نے رومال ہانیہ کے آگے کردیا تھا پھر بھی ہانیہ کو سخت شرمندگی ہوئی تھی۔ وہ اس کے رومال کو نظرانداز کرکے جلدی جلدی دوپٹے سے آنکھیں خشک کرکے بولی۔

"میں ایک اور کال کرلوں۔" اس کے خاموشی سے سر اثبات میں ہلادینے پر وہ اپنی تمام ہمتیں مجتمع کرکے پاپا کا موبائل نمبر ملانے لگی۔ اس وقت مما سے بات کرنے سے زیادہ آسان تھا کہ وہ پاپا سے بات کرلے' وہ اپنے ذہن میں جملے ترتیب دینے لگی اور اس کام میں اتنی مگن ہوگئی کہ اس نے دھیان ہی نہیں دیا کہ اس کے نمبر ملانے پر اسکرین پر ڈاکٹر احتشام کا نام لکھا آگیا تھا۔ گویا ڈاکٹر احتشام کا نمبر اس موبائل میں پہلے سے فیڈ تھا۔

ڈاکٹر احتشام اس وقت دوسرے ڈاکٹرز کے ساتھ میٹنگ میں مصروف تھے۔ ایک ایمرجنسی کیس پر ڈسکشن کرنے کے لیے انہوں نے ہی یہ میٹنگ بلوائی تھی کہ اچانک ان کا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر اپنے اسٹوڈنٹ اویس کا نام دیکھ کر وہ موبائل آف کرنے والے تھے کہ کچھ سوچ کر رک گئے۔ اویس صرف ان کے میڈیکل کالج کا اسٹوڈنٹ ہی نہیں تھا بلکہ ان کے میڈیکل ریسرچ سینٹر میں کئی پروجیکٹس میں ان کا اسسٹنٹ بھی تھا۔ شاید اس نے اسی لیے فون کیا ہو' یہی سوچ کر انہوں نے موبائل کان سے لگالیا مگر دوسری طرف ہانیہ کی آواز سن کر وہ چونک اٹھے۔

"ہیلو پاپا!" ہانیہ نے بمشکل آواز کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"ہانیہ تم.... خیریت تو ہے نا' تم کہاں سے بول رہی ہو۔" ڈاکٹر احتشام کا ارادہ اویس سے لمبی گفتگو کا نہیں تھا مگر اب ہانیہ کی آواز سن کر وہ دوسرے ڈاکٹرز سے اشارتاً" ایکسکیوز کرتے کمرے سے نکل آئے۔

"جی پاپا.... سب خیریت ہے۔ دراصل میں

درخشاں کے ساتھ لائبریری گئی تھی۔وہاں۔۔۔ مجھے اپنی ایک دوست مل گئی تو میں اس کے ساتھ اس کے گھر آگئی ہوں۔" زندگی میں پہلی بار وہ ایسی صورت حال سے دوچار ہوئی تھی۔پاپا سے جھوٹ بولنا اسے بہت عجیب لگ رہا تھا۔اوپر سے بہانہ بھی ایسا بودا سا تھا کہ اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔اس پر جو کسر رہ گئی تھی' وہ اویس نے پوری کردی تھی۔وہ جو اب تک منہ دوسری طرف کیے بے نیازی سے چیونگم چبانے میں مصروف تھا۔اپنا شغل چھوڑ کر سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔

"کون سی دوست کے گھر؟" ڈاکٹر احتشام نے اگر اویس کا نمبر نہ بھی دیکھا ہوتا تب بھی وہ یہی سوال پوچھتے۔آخر اپنی بیوی کو وہ ہانیہ سے زیادہ جانتے تھے۔

"وہ۔۔۔ انیلا ہے نا۔۔۔ اس کے گھر آئی ہوں۔پاپا وہ کہہ رہی تھی' مجھے ڈراپ کردے گی مگر اس کے فادر ابھی آفس سے نہیں آئے۔میں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں آجاؤں گی۔آپ۔۔۔ آپ مما کو فون کرکے بتادیں۔وہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں کہوں گی تو وہ ناراض ہوجائیں گی اور آپ۔۔۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا۔" ہانیہ کے لیے بات کرنا مشکل ہوگیا تھا۔پتا نہیں وہ کون سی لڑکیاں ہوتی ہیں جو گھر والوں سے فراٹے کے ساتھ جھوٹ بول لیتی ہیں۔ہانیہ کی تو آواز حلق میں پھنس گئی تھی۔اوپر سے اویس کی نظریں خود پر جمی محسوس کرکے اس کا سر خود بخود جھکتا چلا گیا۔

"جب آپ اپنی مما کے مزاج کو جانتی ہیں تو آپ کو کیا ضرورت تھی' اپنی دوست کے گھر جانے کی۔" ڈاکٹر احتشام کا گمبھیر انداز اسے مزید ہراساں کرنے لگا۔

"پاپا۔۔۔ انیلا بہت اصرار کررہی تھی۔"

"ٹھیک ہے' آپ اپنی دوست کا ایڈریس بتائیں۔میں آپ کو پک کرلیتا ہوں۔" ہانیہ ایک دم چونک اٹھی۔پاپا کے پاس اتنا وقت کہاں سے آگیا کہ وہ اسے پک کرنے آئیں۔یہ خطرہ تو اسے مما کی طرف سے لاحق تھا اور اس پیش رفت سے بچنے کے لیے اس نے پاپا کو فون کیا تھا۔

"آپ اپنی دوست کو فون دیں' وہ مجھے ایڈریس سمجھا دے گی۔آپ کو ویسے بھی راستوں کا علم نہیں ہے۔" پاپا کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جو ہانیہ کو الجھا رہا تھا۔

"پاپا! اگر میں تھوڑی دیر انیلا کے گھر رک جاؤں تو پلیز۔" بہت مشکل سے اس نے اپنے لہجے میں آنسوؤں کی نمی کو گھلنے سے روکا۔اس کوشش میں اس کا لہجہ اچھا خاصا التجائیہ ہوگیا تھا۔

کافی طویل خاموشی کے بعد ڈاکٹر احتشام نے سرد لہجے میں "ٹھیک ہے" کہہ کر فون بند کردیا

ہانیہ نے سر سیٹ کی بیک سے لگا کر آنکھیں بند کرکے ایسے سانس باہر خارج کیا جیسے اگر ایک لمحے کی بھی دیر ہوئی تو اس کا دم گھٹ جائے گا۔حالانکہ اصل امتحان تو گھر پر شروع ہونا تھا' جب اسے مما کے سامنے کھڑے ہوکر انہیں تفصیل بتانی پڑے گی پھر بھی فون بند کرکے اسے وقتی طور پر اطمینان ہوا تھا۔

"اتنا پرسکون ہونے کی ضرورت نہیں۔اگر آپ کے پاپا کے پاس آدھے انچ کے برابر بھی دماغ ہے تو وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ آپ ان سے جھوٹ بول رہی تھیں۔" اویس کی آواز پر وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی جو دوبارہ چیونگم چباتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ہانیہ نے جلدی جلدی اس کے موبائل سے پاپا اور درخشاں کا نمبر ڈیلیٹ کیا اور موبائل اس کی طرف بڑھا دیا جسے تھامتے ہوئے وہ واپس اسے دیکھنے لگا۔

"آپ کو پتا ہے آپ کی آواز کتنی لڑکھڑا رہی تھی۔کیا ضرورت تھی اتنا جھوٹ بولنے کی۔نہ جانے یہاں کتنا ٹائم لگ جائے اور نیچے اترنے کے بعد اگر پولیس وغیرہ کے جھمیلے میں پڑنا پڑا تو؟ آپ اپنی دوستوں کے ساتھ پارک آئی تھیں' کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈسکو میں نہیں گئی تھیں۔آپ کو سچ بتادینا چاہیے تھا' وہ تھوڑا غصہ ہی کرتے نا' کوئی جان سے تو نہیں مار دیتے۔اب اگر کل کو یہ جھوٹ کھل گیا تو وہ یہ بھی نہیں مانیں گے کہ آپ اپنی دوستوں کے ساتھ گئی

تھیں۔جو بات چھپاؤ' وہ کبھی نہ کبھی ضرور منظر عام پر آتی ہے۔ایک بار اگر ان کا بھروسہ اٹھ گیا تو آپ سچ بھی بولیں گی تو وہ اسے جھوٹ ہی سمجھیں گے۔" وہ کہتا چلا گیا۔ہانیہ دل ہی دل میں شرمندہ ہونے کے باوجود جرح کرتے ہوئے بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔آپ کو معلوم تھا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں' اس لیے آپ کو لگ رہا ہے کہ وہ سمجھ گئے ہوں گے' ورنہ سچ تو یہ ہے کہ انہیں شک بھی نہیں ہوا ہوگا۔میں نے آج تک کبھی ان سے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی کبھی بہانے بنا کر گھر سے غائب رہی ہوں۔" وہ غیر ارادی طور پر اسے صفائی دینے لگی یا شاید اس کی باتوں سے گھبرا کر خود کو تسلی دے رہی تھی۔

"وہ تو آپ کی شکل سے ہی پتا چل رہا ہے۔" وہ ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالتے ہوئے لاپروائی سے بولا پھر کچھ سوچتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"آپ نے اپنے پاپا کو موبائل پر فون کیا تھا یا ان کے آفس میں۔"

"موبائل پر' کیوں۔"

"پھر تو ان کے پاس میرا نمبر آگیا ہوگا' اگر انہوں نے چیک کرنے کے لیے کال بیک کیا تو؟" ہانیہ کچھ دیر تو پریشانی سے اسے دیکھتی رہی پھر التجائیہ انداز میں کہنے لگی۔

"اگر آپ کو کسی انجان نمبر سے فون آئے تو آپ پلیز کہہ دیجیے گا کہ یہ آپ کی بہن کا موبائل ہے۔"

"بہن کا نام بھی بتادو۔" اس نے گہرا سانس کھینچا۔

"انیلا۔" ہانیہ کے کہنے پر وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

ہانیہ اس کے رویے پر شرمندہ ہونے کی بجائے جلد سے جلد گھر پہنچ جانے کی دعائیں مانگنے لگی۔زندگی میں پہلی بار اس نے اللہ کو اتنی عاجزی سے پکارا تھا اور یہ شاید اس کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ توقع کے برعکس انہیں صرف ایک گھنٹے میں جھولے سے نیچے اتار لیا گیا۔یہ اور بات تھی کہ یہ ایک گھنٹا بھی ہانیہ کو ایک صدی سے کم نہ لگا تھا۔اتنی دیر تک بغیر ہلے جلے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے اس کے پاؤں سن ہوگئے تھے' اس لیے جھولے سے اترتے وقت اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا جارہا تھا جب کہ لوگ اسی صورت حال سے دوچار ہونے کے باوجود بھاگنے کے انداز میں پلیٹ فارم پر اتر رہے تھے۔

"یار! جلدی سے نکل چلتے ہیں' اس سے پہلے کہ پریس یا پولیس بیان لینے چلے آئیں۔" اویس کے دونوں دوست جو آگے والی سیٹوں پر بیٹھے تھے' اترتے ہی اس کے نزدیک چلے آئے۔ان کی نظریں ایک دوسرے جھولے پر جمی تھیں جو سامنے ہونے کے باوجود ان سے کافی فاصلے پر تھا۔ان کی نظروں کے تعاقب میں اویس کے ساتھ ہانیہ نے بھی پلٹ کر اس جھولے کی طرف دیکھا' جہاں پولیس کے ساتھ لوگ بھی کافی تعداد میں کھڑے تھے۔ہاتھ میں کیمرا اور قلم پکڑے وہ صحافی ہی لگ رہے تھے۔دراصل وہ جھولا کافی خطرناک انداز میں رک گیا تھا۔لہٰذا اس جھولے میں سے اترنے والوں کو سر درد اور متلی جیسی شکایتیں ہوگئی تھیں۔

"ہمیں چل کر انہیں چیک کرنا چاہیے۔" اویس انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"انتظامیہ نے ایمبولنس بلوائی ہیں۔تم کیوں نیم

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 5 خوبصورت ناول

زندگی اِک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	150/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	150/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361

حکیم خطرہ جان بننا چاہتے ہو۔" اس کا ایک دوست چڑے ہوئے انداز میں بولا۔ اویس نے اپنے دوست کو کیا جواب دیا' ہانیہ سن نہ سکی۔ وہ ایمبولنس کا ذکر سن کر مزید ہراساں ہو گئی تھی۔ حالانکہ ضروری نہیں کہ وہ عملہ اس کے پاپا کے اسپتال سے ہی آیا ہو اور ہو بھی' تب بھی ہانیہ کو اسپتال کا عملہ جانتا بھی نہیں تھا پھر بھی وہ جلد سے جلد کسی کی نظروں میں آئے بغیر یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

"آپ گھر کیسے جائیں گی؟" اویس نے اسے آگے بڑھتا دیکھ کر پوچھا۔

"آں۔۔ میرا گھر پاس میں ہے' میں واک کر کے چلی جاؤں گی۔" ہانیہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"آس پاس کا علاقہ تو بہت سنسان ہے۔ آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کو ڈراپ کر سکتا ہوں۔"

ہانیہ نے پہلی بار چونک کر اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔ شکل صورت تو اس کی کافی اچھی تھی اور حلیے سے وہ خاصی امیر فیملی کا لگ رہا تھا۔ اس کے جدید فیشن کے مہنگے کپڑے اور کلائی میں پڑے جا بجا بینڈز اس کے لاابالی نوجوان ہونے کی بھرپور عکاسی کر رہے تھے۔ اس پر اس کا چیونگم چباتا انداز۔ ہانیہ دل ہی دل میں خوفزدہ ہونے کے باوجود بظاہر خود اعتمادی سے "میں چلی جاؤں گی" کہتی آگے بڑھ گئی۔

تیز تیز چلتی وہ جیسے ہی گیٹ سے باہر نکلی' دور تک پھیلے سناٹے کو دیکھ کر چکرا کر رہ گئی۔ وہ گیٹ پر رک بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ گیٹ کے پاس پولیس کی گاڑیاں اور ایمبولنس کھڑی تھیں مگر گیٹ سے دور ہٹتے ہی اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ وہ شام میں جب درخشاں وغیرہ کے ساتھ آئی تھی' تب آس پاس کا سبزہ آنکھوں کو بڑا بھلا لگ رہا تھا مگر اب سڑک کے دونوں اطراف لگے درختوں کی قطار ایک ہیبت ناک منظر پیش کر رہی تھی۔ اسے درخشاں پر بے تحاشا غصہ آنے لگا جو نہ صرف نہایت خود غرضی کا مظاہرہ کرتی اسے یہاں چھوڑ گئی تھی بلکہ مسلسل اسے یہ باور کراتی رہی تھی کہ اس کا گھر یہاں سے بہت قریب ہے۔ حالانکہ یہاں تو ایسے کوئی آثار ہی نہیں تھے جس سے آس پاس مکانوں کے کسی ایریا کے ہونے کا ثبوت ملے۔ وہ بس رو دینے والی تھی' جب ایک بلیک گاڑی اس کے بالکل پاس آ رکی۔

"بیٹھو' میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اویس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس سے پوچھا نہیں تھا بلکہ ایک طرح سے حکم دیا تھا۔ اس کے دونوں دوست پیچھے بیٹھے تھے۔ گویا وہ اسی ارادے سے چلے تھے کہ راستے میں وہ جہاں نظر آئے گی' اسے بٹھا لیں گے۔

ہانیہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا' اسے خاموش دیکھ کر اویس پوچھنے لگا۔

"کتنی دور ہے آپ کا گھر۔" یہ اندازہ تو اسے خود بھی نہیں تھا اور یہی سوچ کر اس نے اپنے گھر کے نزدیک بنے ایک نرسری اسکول "لٹل فلاورز" کا نام بتا دیا کہ وہ لوگ شاید اس کے گھر کا پتا بتانے میں کچھ مدد کر سکیں مگر ان کا انداز تو اور بھی حوصلہ شکن تھا۔ اس کا ایک دوست شدید حیرت کے ساتھ بولا۔

"اتنی دور ہے آپ کا گھر اور آپ کہہ رہی ہیں' آپ واک کرتی چلی جائیں گی۔"

"کم سے کم پون گھنٹا لگے گا۔" دوسرے دوست نے اپنی بوریت جتانے کے لیے خوامخواہ جمائی لی۔ ہانیہ پریشانی سے گھڑی دیکھنے لگی۔

"آپ کا گھر میرے راستے میں ہی پڑے گا۔ بیٹھ جائیں۔" اویس اب کی بار کافی نرم لہجے میں بولا۔ وہ پلکیں جھپکا کر آنکھوں میں آئی نمی پینے کی کوشش کرتی کار میں بیٹھ گئی۔ اس کے دروازہ بند کرتے ہی اویس نے کار چلا دی اور کار کے چلتے ہی ہانیہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ اس کے دوست اس کی موجودگی کو خاطر میں لائے بغیر باتوں میں مگن ہو گئے جس میں زیادہ تر فن لینڈ کا ہی ذکر تھا۔ البتہ اویس خاموشی سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا اور کافی اسپیڈ سے کار چلا رہا تھا۔ دس منٹ میں ہی وہ اپنے جانے پہچانے علاقے میں داخل ہو گئی۔ یہاں سے وہ پیدل گھر جا سکتی تھی' اس لیے اس نے اسکول کے پاس ہی

گاڑی موڑ لینے کو کہہ دیا۔ وہ انہیں اپنا گھر دکھانا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی مما کے دیکھ لینے کا خطرہ مول لے سکتی تھی۔

"آپ کا گھر کون سا ہے۔" پیچھے بیٹھا لڑکا تعجب سے بولا کیونکہ جہاں وہ گاڑی روکنے کو کہہ رہی تھی' وہاں دو بڑے بڑے اسکولز اور ایک عدد مسجد کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

"اندر گلی میں ہے' وہاں میں چلی جاؤں گی۔"

"بڑی مہربانی ہے آپ کی' ورنہ گاڑی گلی میں موڑنے پر ہمارا نہ جانے کتنا پیٹرول خرچ ہو جاتا۔" اویس کا دوسرا دوست ـــــ جتانے والے انداز میں بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو جاوید' ایسا کیا پیٹرول خرچ ہو جائے گا۔ اویس! گھر پر ہی گاڑی روکنا' یہاں تو بہت سناٹا ہے۔" اویس کو اسپیڈ کم کرتا دیکھ کر وہ دوست اسے دوبارہ ٹوکنے لگا۔

"اویس! گلی میں لے لو نا گاڑی' ایسی کیا پرابلم ہے۔"

"فہد! وہ اپنا گھر دکھانا نہیں چاہ رہی لیکن یہ اتنی سی بات بھی اگر تمہارے بھیجے میں گھس جائے تو ہم حیرت سے مر نہ جائیں۔" اویس کے چبا کر کہنے پر ہانیہ ایک دم بول پڑی۔

"نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں بلکہ میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔"

"آپ چاہیں تو ایک کپ چائے پلا دیں شکریہ کے طور پر۔" فہد یا تو واقعی بہت بے وقوف تھا یا بے وقوف ہونے کا ڈرامہ کر رہا تھا جب کہ اویس تڑخ کر بولا۔

"ساری بکواس کر لی تم نے یا اب بھی کچھ باقی ہے تو وہ بھی کہہ دو۔ کہیں بعد میں دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔"

"یار! تم کیوں ایک لڑکی کے سامنے میرا کچرا کر رہے ہو' کچھ تو عزت رہنے دو۔ وہ خود ہی کہہ رہی تھیں کہ سمجھ میں نہیں آ رہا' شکریہ کیسے ادا کروں۔ میں تو مشورہ دے رہا تھا۔" فہد منمنایا۔

"ہزار بار کہا ہے کہ اگر شکل بے وقوفوں جیسی ہے تو کم از کم باتیں تو بے وقوفوں جیسی مت کیا کرو یا اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو چپ چاپ بیٹھے رہا کرو۔ شاید دیکھنے والوں کو یہ غلط فہمی ہو جائے کہ کوئی سمجھ دار آدمی بیٹھا ہے لیکن تم ہر جگہ بربڑ کر کے اپنی حقیقت کھولنے پر بضد رہتے ہو۔" اویس کو پتا نہیں اتنا غصہ کیوں آ رہا تھا۔ ہانیہ تو ویسے بھی شرمندہ تھی۔ ان کی گفتگو سن کر تو جیسے وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی پھر بھی اویس کے گاڑی روکنے پر وہ اٹک اٹک کر کہنے لگی۔

"مجھ۔۔ مجھے افسوس ہے' میں چائے کے لیے آپ کو اندر نہیں بلا سکتی لیکن میں واقعی آپ کی بہت مشکور ہوں اور آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"میرا احسان اگر آپ بھول بھی جائیں تو کوئی بات نہیں لیکن میرا ایک مشورہ ضرور یاد رکھیے گا۔ آج کے اس تجربے سے یہ مت سمجھ لینا کہ دنیا اچھے لوگوں سے بھری ہے۔ آئندہ کبھی اجنبیوں سے لفٹ مت لینا۔" اویس کے سنجیدگی سے کہنے پر وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔ تب ہی پیچھے سے جاوید کی سپاٹ آواز ابھری۔

"اور ایسی گاڑی میں تو ہرگز مت بیٹھنا جس میں اتنے سارے لڑکے ہوں۔" دروازے کے ہینڈل پر ہانیہ کی گرفت تکلیف دہ حد تک سخت ہو گئی تھی۔ بہا

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے'
بال لمبے اور گھنے کرتا ہے'
ملنے کا پتہ: ۳۷، اردو بازار، کراچی.

نہیں وہ اسے کس قسم کی لڑکی سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اس گاڑی میں کس دل کے ساتھ بیٹھی تھی' یہ وہی جانتی تھی۔ بڑی دقت سے اس نے اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر دروازہ کھولا۔ شاید اس کی حالت سے اویس کو جاوید کے الفاظوں کی سختی کا احساس ہو گیا تھا' تب ہی وہ جاوید پر ایک تنبیہی نظر ڈالتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"برا مت ماننا' ہم آپ کے بھلے کے لیے ہی کہہ رہے ہیں۔ اب میرے جیسے ہیرو تو بار بار نہیں ملتے نا۔" اپنی بات کہہ کر وہ خود ہی مسکرا دیا۔ ہانیہ کوئی جواب دیے بغیر گاڑی سے اتر گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہی تھی تو مما کا سامنا کرنے کے خیال سے اس کا دل بند ہوا جا رہا تھا مگر اس وقت اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا جب نوکر نے مما کے گھر پر نہ ہونے کی اطلاع دی۔ وہ ہانیہ کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی گھر سے چلی گئی تھیں۔ مما کے چچا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ انہیں پاپا کے ہی ہاسپٹل لے گئے تھے۔ ان کی حالت ابھی بھی سنبھلی نہیں تھی۔ مما سارے خاندان کے ساتھ وہاں اتنی پریشان تھیں کہ انہیں ہانیہ کو فون کرنے کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ البتہ ڈاکٹر احتشام نے دو بار فون کیا تھا اور نوکر سے کہہ دیا تھا کہ اس کے آتے ہی انہیں فون کرا دے۔

ہانیہ کے کئی گھنٹوں سے تنے اعصاب ایک دم ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی پاپا نے فون پر اسے یہ سب بتایا کیوں نہیں۔ بہرحال اس نے انہیں فون کر کے اپنے گھر پہنچنے کی اطلاع دے دی۔ ان کا انداز بہت عجیب تھا مگر ہانیہ کے لیے اتنا کافی تھا کہ انہوں نے اویس کے موبائل پر فون کر کے چیک نہیں کیا تھا اور اگر کیا بھی تھا' کم از کم اس پر ظاہر نہیں کیا اور وہ "لاعلمی ہزار نعمت ہے" سوچ کر مطمئن ہو گئی تھی۔

پاپا سے بات کر کے اس نے فون رکھا ہی تھا کہ روزی کا فون آ گیا۔ ہانیہ کا دل چاہا کہ وہ اسے کھری کھری سنا دے مگر روزی سے اس کی کوئی دوستی نہیں تھی' وہ صرف درخشاں کی کزن تھی۔ اس کے باوجود اس کا رویہ درخشاں سے ہزار گنا بہتر تھا۔ وہ شرمندگی بھرے انداز میں معذرت کر رہی تھی۔ حالانکہ یہ کام درخشاں کو کرنا چاہیے تھا۔

"میں اتنی فکرمند تھی تمہاری طرف سے' پتا نہیں تم گھر پہنچی یا نہیں۔ میں نے درخشاں سے کہا بھی کہ تھوڑی دیر تمہارا انتظار کرنا چاہیے مگر درخشاں بہت خودغرض لڑکی ہے' وہ صرف اس سے دوستی کرتی ہے جس سے اسے کوئی فائدہ پہنچے۔ تمہاری دولت دیکھ کر اسے لگا کہ وہ تمہارے خرچے پر اپنے شوق پورے کر لے گی مگر جب اسے تم سے کسی قسم کے مالی فائدے کی توقع نہیں رہی تو اس کی تم سے دلچسپی بھی ختم ہو گئی۔ تمہیں نہیں پتا' وہ کتنی حقارت سے تمہیں امیر باپ کی کنگلی بیٹی کہہ رہی تھی۔" ہانیہ کو روزی کی باتیں سن کر کوفت ہونے لگی۔

وہ جانتی تھی' روزی سچ کہہ رہی تھی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ سب وہ ہانیہ کی آنکھیں کھولنے کے لیے نہیں کہہ رہی بلکہ محض وقت گزاری کے لیے بتا رہی ہے۔ کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائیاں کرنا' کسی کا مذاق اڑانا یا کسی کو ذلیل کرنا عموماً لوگوں کے پسندیدہ موضوعات ہوتے ہیں جن پر وہ گھنٹوں بول سکتے ہیں۔ ایسے اخلاقی لحاظ سے کمزور لوگوں سے وہ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی' دوستی کا نہ دشمنی کا۔ اس نے بات مختصر کر کے جلدی فون بند کر دیا۔

مما پاپا رات کو بہت دیر سے گھر آئے تھے۔ چچا کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ مما کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں اس کے دیر سے آنے اور فون کرنے کے متعلق کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ البتہ پاپا کا رویہ اسے کچھ اکھڑا اکھڑا لگا مگر اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ اس کے لیے یہ ہی بہت تھا کہ جس بات کو وہ بہت بڑا مسئلہ سمجھ رہی تھی' وہ اتنی آسانی سے حل ہو گیا تھا۔

(دوسرا اور آخری حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

18

اٹھارہویں قسط

ناولٹ

شگفتہ بھٹی

فاصلے اور چاہتیں

وہ سو کر اٹھی تو بے حد سرشار تھی۔ بے حد ہلکی پھلکی اور پر سکون۔۔۔ ایسے لگ رہا تھا وہ رات ہی پوری نیند سوئی ہو۔۔۔ اس سے پہلے تو جیسے ہر صبح کچی نیند سے ہی بے دار ہوتی رہی ہو اور جو ایک تھکن اور کچاپن سا پھر سارا دن بدن کی ہڈی ہڈی میں بسا رہتا ہے کسلمندی اور بے زاری سی الگ چھائی رہتی تھی لگتا تھا وہ ساری کیفیت آج کی سحر ٹوٹ گئی ہو اس نے اپنے ساتھ لیٹے ہوئے حماد کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اس کے ماتھے پہ بکھرے بالوں کو پیار سے سنوارا اور اٹھ کر کھڑکی پر سے پردے ہٹا دیے پہلے سوچا کہ کھڑکی کے پٹ بھی کھول دے مگر پھر حماد کی طرف دیکھ کر اس نے یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ اس وقت یقیناً" باہر بہت ٹھنڈ تھی اور کھڑکی کھولنے سے وہ سردی اندر بھی چلی آتی۔

اس نے وہاں کھڑے ہو کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور لمبا سانس اپنے سینے میں بھر کے اسے آہستہ آہستہ یوں خارج کر دیا کہ اس کے ساتھ ہی اندر کی ساری فکریں اور پریشانی بھی خارج ہو گئی۔۔۔ وہ دوبارہ آ کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔۔۔ اور بے خبر سوتے حماد کو ہولے ہولے چھونے لگی اس کے لبوں پر بڑی مدھر سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور آنکھوں میں جگنو ٹمٹما رہے تھے۔

پچھلے کچھ دنوں سے حماد کی صحت پہلے کی طرح ہو رہی تھی۔۔۔ ورنہ تو وہ اپنی بیماری اور معذوری کے باعث ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی اللہ نے اس کے محبوب کو مردانہ وجاہت اور خوب صورتی سے خوب نوازا تھا وہ لیٹا ہوا ہرگز بھی ایسا معذور نہ لگ رہا تھا جو اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو سکتا ہو اس سے وہ ایک مکمل اور نارمل مرد دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی بھوری بھوری سیاہ مونچھوں تلے اس کے بھرے بھرے لب ایک نرم سی مسکان سے سجے ہوئے بے حد بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ لب جنہوں نے بے ساختہ شدتوں سے اسے ہزاروں بار پکارا تھا۔ جو اس کا نام لیتے ہی کھل جایا کرتے تھے۔

اسے آج شدت سے یاد آ رہا تھا جب حماد کے واپس امریکہ آنے میں دو روز رہ گئے تھے تو وہ کیسا دیوانہ ہوا پھرتا تھا۔

"حماد۔۔۔" اس کے لبوں سے بے ساختہ سرگوشی نکلی اور وہ اس بے خبر سوتے حماد کے سینے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ آنکھیں موندیں تو وقت الٹے پاؤں چلا گیا۔ وہاں جہاں اس کے محبوب اس کے سائیں۔ اس کے شوہر کی محبتیں پل پل اس پر نچھاور ہو رہی تھیں۔ اس روز حماد نے بڑی فرمائش کر کے اسے ساڑھی باندھنے کو کہا تھا۔

"حماد! سچ مانیں میں نے کبھی بھی ساڑھی نہیں باندھی۔" وہ عجیب کشمکش و پیچ میں تھی۔

"تو اب باندھ لو نا۔۔۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ شرارت سے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"پلیز۔۔۔ یہ میری خواہش ہے۔" وہ ہاتھ میں اس ساڑھی کا ہینگر لیے کھڑا تھا جو اس نے اپنی پسند سے

خریدی تھی۔ نیوی بلیو کلر کی ہلکے ستاروں کے کام والی جھلمل جھلمل کرتی ساڑھی مزنہ نے جب اسے پہنا تو کتنی دیر تک وہ مارے شرم کے ڈریسنگ روم سے باہر ہی نہ آسکی تھی۔ اسے اس سے شرم آتی تھی جس کے لیے اللہ نے اس کا وجود تخلیق کیا تھا اور جس کی خاطر بناؤ سنگھار کا اسے اس کے دین نے حکم بھی دے رکھا تھا۔ بمشکل قدم قدم کر کے وہ باہر آئی تو وہ سراپا بے تاب کھڑا تھا۔ اور پھر کتنی ساعتیں ان کے درمیان چپ بن کر بیت گئی تھیں۔

دونوں نے کچھ بھی نہ کہا تھا مگر دونوں سن رہے تھے۔ حماد کی نظریں بول رہی تھیں اور مزنہ کی سانسیں ان ان کہے لفظوں کو چن رہی تھیں۔ جن میں مزنہ کے لیے ستائش تھی محبت تھی بے پناہ شدت اظہار کی خواہش بھی تھی۔ لیکن بیچ کی وہ دیوار جو مزنہ نے پہلے روز سے اپنے اور حماد کے درمیان کھینچ دی تھی وہ اس وقت بہت ہی اونچی اور بڑی ہو چکی تھی۔ شیشے کی وہ دیوار جس کی دوسری جانب کھڑی مزنہ کو حماد دیکھ سکتا تھا۔ چھو بھی سکتا تھا مگر اس کی انگلیاں اس شیشے کی دیوار پر ہی چپک جاتی تھیں اور ان سے اٹھتی لمس کی حرارتیں وہیں بھاپ بن کر رہ جاتی تھیں۔

وہ جو مزنہ کو اپنی روح سے چاہتا تھا اس نے اپنے جذبات کے سب طوفان کو اپنی محبوب جاں کی تمنا کے سامنے سرنگوں کر دیا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ اس کی ملکیت بن چکی تھی۔ اس کا اس پر حق تھا۔ لیکن اس نے وہ تمام حقوق آنے والے ان لمحوں کے نام محفوظ کر دیے تھے جن کا اسے پورا بھروسہ تھا کہ وہ جلد ہی آجائیں گے ہائے مگر وہ قربتوں کے حسین لمحات اس کے ہاتھ سے ریشمی ڈور کے آخری سرے کی طرح پھسل کر چھوٹ گئے۔

پھر وقت کی سنگینی میں وہ ریشم ایسا الجھا کہ قربتیں خواب ہو کر رہ گئیں۔

مزنہ نے اپنی گردن پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے شیشے کی اس دیوار سے پار ہو کر اس پر ثبت ہونے والے اس ایک لمحے کو چھو کر دیکھا جو اس شام حماد کے لبوں سے اس کی گردن پر ثبت ہو گیا تھا کچھ اس طرح سے شہ رگ پر ستارہ بن کر چمکنے لگا تھا زندگی بن کر ٹھہر گیا تھا اور پھر نبض دل کو تھام کر بیٹھ گیا تھا دھڑکنوں میں گھنگرو بن کر بجنے لگا تھا۔ جس کی کھنکتی آواز اب اس کے لیے زندہ رہنے کا احساس تھی۔ وہ مہر محبت آج بھی اسی جگہ موجود تھی ویسی ہی جان گداز اور دل آفریں۔ اس مہر کو چھوتی ہوئی مسکرا دی۔

"حماد! میں نے قربتوں کے زمانے میں آپ کو فاصلوں میں رکھا مجھے معاف کر دینا۔ مگر اب وہ لمحے جلد ہی لوٹ آئیں گے اور میں ہجر۔ کی ساری تلخی آپ کو بھلا دوں گی وعدہ۔"

اس نے اپنی گردن سے ہٹائی ہوئی انگلیوں کو اپنی آنکھوں سے لگا لیا جو پارس ہو چکی تھیں وہ اٹھی اور اپنی خالہ جان کو وہ خواب سنانے چل دی جس نے اسے آج کی سحر نوید مسرت دی تھی اور زاد راہ دے دیا تھا۔ جس کے چند قدموں پر ہی حماد کھڑا تھا صحت مند اور مکمل حماد۔

"خالہ جان! مجھے مکمل بھروسہ ہے کہ حماد صحت یاب ہو جائیں گے۔ آپ ہامی تو بھریں۔" وہ اپنا خواب سنانے کے بعد مسیلہ خاتون کو راضی کر رہی تھی۔

"مزنہ! مجھے شک نہیں ہے کہ جو تم کہہ رہی ہو وہ نہیں ہو گا۔ میرا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر اتنا ہی کامل ایمان ہے جتنا کہ تمہارا مگر..... حماد اس طرح اس حال میں وہاں۔" وہ حماد کی معذوری کو دیکھتے ہوئے گھبرا رہی تھیں۔

"اس حال میں تو ہم انہیں لے کر جا رہے ہیں اور یہی تو اس رب سے مانگنا ہے کہ وہ انہیں بالکل ویسا ہی بنا دے جیسے وہ تھے۔" مزنہ بڑے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

"خالہ جان! وہاں ہر دعا قبول ہوتی ہے اور وہ کل کائنات کا مالک اس نے خود کہا ہے کہ جو میرے گھر آ کر مانگے گا میں اسے کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔"

وہ اپنی خالہ کو سمجھانے لگی۔

"خالہ! وہاں تو معجزے ہوتے ہی ہیں وہ وہی جگہ تو ہے جہاں بی بی ہاجرہ کی بے تابی کو دیکھ کر رب تعالیٰ نے آب زم زم جاری کر دیا تھا۔ جو تا قیامت رہے گا۔ اسی گھر کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے تو ہمارے جد انبیاء حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی۔ اسی دعا کی قبولیت پر اللہ کے محبوب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ بس میں تو اتنا جانتی ہوں کہ میں اپنے اللہ سے حماد کی صحت مندی مانگوں گی اور وہ..... وہ خالہ۔" اس کی آواز رندھ گئی اور جذبات پر قابو پانا اس کے بس میں نہ رہا۔

"چلیں نا خالہ پلیز۔" وہ گھٹنوں کے بل اپنی خالہ کے سامنے بیٹھی التجا کر رہی تھی۔

"خالہ! میرا خواب ضرور سچا ہو گا۔" وہ پھر اپنے رات والے خواب میں کھو گئی جو اس نے ابھی ابھی اپنی خالہ جان کو سنایا تھا۔

رات تو اس نے جو دیکھا وہ خواب نہیں لگتا تھا لگتا تھا وہ رات بھر سچ مچ حرم کعبہ کے گرد طواف کرتی رہی ہو اس نے دیکھا کہ حماد نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور انسانوں کے جم غفیر میں وہ اس کے قدم سے قدم ملا کر طواف کعبہ کر رہی تھی جب وہ طواف کے بعد مقام ابراہیم پر نفل ادا کرنے کے بعد اٹھنے لگی تو اس نے دیکھا کہ اس کے دادا جان اس کے سامنے کھڑے تھے۔ سفید براق احرام باندھے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"مزنہ! تم نے بہت اچھا کیا جو حماد کے ساتھ عمرے پہ چلی آئیں۔" وہ مسکرا رہے تھے اور چمکتی آنکھوں سے مزنہ کو دیکھ کر بے حد خوش دکھائی دے رہے تھے۔ یہ وہ خواب تھا جس نے مزنہ کی برسوں کی تھکن اور اندر چھپی مایوسی اور ان شکوک کو دھو ڈالا تھا جو اسے حماد کی اس معذوری اور لاچاری کی وجہ سے اکثر ستاتے رہتے تھے۔ اسے تو گویا بڑا واضح راستہ نظر آ گیا تھا۔

"خالہ پلیز خالو جان سے بات کریں نا؟" وہ اسی طرح بیٹھی ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر اتنی عاجزی اور منت سے بولی کہ مسیلہ خاتون سے اس کی یہ بے بسی دیکھی نہ گئی۔

"جانِ خالہ!" انہوں نے تڑپ کر اسے وہاں سے اٹھایا اور اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

"میں آج ہی وقار احمد سے بات کروں گی ہم ضرور چلیں گے۔" ان کے دل میں ایک دم سے تڑپ پیدا ہو گئی۔ وہاں جانے کے لیے جی یوں اچھلا کہ پھر آ کر آنکھوں میں اٹک گیا۔ اس کالی کملی والے کے گھر کو دیکھ لینے کی چاہ طلب بن گئی ایک تشنگی ایک بے کلی نے ان کے اندر بھی ہلچل مچا دی.....

"خالہ میں آج ہی ویزے کے لیے اپلائی کرتی ہوں۔" وہ اپنی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔

"آپ کا اور خالو جان کا پاسپورٹ کہاں ہے مجھے دے دیں اور 'اور حماد کا بھی۔" وہ اتاولی ہو رہی تھی۔ دیوانگی اس کے انداز سے عیاں تھی۔

"میں نکالتی ہوں پاسپورٹ تم جا کر تیار ہو تمہاری ڈیوٹی کا وقت ہونے کو ہے۔" انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیشانی چوم لی۔

"کاش خالہ' دادی جان اور امی وغیرہ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔"

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے

بہنوں کیلئے خوبصورت ناول

دل اک شہرِ جنوں

آسیہ مرزا

قیمت --- -/400 روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار، کراچی۔

جاتے جاتے وہ سیڑھیوں سے پلٹ کر آگئی اس کے دل میں یہ خیال ایک دم ہی آیا تھا۔

"ہاں کاش۔" مبیلہ خاتون بھی کچھ سوچنے لگیں۔

"مگر وہ تو تینوں خواتین ہیں۔ گھر میں کوئی مرد تو ہے نہیں۔" یہی بات سوچتے سوچتے وہ اوپر آگئی اور ہسپتال جانے کی تیاری کرنے لگی۔ پھر ہسپتال کے راستے میں بھی اسے یہ بات ہی ستاتی رہی اسے اس وقت ایک عدد بھائی کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی اور دل بے اختیار تڑپ تڑپ کر کہہ رہا تھا۔

"کاش! میرا کوئی بھائی ہی ہوتا' پھر میری ماں اور بہن بھی عمرے پر آسانی سے جاسکتیں۔" محرم کیا ہوتا ہے اور کسی بھی عورت کے لیے ایک محرم کا ہونا کس قدر ناگزیر ہوتا ہے اس کا احساس اسے بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔

"میرا تو کوئی بھائی بھی نہیں ہے۔" وہ رنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔

"فیصل! ہاں فیصل ہے نا......؟" اس کے دل میں جیسے الارم سا بجا......

"ہاں مگر وہ بھی تو محرم نہیں ہے۔" دوسرے ہی لمحے اس کا خوش ہوا دل پھر پریشان ہو کر بیٹھ سا گیا۔

"وہ لوگ نہیں جاسکتیں۔" وہ اداس دل کے ساتھ ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں گاڑی کھڑی کر کے اندر کی طرف چل دی۔

علینہ اور علی واپس واشنگٹن آگئے تھے اور آتے آتے نواز احمد کو خاص تاکید کر کے آئے تھے کہ وہ جلد از جلد واشنگٹن آجائیں اب انہیں تنہا رہنے کی ہرگز ضرورت نہیں ان کا ایک مکمل خاندان ہے انہیں ان کے ساتھ ایک چھت تلے رہنا چاہیے۔ ایک چھت تلے پورے ایک خاندان کے رہنے کا تصور مغربی دنیا میں تقریباً" ناپید ہے بلکہ ایسا سوچ کر بھی ان کی توریڑھ کی ہڈی تک سنسنا جاتی ہے وہ لوگ تو بڑی حیرت سے برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ تم لوگ کیسے ایک ہی گھر میں اتنے لوگ رہ لیتے ہو وہ بھی آپس میں خوشی اور محبت کے ساتھ وہی پردادا' دادی ماں باپ اور کئی کئی بچے جبکہ اکثر گھروں میں تو تایا چچا بھی ساتھ رہتے تھے۔ یہی خاندانی نظام مغرب کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھتا تھا اور اسی چار دیواری میں نقب لگانے کے لیے وہ بڑی بڑی کانفرنسیں کر کے پلاننگ کر رہا تھا کہ کس طرح سے مشرق کے گھروں پر سے مشترکہ خاندانی نظام کی اس چھت کو کھینچا جائے اور دوسرا ان کی عورت کو گھر سے باہر نکالا جائے..... گھر بیٹھی چادر کے تحفظ کو سمجھنے والی عورت ان کے معاشرتی نظام کی بہت بڑی ڈھال ہے۔ دونوں جگہوں پر مغرب کاری ضربیں لگا کر ہمیں کمزور کرنے کی کوششوں میں مشغول ہے کسی حد تک ان کی ضربیں ہمیں چوٹ پہنچانا شروع بھی ہو گئی ہیں لیکن صد شکر اللہ پاک کا کہ ہم ابھی کمزور نہیں ہوئے اور انشاء اللہ تعالیٰ نہ ہی کبھی ہوں گے۔

علینہ اور علی کے واشنگٹن روانہ ہونے سے چند روز قبل نواز احمد کو چوٹ لگ گئی۔ وہ برف پر سے پھسل کر گر گئے تھے اور گھٹنے پر خاصی چوٹ آگئی تھی پہلا ایک ہفتہ تو وہ چلنے پھرنے سے بالکل ہی قاصر ہو گئے تھے علی نے اپنے والد کا بہت خیال رکھا۔ وہ انہیں وقت پر خود دوا کھلاتا اور گھٹنے پر دوا کی مالش کر کے اسے موٹی پٹی سے لپیٹ دیتا شام ہوتی تو گھٹنے میں بہت درد ہونے لگتا تب علینہ ان کی ٹکور کرنے بیٹھ جاتی اور کتنی کتنی دیر تک کرتی چلی جاتی۔ انہیں مختلف اقسام کے میووں والے حلوے بنا بنا کر کھلاتی جن میں اخروٹ اور بادام کا حلوہ نہ صرف نواز احمد کو بہت پسند تھا بلکہ اس کی خوشبو پا کر تو پڑوس والے سردار جی بھی کھنچے چلے آتے تھے۔

سردار جی اور ان کی بیوی سردارنی جی کو بھی علینہ سے بہت محبت ہو گئی تھی ــــــ ہر روز گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر علینہ کے پاس آجاتیں اور اپنا دکھ سکھ کہتی رہتیں علینہ اور علی کے ساتھ ان کا خوب دل لگ گیا تھا اور جب یہ لوگ واپس آنے لگے تو سردار جی تو باقاعدہ رونے لگے جب انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ بس مہینے دو مہینے میں نواز احمد بھی اپنا کاروبار سمیٹ کے

واشنگٹن اپنے بچوں کے پاس چلے جائیں گے تو ان کی غیرت اور اپنے ہندوستانی گھرانے کے لیے محبت یکدم ہی جوش میں آگئی۔ انہوں نے بھی فٹ فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنی امریکی سو اور اس کے غلام بیٹے پر لعنت بھیج کر جلد ہی واپس انڈیا چلے جائیں گے۔

علینہ آتے ہوئے کتنے ہی سالن بنا کر فریزر میں رکھ آئی تھی جنہیں اب نواز احمد گرم کر کر کے کھاتے اور تنہائی میں اپنے بیٹے اور بہو کو یاد کر کے اداس ہو جاتے تھے..... ان کے گھٹنے میں ابھی کچھ درد باقی تھا اور کاروباری کچھ مجبوریاں بھی جن کی وجہ سے وہ یہاں رکے ہوئے تھے البتہ انہوں نے سوچ لیا تھا جیسے ہی وہ ان دونوں چیزوں سے نجات پائیں گے پھر ایک بھی پل کی دیر کیے بغیر پھر سے اڑ کر واشنگٹن پہنچ جائیں گے۔

نواز احمد بے حد بدل گئے تھے۔ انہیں علینہ کی محبت اور توجہ نے بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ جب فاصلوں میں رہے اپنے بیٹے سے جسمانی ہی نہیں ذہنی طور پر بھی دور رہے مگر جب قربتوں نے ان کے دل کو چھوا تو وہ سرتاپا بدل گئے۔ ان کا اکھڑ مزاج نرم ہو گیا اور تکبر کی جگہ بندہ پروری آگئی۔ یہ یقیناً" علینہ ہی تھی جس نے ان کے مصنوعی خول کی ساری پرتیں ایک ایک کر کے توڑ دی تھیں اور اب وہ بڑے فخر سے اپنے سارے امریکی دوستوں کو بھی کہتے تھے کہ ہمارے ہاں کی بہوئیں تمہاری بیٹیوں سے بھی کئی گنا زیادہ محبت کرتی ہیں بزرگوں سے اب تو ان کی بہو ماں بننے والی تھی علی کے بچے کی ماں۔

نواز احمد کا دل سینے میں پھڑپھڑا رہا تھا کہ وہ کب ایک ننھے سے گل گوتھنے کو دیکھیں اور ان کا یہ مچلتا ہوا دل قلابازیاں کھانے لگا۔ یہ احساس ان کے وجود کے لیے ایک گدگدی بن گیا تھا جس سے ان کے اندر کلکاریاں بھر گئی تھیں اب وہ بلاوجہ گنگناتے اور مسکراتے رہتے تھے اور وہ گول مٹول نرم نرم گوشت کا گلابی گڈا دن رات ان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتا رہتا تھا۔ وہ اپنے اس تصور کو دل کی ڈبیا میں بند کر کے رکھتے

ایک خبطی سی لڑکی کی کہانی

وہ خبطی سی دیوانی سی

آسیہ سلیم قریشی کا ایک ایسا ناول جو خواتین ڈائجسٹ میں قسط وار چھپا اور بے حد مقبول ہوا' آج بھی ہر لڑکی' ہر خاتون یہ ناول پڑھنا چاہتی ہے'

اب کتابی صورت میں چھپ گیا ہے

مجلد، خوبصورت سرورق، قیمت 400 روپے

خواتین ڈائجسٹ

اردو بازار کراچی

ملنے کا پتا

• مکتبہ عمران ڈائجسٹ اردو بازار کراچی
• لاھور اکیڈمی، 205 سرکلر روڈ بیرون اردو بازار، لاہور۔

تھے کہ مبادا کسی اور نے دیکھ لیا تو نظر ہی نہ لگا دے۔

البتہ خود ان کا جب بھی جی کرتا وہ ایک لمحہ لگائے بغیر اس ڈبا کو چپکے سے کھولتے اور اپنے اس ننھے منے محبوب کو دیکھ لیتے۔ اسے گدگدا کر خود لوٹ پوٹ ہو لیتے۔ ایسا وہ اکثر بھری محفل میں کار چلاتے وقت یا کسی لفٹ سے اوپر نیچے جاتے ہوئے یا پھر اپنے آفس میں میٹنگ کے دوران بھی کر لیتے تھے اور کسی کو پتا بھی نہ چلتا تھا۔ تنہائی میں تو خیر ان کا مشغلہ ہی یہی تھا۔

انہیں اب پتا چل رہا تھا کہ یہ جو بزرگ کہا کرتے ہیں کہ اصل سے سود پیارا ہوتا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔ انہیں بھی علی سے زیادہ اب علی کے آنے والے بچے سے پیار ہو گیا تھا جس کے استقبال کے لیے وہ جلد از جلد وہاں پہنچ جانا چاہتے تھے اور جسے گود میں لینے کے انتظار میں ان کا ایک ایک لمحہ صدی بن کر گزر رہا تھا۔ وہ اکثر آرام کرسی پر جھولتے جھولتے اخبار اپنے چہرے پر پھیلا کر دھیمے سروں میں گنگنانے لگتے۔ وہ کوئی لوری ہی ہوتی تھی جس کے بول بھی ان کے خود ساختہ ہوتے تھے۔ غرض نواز احمد کے ویرانے میں اب بہار آ چکی تھی اور خوشیوں و مسرتوں کے سرخ گلاب ان کے آنگن میں خوب مہک رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

اس روز مزنہ نے مارتھا کو جب یہ بتایا کہ وہ حماد کو لے کر عمرے کی سعادت کے لیے جا رہی ہے اور اسے پورا یقین ہے وہاں سے وہ اپنے حماد کی صحت مند زندگی مانگ لائے گی تو وہ حیران ہو کر اسے تکنے لگی۔

"کیا وہاں پر ہر دعا قبول ہوتی ہے۔"

"لازمی قبول ہوتی ہے۔ بھئی وہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ میرے اور تمہارے اللہ تعالیٰ کا گھر۔ اللہ نے اپنے بندوں سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے گھر آنے والوں کا ہر گناہ معاف کر دے گا اور ان کی ہر التجا کو قبول کرے گا۔" وہ مارتھا کو بتا رہی تھی۔

"مارتھا! وہ شہر اس کی گلیاں وہاں کی فضائیں ہوائیں رحمتوں سے بھرپور ہیں وہاں سے نبیوں پیغمبروں کا گزر ہوا۔ فرشتوں کا آنا جانا رہا اور سب سے بڑھ کر کائنات کے خالق و مالک کا گھر کعبتہ اللہ ہے وہاں۔"

وہ آنکھوں میں اس کالی کملی والے کے گھر کا تصور لاتے ہوئے بڑی سرشاری سے بولی۔ "مزنہ! میں نے سنا ہے وہ خانہ کعبہ دنیا کا خوب صورت ترین نقشہ ہے اس کی بناوٹ جیسا کوئی گھر کہیں اور نہیں ہے۔" مارتھا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مارتھا! وہ گھر کعبتہ اللہ ہے اس جیسا گھر پوری دنیا میں کہیں اور ہو ہی نہیں سکتا۔"

وہ آنکھیں موندے حرم صحن میں کھڑی اس کالے کوٹھے کو اپنے اندر سمو رہی تھی جس کے ڈھب جیسا دوسرا کوئی ایسا کوٹھا روئے زمین پر نہ تھا۔

"اچھا! کب جاؤ گی۔" مارتھا اس کی وارفتگی پر حیران تھی۔

"بہت جلد انشاء اللہ۔" اس نے بڑے وثوق سے کہا۔ مارتھا کا دل بھی فرطِ شوق سے بھر گیا۔۔۔ ایک خیال اس کے اندر پچھلے کئی روز سے چٹکیاں سی لے رہا تھا۔ اب بھی اس نے اس خیال کو چٹکی میں لے کر ذرا سا مسلا تو وہ اپنے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس کرنے لگی جس سے اس کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔

"مزنہ! کیا میں وہاں پر تمہارے ساتھ جا سکتی ہوں؟" وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ لیکن؟" مزنہ اسے کندھوں سے پکڑ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

"لیکن کیا؟" مارتھا کو لگا کسی باریک سی بھوری چیونٹی نے اس کے دل پر اپنے زہریلے دانت گاڑ دیے ہوں جس سے اس کے لہو میں ایک ارتعاش سا پھیل گیا ہو۔

"کیا۔۔۔؟" وہ دم سادھے کھڑی تھی۔

"اس کے لیے تمہیں اسلام قبول کرنا ہو گا کیونکہ اس کے گھر وہی جا سکتا ہے جو اسے سچے دل سے مانتا ہو۔"

مزنہ نے اپنی آنکھوں کو اپنے ہونٹوں کے ساتھ جوڑ کر یوں کہا کہ اسے معنی و مطالب کی تفصیل میں جانا ہی نہ پڑے۔

"اللہ کو تو میں پورے یقین سے مانتی ہوں کہ وہ ہے۔ ایک گاڈ ہے جس نے ساری دنیا کو بنایا ہے جو اس کا نظام سنبھالے ہوئے ہے۔ گاڈ تو ایک ہی ہے کیا ہمارا اور تمہارا خدا ایک نہیں ہے حضرت عیسیٰؑ نے بھی تو یہی ایجوکیشن دی تھی کہ خدا کو مانو۔" وہ اپنی تعلیمات کو بتانے لگی۔

"ہاں ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے وہ رب کائنات جس نے مجھے اور تمہیں پیدا کیا مگر مسلمان ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مان کر ان پر ایمان لایا جائے۔ جبکہ تم لوگ۔۔۔؟" وہ بات کو ادھورا چھوڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔" مارتھا نے عقیدت سے کہا مگر اس کے دل میں لگی ایک ننھی سی گرہ ابھی باقی تھی جو کھلنے کا نام ہی نہ لیتی تھی حالانکہ وہ مزنہ کے ساتھ رہتے رہتے اس کے کردار و عمل سے اتنی متاثر ہو چکی تھی کہ اس نے بے شمار اچھی عادات کو اپنا لیا تھا۔ اس نے شراب نوشی ترک کر دی تھی۔ بلکہ اب تو سگریٹ بھی نہ پیتی تھی۔ پارٹ ٹائم پاکٹ منی کے حصول کے لیے اس نے ڈیٹس پر بھی جانا چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ نہ اپنے باس کو خوش کرتی تھی نہ اپنے شوہر کو۔ وہ چرچ باقاعدگی سے جانے لگی تھی اور بائبل کو بھی پڑھتی تھی۔ یہ سب کرنے سے اس کی زندگی میں بڑی تبدیلیاں آئی تھیں اس کی بے چینی اور بے قراری کم ہو گئی ہے۔ اب اس کے اندر لالچ اور حسد بھی نہیں رہے تھے۔ مگر پھر بھی ایک پھانس تھی جو دل کے بیچوں بیچ پیوست تھی اور آتی جاتی سانسوں کے زیر و بم سے الجھتی اسے ہر لحہ چبھتی تھی وہ سوچتی تھی کہ حضرت عیسیٰ بھی تو اللہ کے پیغمبر ہی تھے اور ان پر بھی حضرت جبرئیل وحی لے کر آتے تھے۔ ان پر بھی تو ایک صحیفہ آسمانی انجیل کے نام سے اترا تھا۔ جس پر وہ لوگ ایمان لائے تھے۔ پھر مسلمانوں کو ہی فضیلت کیوں حاصل ہے۔ وہ اللہ کا گھر خانہ کعبہ وہ تو اللہ کے سارے ماننے والوں کا گھر ہے پھر ہم وہاں کیوں نہیں جا سکتے۔؟" وہ اسی گتھی میں پھر الجھ گئی جو اس کے دماغ میں مزنہ سے ملنے کے بعد اکثر بکھری رہتی تھی۔ اور جس کا گم شدہ سرا اسے مل کے بھی نہ دے رہا تھا۔

"کیا سوچنے لگیں؟" مزنہ نے اسے یوں گم صم دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں کچھ نہیں۔" وہ اسی شش و پنج میں مسکرا دی۔

"دیکھو بالکل سمپل سی بات ہے مسلمان تمام نبیوں اور پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور پھر یہ بھی ایمان لاتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی اور رسول ہیں۔" وہ اسے پیار سے اپنے پاس بٹھا کر سمجھانے لگی۔

مارتھا غور سے اس کی بات سن رہی تھی اور دل میں الجھی ریشمی گتھی میں کچھ ڈھیلا پن آتو رہا تھا مگر اس کا وہ سرا ابھی بھی گم تھا جسے کھینچنے سے وہ گتھی کھل سکتی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم اتنی گہرائی سے مذہب کو سوچنے لگی ہو۔" مزنہ اس کے ہاتھوں کو محبت سے ملائمت سے چھونے لگی جس کا لمس مارتھا اس وقت اپنی شہ رگ پہ پا رہی تھی۔ "مارتھا! میڈیکل کی تعلیم تم نے بھی حاصل کی ہے اور میں نے بھی۔ پھر تم ایک نرس کیوں رہ گئیں اور میں ڈاکٹر کیسے بن گئی۔ دیکھا جائے تو نرسیں ڈاکٹروں سے زیادہ اچھی دوائیں جانتی ہیں اور مریضوں کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔" وہ مسکراتی ہوئی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نرس کی تعلیم وہ نہیں ہوتی جو ایک ڈاکٹر حاصل کرتی ہے۔" مارتھا دھیرے سے بولی۔

"ایگزیکٹلی یہی تو بات ہے جو تم سمجھنے سے گریز کر رہی ہو دیکھو نا جو آسمانی کتابیں پہلے انبیاء پر نازل ہوئیں وہ ان مخصوص زمانوں کے لیے تھیں کیونکہ ان کے بعد اور نبیوں اور پیغمبروں نے آنا تھا۔ لیکن قرآن

پاک اللہ کی آخری کتاب اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جس کا مطلب ہے کہ اب نہ کوئی اور نبی آئے گا اور نہ ہی کتاب یعنی آسمان سے وحی کا سلسلہ اب تا قیامت ختم ہو گیا۔"

وہ آہستہ آہستہ ہولے ہولے اسے سمجھا رہی تھی "یعنی تم یہ سمجھو کہ کوئی بھی اعلا تعلیم حاصل کرتے وقت ہم جو اسپیشلائزیشن کی ڈگری حاصل کرتے ہیں جس میں اس علم کی جزئیات تک پر ہم ریسرچ کر چکے ہوتے ہیں۔ قرآن دنیا کے تمام لوگوں کے لیے تمام مذاہب کے لیے وہ اسپیشلائزیشن ہے۔ جس کو پڑھے اور مانے بغیر ہم وقت سے ہم آہنگ ہو ہی نہیں سکتے۔ مارتھا! تم ایسا کرو کہ ایک بار قرآن پاک اور سیرت نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور پڑھو۔" اس نے تجویز پیش کی۔

"مگر مجھے تو وہ زبان نہیں آتی..." مارتھا نے عربی کے متعلق کہا۔

"تو تم ان کتابوں کے پہلے انگریزی ترجمے پڑھ لو پھر انہیں ان کی زبان میں پڑھنا۔" اس نے مارتھا کی مشکل کا نہایت ہی آسان حل پیش کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی پیش کش کر دی کہ وہ اسے یہ کتابیں جلد ہی مہیا کر دے گی۔

"ٹھیک...! چلو اب ہم اس وقت ان پر تبادلۂ خیال کریں گے جب تم یہ کتابیں پڑھ لو گی..." اس نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔ جس پر وہ مطمئن ہو کر مسکرا دی۔

"اچھا مجھے ان کتابوں کا انتظار رہے گا۔ مجھے اپنے جانے سے پہلے دے کر جانا تاکہ میں انہیں تمہاری غیر موجودگی میں پڑھ سکوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کچھ اس انداز میں کہا کہ مزنہ کے دل میں اعتبار کی گھنٹیاں ایک خوشخبری کی طرح بجنے لگیں۔ وہ اعتبار جو اس کے اندر کہیں نا کہیں موجود تھا کہ ایک روز مارتھا اسلام کی طرف راغب ہو گی۔

"الحمدُ للہ۔" اس نے صوفے کی پشت سے سر ٹیک کر خود کلامی کی۔ "وہ دن جلد ہی آئے گا جب مارتھا ایمان لے آئے گی۔" انہی گھنٹیوں نے ایک ردھم سے جواب دیا تھا "انشاء اللہ تعالیٰ۔"

☼ ☼ ☼

علینہ آج کل بے حد خوش تھی بلکہ علینہ سے زیادہ علی خوش تھا اس کے تو پاؤں زمین پر نہ پڑتے تھے یہ سوچ کر کہ اس کے ہاں ایک نیا فرد آنے والا ہے۔ وہ ایک ذمہ دار باپ بننے کی زبردست ریہرسل کر رہا تھا۔ اس نے تو شاپنگ بھی شروع کر دی تھی بچے کے چھوٹے چھوٹے کپڑے کھلونے اور رنگ برنگی چیزیں وہ ہر روز ہسپتال سے واپسی پر ضرور شاپنگ کر کے آتا جس پر علینہ سرخ پڑتی مسکراہٹ دبا دبا کر کہتی۔

"علی! آپ تو دیوانے ہو گئے ہیں۔"

"جی جناب! جس کو بھی اتنی بڑی خوشی ملتی ہے وہ دیوانہ ہی ہو جاتا ہے۔ اور کیا صرف لڑکیوں کو ماں بننے کی خوشی ہوتی ہے۔ لڑکے بھی تو باپ بن رہے ہوتے ہیں۔" وہ اترا اترا کر وہ چیزیں دکھاتا ہوا کہتا۔ تو وہ اسے یوں کبھی سنجیدہ اور کبھی بچہ بنا دیکھ کر ہنس پڑتی۔

"علینہ! تم نہیں جانتیں میں تمہیں پا کر کتنا خوش ہوں اور اب اس نعمت کے ملنے کی امید نے تو مجھے ہواؤں کے ساتھ آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ دیکھو! تمہیں میں اڑتا ہوا دکھائی نہیں دیتا؟" وہ اپنے دونوں بازوؤں کو پروں کی طرح پھیلائے کھڑا تھا۔

"ارے رے ذرا ہولے اڑیں۔ پرواز نیچی رکھیں گر نہ جائیں۔" وہ آکر ان بازوؤں سے لگ گئی۔

"کبھی نہیں گروں گا۔ کبھی نہیں ڈولوں گا۔ تم جو ہو میرے ساتھ... میرے پر میری پرواز۔" وہ اس کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر بڑے زعم سے بولا اس زعم سے جو اسے علینہ کی محبت نے دیا تھا۔

"میں تو اللہ کے کرم کا شکر ادا ہی نہیں کر سکتا۔" وہ اس کے بالوں پر اپنے لب رکھے بے حد خوش تھا۔

"علی! میرا دل کرتا ہے میری بیٹی ہو۔" اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اسے واقعی بیٹیاں بہت اچھی لگتی تھیں وہ کسی بھی پیاری سی بچی کو دیکھتی تو لپک کر گود میں اٹھا لیا کرتی تھی اور کہتی۔

"یہ بچیاں کتنی اچھی لگتی ہیں پھولے پھولے فراکوں میں۔ ان کے تو کپڑے خریدنے اور میچنگ کرنے کا بہت مزا آتا ہو گا۔" وہ ایک لطف کے عالم میں کہتی تھی۔ اب بھی وہ اپنی بیٹی کے تصور میں گم تھی۔

"اچھا... حالانکہ عموماً تو لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے ہاں پہلا بیٹا ہی ہو بلکہ بیٹے ہی ہوتے جائیں۔" علی نے اس کے ریشمی بالوں کو چھوتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

"مگر میں ایسا نہیں سوچتی۔ بیٹیاں تو رحمت خداوندی ہوتی ہیں اور سب سے بڑی بات مجھے بے حد اچھی لگتی ہیں۔" اس نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"اور اگر بیٹا ہو گیا تو...؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"تو بھی ست بسم اللہ..." وہ ایک ادا سے بولی۔

"واہ بھئی واہ... میری بیوی تو بڑی کمپرومائزنگ ہے... کسی بھی چیز کی ضد کرتی ہے نہ شدید خواہش..." وہ اس کی تعریف کر رہا تھا۔

"ویسے اگر بیٹا ہو گیا تو ہم ایسا کریں گے کہ..." اس نے ٹھہر ٹھہر کر بولتے ہوئے اسے اپنے سامنے کر لیا اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر سنجیدہ سی شکل بنالی۔

"تو کیا کریں گے علی؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"تو ہم جلد ہی بیٹی کے لیے بھی ٹرائی کر لیں گے۔" وہ تیزی سے شرارت سے بولا۔

"علی آپ بھی نا..." وہ جو اس سے ایسی کسی شرارت کی توقع ہرگز نہ کر رہی تھی ایک دم سے بوکھلا گئی پھر فوراً ہی بلش ہو کر اس سے دور ہو گئی۔

"اچھا سوری۔" اس کی ایسی حالت دیکھ کر علی نے مسکراتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگا لیے۔ جس پر وہ دوبارہ یہ کہتے ہوئے کہ۔

"علی آپ بہت برے ہیں۔" اس کے کندھے سے لگ گئی۔

☼ ☼ ☼

"واسطی! میں نے واپس پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" عثمان بیگ نے سنجیدگی سے زاہد واسطی سے کہا تو وہ چونک کر کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

"یہ کیا پاگل پن ہے بھئی۔" وہ کچھ ناراضی سے بول رہے تھے۔

"پاگل پن نہیں بلکہ ہوش مندی کہو۔" عثمان بیگ بھی کھڑے ہو گئے۔

"لیکن تم جانتے ہو کہ مدیحہ کی شادی کے وقت یہ بات شرائط میں شامل تھی کہ مدیحہ پاکستان نہیں جائے گی۔" وہ جو اپنی بیٹی کے فیصلے سے اب تک لاعلم تھے بڑی رعونت سے بولے۔

"ہاں تو میرے دوست تمہاری بیٹی تو نہیں ہے وہ ہمارے ساتھ نہیں جا رہی۔" عثمان بیگ نے ذرا طنز سے کہا تھا۔

"کک کیا مطلب ہے تمہارا؟" اب زاہد واسطی گڑبڑا کر بولے۔

"تمہیں یقیناً تمہاری بیوی اور بیٹی نے اب تک نہیں بتایا۔" وہ واسطی صاحب کو کندھوں سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا نہیں بتایا۔ بیگ! تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو کھل کر بات کرو۔" وہ اس سسپنس سے گھبرا کر بولے۔

"تو سنو واسطی! تمہاری مدیحہ نے میرے بیٹے سے طلاق حاصل کر لی ہے بلکہ تمہارے امریکی قانون و قاعدے کے مطابق اس نے اپنے شوہر کو طلاق دے دی ہے۔" عثمان بیگ نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔ جس پر واسطی صاحب کے تو ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ گئے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ اپنے ماتھے پر آنے والے پسینے کو خشک کرتے ہوئے دوبارہ کرسی پر ڈھے سے گئے۔

"تمہاری آزاد خیال بیٹی کو میرا دقیانوسی اور تنگ نظر بیٹا اب ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اور ویسے بھی وہ اپنے لیے ایک امریکی مالدار کو پسند کر چکی ہے۔" انہوں نے کراہیت سے منہ دوسری جانب کرتے ہوئے کہا۔

"میری بیٹی.... اور۔" الفاظ واسطی صاحب کے گلے میں تیز دھار خنجر کی طرح پیوست ہو رہے تھے۔

"ہاں واسطی! اس تہذیب میں ہم جیسے آزاد خیال اپنے بچوں کی طرف سے جب آنکھیں موند لیتے ہیں تو پھر اگر وہ اپنی مرضی سے مغرب کی گود میں کھلونے بننے لگتے ہیں تو اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے؟" وہ بڑے دکھ سے کہہ رہے تھے۔

مدیحہ ڈینی کی محبت میں گم ہو کر اپنا سب کچھ بھلا بیٹھی تھی۔ اس نے فیصل کو چھوڑنے کے بعد تو کھل کر اس سے ملنا جلنا شروع کر دیا تھا۔ اب اسے کسی کا بھی ڈر نہ تھا۔ اس معاشرے میں ویسے بھی ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ وہاں تو اپنی مرضی سے چاہے کوئی کچھ بھی کر رہا ہے اس کے بارے میں باز پرس کرنے والا ہی مجرم کہلاتا ہے۔ ڈینی بھی بظاہر تو بہت خوش تھا اور اس پر اپنی محبتوں کو اپنی دولت کے ترازو میں تول تول کر اس پر نچھاور کر رہا تھا۔ اب مدیحہ کو اس پر اتنا اعتبار آ گیا تھا کہ وہ سچ مچ اس پر آنکھیں بند کر کے نثار تھی۔ کبھی کبھی اس پر یہ دورہ ضرور پڑتا تھا کہ ڈینی اس سے باقاعدہ شادی کر لے جس پر ڈینی ہمیشہ کی طرح اسے اپنی بانہوں میں بھر کے بڑے ہی رومان پرور انداز میں کہتا۔

"او ڈارلنگ! چھوڑو یہ شادی وادی کی باتیں.... سب دقیانوسی اور فضول ہیں۔ ہم ایسے ہی بہت خوش ہیں۔"

"مگر ڈینی شادی کر کے ہم ہمیشہ کے لیے اک دوجے کے ہو جائیں گے۔" وہ اپنے دل کے واہمے سے ڈرتی ہوئی کہتی۔

"تو کیا شادی اک دوجے کو ساتھ باندھ دینے اور ہمیشہ ساتھ رہنے کا گارنٹی کارڈ ہے۔" وہ اپنی چھوٹی انگلی سے اس کے گھنگریالے بالوں کی لٹ کو کھینچ لیتا۔

"مگر شادی ایک عزت دار سماجی بندھن ہے۔" وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی۔

"تو پھر فیصل کے ساتھ تمہاری شادی کیوں ٹوٹ گئی اور تمہیں سماج میں عزت کیوں نہ دلوا سکی۔" وہ اس کی آنکھوں میں گھس کر ہنستا اس ہنسی میں طنز ہوتا تھا جو مدیحہ کے دل کو کچوکے لگاتا مگر وہ اس کا درد جان بوجھ کر نظرانداز کر دیتی۔

"ہنی! شادی کے بعد یہ بھی تو فائدہ ہو گا کہ ہم ایک گھر میں رہیں گے۔ ہمارا اپنا گھر ہو گا۔ یوں ہوٹلوں میں تو دھکے نہ کھاتے پھریں گے۔" وہ ایک اور زاویے سے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتی۔

"چلو اگر تم ایک گھر میں رہنا چاہتی ہو تو وہ ہم دونوں مل کر خرید لیتے ہیں۔ مگر پھر گھر نہیں وہ ایک پیلس ہو گا جو میں تمہیں اپنی محبت کا تحفہ دوں گا۔" وہ بہکتے ہوئے کہتا۔ یوں اس بات پر ڈینی رضامند ہو ہی گیا اور اس نے کئی ایک گھر بھی دیکھے مگر اسے کوئی گھر پسند ہی نہ آتا۔

"او گاڈ! یہ گھر ہے یا مرغی خانہ۔" وہ ہر گھر میں کوئی نا کوئی نقص نکال دیتا۔

"ڈینی تم بہت نخرے کرتے ہو۔" مدیحہ برا مناتی۔

"میری ڈول ایسے ڈربے میں رہے گی کیا اس کا دم نہ گھٹے گا۔" وہ اس پر نثار ہو کر جواب دیتا تو وہ اس پر فخر محسوس کرتی۔ آخر کار ایک بہت مہنگے علاقے میں ڈینی کو ایک بنگلہ پسند آ ہی گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔

"دیکھا یہ ہے گھر۔" وہ اس کی طرف ستائشی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"جس میں میری گرل فرینڈ رہے گی۔"

"گرل فرینڈ کیوں؟" وہ خفا ہو گئی۔

"تو اور کیا کہوں مسز۔" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں۔" وہ ناز سے بولی۔

"مگر میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ فی الحال چند سال تو ہرگز نہیں۔ ابھی تو میرے رومانس کے دن ہیں۔ جب بوڑھا ہوں گا تو دیکھیں گے شادی کی ضرورت پڑی تو وہ بھی کر لیں گے۔" وہ اپنی ہی ترنگ میں کہہ رہا تھا۔ گھر کا سودا طے ہونے لگا تو ڈینی ایک دم بہت پریشان ہو گیا۔

"کیا ہوا ڈینی؟" مدیحہ سے اس کی پریشانی برداشت کرنا ناممکن تھا۔

"کیا کروں، کیا کروں میں؟" وہ غصے میں دیوار پر مکے برساتا ہوا بولا۔

"میں اپنے اس کنجوس بڈھے باپ کو ایک روز قتل کر دوں گا۔ مکار سانپ کہیں کا ساری دولت پر کنڈلی مار کے بیٹھا ہوا ہے۔" وہ اپنے باپ کو گالیاں دے رہا تھا۔

"لیکن ہوا کیا بتاؤ تو سہی۔" وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں اکلوتا ہوں۔ ساری دولت کا تنہا وارث پھر بھی وہ مجھے اس طرح سے پیسہ دیتا ہے جس طرح سے پاکٹ منی دیتا ہو۔" غصے سے اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ وہ اسے یوں غصے میں دیکھ کر ڈر ہی تو گئی۔

"ڈینی پلیز کول ڈاؤن۔"

"کول کیا یار، سوچا تھا وہ گھر تمہیں گفٹ کروں گا مگر وہ بڈھا مان ہی نہیں رہا۔ کہتا ہے گھر لے کر کیا کرو گے۔ گھر ہے تو سہی۔" وہ اپنے باپ کی نقل اتارتا ہوا بولا۔

"اچھا، اچھا جانے دو ہم وہ گھر نہیں خریدتے۔" وہ اسے سمجھانے کو آگے بڑھی۔

"کتنی آسانی سے تم نے کہہ دیا کہ گھر نہیں خریدتے کیوں نہیں خریدتے۔" اس نے اس کا بازو بھی جھٹک دیا۔

"مجھے وہی گھر خریدنا ہے۔ مجھے جو چیز پسند آ جائے میں اسے لیے بنا نہیں رہتا۔" وہ اس روز غصے میں اسے بھی نظرانداز کر گیا۔ وہ کہہ رہا تھا

"تم دیکھ لینا میں ایک دن اپنے اس کھڑوس کھبلو باپ کو قتل کر کے ہی رہوں گا۔" جس تیزی سے وہ گاڑی کو آگے بڑھا لے گیا اس سے اس کا یہ ارادہ صاف ظاہر تھا کہ وہ یقیناً "ایک روز ایسا کر دے گا۔ مدیحہ کی تو جان مٹھی میں آ گئی وہ بے حد پریشان سی مریم کے پاس آ گئی۔ اب پچھلے کچھ عرصے سے وہ مریم کے ساتھ ہی رہ رہی تھی۔ مریم نے جب اس کے منہ سے ڈینی کے غصے کا قصہ سنا تو وہ بھی بے حد پریشان ہو گئی بلکہ اسے اور ڈرانے لگی۔

"یہ لڑکا جو کہتا ہے کر دکھاتا ہے۔ اگر اسے یہ گھر پسند آ گیا ہے تو وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کر دے گا۔" وہ کافی کا مگ اس کے ہاتھ میں دیتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"اللہ نہ کرے۔" مدیحہ نے بے اختیار کہا۔

"تم نہیں جانتیں اسے تم سے کس قدر عشق ہے، وہ تمہارے پیار میں دیوانہ ہی تو ہے۔ تمہیں وہ گھر اس نے ہر حال میں دینا ہے۔" وہ صوفے پر دونوں پاؤں سمیٹ کر بیٹھی مدیحہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"تو میں کیا کروں، میں اسے کس طرح سمجھاؤں؟" وہ جو مریم پہ بے انتہا انحصار کرنے لگی تھی پھر اس سے مشورہ کرنے لگی۔

"تم.... تم بھی کیا کر سکتی ہو؟" وہ کچھ سوچتی ہوئی کمرے میں ٹہلتی اپنی پریشانی ظاہر کر رہی تھی۔

"تمہارے پاس اگر کچھ ہوتا تو تم وہ گھر۔" بات ادھوری چھوڑ کر وہ پہلے سے بھی زیادہ بے قراری سے کمرے میں چکر لگانے لگی۔

"تو میں کیا کرتی۔ بتاؤ نا مریم میں اس گھر کا کیا کرتی؟" وہ اپنا کافی مگ صوفے پر ہی رکھ کے اس کے ساتھ چکر لگانے لگی۔

"تو تم وہ گھر خرید سکتیں اور۔" وہ پھر ادھوری بات کر کے چپ ہو گئی۔

"مریم پلیز پہیلیاں نہ بجھواؤ یہاں بیٹھ کر بات کرو،" اس سے صبر نہ ہوا تو اس نے مریم کو پکڑ کر زبردستی صوفے پر بٹھا دیا۔

"اب بولو۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

"اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں ڈینی سے کتنی محبت ہے؟" اس نے مدیحہ سے سوال کر دیا۔

"مجھے ڈینی سے جتنی محبت ہے تم اچھی طرح سے جانتی ہو تم سے بھلا کیا بات پوشیدہ ہے۔" وہ اس کے اس سوال پر چڑ گئی۔

"مطلب یہ کہ تم ڈینی کے لیے کیا کر سکتی ہو....؟" وہ پھر بھی اوٹ پٹانگ سوال کیے جا رہی تھی۔

"میں نے ڈینی کے لیے اپنے شوہر سے طلاق لے لی۔ اپنے گھر والوں کو چھوڑ دیا، زمانے کی پروا میں نہیں

کرتی اور بتاؤ کیا کروں؟" وہ اس کے سوال پر تقریباً "سیخ پا ہو گئی تھی یہ اس کی غصیلی عادت تھی کہ بہت کم تنقید خود پر برداشت کرتی تھی۔

"اچھا کیا تم وہ گھر خرید سکتی ہو؟" مریم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ گھر۔" مدیحہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"ہاں وہ گھر..... جو تمہیں بھی بے حد پسند ہے اور ڈینی کو بھی جہاں تم دونوں محبت سے رہو گے۔" وہ اسے اکسا رہی تھی۔

"ہاں میں وہ گھر خرید سکتی ہوں۔" مدیحہ نے گھر خریدنے کی ہامی بھرلی۔

"ویری گڈ۔" مریم نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا ساتھ ہی اس کے چہرے پر خوشی کھیلنے لگی۔

"تو بس پھر تم خاموشی سے وہ گھر خرید لو اور اسے ڈینی کو گفٹ کر دو یہ کہہ کر کہ جو تحفہ تم مجھے دینا چاہتے تھے وہ تحفہ میں نے تم کو دیا۔"

مریم نے ایک اور تجویز اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"اس سے وہ تمہارا اور بھی دیوانہ ہو جائے گا۔ اور اور پھر وہ تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنا لے گا۔ ہو سکتا ہے تم سے شادی ہی کر لے۔"

"مجھ سے شادی۔" مدیحہ کی آنکھیں انہونی خوشی سے چمک اٹھیں۔

★ ★ ★

عثمان بیگ چند روز میں ہی اپنے ویزے لگوا کر پاکستان جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے اگرچہ وہ ابھی مستقل تو نہیں جا رہے تھے مگر ایک عرصے کے بعد جا رہے تھے۔ اب وہ وہاں پر کتنے دن یا مہینے رہتے ہیں اس کی انہیں کچھ خبر نہ تھی بس ان کا دل ایک دم ہی پاکستان کے لیے تڑپنے لگا تھا سو وہ پر لگا کر اڑنے کو تیار ہو گئے تھے۔ وہ اپنی ماں اور مٹی دونوں کے لیے تڑپ اٹھے تھے کہتے ہیں ماں ہو یا مٹی اس سے جدا رہنے والے بھلے صدیاں انہیں بھولے رہیں مگر لوٹ کر ان ہی کی آغوش میں آتے ہیں چاہے عمر کے آخری دنوں میں ہی آئیں۔

عثمان بیگ کو بھی یہی لگ رہا تھا کہ اب جوان کے اندر الاؤ دہکا ہے یہ وہیں جا کر ہی بجھے گا جہاں اس کی چنگاریاں دبی ہوئی تھیں..... وہ فیصل کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ پاکستان جانے سے انکاری تھا۔

"آخر تم یہاں تنہا رہ کر کیا کرو گے؟" عامرہ بیگم جب اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئیں تو بے بسی سے بولیں۔

"پہلے میں یہاں کیا کر رہا تھا؟" وہ الٹا ان ہی سے پوچھنے لگا۔

"مگر اب تو تم اکیلے رہ جاؤ گے۔" وہ اس کی ذو معنی اور طنز بھری باتوں سے زچ ہو کر کہہ رہی تھیں۔

"تنہا اکیلا آپ کو آج میں تنہا اور اکیلا نظر آ رہا ہوں حالانکہ میں بچپن سے ہی تنہا ہوں۔" اس نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا..... اس کے لہجے میں کڑواہٹ کا عنصر صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر بھی بیٹا اب تو تم پاکستان ہی چلو جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔" عامرہ نے بڑے پیار سے اسے پچکارتے ہوئے کہا جس پر وہ اور بھی سیخ پا ہو گیا۔

"رہنے دیں امی پاکستان..... پاکستان کی رٹ' جانتا ہوں آپ کو اور بابا کو ایک دم ہی پاکستان کی محبت کا دورہ کیوں پڑ گیا ہے۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑاتا ہوا مزید دور ہو گیا۔

"پاکستان ہمارا ملک ہے اور وہاں ہمارا گھر ہے۔ ہمارے اپنے ہیں..... وہاں نہ جائیں گے تو ہم کہاں جائیں گے۔"

وہ اس کی بات کا مطلب جاننے کے باوجود نظر انداز کر رہی تھیں۔

"ہاں بالکل آپ درست کہہ رہی ہیں بس ذرا ان ساری باتوں کا دھیان آپ کو دیر سے آ رہا ہے۔" وہ بھی اپنی بھڑاس نکالنے سے باز نہ آ رہا تھا۔

"دیکھو فیصل! صبح کا بھولا اگر....."

"بس رہنے دیں اماں۔" اس نے ماں کا فقرہ ادھورا ہی اچک لیا اور پھر بولا۔

"صبح اگر کوئی بھولا راستہ بھول جائے تو اسے شام کو بھولا نہ کہنے والا زمانہ اب نہیں رہا۔ اب بھول جانے والوں کو کوئی شام بھی اپنی آغوش میں پناہ نہیں دیتی۔"

وہ اپنی دانست میں ٹھیک کہہ رہا تھا۔ زمانہ واقعی ایسا ہی ہو گیا تھا۔ لیکن اس کا اندازہ محبتوں کے بارے میں غلط تھا۔ محبت کے راستے میں اگر کوئی راہی راستہ بھول کر عمر بھر بھی بھٹکتا رہے لیکن وہ جب لوٹ کر آتا ہے تو محبت اسی وارفتگی سے اسے اپنی بانہوں میں لے لیتی ہے۔

"فیصل! تیرے بابا کہہ رہے تھے کہ میں اپنے فیصل کی خوشی کو ضرور پورا کروں گا چاہے اس کے لیے مجھے اپنی ماں اور بھائی کے پاؤں بھی پکڑنے پڑیں۔" عامرہ جلد ہی اپنے اس مطلب کی طرف آ گئیں جس کا اندازہ فیصل کو تھا کہ وہ اسی غرض سے پاکستان جانے کو بے تاب ہیں۔

"امی جان! بابا سے کہہ دیجیے گا کہ اب میری کوئی خوشی نہیں..... اب میں وہ نہیں چاہتا جو آپ لوگ چاہ رہے ہیں۔ میں اپنی خود غرضی کی بھینٹ ان رشتوں اور محبتوں کو ہرگز نہیں چڑھا سکتا جو میرے لیے بے لوث ہیں۔ میرے لیے آپ ایسا مت سوچیں..... کبھی بھی نہیں اور ہرگز نہیں۔ سنا آپ نے۔"

وہ سختی سے اپنا حتمی فیصلہ سناتا ہوا باہر کو چل دیا۔

"اب مجھے کسی کی خواہش نہیں۔ اب مجھے کسی سے محبت نہیں۔ آپ لوگ بھی میری فکر کرنی چھوڑ دیں۔"

وہ چلا گیا اور عامرہ بیگم اس کے شکستہ قدموں اور ڈھیلے کندھوں پر طاری برسوں کی تھکن کو دیکھ کر کتنی ہی دیر روتی رہیں وہ تھکن جو اس کے بچپنے میں ہی اس کی ساتھی ہو گئی تھی اکیلا پن اور تنہائی تو اس کے ساتھ پل کر جوان ہوئی تھیں۔

واقعی وہ تو برسوں سے اس کا شکار تھا یہ کوئی نئی بات تو نہ تھی۔ بچپن میں جب وہ کلکاریاں مارنے اور کھیلنے کی عمر میں تھا تب عامرہ بیگم کو ..... آزادی کے نئے نئے مشغلوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ امریکہ میں آ کر خود کو لبرل اور ماڈرن ثابت کرنے کے لیے نت نئے مشاغل اپنائی رہتی تھیں کبھی کوئی کلب کبھی کوئی پارٹی کبھی کوئی تحریک اور پھر ہوٹل چلانے کا خبط انہوں نے بھی تو اپنے بچے کا قیمتی وقت چھین کر ان الٹے سیدھے کاموں اور فضول قسم کی خواتین کے ساتھ برباد کر دیا تھا انہیں آج بے طرح سے یہ بات احساس گناہ دلا رہی تھی کہ انہوں نے اپنے بچے کا بچپن اپنی جوانی کی عیاشیوں کی نذر کر دیا تھا۔

وہ چھوٹے سے فیصل کو اندر کھلونوں کے ڈھیر پر بٹھا کر باہر سے لاک کر جایا کرتی تھیں۔ اس وقت انہیں فیصل سے کوفت ہوتی تھی جب ان کی اپنی کوئی پارٹی ہوتی اور فیصل وہاں جانے نہ دیتا۔ اور پھر خود کو اس کی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر آزاد کرنے کے لیے انہوں نے عثمان بیگ کے ساتھ پلان کر کے اسے بورڈنگ میں بھیج دیا تھا۔ بورڈنگ جس میں فیصل کے لیے احساس تنہائی کے ساتھ ساتھ اپنے والدین کے لیے بری سوچ بھی شامل ہوتی گئی۔ وہ واقعی جسمانی ہی نہیں ذہنی طور پر بھی ان سے دور ہو گیا۔

"میرا بچہ..... میرا لعل واقعی سچ کہتا ہے..... وہ تو برسوں سے تنہا ہے۔"

عامرہ بیگم اپنی کوتاہیاں یاد کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ وہ شاید آج اپنے آنسوؤں سے اپنی غلطیوں کی سیاہی دھونا چاہتی تھیں۔ مگر بھول رہی تھیں کہ جہاں لمحے نہیں ماہ و سال کالے کیے گئے ہوں وہ لمحوں کی بارش سے بھلا کب دھلتے ہیں۔ فیصل نے پاکستان نہ جانے کا جو فیصلہ کر لیا تھا اسے عامرہ کی منتیں بدل سکیں نہ عثمان بیگ کی درخواست..... وہ فیصل پر اپنی زیادتی کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے سوری بھی کہہ چکے تھے مگر وہ جانے کو تیار نہ ہوا۔ اس کا ایک ہی جواب تھا۔

"نہیں بابا جان میں پاکستان نہیں جا سکتا۔ میرے پاس وہاں جانے کا منہ ہے نہ منہ میں الفاظ..... میں ان لوگوں کو اپنا شکست خوردہ چہرہ نہیں دکھا سکتا۔ آپ مجھے معاف کر دیں اور مجھ سے خفا نہ ہوں۔ میں دوبارہ

اس موضوع پر بات نہیں کروں گی۔ پلیز ایکسکیوزمی۔" وہ واقعی ان کے ساتھ نہ گیا یہاں تک کہ عامرہ بیگم اور عثمان بیگ نیویارک سے لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔

مدیحہ کو مریم نے شیشے میں اتار بھی لیا۔ وہ ڈینی کو اپنی محبت کا یادگار تحفہ دینے کے لیے تیار ہو گئی اور اس کے لیے اب اسے ایک آگ کا دریا پار کرنا تھا۔ یعنی زاہد واسطی سے ان کی دولت میں سے اپنا حق مانگنا تھا۔ آج وہ بھی اپنے باپ کے لیے اپنے دل میں ایسے ہی جذبات محسوس کر رہی تھی جیسے وہ تین روز پہلے ڈینی کے دل میں تھے۔ وہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر اس کے پاپا نے اسے اتنی رقم آسانی سے نہ دی تو وہ کچھ بھی کر گزرے گی۔ مگر اسے پورا یقین تھا کہ اگر پاپا نہ بھی مانے تو اس کی مما لازمی اس کی مدد کریں گی وہ تو اسے پاپا سے کہیں زیادہ محبت کرتی ہیں اسی آس کی ڈور سے بندھی وہ گھر چلی آئی تھی۔

"مدیحہ تم! مائی بےبی۔۔۔ مائی ڈارلنگ۔۔۔" اس کی مما واقعی اسے دیکھتے ہی دیوانہ وار اس کی طرف لپکیں۔

"کہاں تھیں تم اتنے روز سے، ہم تمہارے لیے اتنے اداس اور پریشان تھے۔" وہ اسے سینے سے لگائے اس کا منہ چوم رہی تھیں۔

"مما! میں مریم کی طرف تھی۔" وہ عام سے انداز میں جواب دیتی ان سے اپنا آپ چھڑاتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔ اس کا ذہن بہت زیادہ الجھا ہوا تھا اور اس کی طبیعت بھی رات سے کچھ خراب تھی دل اداس سا تھا اور جسم میں بھی عجیب سا بھاری پن تھا۔

"اچھا بتاؤ کیا لو گی 'کھانا' چائے 'کافی یا پھر۔۔۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ذرا رازداری سے پوچھنے لگیں۔ "برانڈی وغیرہ۔"

"ذرا سی لے لو طبیعت کی بے کلی جاتی رہے گی۔" اس کی یہودی ذہن کی نام کی مسلمان ماں نے پوچھا۔ وہ ام الخبائث کا نام لے کر کہہ رہی تھیں کہ اسے پینے سے طبیعت کی بے کلی بے قراری میں بدل جاتی ہے۔ اس بے قراری میں جو جسم کو اکڑا کر اس کی ہڈی ہڈی توڑ ڈالتی ہے۔

"نہیں مما۔۔۔ مجھے کچھ بھی نہیں لینا۔ پلیز آپ مجھے کچھ دیر سونے دیں۔" اس نے اپنی ماں کو اپنے کمرے سے باہر ہی روک کر کہا اور پھر ایکسکیوزمی کہہ کر دروازہ بند کر لیا۔ پہلے اسے اپنے پاپا سے تو خیر بہت زیادہ نہیں مگر مما سے ضرور محبت تھی لیکن ویگاس سے آنے کے بعد اسے سوائے ڈینی کے کسی سے بھی محبت نہ رہی تھی۔ وہ ایک جست لے کر اپنے اسپرنگ دار فومی بیڈ پر گری اور ہاتھ بڑھا کر نرم تکیہ اٹھا کر اسے اپنی بانہوں میں دبا لیا۔

"سویٹ ہارٹ۔ آئی مس یو۔" وہ اسے کسی اور ہی کے تصور میں بھینچتی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ وہ سونے سے پہلے اس کو اپنی پلکوں تلے لانا چاہتی تھی اپنے پسند کے سپنے کی صورت میں۔

"شمع! اس کو اچھی طرح سے سمجھا دو کہ اب اس کی مرضی نہیں چلے گی۔ زاہد واسطی جب گھر لوٹے اور پتا چلا کہ مدیحہ گھر واپس آ گئی ہے تو وہ اس سوچ کے ساتھ اس کے کمرے میں آئے کہ اسے سمجھا سکیں مگر جب ۔۔۔۔ مدیحہ نے اپنی ہی ڈیمانڈز پیش کر دیں تو وہ نہ صرف ہکا بکا رہ گئے بلکہ ان کے تو رہے سہے حواس بھی جاتے رہے ان کی جوان بیٹی نے ماں باپ سے مشورہ کیے بغیر اپنے شوہر سے طلاق لے لی تھی اور پھر گھر بھی چھوڑ کر جانے کہاں شب و روز بسر کر رہی تھی۔ اب باپ نے ذرا سرزنش کی تو وہ گستاخی سے سر چڑھ دوڑی تھی۔

"میں جو کروں جہاں رہوں میری مرضی۔" وہ لاپروائی سے کندھے اچکاتی کہہ رہی تھی۔

"کیا مطلب تمہاری مرضی؟" واسطی بھی غصے میں تھے۔

"میری مرضی کا مطلب میری مرضی اٹس مائی لائف ناٹ یور۔ پلیز میری زندگی میں بے جا دخل مت دیں۔" وہ بدتمیز تو تھی ہی اب زبان دراز اور بے شرم بھی ہو گئی۔ باپ کے سامنے دیدے پھاڑ کے ڈھٹائی سے کھڑی تھی۔

"تو پھر جاؤ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے لیے خود کماؤ۔ پتا چل جائے گا زندگی گزارنے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔" زاہد واسطی نے بھی ایک پیسہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

"یہ ساری دولت میری ہے آپ مجھے میرا حق دینے سے انکار کر رہے ہیں؟" وہ گستاخی سے چیخ کر ان کے سامنے تن گئی۔

"تمہیں یہ کس نے کہا کہ یہ دولت تمہاری ہے" وہ انتہائی سرد مہری سے پوچھ رہے تھے۔

"اور۔۔۔ اور کس کی ہے اور آپ کے کون سے بچے ہیں۔ بولیں اور کون ہے آپ کا؟" وہ دھونس جما رہی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم میرا کوئی نہیں۔ میری تو تم بھی نہیں۔" وہ اسی طرح برف رہے۔

"اچھا۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر سیدھی ان کی آنکھوں میں گھسنے لگی یہ انداز بڑا جارحانہ اور دکھی کر دینے کی حد تک بدتمیزی لیے ہوئے تھا۔ بحیثیت ایک باپ کے زاہد واسطی کے لیے یہ شرم کا مقام تھا اور تضحیک کا بھی۔

"تو پھر ساری دولت کس کو دیں گے؟" وہ اسی انداز سے جرح کر رہی تھی۔

"کسی بھی ٹرسٹ کو دے دوں گا۔ مگر تمہیں نہیں دوں گا۔ مائنڈ اٹ یاد رکھنا۔" وہ اس کے کندھے کو پکڑ کر سختی سے جھنجھوڑتے باہر نکل گئے۔

"مائی فٹ۔۔۔ مائی فٹ میں دیکھ لوں گی۔ آپ کیسے ایسا کریں گے؟" وہ بھی ان کی اولاد تھی دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں بلکہ خود دھمکی دینے والی تھی۔ "مما سمجھا لیں پاپا کو۔۔۔۔ اتنے چیپ نہ ہوں ورنہ میں ان سے بھی۔"

وہ بات کو ادھوری چھوڑ کر پاؤں پٹختی ہوئی دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر کے زور زور سے چلانے لگی۔

"میں شوٹ کر لوں گی خود کو اور پاپا کے خلاف FIR کٹوا کر مروں گی کہ انہوں نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ پاپا انتہا پسند ہیں۔ دقیانوسی اور ظالم ہیں پاکستانی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

I Hate Pakistani" وہ ہذیان بک رہی تھی۔ باہر کھڑی شمع جو اس کی باتیں سن رہی تھیں دوڑی دوڑی زاہد واسطی کے پاس گئیں اور ڈرامے کے انداز میں شور و غل مچانے لگیں۔

"زاہد! وہ خودکشی کر لے گی۔۔۔ وہ خود کو مار لے گی۔"

"تو مار لینے دو اچھا ہے خود کو خود ہی ختم کر لے۔ ایسی اولاد کا کیا کرنا جو والدین کے لیے باعث شرم ہو۔" وہ پہلے ہی پریشان تھے بیوی کی چیخ و پکار سن کر اور تپش ہو

"کیا کہتے ہو واسطی؟" وہ جو آج پہلی بار واسطی صاحب کا یہ روپ۔ یہ غصہ اور یہ انداز دیکھ رہی تھیں حیران رہ گئیں۔

"کہا نا مر جانے دو۔۔۔ ورنہ میں اسے خود شوٹ کر دوں گا۔ اس لڑکی نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا میری برسوں کی دوستی بھی خراب ہوئی اور کاروبار بھی خاک ہو گیا۔ پتا ہے تمہیں بیگ سب کچھ ختم کرنا چاہتا ہے وہ اپنے حصے کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کی دھمکی دے کر پاکستان چلا گیا ہے۔" وہ اپنی بیوی کو اس کی لاڈلی بیٹی کے کرتوتوں سے ہونے والا نقصان بتانے لگے۔

"واسطی! وہ لوگ اس قابل تھے ہی نہیں کہ میری بیٹی۔"

"بکواس بند کرو وہ لوگ۔۔۔" واسطی صاحب نے ان کا ادھورا جملہ اپنے غصیلے لہجے میں پورا کیا۔

"یہ تمہاری لاڈلی ہی اس قابل نہیں تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ رہتی۔ اپنی آوارہ اور بدکردار بیٹی کے کارنامے تو ذرا دیکھو 'اس کے بارے میں جانو تو سہی تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ کیا کرتی پھرتی ہے۔" وہ غصے میں آگ بگولہ ہوئے شمع پر برس رہے تھے۔

(باقی آئندہ)

☼ ☼

شعاع عبیر

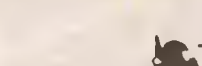

کرن کرن خوشبو

روزے کا اجر و ثواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"روزے اللہ کے لیے ہیں صبح اور سچے روزے دار کا ثواب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔"

گناہوں کا مٹنا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے تھے کہ۔

"اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو اور وہ ہر روز پانچ مرتبہ اس میں نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ نہانا اس کے میل کو باقی رکھے گا؟"

صحابہ نے عرض کیا کہ۔

"یہ اس کے میل کو کچھ بھی باقی نہ رکھے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا "پانچوں نمازوں کی مثال یہی ہے اللہ ان کے ذریعے سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

نیلم شاہ' حجرہ شاہ مقیم

طاقت ور امین

حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ ایک غلام نے بیان کیا۔

"ایک دفعہ ہم کہیں جا رہے تھے۔ میں حضرت عثمانؓ کے پیچھے سوار تھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صدقات والے باڑے میں آئے۔ اس دن سخت گرمی تھی اور سخت لو چل رہی تھی۔ ہمیں ایک آدمی نظر آیا جس نے تہمد اور چادر اوڑھی ہوئی تھی اور اپنے سر کو چادر سے لپیٹ کر اونٹوں کو ہانک کر اس باڑے میں لا رہا تھا' جہاں صدقے کے اونٹ رکھے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں یہ کون ہے؟"

میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جب ہم آپؓ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"خداوند کریم کی قسم' یہ طاقت ور امین ہیں۔"

مشکلات کا حل

ڈاکٹر نوسین ہل نے ایک جگہ لکھا ہے۔

"مجھے زندگی میں اس عجیب و غریب حقیقت کا احساس ہوا کہ اگر آپ اپنی مشکلات پر قابو پانا چاہتے ہیں تو ایسے شخص کو تلاش کیجیے جو آپ سے زیادہ مسائل میں الجھ گیا ہو۔ اس کا ہاتھ بٹائیے اور معاوضے سے بے نیاز کام کیجیے۔ آپ کے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ یہ ایک سیدھا سادا طریقہ ہے لیکن اس میں بلا کی قوت اور قدرت ہے اور انسان اس میں کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ ایک ناقابل عمل فارمولا نظر آتا ہے لیکن اگر آپ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو اس کی حقیقت آپ پر خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔ آپ دوسروں کی مدد کیجیے پھر دیکھیے کہ کتنے لاتعداد مواقع آپ کو حاصل ہو جاتے ہیں۔"

بادشاہ کی وصیت

بادشاہ اورنگزیب عالمگیر قرآن کریم کے حافظ تھے۔ بہت اچھے قاری بھی تھے۔ عربی لکھنے کے ماہر تھے۔

روزانہ قرآن شریف لکھتے تھے۔ حکومت کے کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ سے قرآن پاک کے کئی نسخے لکھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی کتابت اور ٹوپیوں کی سلائی سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے۔ 94 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ مرنے سے پہلے انہوں نے جو وصیت کی وہ یہ تھی۔

☆ اس گناہ گار کو شیخ چشتیؒ کی قبر کے پاس دفن کیا جائے تاکہ گناہوں میں ڈوبے کو کچھ فیض مل جائے۔

☆ ٹوپیوں کی کمائی کے چودہ روپے بارہ آنے عالیہ بیگم کے پاس جمع ہیں۔ وہ ان سے لے کر میرے کفن پر خرچ کریں۔

☆ تین سو روپے قرآن پاک کی لکھائی کے الگ ہیں۔ وہ محتاجوں کو دے دیں اس لیے کہ قرآن پاک کی لکھائی کا معاوضہ کفن پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں' میں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں جانتا' اس لیے ان میں سے کفن دفن پر کچھ خرچ نہ کیا جائے۔

☆ مجھے ننگے سر دفن کریں تاکہ جب یہ گناہ گار ننگے سر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو تو رحمت کی نظر ہو جائے۔

☆ جنازے پر کھدر کی چادر ڈالی جائے۔

یہ وصیت بادشاہ اورنگزیب عالمگیر نے کی تھی۔ انہوں نے ہندوستان پر 51 برس حکومت کی۔

کنول شاہین' تلہ گنگ

ڈھارس

مجھے یہ بے نتیجہ بحث اچھی لگ رہی ہے
ہمارے بیچ خاموشی نے
اک بے نام جالا بن دیا تھا
آج ٹوٹا ہے
یہ تالا آج ٹوٹا ہے
تو ہم دونوں
عجب انداز کی باتوں میں الجھے ہیں
مگر دل کو یہ ڈھارس ہے
کہ ہم
اک دوسرے کو واقعی پہچانتے ہیں

(حمیرا رحمٰن)

فرزانہ سہیل' میاں چنوں

شاید آپ کے لیے

☆ نیکی کی دو شاخیں ہوتی ہیں۔ ایک خدا سے عاجزی اور محبت کا رشتہ بنانے کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کی مخلوق کی خیر خواہی پر ابھارتی ہے اور دوسری دل میں اپنی نیکی کا گھمنڈ پیدا کرتی ہے۔ انسانوں سے دور کرتی ہے اور صرف اپنی برائی کا احساس پیدا کرتی ہے۔

☆ انسان بھی عجیب شے ہے' بعض اوقات اس کی نظر میں وہ چیز بالکل بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے جس کے لیے وہ ساری زندگی جدوجہد کرتا ہے۔

☆ ادراک کا ایک لمحہ پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے مگر کبھی کبھی اپنے ساتھ یا تو زندگی کی ساری رعنائی و دلکشی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا پھر روشنی و رنگ خیرات کر جاتا ہے۔

☆ جو محبتیں ہمارے نصیب کی ہوں' دنیا کی کوئی طاقت انہیں ہم سے نہیں چھین سکتی۔ وہ ہمیں مل کے رہتی ہیں اور جو محبتیں ہمارے حصے کی نہ ہوں' انہیں ساری دنیا مل کر بھی ہمارا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔

☆ زندگی ایک پھول ہے' جو کھل جانے کے بعد مرجھا جاتا ہے۔

☆ ساری خلقت یا تو ماضی کے لیے روتی دھوتی ہے یا پھر مستقبل کے خوابوں کے لیے پریشان رہتی ہے۔ اصلی خدا کا بندہ وہ ہے' جو حال میں زندہ رہے۔ آج کی نعمتوں کا شکر ادا کرے' نہ مستقبل کے لیے پریشان ہو اور نہ ہی ماضی کا احتساب کرے۔

☆ زندگی ایک انمول موتی ہے جس کی قیمت آج تک کوئی ادا نہیں کر سکا۔

☆ انسان اپنی طرف سے پوری کوشش' پوری تدبیر اختیار کرتا ہے اور جب کامیابی اس کے قریب جا پہنچتی ہے تو دو چیزیں اس کے اور کامیابی کے درمیان حائل

ہو جاتی ہیں۔ ایک موت اور دوسری تقدیر۔

بے خبری

ملتان کے ایک قلعے پر ایک آدمی نشے میں مست کھڑا تھا۔ اس نے ایک رکشا والے کو روکا اور کہا۔

"مجھے قلعے پر جانا ہے۔" رکشا والے نے کہا۔

"بھائی صاحب! آپ قلعے پر ہی کھڑے ہیں۔" وہ آدمی نہ مانا اور برابر یہی ضد کرتا رہا کہ مجھے قلعے پر جانا ہے۔ آخر کار رکشا والے نے تنگ آکر اسے رکشا میں بیٹھنے کو کہا۔ وہ آدمی رکشا میں بیٹھ گیا۔ رکشا والے نے انجن اسٹارٹ کیا اور وہیں کھڑا گھوں گھوں کی آواز سناتا رہا پھر انجن بند کرکے اس سے بولا۔

"لو قلعہ آگیا اب اتر جاؤ۔"

وہ آدمی نیچے اترا اور جیب سے تیس روپے نکال کر رکشا والے کو دے دیے اور ساتھ ہی بولا۔

"خدا کے لیے آئندہ اتنا تیز رکشا نہ چلانا۔"

سیدہ نسبت زہرا، کروڑ پکا

پہلی جہت

سنا ہے
وقت آگے کی طرف جاتا ہے
لیکن ہم
ہزاروں سال سے
اس ایک نقطے پر کھڑے ہیں
جس کے نیچے کچھ نہیں، جس کے اوپر کچھ نہیں
تم نے چوتھی جہت بھی ڈھونڈلی
اور ہم
پہلی جہت کی جستجو میں
خاک ہو کر رہ گئے

بینش بہادر، سیالکوٹ

محبت

محبت ایک الوہی جذبہ ہے جو ہمیشہ دل کے نہاں خانوں میں بند ہوتا ہے، کبھی فنا نہیں ہوتا۔ محبت کے بگولے جب اٹھتے ہیں تو مذہب کی تمیز، دولت غربت کا فرق سب ایک ہی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ یہ تو دل کی اسیر ہوتی ہے، جہاں دل لگایا، وہیں آجاتی ہے۔ اگر محبتوں کے قدموں کو روک دو، ان کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرکے آگے نہ بڑھنے دو تو وہ چور راستے ڈھونڈ لیتی ہے یا پھر سرنگ کھود کر منزلوں تک رستے بنا لیتی ہے۔

نغمانہ، لاہور

کھلتے پھول

☆ کامیابی کے لیے محنت جتنی ضروری ہے، استقلال بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ استقلال نہ ہو تو محنت بھی ضائع چلی جاتی ہے۔ اگر تھوڑے دن محنت کے بعد تم اسے چھوڑ دو تو کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا اور تمہاری محنت بے کار چلی جائے گی لیکن اگر برابر محنت کرتے رہو تو ایک نہ ایک دن اس کا پھل ضرور ملے گا۔

☆ اگر کوئی شخص ایک جگہ زمین کھودے اور اس کے بعد چھوڑ دے پھر دوسری جگہ تھوڑی سی زمین کھودے اور اسے بھی چھوڑ دے۔ غرض عمر بھر اسی طرح زمین کھودتا رہے اور محنت کرتا رہے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یعنی زمین سے پانی نہیں نکلے گا لیکن اگر وہ ایک ہی جگہ زمین کھودتا رہے تو چند دن میں کنواں کھد جائے گا اور پانی نکل آئے گا، اسی طرح ہر کام میں ہوتا ہے۔ اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو تو مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ محنت کرو۔

(حکیم محمد سعید)

عینی قریشی، نواب شاہ

کارگر نسخہ

"یہ تم اخبار میں سے کیا کاٹ رہے ہو؟"

"ایک خبر جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص نے صرف اس لیے اپنی بیوی کو طلاق دے دی کہ وہ اکثر اس کی جیبوں کی تلاشی لیتی رہتی تھی۔"

"مگر تم اس تراشے کا کیا کرو گے؟"

"جیب میں رکھوں گا۔"

☆ ☆

شگفتہ سلیمان

مجھے یہ شعر پسند ہے

اسے انجم ———— ربوہ
ہر باب میں ملتا ہے سوالوں کی طرح تو
اس ذہن میں رہتا ہے خیالوں کی طرح تو
راہیں ہیں منور تری سوچوں کی ضیا سے
تاریک شبوں میں ہے اجالوں کی طرح تو

کنول شاہین ———— جلال پور جٹاں
سینچا ہے محبت کا چمن دل کے لہو سے
غنچے میری امید کے مرجھا نہیں سکتے

عنبر نوشین ———— گوجرانوالہ
ہمیں بجھا دے، ہماری انا کو قتل نہ کر
کہ بے ضرر ہی سہی، بے ضمیر ہم بھی نہیں

ایم۔ آر کے ———— مظفر گڑھ
نہ جانے یہ سعادت آج کس کا مقدر ہو
کبھی باندھا تھا گجرا ہم نے بھی تیری کلائی پر

ثمراء اقرار ———— کراچی
ہم جدائی کو مقدر جان کر رو دیئے بہت
ہم تیرے فرمان یوں بھی مان کے رو دیئے بہت
میں تو محبت کی کہانی کہہ رہا تھا ماجد
وہ گئے دنوں کی باتیں جان کے رو دیئے بہت

فریدہ فیض مغل ———— سیالکوٹ
جانے کون تھا جس کی بابت پہروں سوچا کرتا تھا
تجھ سے پہلے بھی میں تجھ سا چہرہ دیکھا کرتا تھا
میں نے ان ہونٹوں پر بس چپ کی مہر لگائی تھی
وہ بھی اپنے دل کی باتیں دل میں رکھا کرتا تھا

فرزانہ سہیل ———— میاں چنوں
سنا ہے تم بہاریں بانٹتے پھرتے ہو گلشن میں
اگر ممکن ہو چہروں کی خزانی ختم ہو جائے
کوئی تو دختر دہقان کی خواہش کرے پوری
کہ اس سے پیشتر اس کی جوانی ختم ہو جائے

فاکہہ فردوس ———— بہاولپور
رنج خزاں سے موج ہوائے بہار تک
وہ خواب سلسلہ تھا کہ آنکھوں کو تر کیا
ہم پر تھا ایک عشق کا سایہ کہ ساری عمر
اپنی ہی روشنی میں کیا، جو سفر کیا

آسیہ جاوید ———— علی پور چٹھہ
اے حسرت دیدار یہ کیا راز ہے آخر
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا

مدیحہ یوسف ———— کراچی
نہ جانے آج وہ کس راستے سے گھر آئے
ہے دل بضد کہ سبھی راستے سجاؤں میں چراغوں سے

ریحانہ اقبال ———— ڈگری
جب تنہائی میسر ہو تو پل بھر کو تم سوچنا
لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے ہٹ کر سوچنا
اس طرح گزریں گے کیسے زندگی کے روز و شب
تم سے ملنا کچھ نہ کہنا اور شب بھر سوچنا

صغریٰ غزل ———— مظفر گڑھ
رہتے تھے جو دل میں آئینوں کی طرح
گرے ہیں تو بکھرے ہیں کرچیوں کی طرح
جو پڑ چکی گرہ دل میں وہ کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح

کرن شفیق ———— کراچی
وہ جس قدر بھی منافق تھا پر یہ کہتا تھا
بچھڑنا ہم سے مگر پھر بھی سلسلے رکھنا

نزہت جبیں ———— کبیر والا
دل ربا گیت ساحل سناتے رہے
مہکے نزر صدا جی لبھاتے رہے
شام، تنہائی، پیلی اداسی بھری
اس سمے تم ہمیں یاد آتے رہے

سپنا مغل ——— فیصل آباد

ہم سمجھے تھے صیاد کا ترکش ہوا خالی
باقی تھا مگر اس میں ابھی تیر قضا اور
ہر خار رہ دشت وطن کا ہے سوالی
کب دیکھیے آتا ہے کوئی آبلہ پا اور

مسکان محمود ——— گدو بیراج سندھ

ہم نہ ہوں گے تو کون منائے گا تمہیں
یہ بری بات ہے ہر بات پہ روٹھا نہ کرو

سیدہ تسکین زہرا ——— ڈیرہ اسماعیل خان

ہمیں اذن گفتگو سے غم اذن گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہو جو نہ کہہ سکوں دوبارہ

شازیہ ریاض ——— گھارو

جنگل کی معصوم ہوا تھی
بستی سے حیران آئی ہے
عمر گزاری دھوکے کھاتے
پھر بھی کہاں پہچان آئی ہے

فوزیہ غزل ——— رسالہ شیخوپورہ

بارش کی طلب ہے تو سمندر کی طرف جا
یہ ابر تو صحراؤں میں برسا نہیں کرتے
پچھتاوے سے بڑھ کر کوئی آزار نہیں ہے
جب دل لگاتے ہیں تو رویا نہیں کرتے

عذرا ناصر ——— کراچی

ابھی میں سوچتا پھرتا تھا کچھ لفظوں کے بارے میں
وہ سب کچھ کہہ گیا مجھ کو اشارے ہی اشارے میں
کسی کے ساتھ اس کو دیکھ کر جتنا جلا ہے دل
جلن اتنی کہاں ہو گی جہنم کے شرارے میں

شمائلہ نذیر ——— ڈھیری

زندگی میں بہت کم ملی ہے فراز
وہ چیز جسے شدت سے چاہا میں نے

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑ پکا

اک دنیا منتظر ہے اور تیری بزم میں
اس طرح بیٹھے ہیں ہم جیسے کہیں جانا نہیں
جی میں جو آتی ہے کر گزرو کہیں ایسا نہ ہو
کل پشیماں ہوں کہ کیوں دل کا کہا مانا نہیں

نائلہ شاہ ——— ٹنڈو جام

کس قدر دکھ ہے زندگانی میں
جیسے گھل جائے زہر پانی میں
کتنی صدیوں کا درد شامل ہے
ایک انسان کی کہانی میں

سمیرا تابسب ——— چکسواری آزاد کشمیر

کہیں سے بھی مجھے تیرا سراغ مل نہ سکا
میں کتنے شہر پھرا ___ اک تیری خبر کے لیے

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات

کیسے کہوں کہ میں نے کہاں کا سفر کیا
آکاش بے چراغ، زمین بے لباس تھی
اب دھول میں اٹے ہوئے رستوں پہ ہے سفر
وہ دن گئے کہ قدموں تلے نرم گھاس تھی

ثمینہ تاج ——— کراچی

وہ تو محروم نظر ہیں جنہیں تم مل نہ سکے
تم سے سیکھی کہیں مگر ہم نے وفائیں لوگو
مہرباں ہو کے کئی بار ملے یہ موسم
ہم گئے وقت کو اب کیسے بلائیں لوگو

فرحین پرویز ——— کراچی

محبت امتیاز حسن کی خوگر نہیں ہوتی
جو نظروں میں سما جائے بھلا معلوم ہوتا ہے

بینش ——— فیصل آباد

لوگ ٹکرا کے در و بام سے مرتے نہ اگر
دیکھ لیتے کہیں وہ تیری سمندر آنکھیں
یہ شرارت بھرا لہجہ تو میری عادت ہے
تو ہر اک بات پہ یوں تم نہ کیا کرو آنکھیں

ندا ——— کراچی

اس شہر میں کال پڑا ہے وفاؤں کا
ہم نے یہی سوچ کر کسی سے محبت نہ کی

دُر ثمین ——— سرگودھا

کیا خبر تھی فصل گل کی آرزو کرنے کے بعد
عمر بھر سہنا پڑے گا زرد موسم کا عذاب

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی غزل

اب تو خواہش ہے کہ یہ زخم بھی کھا کر دیکھیں
لمحہ بھر کو ہی سہی، اس کو بھلا کر دیکھیں

شہر میں شب قدر کی ساعت آئی ہے
آج ہم بھی تیرے ملنے کی دعا کر دیکھیں

آندھیوں سے جو الجھنے کی کسک رکھتے ہیں
اک دیا تیز ہواؤں میں بھی جلا کر دیکھیں

زندگی اب تجھے سوچیں بھی تو دم گھٹتا ہے
ہم نے چاہا تھا کبھی تجھ سے وفا کر دیکھیں

دیکھنا ہے تو محبت کے عزا داروں کو
ناشناسائی کی دیوار گرا کر دیکھیں

جن کے ذروں میں ہوا ہانپ کے سو جاتی ہے
ایسی قبروں پر کوئی پھول چڑھا کر دیکھیں

رونے والوں کے تو ہمدرد بہت ہیں محسن
ہنستے ہنستے کبھی دنیا کو رلا کر دیکھیں

گڑیا شاہ، کی ڈائری میں تحریر
اک نظم

وہ نہیں ہے تو
اس کی چاہت میں

کس لیے
دن رات سنورتے ہو
خود سے بے ربط باتیں کرتے ہو
اپنا ہی عکس نوچنے کے لیے
خود الجھتے ہو، خود سے ڈرتے ہو
ہم نہ کہتے تھے
ہجر والوں سے
آئینہ گفتگو نہیں کرتا

نوشین اقبال، کی ڈائری میں تحریر
منیر نیازی کی نظم

محبت اب نہیں ہو گی
ستارے جو دمکتے ہیں
کسی کی چشم حیراں میں
ملاقاتیں جو ہوتی ہیں
جمال ابر و باراں میں
یہ ناآباد وقتوں میں
دل ناشاد میں ہو گی
محبت اب نہیں ہو گی
یہ کچھ دن بعد میں ہو گی
گزر جائیں گے جب یہ دن
یہ ان کی یاد میں ہو گی
محبت اب نہیں ہو گی
یہ کچھ دن بعد میں ہو گی

نغمانہ بٹ، کی ڈائری میں تحریر

سعید واثق کی غزل

دُنیا میں محبت کا عجب قحط پڑا ہے
ہر شخص ہی برفیلے سمندر میں کھڑا ہے

تجھ جیسا کسی آنکھ نے ہیرا نہیں دیکھا
تو میری محبت کی انگوٹھی میں جڑا ہے

رگ رگ میں اُترنے لگے فرقت کے اندھیرے
اے قریۂ جاں تجھ پہ یہی وقت کڑا ہے

اس سوچ میں ہوں پار جو اُتروں گا تو کیسے
اک ہجر کا سیلاب ہے اور کچا گھڑا ہے

وہ تیرے بچھڑ جانے کا جاں سوختہ منظر
لگتا ہے کہ ڈالی سے کوئی پھول جھڑا ہے

اے لمحۂ رخصت اسے اوجھل نہیں کرنا
اس آخری منظر سے مجھے پیار بڑا ہے

مہرین شہزاد، کی ڈائری میں تحریر
احمد فراز کی نظم

اُس نے کہا تھا سُن
عہد نبھانے کی خاطر مت آنا
عہد نبھانے والے اکثر
مجبوری یا مہجوری کی تھکن سے لوٹا کرتے ہیں
تم جاؤ
سمندر سمندر اپنی پیاس بجھاؤ
جن آنکھوں میں اُترو
جس دل میں ڈوبو
میری تنہائی تمہیں آواز نہ دے گی
مگر جب
میری خواہش اور چاہت کی لے
اتنی اونچی اور اتنی تیز ہو جائے
کہ دل رو دے
تو...
لوٹ آنا

شازیہ ارم، کی ڈائری میں تحریر
علی زریون کی غزل

جس کو دیکھے بنا آنکھوں کا گزارا بھی نہیں
دل کو اس شخص سے اب ملنا گوارا بھی نہیں

پھر مجھے اُس کے نہ ملنے کی یہ اُلجھن کیوں ہے
جب کہ وہ دوست ہے اور جان سے پیارا بھی نہیں

تو اگر خوش ہے نئے قرب کی ہمراہی میں
تیری فرقت میں بُرا حال ہمارا بھی نہیں

میں خود تم سے جُدائی کے بہانے ڈھونڈوں
اب جُدا ہیں تو قصور اس میں ہمارا بھی نہیں

خاک ہی ڈال علی ایسی غلط وحشت پر
جو تماشا بھی نہیں اور نظارا بھی نہیں

سورٹھ، کی ڈائری میں تحریر
ایوب خاور کی نظم

کوئی خواب ہے کہ سراب ہے
کوئی روز و شب کے مدار میں
کہیں رتجگوں کے شمار میں
کہیں تتلیوں کے غبار میں
کہیں چشم نم کے کنار میں
کوئی خواب ہے کہ سراب ہے
جو دل و نگاہ کے درمیاں میری آگہی کا نصاب ہے
کوئی خواب ہے کہ سراب ہے
جو دل و نگاہ کی زد میں آ کے بھی دُور ہے
جو میرے طلسمِ خیال میں
جو میرے عروج و زوال میں
کسی اَن کہی کا ظہور ہے
کہیں دُور ہے
کوئی خواب ہے کہ سراب ہے

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر
اعجاز رحمانی کی غزل

شدتِ غم میں ہنسی لب پہ سجا کر دیکھو
اک دیا تیز ہوا میں بھی جلا کر دیکھو

اپنی پلکوں پہ ستاروں کو سجا کر دیکھو
جشنِ تنہائی کسی روز منا کر دیکھو

خود تمہیں اپنے خدوخال نظر آئیں گے
یہ جو دیوار انا کی ہے گرا کر دیکھو

روز تم بزمِ تمنا سے اُٹھاتے ہو مجھے
بارِ احساس کبھی کسی روز اُٹھا کر دیکھو

تم ابھی کرب کے احساس سے ناواقف ہو
اپنی پلکوں پہ میرے خواب سجا کر دیکھو

دائرے پھیلتے جائیں گے خیالوں کی طرح
سطحِ دریا پہ کبھی نقش بنا کر دیکھو

رنگ اُتریں گے نہ اعجاز کبھی آنگن میں
تم منڈیروں پہ پرندے بھی بٹھا کر دیکھو

کنول شاہین، کی ڈائری میں تحریر
اطہر نقوی کی نظم

اب واپس پلٹنے کا عمل آغاز ہوتا ہے،

محبت جب لہو بن کر
رگوں میں سرسرائے تو
کوئی بھولا ہوا چہرہ
اچانک یاد آئے تو
قدم مشکل سے اُٹھتے ہوں
ارادہ ڈگمگائے تو
کوئی مدھم سے لہجے میں
تمہیں واپس بلائے تو
ٹھہر جانا
سمجھ لینا
کہ اب واپس پلٹنے کا عمل آغاز ہوتا ہے
کبھی تنہائیوں کا درد
آنکھوں میں سمائے تو
کوئی لمحہ گزشتہ چاہتوں کا
جب ستائے تو

کسی کی یاد میں رونا
تمہیں بھی خوں رُلائے تو
اگر تم سے تمہارا دل
کسی دم روٹھ جائے تو
کبھی ان ہونیوں کا ڈر
پرندوں کو ڈرائے تو
ہوا جب پیڑ سے اک زرد سا
پتا گرائے تو
ٹھہر جانا
سمجھ لینا
کہ اب واپس پلٹنے کا عمل آغاز ہوتا ہے

نیو سٹوڈنٹ لائبریری
نوٹ کتاب ...
جلد کرایہ وصول کیا جائیگا
Ph: ...

ریحانہ علی احمد

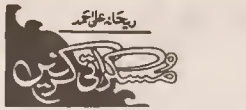

مسکراتی کرنیں

تحفہ

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔

"کل میں نے اپنے باس کو کھانے پر گھر بلایا تھا' وہ میری بیوی کے پکے ہوئے کھانے کھا کر اتنے متاثر ہوئے کہ آج صبح انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور ایک پارسل دیتے ہوئے بولے۔

"یہ میری طرف سے اپنی بیوی کو تحفے کے طور پر دینا' اس میں ڈائننگ ٹیبل پر کام آنے والی کچھ چیزیں ہیں۔"

"تمہاری بیوی تو وہ تحفہ پا کر کافی خوش ہوئی ہوگی؟" دوست نے پوچھا۔

"نہیں یار! اس نے تو آج میری ایسی خبر لی ہے کہ کیا بتاؤں۔ اس نے جب پارسل کھولا تو اس میں سے ایک آری' ایک کلہاڑی' ایک چھینی اور ایک ہتھوڑی نکلی۔" ان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر بتایا۔

ازراہ احتیاط

"اس آدمی سے جب تمہارا جھگڑا ہو رہا تھا تو اس نے تمہیں کیا کہا تھا؟"

"نابنجار' خبط الحواس۔"

"ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟"

"مجھے بھی معلوم نہیں لیکن میں نے احتیاطاً اسے ایک لات رسید کردی تھی۔"

فوزیہ ثمریٹ' گجرات

پریشانی

پاگلوں کے اسپتال میں ایک مریض نے دوسرے سے پوچھا۔

"اتنے غصے میں کیوں نظر آرہے ہو؟" دوسرے نے کہا۔

"میرے پاس ایک ہی شلوار تھی' اسے دھویا تو سکڑ گئی اور اتنی چھوٹی ہوگئی کہ پہنی نہیں جارہی۔"

"اب تم نہالو' شلوار کے سائز کے مطابق ہوجاؤ گے۔"

راحیلہ' رحیم یار خان

قابل دید

تین مرد ٹرین میں سفر کررہے تھے۔ ایک خاتون سامنے والی سیٹ پر آبیٹھیں اور انہوں نے اپنا بڑا سا سوٹ کیس مردوں کے سر کے اوپر بنے ہوئے ایک ریک پر رکھ دیا۔ ایک مرد غصے سے بولا۔

"کیوں جناب! اسے یہاں کیوں رکھا ہے۔ اٹھائیے یہاں سے۔"

"کیوں جناب؟" خاتون نے غصے اور حیرت سے پوچھا۔

"یہ کہیں میرے سر پر نہ گر جائے۔" مرد بولا۔

خاتون بے پروائی سے بولیں "بے فکر رہیں' اس میں کوئی ٹوٹنے والی چیز نہیں ہے۔"

ہما' کراچی

اصل وجہ

محسن اپنے دوست عمران کو کھانا کھلانے ایک اعلا درجے کے ریستوران میں لے گیا۔ ویٹر آیا تو محسن نے کئی اچھی اچھی ڈشوں کے نام لکھوادیے۔

ویٹر نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی' اتنے مہنگے مہنگے کھانے کھاتے ہوئے؟"

عمران ویٹر کی اس بدتمیزی پر حیران رہ گیا۔ وہ اسے تنبیہہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ محسن بے پروائی سے ویٹر سے مخاطب ہوا۔

"اباجان! اب بحث چھوڑیں اور جو میں کہہ رہا ہوں' وہ لے آئیں۔"

ندسیہ اکرم' حاصل پور

فوری اثر

کالج کے نوٹس بورڈ پر لکھا تھا۔ "فزکس کی نصابی کتاب گم ہوگئی ہے جس کی مجھے اشد ضرورت ہے' جن صاحب کو ملی ہو' وہ دیے ہوئے فون نمبر پر مطلع کردیں تو انہیں گھر کا پکا ہوا کھانا کھلاؤں گی۔"

یہ نوٹس پڑھ کر ایک طالب علم نے کتابوں کے انبار میں سے اپنی کتاب نکالی اور خوشی خوشی ان محترمہ کو فون کیا کہ

"آپ کی گمشدہ کتاب مل گئی ہے۔"

طالبہ نے جواب دیا۔

"جناب! آپ نے دیر سے رابطہ قائم کیا۔ گزشتہ تین گھنٹوں میں سات افراد کتاب ملنے کی نوید سنا چکے ہیں۔"

سیدہ نسبت زہرا' کہروڑپکا

صحیح طریقہ

ایک قبائلی شہر سے پیسے کما کر گھر جارہا تھا کہ اس کی ملاقات ایک صاحب سے ہوئی۔ انہوں نے قبائلی سے پوچھا۔

"کیوں بھئی گاؤں واپس جارہے ہو۔ کتنے پیسے جمع کیے؟"

"پانچ سو روپے۔" قبائلی نے جواب دیا۔

"ان کا کیا کروگے؟"

"تھری ناٹ تھری کی رائفل خریدوں گا۔"

"لیکن وہ تو بہت مہنگی ہے۔ اتنے پیسوں میں نہیں ملے گی۔"

"کوئی بات نہیں' باقی رقم بیوی کو بیچ کر حاصل کرلوں گا۔"

"بہت افسوس کی بات ہے۔ بیوی کو فروخت کردینا اچھی بات تو نہیں۔"

"بس مجھے رائفل خریدنے دیں۔ جوں ہی مجھے رائفل مل گئی' میں اپنی بیوی واپس لے لوں گا۔" قبائلی نے اطمینان سے جواب دیا۔

گڑیا شاہ' کہروڑپکا

خواہ مخواہ

بمبئی کے ایک سردار ایک دفعہ امرتسر گئے۔ ریلوے اسٹیشن پر نہایت ہی غصے کے عالم میں گاڑی سے اترے اور اسٹیشن سے باہر نکل گئے۔ وہاں سے ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ فوراً محلہ کرتار پورہ چل پڑے۔ ٹیکسی ڈرائیور چل پڑا۔ سردار صاحب نے مطلوبہ جگہ پہنچ کر دستک دی۔ اندر سے ایک اور سردار صاحب نکلے۔ دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں اور اس کے بعد وہ آپس میں گتھم گتھا ہوگئے اور ٹیکسی پر آنے والے سردار کی بڑی پٹائی ہوئی۔ سردار جی بڑی مشکل سے زمین پر سے اٹھے اور پگڑی اور دھوتی کو درست کرتے ہوئے دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ڈرائیور سے فوراً واپس اسٹیشن چلنے کو کہا۔ ڈرائیور جو کہ سردار جی کی درگت بنتے دیکھ چکا تھا' کہنے لگا۔

"سردار صاحب! اگر اسی کام سے یہاں آئے تھے تو یہ کام آپ کا میں اسٹیشن پر ہی کردیتا۔ خواہ مخواہ آپ نے اتنی دور آنے کی تکلیف کی۔"

امبر گل' بھنڈو

خوشخبری

مدتوں بعد جب ایک ادیب کی اپنے ایک دیرینہ رفیق سے ملاقات ہوئی تو ادیب نے یہ خوش خبری سنائی۔

"یار تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میری کتاب چھپ کر آگئی ہے۔" جواب میں دوست نے مبارک باد دی اور پوچھا۔

"کچھ بکی بھی؟" ادیب نے ٹھنڈی سانسوں کے درمیان بتلایا۔

"اب تک میری سائیکل اور گھڑی بک چکی ہے۔"
نعمانہ بٹ' لاہور

بجلی

استاد۔ "بجلی کہاں سے آتی ہے؟"
شاگرد۔ "میرے ماموں کے گھر سے۔"
استاد حیرانی سے۔ "کیسے؟"
شاگرد۔ "جب بھی بجلی جاتی ہے میرے پاپا کہتے ہیں سالوں نے پھر بجلی بند کردی۔"

حنا رئیس' لاہور

کچھ کتابوں کے بارے میں

☆ ایک مصنف نے اپنی تازہ کتاب کو اپنی شریک حیات کے نام اس طرح معنون کیا۔
☆ اپنی بیوی کے نام جس کی اعانت کے بغیر میں اپنی پہلی کتاب سے ہونے والی آمدنی کو اتنی جلدی خرچ نہ کرسکتا تھا۔
☆ تمہاری کتاب جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی ہے۔ ہر شخص اسے جلا رہا ہے۔
☆ کیا آپ نے میری آخری کتاب کا مطالعہ کیا ہے؟
☆ اللہ کرے کہ یہ آپ کی آخری کتاب ہو۔
☆ تمہاری کتاب کا انجام بڑا خوش گوار ہے۔ جب کتاب ختم ہوئی تو مجھے بے حد مسرت ہوئی۔
☆ میری نئی کتاب دو ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی ہے۔ اگر تمہیں ایک جلد کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا۔ میرے پاس دو ہزار کتابیں موجود ہیں۔ میں تمہیں ایک کتاب دے دوں گا۔"

انیقہ انا' چکوال

تحفہ

جج ملزم سے سختی سے پیش آرہا تھا' اس نے سوال کیا۔
"تم کب پیدا ہوئے تھے؟"
جج نے پھر پوچھا۔ "تمہاری سالگرہ کب ہے؟"
ملزم۔ "میں نہیں بتاؤں گا' آپ جیسے روکھے شخص سے مجھے کیا توقع ہوسکتی ہے۔ آپ نے کون سا مجھے کوئی تحفہ دینا ہے۔"

اقرا' کراچی

خواہشیں

شادی کو پچیس سال ہوچکے تھے اور جوڑا سلور جوبلی منا رہا تھا۔
تقریب کے دوران اچانک ایک پری نمودار ہوئی اور جوڑے سے کہا۔
"تم دونوں نے ہنستے کھیلتے دن بتائے ہیں' میں بہت خوش ہوں اور تمہاری ایک ایک خواہش پوری کرسکتی ہوں۔"
بیوی نے کہا۔ "میں دنیا کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔"
پری نے اپنی چھڑی گھمائی اور گونج پیدا ہوئی۔ بیوی کے ہاتھ میں ہوائی جہاز کا ٹکٹ آگیا۔ اب ساٹھ سالہ شوہر کی باری تھی۔
وہ کچھ سوچ کر شرماتے ہوئے بولا۔ "میں... میں چاہتا ہوں کہ میری بیوی مجھ سے تیس سال چھوٹی ہوجائے۔"
پری نے چھڑی ہلائی اور گونج پیدا ہوئی۔
"شوہر نوے سال کا ہوگیا۔"

سمیرا عبدالغنی بٹ' ورنجف لودھرے

معصومیت

ایک بڑے جنرل اسٹور کے مالک نے اپنے نئے ملازم کو گودام دکھایا اور یہ کہہ کر چلا گیا۔
"میاں تمہیں اس گودام میں موجود سارے سامان کی مکمل فہرست تیار کرنی ہے۔"
شام کو مالک واپس آیا اور ملازم سے پوچھا۔
"تم نے فہرست تیار کرلی؟" ملازم پسینہ پونچھ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔
"جناب! بڑا محنت طلب کام ہے۔ ابھی تو صرف پہلی بوری سے فارغ ہوا ہوں۔ اس میں اسی ہزار نو سو بیس بادام ہیں۔"

مسکان غنی' ملتان

☆ ☆

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

چکن نگٹس

اشیا :

چکن بوٹی	آدھا کلو (کیوبز بنالیں)
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
ڈبل روٹی کا چورا	ایک پیکٹ
میدہ	آدھی پیالی
چکن کیوب ملا ہوا میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
نمک	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

چکن میں تمام مسالا جات شامل کرلیں۔ اچھی طرح ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ جب گرم ہوجائے تو چکن میں ڈبل روٹی کا چورا لگا کر ہلکی آنچ میں ڈیپ فرائی کریں۔ جب گولڈن ہوجائیں تو نکال کر اخبار پر رکھیں اور ایک چٹکی بیسن چھڑک دیں۔

بیف روسٹ

اشیا :

گائے کا گوشت	دو سے ڈھائی کلو کا ایک ٹکڑا
سفید سرکہ	آدھی پیالی
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
ادرک لہسن پسا ہوا	دو کھانے کے چمچے
دہی	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
لیموں	چھ عدد

ترکیب :

گوشت کو اچھی طرح دھو کر سارے مسالا جات گوشت میں لگا کر کانٹے سے گود لیں اور ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک دیگچی لے کر مسالا لگا گوشت ڈال کر اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت پانی میں ڈوب جائے ہلکی آنچ میں ڈھانک کر پکنے دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو چھری لگا کر دیکھیں کہ گوشت گل گیا کہ نہیں۔ اگر کم گلا ہو تو پھر سے گرم پانی ڈال دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو ایک کھانے کا چمچہ سویا ساس اور ڈال دیں۔ مزے دار بیف روسٹ تیار ہے۔

ڈرم اسٹکس

اشیا :

چکن ونگز	ایک کلو (ڈرم اسٹکس بنوالیں)
چکن کیوب ملا ہوا میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
میدہ	آدھی پیالی
انڈے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ	پسی ہوئی ایک چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب :

ایک بڑے پیالے میں ڈرم اسٹکس اور ساری

اشیا اچھی طرح ملا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ جب گرم ہوجائے تو ڈرم اسٹکس ڈال کر ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی کرلیں۔ چمچہ چلاتی رہیں۔ جب گولڈن براؤن ہوجائیں تو نکال کر اخبار میں پھیلا کر رکھ دیں تاکہ چکنائی جذب ہوجائے۔ ایک چٹکی بیسن چھڑک دیں۔

فروٹ چاٹ

اشیا :

کیلے	دو عدد
سیب	دو عدد
خربوزہ	ایک عدد
انار	دو عدد
آڑو	دو عدد
انگور بڑے والے	بیس دانے
چینی	ایک پیالی
پانی	ایک پیالی
لیموں	تین عدد
چاٹ مسالا	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
سفید مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب :

ایک طعام چینی یا اسٹیل کی دیگچی لے کر چینی اور پانی ملا کر شیرا پکالیں۔ تار بننے سے پہلے اتار لیں۔ سارے پھل اچھی طرح سے دھو کر چھیل لیں اور چھوٹے چھوٹے چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔ جب شیرا ٹھنڈا ہوجائے تو ایک لیموں کا رس ڈال دیں۔ کٹے ہوئے پھلوں پر بھی لیموں کا رس ڈال کر تھوڑی سی چینی چھڑک دیں تاکہ کالے نہ ہوجائیں۔ ٹھنڈے شیرے میں پھل ڈال کر فریج میں رکھ دیں۔ جب کھانے کے لیے پیش کرنا ہو تو چاٹ مسالا اور کالی مرچ چھڑک دیں۔

سادہ پلاؤ

اشیا :

بکری کا گوشت	ایک کلو
دستی اور سینے کا گوشت لیں	
باسمتی چاول	تین پیالی
دھو کر بیس منٹ کے لیے بھگو دیں	
ادرک	ایک چھوٹا سا ٹکڑا
لہسن بغیر چھلا ہوا	ایک ڈلی (یخنی کے لیے)
نمک	حسب ذائقہ
دھنیا ثابت	ایک کھانے کا چمچہ
سونف	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
بڑی الائچی	دو عدد
تیز پات	دو عدد
پیاز (ثابت رکھیں)	دو ڈلی

ترکیب :

ایک دیگچی میں گوشت چار گلاس پانی اور تمام اشیا سوائے پیاز، لہسن اور ادرک کے باقی تمام اشیا پوٹلی میں باندھ کر ڈالیں۔ ڈال کر ہلکی آنچ میں یخنی تیار کرلیں۔ جب گوشت گل جائے تو یخنی تیار ہے۔

پلاؤ بگھارنے کے لیے :

اشیا :

پیاز (باریک کٹی ہوئی)	چار ڈلی
ادرک لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
چھوٹی الائچی	چھ عدد
ہری مرچ	چار عدد
سیاہ زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
تیل، گھی	ایک پیالی

ترکیب :

ایک دیگچی میں تیل ڈال کر پیاز گولڈن براؤن

کرلیں۔ جب گولڈن براؤن ہو جائے تو آدھی نکال کر اخبار پر پھیلادیں تاکہ خستہ ہو جائے۔ تیار کی ہوئی یخنی سے گوشت نکال لیں اور یخنی چھان لیں۔ پیاز لہسن کو دبادبا کر سارا عرق نکال لیں۔ آدھی تلی پیاز میں ادرک، لہسن، دہی، سیاہ زیرہ، ہری مرچ اور چھوٹی الائچی ڈال کر ہلکا سا بھون کر گوشت ڈال دیں دوبارہ سے ہلکا سا بھون کر یخنی ڈال دیں جب یخنی میں جوش آجائے تو بھیگے ہوئے چاول کا پانی نکال کر ڈالیں نمک اور سرکہ ڈال کر چمچہ چلا کر ڈھکن ڈھانک دیں۔ جب پانی خشک ہونے لگے تو دیگچی کو توے کے اوپر ہلکی آنچ میں دم پر رکھ دیں جب بھاپ اوپر آجائے تو تیار ہے۔ پیش کرتے وقت تلی ہوئی پیاز پلاؤ کے اوپر ڈال دیں۔ دہی کا رائتا اور اچار ساتھ رکھیں۔ جب بھی اس طریقے سے چاول پکائیں دھیان رہے کہ چاول کا پانی تقریباً" ایک ڈیڑھ انچ اوپر ہونا چاہیے چاول کھلے کھلے پکیں گے۔

دہی میں سوکھی ہوئی ہری مرچیں

ہری مرچ ایک کلو
(درمیانے سائز کی اچھی طرح دھو کر کپڑے سے پونچھ کر خشک کرلیں اور چیرا لگالیں۔)
نمک ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
ادرک لہسن پسا ہوا دو کھانے کے چمچے
سفید زیرہ کٹا ہوا ایک کھانے کا چمچہ
بھنے ہوئے چنے (باریک پیس لیں) دو کھانے کے چمچے
دہی ڈیڑھ کلو

ایک دیگچی میں دہی اور ایک گلاس پانی، زیرہ، چنے، نمک، ادرک اور لہسن اچھی طرح ملائیں۔ دھلی اور خشک مرچیں دہی میں ڈال دیں۔

یہ دھیان رکھیں کہ مرچیں دہی میں ڈوبی ہوئی ہوں۔ دھوپ میں دیگچی باہر رکھ دیں ڈھکن ڈھانک دیں۔ شام سے پہلے دیگچی اندر رکھ لیں۔ دو تین دن اسی طریقے سے دیگچی اندر باہر رکھتے جائیں۔ تین دن بعد مرچوں کو دہی سے نکال کر کسی بڑی تھالی میں ڈال کر دھوپ میں سکھالیں۔ ایک دو دن دھوپ میں رکھیں رات میں اندر، جب بالکل سوکھ جائیں تو مرتبان میں بند کر کے رکھ لیں۔ یہ مرچیں کئی دن تک استعمال کر سکتے ہیں۔ جب کھانا ہو تو تھوڑی مرچیں نکال کر کم تیل میں تل لیں جب براؤن ہو جائیں تو نکال کر کھائیں بے حد خستہ اور مزے دار مرچیں تیار ہیں۔

ڈرائی بیف چلیز

اشیاء

گائے کا گوشت ایک کلو
بڑے بڑے ٹکڑے کروالیں ایک سے دو گھنٹوں کے لیے فریز کردیں۔

ہری مرچ پندرہ عدد
(بیج نکال کر لمبی لمبی باریک کٹی ہوئی)
سویا ساس دو کھانے کے چمچے
کارن فلور ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ (کٹی ہوئی) ایک چائے کا چمچہ
سفید مرچ (پسی ہوئی) ایک چائے کا چمچہ
چینی ایک چائے کا چمچہ
چکن کیوب ملا ہوا میدہ ایک چائے کا چمچہ
سفید سرکہ ایک چائے کا چمچہ
لہسن کے جوئے چھلے ہوئے آٹھ عدد
باریک کچل لیں۔

تیل چار کھانے کے چمچے
تل کا تیل چند قطرے

فریز کیے ہوئے ٹکڑے نکال کر تیز چھری کے ساتھ باریک پارچے کاٹ لیں پھر ان پارچوں میں نمک، چینی، کالی اور سفید مرچ، سویا ساس، سرکہ، لہسن، کارن فلور اور میدہ ڈال کر اچھی طرح ملا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ لیں۔ جب کھانا نکالنا ہو تو ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں پھر مسالا لگے پارچے ڈال کر تیز آنچ پر اسٹر فرائی کرلیں جب پانی خشک ہونے لگے تو آنچ ہلکی کردیں۔ دوسرے فرائنگ پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر ہری مرچوں کو اسٹر فرائی کر کے گوشت میں ڈال دیں پھر تل کا تیل ڈال کر گرم گرم کھانے کے لیے پیش کریں۔

حسن و صحت

ادارہ

شہتوت کے خواص اور فائدے

یہ ایک عام اور معروف پھل ہے۔ بچے بڑے سب اسے شوق سے کھاتے ہیں ہمارے ملک میں یہ با آسانی اور کثرت سے کاشت کیا جاتا ہے۔ اسے اردو، پنجابی، سرائیکی اور ہندی میں توت یا شہتوت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں عام طور پر سفید اور کالے شہتوت دستیاب ہیں۔ سیاہ شہتوت کی ایک قسم بے دانہ سب سے اعلا تسلیم کی گئی ہے' اس کا رس ٹپکتا رہتا ہے اور زیادہ شیریں ہوتا ہے۔ عموماً "میٹھے" شہتوت کھانے سے طبیعت میں سکون آتا ہے۔ یہ پھل بے چینی، گھبراہٹ، چڑچڑاپن اور غصہ دور کرتا ہے۔ صالح خون پیدا کرتا ہے۔ اس کے کھانے سے جگر و تلی کی اصلاح ہوتی ہے۔ یہ بدن کو فربہ کرتا ہے۔

اگر شہتوت زیادہ مقدار میں کھا لیے جائیں، تو تھوڑی سی سکنجبین پینے سے ان کے مضر اثرات دور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کھٹے شہتوت کھا لیے جائیں تو طبیعت میں بھاری پن پیدا ہو جاتا ہے اس کے لیے تھوڑا سا شہد کھانے سے طبیعت ٹھیک ہو جاتی ہے۔

یہ ایک بین الاقوامی پھل ہے، جو کہ ہمیں مارچ کے آخر میں بازار میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ زود ہضم غذائیت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اس پھل میں مصفا پانی، گوشت بنانے والے اجزا نشاستے دار شکر شامل ہے۔ اس کے کیمیائی اجزا میں تانبا، آیوڈین، پوٹاشیم، کیلشیم، فولاد، فاسفورس اور روغنیات شامل ہیں۔ قدرت نے اس پھل کو وٹامن اے، بی اور ڈی سے بھی کثیر مقدار میں نوازا ہے۔ مزاج کے لحاظ سے حکما نے اسے سرد تر قرار دیا ہے۔

یہ قبض کشا پھل ہے' اس سے ہاضمے کو تقویت ملتی ہے' جگر کو افادیت پہنچا کر صالح خون پیدا کرنے میں یہ اکسیر و مجرب ہے۔ گرمی کی پیاس کی شدت اور ہیجانی کیفیت کو دور کرتا ہے۔ اس کا شربت بخار میں فائدہ دیتا ہے اور جسم کی حرارت کو کم کرتا ہے۔ اس کے استعمال سے بلغمی مادہ خارج ہو جاتا ہے۔ یہ شدید کھانسی، خاص طور پر خشک کھانسی میں اور گلے کی دکھن میں بے حد نفع بخش ہے۔ یہ پھل نزلہ و زکام کے علاوہ پیٹ کے جملہ امراض میں مفید ثابت ہوتا ہے۔

اس کی دو اقسام ہوتی ہیں، جن میں سیاہ اور سفید قسمیں مقبول و معروف ہیں' ان دونوں کے خواص و افعال الگ الگ ہیں۔ سفید شہتوت کو سرد و تر کہا جاتا ہے۔ یہ صفراوی مزاج کے حامل لوگوں کے لیے مفید و اکسیر ہیں۔ جبکہ دوسری قسم سیاہ شہتوت مزاج کے اعتبار سے گرم و تر ہے۔ یہ سینے کے امراض کے لیے مفید تر ہے۔

کنٹھ مالا کے لیے

شربت شہتوت، کنٹھ مالا اور زبان کی سوجن کو دور کرتا ہے۔

فربہ بدن کے لیے

خشک شہتوت کے سفوف سے روٹی تیار کر کے کھلانے سے بدن موٹا ہوتا ہے۔

خناق کے لیے

گرم اور خشک علاقوں میں رہنے والے افراد اکثر

خناق کے مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر ہر سال موسم گرما کے آغاز میں وہ متواتر دو ماہ تک صبح و شام روزانہ باقاعدگی سے چار چھٹانک شہتوت کھا لیا کریں تو اس مرض سے انہیں دفاع حاصل رہے گا۔

سر درد کے لیے

اگر کسی وجہ سے سر میں درد ہونے لگے تو یہ نسخہ استعمال کر کے دیکھیے۔ اسے سات دن تک مسلسل استعمال کریں' ایک سیر تازہ شہتوت لے کر کسی چینی کی تھال میں ڈال کر چڑھتے چاند کی چاندنی میں رکھ دیں۔ رات کو تھال کھلے آسمان کے تلے رکھیں اور صبح صادق اس پر روشنی پڑنے سے قبل انہیں نہار منہ کھا لیجیے۔ سر درد کافور ہو جائے گا۔

دبلے پن کے لیے

آج کل فکر و معاش کا زمانہ ہے۔ مصنوعی کھانوں سے تیار شدہ خوراک اور بے وقت کھانے سے دبلے پن کی شکایت عام ہے۔ کچھ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس بدنمائی کو دور کرنے کے لیے کیمکلز سے تیار شدہ شربت وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بجائے اگر وہ شہتوت کی افادیت سے مستفید ہوں تو انہیں خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔ وہ شہتوت کے موسم میں روزانہ بلاناغہ ایک پاؤ کی مقدار میں شہتوت کھا لیا کریں تو ان کے جسم پر قدرتی گوشت آجائے گا۔ جو کہ ہر طرح کی بیماریوں سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کئی اندرونی تکالیف بھی از خود غائب ہو جائیں گی۔

شدت گرمی سے جی متلانے کے لیے

موسم گرما اکثر لوگوں کو راس نہیں آتا' ادھر گرمی شروع ہوئی ادھر ان کا جسم بیماریوں کی آماجگاہ بن گیا۔ دھوپ کی تمازت جن لوگوں کو برداشت کرنے کی عادت نہیں ہوتی' ابکائیاں آئیں' دل متلی کرے' قے کی حاجت ہو مگر نہ آئے۔ سارا دن طبیعت بوجھل رہتی ہو۔ ایسے میں شہتوت سیاہ کھانے سے طبیعت پُرسکون ہو جاتی ہے۔ تازہ پھل میسر نہ ہو تو اسے خشک حالت میں کھایا جا سکتا ہے اس کی افادیت بھی وہی ہوتی ہے۔ انہیں ایک ایک گھنٹے کے بعد کھایا جائے تو مزید تقویت ملتی ہے۔

گرمی کے بخار کے لیے

اسی طرح اگر سارا دن گرمی میں کام کاج کرنے سے حرارت ہو جائے اور طبیعت بے چین محسوس ہو تو یہ بیش قیمت نسخہ استعمال کریں جو بے حد ارزاں اور خوبی کے لحاظ سے مجرب ہے۔ شہتوت کے درخت سے گیارہ پتے اتاریں' انہیں ایک گلاس پانی میں ڈال کر دھیمی آگ پر خوب جوش دیں جب پانی نصف رہ جائے تو اسے گھونٹ گھونٹ پی لیں۔ اگر اس میں ایک چمچہ عناب کا شربت بھی شامل کر لیا جائے تو اس کی تاثیر میں مزید نفع پیدا ہو جائے گا۔

منہ کے چھالوں کے لیے

معدہ و جگر میں جب گرمی بڑھ جاتی ہے تو اس کے اثرات عموماً" زبان پر چھالوں کی صورت میں پڑتے ہیں' اس کے علاوہ گلے میں درد شروع ہو جاتا ہے' متاثرہ فرد کھانے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اگر شہتوت کے درخت سے نرم نرم کونپلیں توڑ کر اچھی طرح چبائی جائیں تو منہ کے چھالے دور ہو جاتے ہیں۔

دائمی قبض کے لیے

قبض کو ام الامراض بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے کئی دوسری بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اس کے لیے شہتوت آدھ پاؤ روزانہ کھانے سے ہفتے ڈیڑھ ہفتے میں انتڑیوں کا فعل ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس طرح دائمی قبض سے نجات مل جاتی ہے۔ شہتوت کے موسم میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

الرجی کے لیے

کسی چیز کے اضافے یا کمی سے الرجی ہو جاتی ہے'

جسے عرفِ عام میں پتی کا اچھلنا بھی کہا جاتا ہے۔ جب پتی اچھلتی ہے تو سارے جسم پر سرخ رنگت کے دھپڑ پڑ جاتے ہیں جنہیں چکتے بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے جسم پر بے حد خارش ہوتی ہے اور اس کی تکلیف سے انسان پریشان رہتا ہے۔ ایسے میں کچے شہتوت لیں انہیں پیس کر جو کے سرکے میں ملائیں' اس میں تھوڑا سا عرق گلاب بھی شامل کرلیں۔ انہیں باہم اس قدر ملائیں کہ یکجان ہو جائیں۔ اس دوا کو متاثرہ جگہ پر لیپ کردیں' اس کے بیس منٹ بعد نہا لیجیے۔ پتی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

معدے کی اصلاح کے لیے

سیاہ شہتوت لیں' جو ابھی مکمل پکے ہوئے نہ ہوں' انہیں کسی سایہ دار جگہ پر رکھ کر خشک کرلیں۔ جب اچھی طرح خشک ہو جائیں تو انہیں باریک پیس لیں'

حسبِ ضرورت تین گرام سے چھ گرام تک یہ سفوف پانی کے ہمراہ استعمال کریں۔ اسے آپ عرقِ گلاب سے بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ یہ معدے کو تقویت بخشتا ہے اور اس کے افعال کو درست کرتا ہے۔ اچھے حکماء اس سفوف کا استعمال بے حد احتیاط سے کرتے ہیں۔

معدے کی کمزوری کے لیے

معدے اور آنتوں میں اگر کمزوری پیدا ہو جائے تو پیٹ کا سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ وقتاً "فوقتاً" پیٹ میں مروڑ اٹھتے ہیں' بار بار کھٹے ڈکار آتے ہیں اور پھر اکثر دست لگ جاتے ہیں۔ اس کمزوری پر قابو پانے کے لیے شہتوت سیاہ لاجواب فائدے رکھتے ہیں۔ اس کے گیارہ دانے صبح' دوپہر اور شام کو کھلانے سے مرض کم ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور کمزوری دور ہو جاتی ہے۔

ورم حلق کے لیے

حلق میں ورم کی کئی وجوہات ہوتی ہیں' اکثر خوراک کے غیر متوازن ہونے سے' یا بازاری کھانوں سے جن میں زیادہ چربی والا گھی شامل ہوتا ہے۔ اس کے لیے اگر تازہ شہتوت ملیں تو ان کا کھانا فائدہ مند ثابت ہوتا ہے' اگر موسم نہ ہو تو پنساری کی دکان سے خشک شہتوت عام مل جاتے ہیں۔ انہیں ایک چھٹانک پانی میں ڈال کر دھیمی آنچ پر ابالیں' ایک دو جوش دینے کے بعد اسے اتارلیں' اس میں سے پھل کو چن چن کر کھالیں' اس کے بعد اس پانی کو گھونٹ گھونٹ پی لیں۔ اس سے حلق کا ورم اتر جاتا ہے اور دوبارہ جلد لاحق نہیں ہوپاتا۔

حلق کے چھالے

اطبا کے مطابق شہتوت بھاری اور دیر ہضم ہے اس کا رس حلق کے چھالے دور کرتا ہے بخاروں میں گھبراہٹ و بے چینی کو دور کرتا ہے۔

ٹانسلز کے لیے

جو لوگ شہتوت شوق سے کھاتے ہیں ان کے گلے کبھی خراب نہیں ہوتے اور نہ انہیں ٹانسلز کی تکلیف لاحق ہوتی ہے۔ ان کی آواز بھی عام لوگوں سے کراری اور گونج دار ہوتی ہے۔ آپ بھی قدرت کے اس انمول تحفے سے فائدہ اٹھائیں۔

قوت ہاضمہ کے لیے

شربت شہتوت اور سفوف پیپل ملا کر پلانے سے ہاضمہ قوی ہوتا ہے۔

نزلہ و زکام کے لیے

اس موذی مرض کے لیے اور دماغی تکلیف کے لیے مریض صبح سویرے نہار منہ شہتوت سیاہ سے ناشتا کیا کریں۔ اس کے بعد شام کے وقت خمیرہ گاؤ زبان سادہ ایک تولہ کھا لیا کریں۔ اس کے چند دن کے استعمال سے دماغی خشکی اور نزلہ و زکام سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ ۱۹۷۸ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جارہے ہیں۔

ذوالقرنین

بہنا اور بھیا

سحریہ عروس ...... راولپنڈی

س "دیدہ" بھائی ذرا یہ تو بتائیں کہ آپ "دیدِ دل" کی کون سی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

ج جی ہم دیدہ دلیر ہیں۔

طلعت بانو ...... راولپنڈی

س بھیا! ایک بات تو بتائیں کہ زندگی ایک آزمائش ہے تو قیامت کیا چیز ہے؟

ج اس کا نتیجہ۔

ارم ناہید ...... کراچی

س نین جی! آنکھوں کو جھیل سے کیوں تشبیہ دیتے ہیں چشمے سے کیوں نہیں دیتے؟

ج کبھی چشمہ بہتے دیکھا ہے۔

فریدہ شاہ ...... لاہور

س بھیا! مختلف چیزیں جوڑنے کے لیے کئی سلوشن بازاروں میں دستیاب ہیں۔ لیکن ٹوٹے ہوئے انسان کو کس چیز سے جوڑا جائے؟

ج حسن سلوک کے مرہم سے۔

سیدہ ناز ...... احمد نگر

س کیا آپ کے حسن کا راز بھی فلمی ستاروں کی طرح انٹرنیشنل لکس ہے؟

ج جی نہیں یہ خداداد ہے۔

شائستہ امتیاز ...... گجرات

س دنیا کی سب سے حسین شے کون سی ہے؟

ج ہماری والدہ تو ہمیں کہتی ہیں۔

شہزادی گلناز ...... لاہور

س ذوالقرنین بھائی! کسی انسان کے اندر اگر کوئی خامی ہو تو وہ کسی اور کے اظہار کرنے پر اس تلخ حقیقت کو کبھی برداشت نہیں کرتا۔ لیکن وہ زندگی جیسی تلخ حقیقت سے کس طرح گزرتا ہے؟

ج بی بی! اتنی چھوٹی عمر میں اتنا گاڑھا فلسفہ۔

مدثرہ ناز ...... ربوہ

س کسی زمانے میں لوگوں کا خیال تھا "زندگی اک سفر ہے سہانا" مگر اب؟

ج اب سفر کے نام ہی سے ڈاکوؤں کا خیال آجاتا ہے تو!

شہنیلا صابرین ...... ملتان

شعر کا جواب دیں۔

س جس کی پیشانی پہ تحریر تھا محنت کا نصاب
سرفہرست وہی شخص ہے بے کاروں میں
کیوں صحیح ہے؟
ج بہت اچھا شعر ہے واقعی۔

زریں فرزانہ ۔۔۔ شاہ پور صدر

س بھائی جان! کیسے ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں منزل مل جاتی ہے؟
ج چلو مل کر انہیں ڈھونڈیں۔

عمرانہ بتول ۔۔۔ کبیر والا

س اگر آپ کی ملاقات شیطان سے ہو جائے تو آپ سب سے پہلے کیا کہیں گے؟
ج اب تو جان چھوڑ دو یار۔

وائے خان ۔۔۔ موڑ ایمن آباد

س سنا ہے زندگی ایک چیلنج ہے؟
ج ہاں وہ تو ہے۔

عظمیٰ افضل ۔۔۔ مردان

س بھیا! کیا یہ سچ ہے کہ روٹھ جانا محبت کی علامت ہوتی ہے؟
ج روٹھنے پر اتنے فلمی گانے بن چکے ہیں کہ یقیناً ہوگی۔

افشین ناز ۔۔۔ ماتلی

س نین بھائی! سچ کڑوا ہے تو جھوٹ؟
ج صاف امرت۔

راشدہ پروین ۔۔۔ گجرات

س ہر کوئی اپنا بدلہ دوسروں سے کیوں لینا چاہتا ہے۔ نسل در نسل یہ روایت چلی آرہی ہے کہ ایک فرد اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ دوسرے فرد سے لینا چاہتا ہے۔ کیوں! آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟
ج یقین جانیے۔ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں۔

افشاں بیگ ۔۔۔ کراچی

س بیوی کے سر پر بھوت کب سوار ہوتا ہے؟
ج یہ سوال کسی بیوی والے سے پوچھیں۔

عمرانہ اعجاز ۔۔۔ نارووال

س ذوقی بھائی! کہیں آپ ابراہیم ذوق کے خاندان سے تو نہیں؟
ج تمہیں میرے شجرہ نسب سے اتنی دلچسپی کیوں ہو گئی۔

فریدہ خان ۔۔۔ کراچی

س ذوالقرنین بھیا! لوگ عید بقر عید پر ہی کیوں گلے ملتے ہیں؟ باقی دن کس شمار میں جاتے ہیں۔
ج شکر کریں اس پر بھی مل لیتے ہیں۔

روبینہ سراج ۔۔۔ کراچی

س
جو شخص کھو گیا ہے اندھیری راہوں میں
اسی کو ڈھونڈ کے لاؤ عید آئی ہے
ج جاتے ہوئے لالٹین ضرور ساتھ لے جانا۔

روزینہ جمیل ۔۔۔ وہاڑی

س شعر کا جواب شعر میں واپس کریں۔
ہمدم کی قسم ہمدم کے لیے ہم دم سے گئے۔ ہمدم نہ ملا
زخم اتنے لگے مرہم کے لیے، مرہم بھی گئے، مرہم نہ ملا
ج آج کل جراحوں کا فیشن ختم ہو گیا ہے۔

کوثر سلطان ۔۔۔ حیدر آباد

س بھیا! آپ عید کا چاند دیکھ کر کیا دعا مانگتے ہیں؟
ج آج کل اور سب کی طرح میں بھی ٹی وی پر خبر سن کر دعا مانگ لیتا ہوں۔

سلمیٰ صدیقی جوہی ۔۔۔ کراچی

س ان کہے سوالات کا جواب کب اور کیسے ملتا ہے؟
ج اکثر تو ان کہی کا ملال ہی رہتا ہے۔

رشک حنا ۔۔۔ کراچی

س فرض کریں آپ اور آپ کی وہ' چاند رات کے دن چھت پر عید کا چاند دیکھنے آئیں۔ آپ کی وہ چھت پر عید کا چاند۔ تلاش کر رہی ہوں' اچانک ان کی نظر آپ کی چمکتی دمکتی ٹنڈ پر پڑ جائے تو؟
ج تمہیں اب تک میرے بال ہی نظر نہ آئے نالائق۔

حنا جمیل احمد ۔۔۔ کراچی

س نین بھیا! عید بھی ہو اور دید بھی ہو' لیکن پھر بھی عیدی نہ ملے تو کیا کیا جائے
ج رزق کی کشادگی کے لیے دعا

ثمینہ یاسمین جعفری ۔۔۔ کبیر والا

س "بھیا! مجازی خدا کو قابو کرنے کے لیے اگر کوئی نسخہ ہو تو بتائیں؟"
ج یہ مجھ سے نہیں کسی خاتون سے کرو۔ میں اپنی ہی ذات پر یہ ظلم نہیں کر سکتا۔

منزہ اختر ۔۔۔ گوجرانوالہ

س ذوقی بھیا! کسی بے حد کنجوس بندے سے عیدی لینے کا آسان طریقہ تو بتائیں ذرا؟
ج میں نہیں بتاتا' ورنہ سب مجھ پر ہی آزمائیں گے۔

صباحت زیدی ۔۔۔ کراچی

س ذوالقرنین بھیا! عید سعید کی خوشی میں بھائیوں کی جیب خالی کرانے کا نسخہ تجویز فرمادیں؟ عین نوازش ہوگی؟
ج بھائی کی جیب تو تم اب تک ویسے ہی خالی کرا چکی ہوگی۔

مینا کہکشاں بیگ ۔۔۔ کراچی

س آدمی کو کردار کا غازی ہونا چاہیے یا گفتار کا؟
ج آج کل تو گفتار کے غازی کامیاب ہیں۔

فرحت رشید ۔۔۔ کوٹ ادو

س زندگی میں خود احتسابی کا لمحہ کب آتا ہے؟
ج اکثر ہی آتا ہے۔ مگر انسان نظر چرا لیتا ہے۔

روبینہ ناز ۔۔۔ کراچی

س راہ محبت کانٹوں سے بھری ہوتی ہے یا پھولوں سے آراستہ؟
ج آج کل تو تحفوں سے بھری ہوتی ہے۔

عالیہ رانی ۔۔۔ حضرو

س نین بھیا! پل دن مہینے کئی سال ہو گئے۔
ج یہ والا گانا سنے ہوئے۔

انشی حسنات ۔۔۔ کمالیہ

س شب فراق کی پیمائش کیسے ناپی جائے؟
ج اکثر راتوں کو جاگ جاگ کر۔
س جو انسان انسانوں کا شکار کرتا ہے' وہ دنیا کی نظر میں کیا ہے اور دل میں کیا۔
ج سیاستدان۔

شبانہ ناز سعید ۔۔۔ کراچی

س نین بھیا! یہ لڑکیاں خواہ مخواہ ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ ورنہ آپ کسی ہیرو سے کم نہیں۔ کیا خیال ہے؟
ج میں بھی یہ سمجھاتا پھرتا ہوں زمانے بھر کو؟
س کہتے ہیں کہ عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی تو کیا مردوں کو اپنے تمام عشق بھی یاد رہتے ہیں؟ سوچ کر جواب دیجیے گا۔
ج یاد رہتے ہیں۔ بھولی بسری کہانیوں کی طرح۔

شائستہ ناز ۔۔۔ کراچی

س یہ بتائیے خواہشات بے لگام کیوں ہوتی ہیں؟
ج تم سے یہ کس نے کہا کہ خواہش کسی گھوڑے کا نام ہے۔

✲ ✲